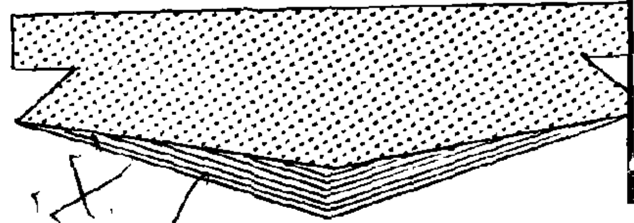
ہم محنت کش جگ والوں سے
جب اپنا حصہ مانگیں گے
ایک کھیت نہیں اک دیش نہیں
ہم ساری دنیا مانگیں گے

فیض احمد فیض





مغربی بنگال

یکم جنوری ۱۹۸۳ء

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ [illegible]

مدیر اعلیٰ : دھیریندر ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد ۳	یکم جنوری ۱۹۸۲ء	شمارہ ۱

شرح خریداری

قیمت ۔ بارہ ۱۲ پیسے فی پرچہ

سالانہ ۔ ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ :-

بزنس منیجر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور،

حکومت مغربی بنگال

۲۳، آر۔ این۔ مکھرجی روڈ

کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱



رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ کے روٹنڈا میں ۲۰ دسمبر ۱۹۸۲ء کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے زیر صدارت کل پارٹی جلسہ ۔

تصویریں از :

مدھو سودن گھوش

مغربی بنگال سے

شہری امداد باہمی تحریک

ہری داس مکھرجی (پریذیڈنٹ مغربی بنگال امداد باہمی یونین)

شہری امداد باہمی قرض سیکٹر کو امداد باہمی پر یقین کرنے والے ہندوستانی شخص کی زندگی میں بہت ہی نمایاں مقام حاصل ہے جہاں تک سماج کے نسبتاً غریب لوگوں کو امداد کی فراہمی کا تعلق ہے، یہ ہندوستانی بینک نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ نیز دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت کے فروغ، ممبران امداد باہمی سوسائٹیوں کی سماجی، معاشی حالت کی بہتری کے نقطۂ نظر سے امداد باہمی سوسائٹیاں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان بینک کا موجودہ نظام برٹش نمونہ کا ہے اور ایسے بڑے بڑے کاروباری اداروں اور چند مخصوص صنعتی اداروں کو مالی وسائل فراہم کرنے کے سلسلے میں کافی اہمیت حاصل ہے۔

غیر زرعی قرض سوسائٹیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی تنخواہ کمانے والوں کی سوسائٹی اور شہری قرض سوسائٹی۔ تنخواہ کمانے والوں یا ملازمین کی قرض سوسائٹیاں مرکزی حکومت، ریاستی حکومت کے دفتروں، عوامی اداروں، کاروباری اداروں، تعلیمی اداروں اور کارخانوں میں قائم کی جاتی ہیں۔ ان کی سرگرمیاں گھریلو مقاصد جیسے بیماری، شادی، تعلیم اور بنیادی ضرورتوں جیسی خوراک، لباس اور مکان وغیرہ کے لئے متوسط طبقہ کے لوگوں اور مزدور طبقہ کے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مرکوز ہوتی ہیں۔ تنخواہ کمانے والی سوسائٹیاں خود کو بینک کہہ سکتی ہیں اگر ان کا کاروبار پھیل جائے اور وہ غیر ممبروں سے روپے بطور تحویل قبول کریں اور بینکوں کی دیگر خدمات میں مصروف ہو جائیں۔

شہری قرض ادارہ اور خاص طور پر امداد باہمی بینک نظام نے ہندوستان کے مغربی ریاستوں میں اور چند جنوبی ریاستوں میں اور کچھ حد تک مغربی بنگال میں اچھی خاصی ترقی کی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۱ء تک مہاراشٹر میں ۳۱۲ شہری امداد باہمی بینک، گجرات میں ۲۸۳، کرناٹک میں ۱۰۸، تمل ناڈو میں ۱۲۵، آندھرا پردیش ۵۲، کیرالا میں ۳۸ اور مغربی بنگال میں صرف ۲۹ شہری امداد باہمی بینک تھے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے مرکزی، شمالی مشرقی اور شمالی مشرقی ریاستوں میں صورت حال تشفی بخش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کام کرنے کے سرمایہ اور سرمایہ تحویل کی تقریباً ۸۱ فی صد رقم صرف چار ریاستوں یعنی مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک اور تمل ناڈو میں ہے۔

اور عجیب ترین بات یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں جتنے امداد باہمی (کوآپریٹیو) بینک ہیں ان کا نصف صرف دو ریاستوں میں یعنی مہاراشٹر اور گجرات میں ہے اور ان کے پاس کل ڈپازٹ (تحویل)، ایڈوانس (پیشگی کی رقم) اور کام کرنے کے سرمایہ کی تین چوتھائی رقم ہے۔ ان علاقائی نابرابری سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شہری بینک تحریک صرف چند ہی ریاستوں میں مرکوز ہے اور جب تک کہ متوازن نشو و نما اور ترقی، جس کے لئے غیر سرکاری سربراہی اور مرکزی و ریاستی حکومتوں کی مرکوز کوشش کی ضرورت ہے، نہ ہو، اس وقت تک معاشی ترقی نہیں ہو سکے گی اور بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل نہ ہوگا۔ اس معاملہ میں تاخیر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اور ہندوستان کی غیر ترقی یافتہ ریاستوں میں حالیہ بے چینی سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ ان ریاستوں میں ناتجربہ کار سربراہوں نے اپنی ذاتی اور علاقائی مفادات کے پیش نظر ہندوستان سے الگ ہونے کی تحریک جاری کر دی ہے۔

۱۹۱۵ء میں امداد باہمی پر میک لیگن کمیٹی قائم کی گئی تھی، کیونکہ اس زمانہ میں شہری امداد باہمی بینکوں کی اہمیت کافی بڑھ گئی تھی، ایسے بینک حکومت سے مالی امداد لئے بغیر خود کفیل بن گئے تھے۔ اسی لئے مذکورہ کمیٹی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ عام طور پر بینکوں کے کام کاج کو سمجھنے کے لئے اعلیٰ اور درمیانی شہری طبقہ کے لوگوں کو تربیت دینے میں شہری قرض سوسائٹیاں بہت ہی کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد شہری امداد باہمی بینکوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے حکومت ہند اور ریزرو بینک آف انڈیا نے بہت ساری کمیٹیاں قائم کیں جیسی سنٹرل بینکنگ

۱۹۸۳ء میں عوامی تعطیلات

حکومت مغربی بنگال نے ۱۹۸۳ء سال میں مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیل کا دن قرار دیا ہے۔

یوم جمہوریہ۔ ۲۶ جنوری، شری پنچمی۔ ۱۸ فروری، دول جاترا۔ ۲۸ مارچ، گڈ فرائیڈے یکم اپریل، بنگلہ نیا سال۔ ۱۵ اپریل، بینک اکاؤنٹس کی نصف سالہ بندی۔ ۳۰ جون، عیدالفطر۔ ۱۲ جولائی یوم آزادی۔ ۱۵ اگست، جنم اشٹمی۔ ۳۱ اگست، مہالایہ۔ ۶ اکتوبر، درگا پوجا سپتمی۔ ۱۳ اکتوبر اشٹمی ۱۴ اکتوبر، نومی۔ ۱۵ اکتوبر، محرم۔ ۱۷ اکتوبر، لکشمی پوجا۔ ۲۱ اکتوبر، کالی پوجا۔ ۴ نومبر، بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی۔ ۳۱ دسمبر۔

نوٹ :- (۱) این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت اتوار کے دن عوامی تعطیلات کے دن ہوتے ہیں۔

(۲) مسلمانوں کا مذکورہ بالا کوئی بھی تہوار اگر اعلان کردہ دن میں نہ ہو، تو انھیں اس دن کے ساتھ اس دن بھی شعبہ جاتی چھٹی دی جائے گی جس دن وہ اپنا تہوار منائیں گے۔

(۳) چونکہ ۱۹۸۳ء سال میں نیتاجی کا جنم دن (۲۳ جنوری)، یوم مئی (یکم مئی)، عیدالضحیٰ (۱۸ ستمبر)، گاندھی جی کی پیدائش کا دن (۲ اکتوبر)، درگا پوجا کی دشمی (۱۶ اکتوبر)، گورو نانک کا جنم دن اور پارس ناتھ رتھ جاترا (۲۰ نومبر)، میلادالنبی یعنی فاتحہ دوازدہم (۱۸ دسمبر)، کرسمس ڈے (۲۵ دسمبر)، اتوار کے دن ہیں اور یہ دن این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت تعطیل کے دن ہیں، اس لئے انھیں عوامی تعطیلات کے دنوں میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔

ٹریژری اور سب ٹریژری کے علاوہ دیگر سرکاری دفاتر ۳۰ جون ۱۹۸۳ء اور ۳۱ دسمبر ۱۹۸۳ء کو کھلے رہیں گے حالانکہ ان دونوں دنوں کو این۔ آئی۔ ایکٹ کے اعلانیہ نمبر ۵۷۵ ۱۱ - ایف، مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۸۲ء کے ذریعہ عوامی تعطیلات کے دن قرار دئے گئے ہیں۔

رجسٹرار آف ایشیورنس، کلکتہ اور کلکٹر آف اسٹامپ ریونیو، کلکتہ کے دفاتر کے علاوہ حکومت مغربی بنگال کے دیگر دفاتر مندرجہ ذیل دنوں میں بند رہیں گے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کا جنم دن ۹ مئی، درگا پوجا۔ ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ اکتوبر۔

مختلف طبقوں کے سرکاری ملازمین کے لئے مندرجہ دنوں میں شعبہ جاتی تعطیل ہوگی۔

ایسٹر سٹرڈے (صرف عیسائیوں کے لئے)۔ ۲ اپریل، مہاویر جینتی (صرف جینیوں کے لئے)۔ ۲۵ اپریل، بدھ پورنیما (صرف بدھ مت ماننے والوں کے لئے) ۲۶ مئی بیساکھی (صرف سکھوں کے لئے۔ تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

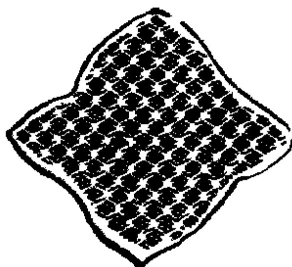
وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ میں عطیہ

شری نرمل بوس، وزیر تعاون، مغربی بنگال نے ۲۵ نومبر ۱۹۸۲ء کو امداد باہمی سوسائٹی لمیٹیڈ کے مغربی بنگال ریاستی فیڈریشن کے ممبروں اور ملازمین کی طرف سے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو خشک سالی امداد کے لئے وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ میں ۱۰۰۶ روپے کا چیک بطور عطیہ پیش کیا۔

پانی کی سپلائی میں بہتری کے لئے

سی ایم ڈی اے کا عطیہ

سی ایم ڈی اے نے بانسبریہ میونسپلٹی کو پانی کی سپلائی میں اضافہ کرنے کی اسکیم کی تکمیل کے لئے ۲۷ر۱۳ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی۔



اپنے تحویل پر مختلف شرحوں پر سود دیا کریں۔

بینکنگ ریگولیشن ایکٹ نے ان امداد باہمی قرض سوسائٹیوں کو جن کے پاس ایک لاکھ روپے بطور سرمایہ اور ریزرو فنڈ ہے، اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ آخر میں لفظ "بینک" لکھ سکتے ہیں۔ درحقیقت اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ان سوسائٹیوں کی سرگرمیوں میں بنیادی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ سنہ ۱۹۶۶ء سے قبل تک یہ سوسائٹیاں صرف رسمی مقاصد کے لئے زیادہ تر قرض دیا کرتیں اور چھوٹی صنعتوں کو برائے نام کچھ قرض دیتیں۔ ریزرو بینک آف انڈیا نے اس بات پر زور دیا کہ کوآپریٹو بینکوں کو اپنی جمع شدہ رقوم کی ۵۰ فی صد رقم پیداواری مقاصد کے لیے دینی چاہیئے اس اقدام سے روزگار کے نئے نئے مواقع فراہم ہوں گے۔

مغربی بنگال میں فی الحال ۴۶ کوآپریٹو بینک ہیں لیکن ان میں سے چند ہی ایسے ہیں جو ریزرو بینک آف انڈیا کی ہدایت کو روبہ عمل لا سکتے ہیں۔ اس ریاست میں چند کوآپریٹو بینک ایسے ہیں جو بس برائے نام کچھ فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ چھوٹی صنعتوں کو دینے کے لیے ان کے پاس کافی رقم نہیں ہے۔ گرچہ ان کی باتیں کچھ حد تک صحیح ہیں تاہم اس بات کو بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ ایسے بینکوں کے ڈائریکٹران کاروباریوں کے لیے جن کی اپنی اپنی دکانیں ہیں، روپیہ قرض دینے کے لئے آگے نہیں بڑھتے۔ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ چند کوآپریٹو بینک ایسے بھی ہیں جو ان لوگوں کو اپنا ممبر نہیں بناتے ہیں جو جائیداد کے مالک نہ ہو۔ یہ اقدام نہ صرف قانون کے خلاف ہے بلکہ یہ ان تاجروں، پروفیسروں، کاریگروں وغیرہ کو بینک کی سہولت سے محروم رکھتا ہے جو برسوں سے بینک کے علاقو میں رہتے ہیں۔

یہ تو تسلیم شدہ بات ہے کہ خود کو زندہ رکھنے کے لئے کوآپریٹو بینکوں کو بہت زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے کیونکہ انہیں کمرشیل بینکوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جن علاقوں میں کوآپریٹو بینک ہیں وہاں ان کاروباری بینکوں نے اپنی شاخیں کھول دی ہیں۔ کاروباری بینک اپنے اپنے کھاتہ داروں جمع رکھنے والوں کو بہت ساری نفع بخش سہولتیں پیش کرتا ہے اس لئے عام لوگ ان کی طرف ہی توجہ دیتے ہیں اور ایسی سہولتیں چند ہی کوآپریٹو بینک فراہم کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ کوآپریٹو بینکوں کو ایک اچھی سہولت فراہم حاصل ہے اور وہ یہ کہ ان بینکوں کے ڈائرکٹر بینک کے آس پاس کے علاقوں کے لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور چونکہ لوگوں سے ان کا ربط و ضبط قائم رہتا ہے اس لئے ان کی وجہ سے لوگ کوآپریٹو بینکوں میں زیادہ سے زیادہ روپے جمع کرتے ہیں لیکن جب تک ان رقوم کو تجارت اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے لیے مصرف میں لایا جائے اس وقت تک یہ بینکوں میں بے کار پڑی رہیں گی اس سے بینکوں کی بزنس پر بھی برا اثر پڑے گا اور ان کے وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

اب کوآپریٹو بینک کمرشیل بینکوں کی بہت ساری کارگزاریوں کو انجام دیتے ہیں جیسے نقد ادھار، اوور ڈرافٹ، بل کی خریداری، رہنمائی وغیرہ ہندوستان میں دو کوآپریٹو بینک غیر ملکی زر مبادلہ کا کاروبار کرتے ہیں گرچہ مغربی بنگال میں بھی چند کوآپریٹو اس قسم کا کاروبار کرتے ہیں لیکن ایسے کام کیلیے انہوں نے اب تک تربیت یافتہ افراد کو بطور ملازم نہیں رکھا ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ کوآپریٹو بینک مذکورہ کام خیر و خوبی سے کر سکیں ریزرو بینک آف انڈیا نے چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے ۲۲ بڑی بڑی یونٹوں کے لئے ازسرنو سرمایہ کاری کا انتظام کیا ہے اس سلسلہ میں سود کی شرح بینک کی شرح سے ۳ فی صد کم ہے۔ اس سہولت سے مستفید ہونے کے لئے مہاراشٹر اور گجرات کے کوآپریٹو بینکوں نے اپنے اپنے کاروبار کو کافی بڑھا لیا ہے اور اس سے انہیں کافی فائدہ پہونچ رہا ہے۔ بدقسمتی سے مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹو بینک لمیٹیڈ سے سوتیلی ماں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں مغربی بنگال کے ایک بھی کوآپریٹو بینک کو چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں میں سرمایہ کاری کے لئے یہ رعایتی مالی سہولت فراہم نہیں ہے اس کے ساتھ ہی ریاستی کوآپریٹو بینک کے حکام پرائمری اربن (ابتدائی شہری) کوآپریٹو بینکوں کو اپنے بینک کے ممبر کی اجازت نہیں دیتے گرچہ ریزرو بینک آف انڈیا کی معائنہ ٹیم نے اس سلسلہ میں مثبت سفارش کی تھی۔ مغربی بنگال شہری قرض فیڈریشن بھی اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔

مغربی بنگال میں شہری کوآپریٹو بینک حکومت مغربی بنگال کی نظامت امداد باہمی اور ریزرو بینک آف انڈیا دونوں کے کنٹرول میں ہیں۔ اس کی وجہ سے ان بینکوں کے کام کاج میں بڑی دشواری ہوتی ہے گرچہ جوائنٹ رجسٹرار کوآپریٹو کا ایک نیا عہدہ قائم کیا گیا ہے تاہم اس ریاست میں شہری کوآپریٹو بینکوں کی بہتری اور ترقی کے لئے مثبت امداد نہیں مل رہی ہے۔

شہری زمین (انتہائی حد اور ضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کوآپریٹو بینکوں کے فرائض کی انجام دہی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔ اس میں نہ صرف زیادہ وقت کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایک تاجر یا چھوٹا کاروباری اپنے کاروبار کی ترقی کے لئے یا ایک فرم کے آرڈر کی تکمیل کے لئے قرض کے سلسلہ میں مہینوں انتظار نہیں کر سکتا اس لئے کوآپریٹو بینکوں کے معاملہ میں اس ایکٹ کا اطلاق نہیں ہونا چاہیئے۔

شہری کوآپریٹو بینک جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، چند جگہوں پر واقع ہیں، کلکتہ میں ایک بھی کوآپریٹو بینک نہیں ہے لیکن بمبئی اور احمدآباد شہروں میں بہت سارے کوآپریٹو بینک ہیں۔ گرچہ امداد باہمی تحریک بنیادی طور پر غیر سرکاری تحریک ہے تاہم بائیں محاذ حکومت کو ان علاقوں میں جہاں بینک نہیں ہیں نئے نئے بینک کھولنے کے لئے پہل کرنی چاہیئے اس سے ایک فائدہ یہ ہو گا کہ چھوٹے چھوٹے کاروباری ان کوآپریٹو بینکوں سے قرض لے سکیں گے۔ جب کہ بڑے کمرشیل بینکوں سے بڑی بڑی صنعتیں قرض لیا کرتی ہیں۔

جہاں تک کوآپریٹو بینکوں کے اسٹاف کی تربیت کا سوال ہے تو مغربی بنگال میں ان کی تربیت کے لئے کوئی گنجائش فراہم نہیں۔ مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹو یونین اپنے چھ تربیتی مراکز اور کلیانی میں ٹریننگ کالج کے ذریعہ این۔ سی۔ یو۔ آئی نے تربیت کی جو سہولتیں فراہم کی ہیں ان سے کوآپریٹو بینکوں

باقی صفحہ ۳ پر

زبانی روایات — افریقی تاریخ کا خزانہ

از:- ایڈورڈ پولینے

ان دنوں کی بات ہے جب ریڈیو ٹرانسسٹر ایجاد نہیں ہوا تھا۔ وہاں ایک بوڑھا رہتا تھا جس کی یادداشت روایتی حکایتوں اور مقامی تاریخ کا خزانہ تھی وہ اور بوڑھی عورت جو اس گاؤں میں رہتی تھی پرانے وقتوں کی کہانیاں سنا کر ایک اہم سماجی فریضہ ادا کر رہے تھے۔ ایسے دور میں جب مقامی لوک کہانیاں کہیں دستیاب نہیں تھیں وہ ماضی کے محافظ کا کردار نبھا رہے تھے۔

جونہی رات ہوتی بچے آگ کے گرد جمع ہو کر دادی ماں سے کہانیاں سنتے جنہیں وہ خود یاد کر لیتے تاکہ آئندہ نسلوں کو سنا سکیں۔ شادی ہو یا اچھی فصل کی خوشی کی تقریب لوگ اس دانشمند بوڑھے سے باتیں سننے کیلئے جمع ہو جاتے۔ وہ بوڑھا انہیں موقع اور محل کی مناسبت سے کئی بار لفظ بہ لفظ ہم وہی قصے سناتا جو غالباً وہ کئی بار پہلے بھی سن چکے ہوتے لیکن یہ کہانیاں اس ثقافت کا اہم حصہ تھیں جن میں وہ پل کر جوان ہوئے تھے۔

ایک وقت تھا کہ جہاں کہیں بھی کوئی آبادی تھی ایسی کہانیاں سنانے کا رواج عام تھا لیکن وقت بدلتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی نئے کلچر بنتے اور پرانی ثقافتیں دھندلا جاتی ہیں اور بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ آج بہت سے لوگ اپنی بہت سی بیش قیمت زبانی روایات ہمیشہ کیلئے بھول چکے ہیں۔

افریقہ میں اس "بوڑھے شخص" کا کردار اب بھی موجود ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سارے برا عظم میں ایسے بہت سے بوڑھے مرد اور عورتیں دیکھنے کو ملیں گی جو بیتے دنوں کی دنیا کی باتیں سنانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ مزید برآں جوں جوں حفظان صحت کی سہولیات اور سماجی آسائشیں بڑھیں گی بوڑھے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا لیکن کیا بوڑھوں کی اس نئی پود کے ذہن میں ان کہانیوں کا ذخیرہ ہے؟ کیا انہیں وہی کہانیاں اصل صورت میں یاد ہیں؟ کیا اس بدلتی ہوئی تہذیب میں ایسے سننے والے لوگ مل سکیں گے جو ان کی عقلمندی کی تعریف کریں اور انہیں جو روایات اور تاریخ سنائی جا رہی ہے اس کا نگراں بننے کو تیار ہوں؟

یہ وہ مسئلہ ہے جو ان لوگوں کی تشویش کا باعث بن رہا ہے جو زندگی کے پرانے طریقوں اور روایات کے فوائد کے تحفظ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

ایک صحافی دوست نے ۱۹۷۹ء میں عیدی امین کے زوال کے بعد یوگنڈا کا دورہ کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے ملک کے کچھ تباہ شدہ علاقے دیکھے اجڑے ہوئے گھر فوجی گاڑیوں کا جلا ہوا حلیہ جنگ کی تباہ کاری کے نقش پا کی صورت میں موجود تھا لیکن اسے ایک ایسے گھر میں بھی لے جایا گیا جہاں ایک سو برس کا بوڑھا بیٹھا تھا۔ گائیڈ نے صحافی سے کہا کہ اگر تم اس علاقے میں اس سے پہلے لڑی گئی لڑائی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تو میرے والد سے پوچھ سکتے ہو۔

بوڑھے نے جو کچھ کہا جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اس کا آج کے زمانے کے سپاہیوں کی فوجی غارتگری سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ جو کچھ اس نے بتایا وہ ایک نوجوان فوجی افسر کے طور پر اس کی اپنی مہم جوئی کی کہانی تھی جب ۱۸۸۰ء میں وہ نو آبادیاتی راج سے پہلے مقامی فوج میں کام کرتا تھا اس وقت ابھی لوگ یورپ سے آنے والے پہلے مہم جو لوگوں کے آگے بڑھنے کی افواہیں سن رہے تھے۔

سو برس کے اس شخص کی زندگی پہلے نو آبادکاروں کی آمد سے قبل سے لیکر ان کی واپسی کے بعد تک سارے جدید یوگنڈا کی تاریخ پر پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن اس کا علم گذشتہ سو برس کی افریقی تاریخ سے کہیں گہرا تھا کیونکہ وہ ایسے وقت پر پیدا ہوا اور ایسے ماحول میں تعلیم پائی جب

بچوں کو ان کی آبا و اجداد کی زبانی تاریخ پڑھائی جاتی تھی اور جب لمبی سے لمبی کہانی کو لفظ بلفظ سنا دینے کی لیاقت ایک اہم سماجی طرہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس بزرگ کے اپنے بچوں کو ملک میں کھل رہے نئے سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے کئی کئی میل چل کر جانا پڑتا تھا۔ اس کے پوتوں کو اپنی تعلیم مکمل کرنے کیلئے سمندر پار ملکوں میں جانا پڑا اور اس کے کئی پڑپوتوں نے ابھی وہ زبان ہی نہیں سیکھی جس میں اس بزرگ نے اپنا بیش قیمت علم جمع کر رکھا ہے۔ پھر روایات کے اس نگراں کی جگہ کون لیگا؟

کانگو کی ثانوی تعلیم کے ایک ماہر جے۔ بی۔ ڈی ڈنگلا کو یقیناً ایسے سوال میں دلچسپی پیدا ہوئی ہوگی کیوں کہ اس نے افریقہ کے بزرگ لوگوں کے پاس جو ثقافتی دولت یادداشتوں کے طور پر موجود ہے اسے فائدہ مند طور پر استعمال کرنے کے طور طریقوں کا بالتفصیل مطالعہ لیا ہے۔

مسٹر ڈی ڈنگلا نے یونیسکو کے شعبۂ تعلیم کو ایک مقالہ پیش کیا ہے جس میں پر زور دلیل دی ہے کہ اب بھی وقت ہے کہ ان بزرگوں کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے تنبیہ کی ہے کہ وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے اور جو لوگ افریقہ کی زبانی روایات کو جمع کرنے پر زور دے رہے ہیں ان کی حمایت کرتے ہوئے مسٹر ڈی ڈنگلا نے تجویز پیش کی ہے کہ اس وراثت کے تحفظ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پرانی نسل کے لوگوں کا خواہ وہ تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں موجودہ تعلیمی نظام سے ربط قائم کیا جائے تاکہ ان کے علم کو نئی نسل کو منتقل کیا جا سکے۔ مسٹر ڈی ڈنگلا کا کہنا ہے کہ افریقہ میں پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں میں ایک مصنوعی حد بندی کھڑی کی گئی ہے ورنہ افریقہ میں ناخواندگی کا ثقافت یا علم کی کمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس محقق کا کہنا ہے کہ جس پیمانے سے افریقی ثقافتی پیداوار کو ناپا جاتا ہے اس کا پھر سے جائزہ لیا جانا چاہیئے تاکہ یہ محض یورپین معیاروں پر منحصر نہ رہے۔ افریقہ کی زبانی ثقافت کو جمع کرنے کا کام کئی وجوہات کی بنا پر فوراً شروع کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اگر تاریخ سازی کے عمل کی رفتار تیز ہو جائے تو یہ بات فراموش ہو جاتی ہے کہ واقعات جن کی بہت زیادہ وقتی اہمیت ہوتی ہے صرف چند ماہ بعد ہی گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔ مجموعی یادداشت میں یہ عمل اور بھی تیز ہوتا ہے جب ماحولیاتی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جب افریقہ کے باشندے امریکہ میں بسا دیئے جاتے ہیں تو ان میں افریقی روایات کا کیا اثر باقی رہ جاتا ہے؟

مسٹر ڈی ڈنگلا نے زبانی روایات کے بہت سے فائدے بھی گنوائے ہیں جن کے بارے میں اس کی رائے ہیں کہ تحریری روایات کی نسبت زبانی سنائی گئی روایات میں حقائق کے متعلق کم تعصب ہوتا ہے کیوں کہ ان میں توسیع یا ترمیم کم کی جاتی ہے۔

افریقہ کے جو سماجی طبقے زبانی روایات پر عمل پیرا ہیں ان میں نہ صرف پرانی باتوں کو یاد رکھنے کی قوت انتہائی ترقی یافتہ اور قابل اعتماد ہے بلکہ زبانی بات چیت لوگوں میں باہمی ربط رکھتی ہے کیونکہ یہ سماجی اتحاد کو یقینی بناتی ہے۔ مسٹر ڈی ڈنگلا نے زبانی اظہار خیال کی مختلف اشکال کی درجہ بندی کے بعد زبانی ادب کے ماخذ بھی بیان کئے ہیں۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ کمپیوٹروں کے اس دور میں کم لوگوں میں وہ صفات ہیں جس سے وہ ان بزرگ لوگوں کے ساتھ ایسے ڈھنگ اور سلیقے کے واسطے قائم کریں جن سے حوصلہ مند ہو کر وہ اپنے علم کا اظہار کر سکیں۔

آج بھی افریقہ کی زبانی روایات کے برسوں کے مطالعہ کے باوجود ایسے مواد کی کمی ہے جو اس وراثت کے مطالعے کے لئے بنیاد کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ جو ادب موجود ہے وہ عموماً ایسی خصوصی نوعیت کا ہے کہ اسے عام تعلیم کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر تعلیمی حکام تھوڑی سی کوشش بھی کریں تو روایات کو جدید تعلیم میں رائج کرنے کے طور طریقے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

مقامی زبانوں کا استعمال

مسٹر ڈی ڈنگلا کا کہنا ہے کہ ابتدا کے لئے بچوں کو اپنی زبانوں میں پڑھنا لکھنا سیکھنا چاہیئے۔ ثانوی تعلیم میں اسکولوں کا نصاب لازماً افریقی نوعیت کا ہونا چاہیئے۔ افریقی تہذیب کی خصوصیات

کے مطالعہ میں اس امر پر زور دیا جائے کہ افریقہ کی تاریخ کو یورپ کے انداز کے ادوار میں تقسیم نہ کیا جائے کیونکہ یورپی طرز کے زمانہ وسطیٰ کا افریقہ ایشیا یا قبل از کولمبیا امریکہ کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

مسٹر ڈ ونگلا کا مطالبہ ہے کہ قدیم اور جدید اداروں میں ربط قائم کیا جائے اور افریقہ میں قدیم روایات کی ایک اکاڈمی قائم کی جائے۔ ایک بالغ شخص کو جو کبھی اسکول نہیں گیا لیکن جسے قدرت، مقامی حالات اور روایتی دانشمندی کا گراں قدر علم حاصل ہے بدقسمتی سے روزمرہ زندگی سے باہر رکھا جاتا ہے حالانکہ وہ بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ڈ ونگلا کا کہنا ہے کہ ہر بزرگ جو دنیا سے جاتا ہے ایسی لائبریری کی طرح ہے جو تباہ ہو گئی ہے جب تک اس لائبریری کو زبانی یاد نہ کیا جائے وہ اپنے آخری مالک کے ساتھ قبر میں دفن ہو جائے گی۔

بقیہ: شہری امداد باہمی تحریک

کہ اسٹاف کو کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے لئے حکومت مغربی بنگال کو ایک الگ تربیتی کالج کھولنا چاہیے کیونکہ صرف چند کوآپریٹو بنک مالی لحاظ سے ایسے ہیں جو پونا میں واقع ریزرو بنک آف انڈیا کالج میں تربیت حاصل کرنے کے لئے اپنے اسٹاف کو بھیج سکتے ہیں۔

حکومت مغربی بنگال نے ۱۰ اپریل [illegible] کو شہری کوآپریٹو بنکوں کے کام کاج کی اور ایسے بنکوں کی نئے نئے کام میں جن پر شہری زمین (انتہائی حد اور ضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ لاگو ہوتا ہے ترقی کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے ایک مطالعہ ٹیم قائم کی تھی۔ اس ٹیم میں حکومت مغربی بنگال، مغربی بنگال کوآپریٹو بنک، ریزرو بنک آف انڈیا اور مغربی بنگال شہری بنک ترقی فیڈریشن کے نمائندے شامل تھے اگرچہ اس ٹیم نے بہت پہلے اپنی رپورٹ حکومت مغربی بنگال کے پاس داخل کردی تاہم ابھی تک اس کی اشاعت نہیں کی گئی۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ریاست میں کوآپریٹو بنک تحریک کی ترقی میں مطالعہ ٹیم کی رپورٹ سے کافی مدد ملے گی۔

بقیہ: دودھ کا قحط اور سیلاب

ہی دودھ سوسائٹیوں کا فخر کرتا ہے۔ لیکن پیداوار اور کاروبار کے لحاظ سے دودھ سوسائٹیاں اول نمبر پر ہے عمل خوراک - II سے تقریباً لاکھ ڈیری

کسانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ مضافاتی بنگال میں ڈیری کوآپریٹیو ملازمت کے کافی امکانات پیدا کریں گے۔ اس طرح مغربی بنگال کے شہری اور مضافاتی علاقوں میں دودھ کی سپلائی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کوآپریٹیو سوسائٹیاں حکومت کی ہوتی ہیں لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔ حکومت ان سوسائٹیوں کی پس پردہ مدد کر سکتی ہے، لیکن کوآپریٹیو اور اس کے کارکنندگان کو بذات خود اپنا کام کاج کرنا پڑتا ہے۔ 'عمل خوراک II' کے تحت کسی بھی مرحلہ پر حکومت اپنی براہ راست مداخلت کو واپس لے سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ریاستی سطح پر دودھ یونینوں کے نمائندوں پر مشتمل دودھ پیدا کرنے والوں کی فیڈریشن کی تنظیم کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ یہ فیڈریشن دودھ یونینوں کے ذریعہ اس ریاست میں لاکھوں ڈیری کسانوں کو مالی وسائل اور دیگر سہولیات فراہم کریگا۔

اتنے سارے اخراجات اور انتظامات کی وجہ سے اس ریاست میں دودھ کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوگا اور ہم دودھ کا سیلاب دیکھیں گے۔ بدقسمتی سے ہم اس سلسلہ میں یقین دہانی نہیں کرا سکتے۔ جب سب کسان بذات خود امداد باہمی سوسائٹیاں قائم کریں گے اور امداد باہمی کے تحت کام کریں گے تو اسی وقت مویشیوں کی پرورش و پرداخت میں اور دودھ کی پیداوار میں کافی بہتری ہوگی۔ اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ تمام کسان امداد باہمی سوسائٹیوں کی تنظیم اور انھیں نفع بخش طور پر چلانے کیلئے جو پیچیدگیاں ہیں انھیں سمجھیں، صحیح طریقہ سے حساب کتاب رکھیں اور اندر و باہر کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ حکومت تمام ممکن طریقہ سے ان کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ الغرض ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام ابتدائی دودھ سوسائٹیوں، دودھ یونینوں اور ریاستوں سطح کے دودھ فیڈریشن کے صحیح مالک کسان ہیں۔

بقیہ: حالی

اختلاف کرکے انھیں وقتی اور عارضی سمجھا جائے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی اصلاحی تحریک نے انتہائی اہم کام انجام دیا جس کا اثر ان کے بعد کے شعراء کی غزلوں میں صاف جھلکتا



عزیز اندوری

حالی کے ان اشعار کا پس منظر پرانی علامتوں کے نئے استعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا لہجہ جہاں جدید ہے وہیں اس میں تازگی بھی موجود ہے۔

حالی کا دور اردو غزل کے لئے عجیب کشمکش اور امتحان کا دور تھا۔ اکثر لوگوں کو اس بات کا احساس تھا کہ اگر غزل نے اپنی پرانی ڈگر کو نہیں چھوڑا تو وہ ایک دن دم توڑ دے گی۔ دوسری طرف حالی نے سیاسی، سماجی اور معاشی تحریک کے تحت غزل کو نظم سے اتنا قریب کر دیا تھا کہ لوگ اس خدشے میں مبتلا ہو گئے کہ کہیں غزل نظم میں ضم نہ ہو جائے۔ پھر بھی حالی نے غزل کو جن عارضی تبدیلیوں کے احساس سے قریب کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ غزل کو ایک ایسا نیا اور وسیع لب و لہجہ دینا چاہتے تھے جو فارسی اور عربی لب و لہجہ سے نزدیک ہو۔ اسی لئے انھوں نے غزل کے فرسودہ اور بوسیدہ رجحانات پر جو اس میں صدیوں سے موجود تھے قناعت کرنے سے انکار کر دیا۔

انگریزی طرز فکر اور تربیت نے اردو غزل سے فارسی اور عربی اثرات کو کم کیا جس کے تحت اس میں ایسے جذبات و رجحانات کو داخل کیا گیا جس سے غزل اندر کی طرف سے باہر آئی اور جہاں اسے ملکی اور قومی مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ اسے نئی تشبیہیں، علامتیں، استعارے اور سلیس و پراثر زبان بخشی گئی چونکہ اس کے نازک مزاج کو تبدیل کرنا کچھ آسان نہ تھا اس لئے اس دور میں "نئی غزل" خاطر خواہ ترقی نہ کر سکی۔ اس کے مقبول نہ ہونے کا سبب بھی بہت سے لوگوں کے نزدیک حالی ہی تھے۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ حالی انگریزی طرز فکر کے مقلد اور مداح تھے اس لئے اس طرز فکر کو مقبول بنانے میں انھوں نے مصلحت پسندی سے بھی کام لیا۔ اور اس طرح غزل میں انگریزی طرز فکر کو داخل کرنا بھی حالی کی مصلحت پسندی ہی تھی۔ اس سلسلے میں سردار جعفری کا کہنا ہے۔

"حالی جدید ادبی تحریک کے بانی ہونے کے باوجود سیاسی رجعت پرستی کا شکار تھے اور انھوں نے انگریز آقاؤں سے سمجھوتہ کیا اور ان کے راگ گائے" ؎ ۱

اس مصلحت پسندی کے باوجود حالی نے اردو غزل میں بیداری کا جو جذبہ پیدا کرنا چاہا۔ اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ غزل میں فطری تقاضوں کی تکمیل کی طرف لوگوں کی توجہ بھی حالی کے اسی جذبے کی مرہون منت ہے جس کی وجہ سے غزل

بھی احساسات کا آئینہ تھا اور اس میں دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ دماغ کی کاوشوں کو بھی داخل کیا گیا۔ اور اس طرح اس میں پہلی بار ان عصری میلانات و رجحانات کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی جو دور حاضر تھے۔ اسی سلسلے میں اختر انصاری نے کہا ہے۔

"حالی سماجی اور اجتماعی احساس بیدار رکھتا۔ وہ اپنے زمانے کی تاریخی قوتوں اور بنیادی حقیقتوں سے واقف تھے" ۳؎

حالی کو اپنی اس کاوش میں حسب منشا کامیابی نہ مل سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اردو والا طبقہ غزل کی روایت پرستی میں بری طرح جکڑا ہوا تھا اور اسے عصری میلانات و رجحانات کو سمجھنے کی پہلے سے تربیت بھی نہیں دی گئی تھی۔ اسی لئے حالی کی تحریکات کو مغربی طرز فکر کی تقلید سمجھ کر قبول نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یہ رجحانات اور طرز فکر اتنی زود اثر تھی کہ اس سے بہر صورت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسرے مغربی طرز فکر والا دبی نظریات میں حالات و واقعات کی ترجمانی و نمود دینے میں صنف سے زیادہ صلاحیت تھی۔ اور اردو غزل چونکہ صرف عربی اور فارسی کی طرف سے بتائے ہوئے رسمی اور روایتی راستوں پر گامزن تھی اسی لئے اسے اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں ہلنے دیا گیا اور اسے انتہائی محدود دائروں میں اس طرح جکڑ دیا گیا کہ اس کی تمام ترقیاں محدود ہو گئیں اور وہ جمود و ساکت ہو کر بے حسی کا شکار ہو گئی۔ حالی نے غزل کی اس محدودیت پر کھلے ہوئے دماغ سے غور کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اس میں لیلیٰ و مجنوں اور گل و بلبل کی فرسودہ داستان بیان کرنے کا وقت نکل گیا ہے۔ وہ بار بار اس احساس سے تڑپتے رہے کہ اردو غزل میں حالات کو سمجھنے کی ذہانت کیوں پیدا نہیں ہو رہی ہے؟ نیز وہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے شدید ردعمل کے باوجود قدیم بے جان روایتوں کی تقلید کرنے میں کیوں منہمک ہے؟ اس احساس ہی نے انہیں غزل کی نازک مزاجی اور روایتی انداز کا مخالف بنا دیا حالانکہ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ وہ اس اختلاف کے باوجود غزل میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ اسی لئے انھوں نے غزل کے لئے یہ رائے قائم کی وہ حسن و عشق کے مسائل کو پیش کرنے کا ذریعہ تو ہو سکتی ہے لیکن اس میں بدلتے ہوئے حالات اور جدید طرز فکر کے ارتقائی پہلوؤں کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور اگر ایسا کیا بھی گیا تو اس کا اثر غزل کی نازک مزاجی پر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ان کی اصلاحی تحریک تذبذب اور کشمکش کا شکار ہو گئی اور انھیں خود بھی غزل کے روایتی انداز کے قریب سے ہو کر گزرنا پڑا جہاں بعض جگہ وہ الجھ کر رہ گئے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے غزل کے اس مزاج سے ایسا مصالحہ کر لینا چاہا جس سے اس میں داخلی مسائل کو بھی پیش کیا جا سکے اور اس میں "روح عصر" بھی شامل ہو سکے۔ ان کے اس تذبذب ہی نے انھیں کبھی اطمینان سے نہیں بیٹھنے دیا جس سے وہ ایک فن کا نظریے کے شاعر بن گئے اور اس طرح ان کی اصلاحی تحریک میں وعظ و نصیحت سے پُر ایسا لہجہ پیدا ہو گیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے رہے۔ اسی لئے ان کا لہجہ نیا ہونے کے باوجود لوگوں کے لئے بیزاری کا سبب ہو گیا جس کا اثر ان کی غزلوں پر بھی پڑا اور وہ خشک وغیرہ موثر ہو گئیں۔ وہ غزل سے بھی وہی کام لینا چاہتے تھے جو انھوں نے مسدس سے لیا۔ لیکن مجموعی طور پر انھوں نے غزل کو اس کے روایتی انداز سے نجات دلائی۔ اور ان کی تحریک کی وجہ سے بقول عبدالاحد خاں خلیل۔

"ہماری غزل کے فن میں تو خیر لیکن فکر میں نئے باب کا اضافہ ہوا۔ اب غزل محض سر دھننے اور دل خوش کرنے کی چیز نہیں رہی بلکہ کام کی طرف متوجہ کرنے کا وسیلہ بن گئی۔ افادیت کی جگہ لے لی" ۱؎

حالی کے اس کارنامے کو سراہتے ہوئے آل احمد سرور نے کہا تھا

"ہماری شاعری دل والوں کی دنیا تھی۔ حالی نے مقدمہ شعر و شاعری کے ذریعہ اسے ایک ذہن دیا" ۲؎

حالی کی اصلاح پسندی یا تبلیغی مصلحت پسندی سے ہمارے

دودھ کے قحط اور سیلاب

از:۔ سنجیب باسو

اَمُل ایشیا کا سب سے بڑا دودھ کی کوآپریٹیو سوسائٹی ہے یہ سارے ملک میں دودھ اور دودھ کی مصنوعات کا ایک سال میں ۵۰ کروڑ روپئے کا کاروبار کرتا ہے۔ اس رقم کا زیادہ تر حصہ ان ریاستوں سے حاصل ہوتا ہے جہاں دودھ کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ مشرقی اور شمال مشرقی ریاستوں میں دودھ کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ ہندستان بہت بڑا ملک ہے، ورنہ نقاد اس کاروبار کو معاشی استحصال' قرار دیتے۔ ہم لوگ گجرات اور دیگر ریاستوں کے مشکور ہیں۔ وہ ہمارے یہاں دودھ اور دودھ کی مصنوعات بھیجتے ہیں اور جنہیں ہم استعمال کرتے ہیں۔

امداد باہمی کے ذریعہ دودھ کی پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے ہندستان میں روایتی کردار کے مالک ڈاکٹر وی۔ کورین نے ایک بار یہ کہا تھا "مغربی بنگال میں دودھ کی پیداوار کے امکانات بہت زیادہ روشن ہیں، کیوں کہ یہاں عظیم ترین شہر کلکتہ ہے۔ اگر بمبئی نہیں ہوتا تو اَمُل کو بھی بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔" اگر کسی بھی طرح دودھ اور دودھ کی مصنوعات ہمارے پاس پہونچ جائیں تو ہم انھیں استعمال کرتے ہیں۔ شاید یہی بات دودھ کی پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے محرک ثابت ہوئی ہے۔ جلد خراب ہونے والی چیزیں جیسے دودھ اس ریاست میں قبل از وقت فروخت ہو جاتی ہیں۔

آزادی کے بعد سے اور وہ بھی صرف چند ریاستوں میں دودھ کی پیداوار میں صرف ۵۰ فی صد اضافہ ہوا۔ اس عرصہ میں ہماری آبادی میں کافی اضافہ ہوا۔ ہندوستان میں ۱۹۴۷ء میں دودھ کی پیداوار فی کس ۱۵۰ گرام تھی جواب کم ہو کر فی کس ۱۱۰ گرام ہو گئی۔ ہماری ریاست میں دودھ کی پیداوار کل ہند اوسط کا نصف ہے۔ تغذیہ کے لحاظ سے فی کس ۲۱۵ گرام دودھ کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں کم سے کم ضرورت کی ایک چوتھائی فراہم ہے۔ گرچہ ڈاکٹر کورین کے کہنے کے مطابق ہمارے پاس وسیع امکانات ہیں لیکن درحقیقت ہم لوگ ابھی دودھ قحط میں مبتلا ہیں۔

ہم کیا کرنا چاہتے ہیں؟ انڈین ڈیری کارپوریشن (آئی ڈی سی) اور نیشنل ڈیری ڈیولپمنٹ بورڈ (این ڈی ڈی بی) نے گذشتہ دس برسوں سے سارے ہندستان میں امداد باہمی کے ذریعہ دودھ کی پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے جامع اسکیموں کو مشترکہ طور پر بر سر عمل لانا شروع کر دیا ہے۔ یہ اسکیمیں عالمی خوراک پروگرام (ڈبلو ایف ایم) کے زیر سرپرستی بر سر عمل لائی جا رہی ہیں اور ان اسکیموں کو 'عمل خوراک' کہا جاتا ہے۔ یہاں خوراک سے مراد افراط دودھ ہے۔ اس عمل کا پہلا دور مکمل ہو چکا ہے۔ اب ہم دوسرے دور کو بنام 'عمل خوراک - II' کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کیلئے تیار رہیں۔ فنڈ کی کمی نہیں ہے۔ ہمارا بجٹ ۲۹ کروڑ روپئے سے شروع ہوتا ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو انڈین ڈیری کارپوریشن اس سلسلہ میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔

'عمل خوراک' کے تحت جسے اب عام طور پر "عمل خوراک II" کہتے ہیں ہم نے چار کوآپریٹیو دودھ یونین کے گئو شالوں میں ۶۰۰ ابتدائی دودھ پیدا کرنے والی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کیں۔ ضلع دارجلنگ

میسا جیسے لوگوں نے آنند کے طرز پر یونین قائم کیا ہے۔ اسی طرح مرشدآباد میں بھاگیرتی کوآپریٹیو دودھ یونین، ندیا میں کرشن دودھ یونین، مدناپور ضلع میں مدناپور دودھ یونین متعلقہ علاقوں کی ابتدائی دودھ سوسائٹیوں کے ساتھ قائم کئے گئے۔ شاید بہت سارے لوگ اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ مدر ڈیری بلک مینس سے کلکتہ کے دودھ گاہکوں کو جتنا دودھ سپلائی کیا جاتا ہے اس کا تھوڑا بہت حصہ کوآپریٹیو سپلائی کرتے ہیں۔ فی الحال دودھ یونین تقریباً ۳۰ ہزار لیٹر تازہ دودھ کا کاروبار کرتے ہیں لیکن ان کے تحت ابتدائی دودھ سوسائٹیاں روزانہ ایک لاکھ لیٹر سے زیادہ دودھ فراہم کرتی ہیں اور دودھ کے غیر سرکاری کاروباری کچھ دودھ خرید لیتے ہیں۔

دودھ کی پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے ہم کیوں کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو ایک ذریعہ منتخب کرتے ہیں؟ آیئے اس بات پر غور کریں کہ بذات خود دودھ کی پیداوار سے کیا مراد ہے۔ ہندوستان میں ۷.۵ کروڑ گائیں اور ۲.۵ کروڑ بھینسیں ہیں۔ ان سے دودھ کی پیداوار اوسطاً فی گائے اور فی بھینس ہے۔ دنیا میں ہمارے یہاں مویشیوں کی آبادی سب سے زیادہ ہے لیکن پیداوار سب سے کم ہے۔ دودھ کی پیداوار میں جو کچھ اضافہ ہوا ہے وہ صرف مخلوط نسل کی ۶ لاکھ گایوں کے ذریعہ ہوا ہے۔ چنانچہ ہمیں مخلوط نسل کی اور بھی گائیوں کی ضرورت ہے۔ دیسی گائیوں کو مصنوعی طور پر حاملہ بناکر کافی نسلی بہتری ہوئی اور اب دودھ کی پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے ایسا کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ مخلوط نسل کی گائے کو ایسی خوراک مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جس میں پروٹین کا جزو زیادہ ہوتا ہے، ساتھ ہی انھیں متوازن خوراک کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں جو موسمی حالات ہیں ان کے پیش نظر مخلوط نسل کی گائیں بہت ساری بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہمیں وسیع پیمانہ پر طبی انتظامات مویشیوں کے علاج کے ڈاکٹر، ایمبولنس گاڑیاں، مویشیوں کے علاج کیلئے ہسپتال اور ادویہ وغیرہ کی ضرورت ہے۔ چونکہ دودھ بہت جلد خراب ہو جاتا ہے اسلئے اسے جلد از جلد حاصل کرنا چاہیئے۔ پھر سے فوراً مختلف مقامات میں بھیجنا چاہیئے، ساتھ ہی اسے سائنسی طریقہ سے اچھی حالت میں برقرار رکھنا چاہیئے۔ اگر کسانوں کو دودھ کیلئے اچھی قیمت دی جائے تو اس سے کسانوں کو کافی فائدہ پہونچے گا۔

اس طرح دودھ کی پیداوار کے معنی بہت ساری سرگرمیاں ہو گئیں

ہیں۔ کیا حکومت یا اس کے زیر انتظام کوئی ادارہ اس کام کو اتنی خوبی سے انجام دے سکتا ہے؟ پرائیویٹ کمپنیوں کو تو صرف اس بات سے دلچسپی ہوتی ہے کہ اس کام کو انجام دیا جائے جس سے زیادہ نفع حاصل ہو۔ گجرات میں پہلے پہل تو پرائیویٹ کمپنیوں نے غریب کسانوں کا انتہائی استحصال کیا۔ اسی لئے نہ دودھ کی پیداوار میں اضافہ ہوا اور نہ کسانوں کی آمدنی میں۔

تجربات شاہد ہیں کہ ایسی تمام سرگرمیاں بذات خود کسانوں کی ہونی چاہئیں جو خود کو صرف اپنی تنظیموں کے ذریعہ منظم کر سکتے ہیں۔ اور یہیں پر دودھ کوآپریٹیو کی بات پیدا ہوتی ہے۔ ایسی کوآپریٹیو سوسائٹیاں کسانوں کی ہونی چاہیئے۔ وہی ان کا انتظام بھی کریں گے اور صارفین کو دودھ سپلائی کریں گے۔

دودھ کوآپریٹیو سے کسانوں کو چند مزید فوائد حاصل ہوں گے۔ انفرادی طور پر کسان ہی اپنی گائے کے مالک ہوں گے۔ کوآپریٹیو سے انھیں صرف سہولتیں فراہم کی جائیں گی، جیسے مویشیوں کا علاج، امداد دینا، گھاس، چارا کی فراہمی، کاشتکاری اور مویشی خریدنے کیلئے قرض وغیرہ کی سہولتیں۔ نیز کوآپریٹیو سوسائٹیاں اس بات کا بھی خیال رکھیں گی کہ کسانوں کو ان کے دودھ کی اچھی قیمت ملے۔ اس طرح دودھ کی پیداوار اور دودھ کوآپریٹیو ایک دوسرے سے اتنے زیادہ قریب ہو گئے ہیں کہ ان کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہے۔

دودھ کی پیداوار سے متعلق جو سرگرمیاں ہیں، انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ہر حصہ میں دودھ کی الگ الگ کوآپریٹیو سوسائٹیاں ہوں گی۔ کسان، جو دودھ کی پیداوار سے براہ راست وابستہ ہیں، دیہی سطح پر ابتدائی کوآپریٹیو کے ممبر بنیں گے۔ ضلع سطح کی کوآپریٹیو ملک یونین کی ابتدائی دودھ کوآپریٹیو سوسائٹیاں ممبر ہوں گی۔ ضلع سطح کی کوآپریٹیو کو بہت ہی مشکل فرائض انجام دینے ہوں گے اور انہیں کافی اخراجات بھی برداشت کرنے ہونگے۔ پرائمری کوآپریٹیو گھاس اور چارہ کی کاشت کیلئے کسانوں کو زرعی قرض اور گائے خریدنے کیلئے زرعی قرض کی فراہمی کا انتظام کریگی۔ اسے مرکزی کوآپریٹیو بنکوں سے یہ رقم بطور قرض لینی ہوگی۔ کوآپریٹیو بنکوں کو ڈیری کوآپریٹیو کو مالی وسائل فراہم کرنے کیلئے ریزرو بینک آف انڈیا سے کم شرح سود پر رقوم فراہم کی جاتی ہیں۔

کسان اپنا اپنا دودھ کوآپریٹیو کے اجتماعی بوتھ میں لے جائیںگے

مغربی بنگال میں

شہری امداد باہمی تحریک

ہری داس مکھرجی (چیئرمین مغربی بنگال امداد باہمی یونین)

شہری امداد باہمی قرض سیکٹر کو امداد باہمی پر یقین کرنے والے ہندوستانی شخص کی زندگی میں بہت ہی نمایاں مقام حاصل ہے جہاں تک سماج کے نسبتاً غریب لوگوں کو امداد کی فراہمی کا تعلق ہے، یہ ہندوستانی بینک نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ نیز دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت کے فروغ، ممبران امداد باہمی سوسائٹیوں کی سماجی، معاشی حالت کی بہتری کے نقطۂ نظر سے امداد باہمی سوسائٹیاں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان بنک کا موجودہ نظام برٹش نمونہ کا ہے اور ایسے بڑے بڑے کاروباری اداروں اور چند مخصوص صنعتی اداروں کو مالی وسائل فراہم کرنے کے سلسلے میں کافی اہمیت حاصل ہے۔

غیر زرعی قرض سوسائٹیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی تنخواہ کمانے والوں کی سوسائٹی اور شہری قرض سوسائٹی۔ تنخواہ کمانے والوں یا ملازمین کی قرض سوسائٹیاں مرکزی حکومت، ریاستی حکومت کے دفتروں، عوامی اداروں، کاروباری اداروں، تعلیمی اداروں اور کارخانوں میں قائم کئے جاتے ہیں۔ انکی سرگرمیاں گھریلو مقاصد جیسے بیماری، شادی، تعلیم اور بنیادی ضرورتوں کی خوراک، لباس اور مکان وغیرہ کے لئے، متوسط طبقہ کے لوگوں اور مزدور طبقہ کے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مرکوز ہوتی ہیں۔ تنخواہ کمانے والی سوسائٹیاں خود کو بینک کہہ سکتی ہیں اگر ان کا کاروبار پھیل جائے اور وہ غیر ممبروں سے روپے بطور تحویل قبول کریں اور بینکوں کی دیگر خدمات میں مصروف ہو جائیں۔

شہری قرض ادارہ اور خاص طور پر امداد باہمی بنک نظام نے ہندوستان کے مغربی ریاستوں میں اور چند جنوبی ریاستوں میں اور کچھ حد تک مغربی بنگال میں اچھی خاصی ترقی کی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۱ء تک مہاراشٹر میں ۳۱۲ شہری امداد باہمی بنک، گجرات میں ۲۸۳، کرناٹک میں ۱۶۸، تمل ناڈو میں ۱۲۵، آندھرا پردیش ۵۲، کیرالا میں ۲۸ اور مغربی بنگال میں صرف ۲۶ شہری امداد باہمی بنک تھے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے مرکزی، شمالی، مشرقی اور شمالی مشرقی ریاستوں میں صورت حال تشفی بخش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کام کرنے کے سرمایہ اور سرمایہ تحویل کی تقریباً ۸۰ فی صد رقم صرف چار ریاستوں یعنی مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک اور تمل ناڈو میں ہے۔

اور عجیب ترین بات یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں جتنے امداد باہمی (کوآپریٹو) بنک ہیں ان کا نصف صرف دو ریاستوں میں یعنی مہاراشٹر اور گجرات میں ہے اور ان کے پاس کل ڈپازٹ (تحویل)، ایڈوانس (پیشگی کی رقم) اور کام کرنے کے سرمایہ کی تین چوتھائی رقم ہے۔ ان علاقائی نابرابری سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شہری بنک تحریک صرف چند ہی ریاستوں میں مرکوز ہیں اور جب تک کہ متوازن نشوونما اور ترقی، جس کے لئے غیر سرکاری سربراہی اور مرکزی و ریاستی حکومتوں کی مرکوز کوشش کی ضرورت ہے، نہ ہو، اس وقت تک معاشی ترقی نہیں ہوسکے گی اور بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل نہ ہوگا۔ اس معاملہ میں تاخیر خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ اور ہندوستان کی غیر ترقی یافتہ ریاستوں میں حالیہ بے چینی سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ ان ریاستوں میں ناتجربہ کار سربراہوں نے اپنی ذاتی اور علاقائی مفادات کے پیش نظر ہندوستان سے الگ ہونے کی تحریک جاری کر دی ہے۔

۱۹۱۵ء میں امداد باہمی پر میک لیگن کمیٹی قائم کی گئی تھی، کیونکہ اس زمانہ میں شہری امداد باہمی بنکوں کی اہمیت کافی بڑھ گئی تھی، ایسے بنک حکومت سے مالی امداد لئے بغیر خود کفیل بن گئے تھے۔ اسی لئے مذکورہ کمیٹی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ عام طور پر بنکوں کے کام کاج کو سمجھنے کے لئے اعلیٰ اور درمیانی شہری طبقہ کے لوگوں کو تربیت دینے میں شہری قرض سوسائٹیاں بہت ہی کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد شہری امداد باہمی بنکوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے حکومت ہند اور ریزرو بنک آف انڈیا نے بہت ساری کمیٹیاں قائم کیں، جیسی سنٹرل بینکنگ

۱۹۸۳ء میں عوامی تعطیلات

حکومت مغربی بنگال نے ۱۹۸۳ء سال میں مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیل کا دن قرار دیا ہے۔

یوم جمہوریہ۔ ۲۶ر جنوری، شری پنچمی۔ ۱۸ر فروری، دول جاترا۔ ۲۸ر مارچ، گڈ فرائیڈے یکم اپریل، بنگلہ نیا سال۔ ۱۵ر اپریل، بنک اکاؤنٹس کی نصف سالہ بندی۔ ۳۰ر جون، عیدالفطر ۱۲ر جولائی، یوم آزادی۔ ۱۵ر اگست، جنم اشٹمی۔ ۳۱ر اگست، مہالیہ۔ ۶ر اکتوبر، درگا پوجا سپتمی۔ ۱۳ر اکتوبر اشٹمی ۱۴ر اکتوبر، نومی۔ ۱۵ر اکتوبر، محرم۔ ۱۷ر اکتوبر، لکشمی پوجا۔ ۲۱ر اکتوبر، کالی پوجا۔ ۴ر نومبر، بنک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی۔ ۳۱ر دسمبر۔

نوٹ:۔ (۱) این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت اتوار کے دن عوامی تعطیلات کے دن ہوتے ہیں۔

(۲) مسلمانوں کا مذکورہ بالا کوئی بھی تہوار اگر اعلان کردہ دن میں نہ ہو، تو انھیں اس دن کے ساتھ اس دن بھی شعبہ جاتی چھٹی دی جائے گی جس دن وہ اپنا تہوار منائیں گے۔

(۳) چونکہ ۱۹۸۳ء سال، میں نیتاجی کا جنم دن (۲۳ر جنوری)، یوم مئی (یکم مئی)، عیدالضحیٰ (۱۸ر ستمبر)، گاندھی جی کی پیدائش کا دن (۲ر اکتوبر)، درگا پوجا کی دشمی (۱۶ر اکتوبر)، گورو نانک کا جنم دن اور پارس ناتھ رتھ جاترا (۲۰ر نومبر)، میلادالنبی یعنی فاتحہ دوازدہم (۱۸ر دسمبر)، کرسمس ڈے (۲۵ر دسمبر)، اتوار کے دن ہیں اور یہ دن این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت تعطیل کے دن ہیں، اس لئے انھیں عوامی تعطیلات کے دنوں میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔

ٹریزری اور سب ٹریزری کے علاوہ دیگر سرکاری دفاتر ۳۰ر جون ۱۹۸۳ء اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو کھلے رہیں گے حالانکہ ان دونوں دنوں کو این۔ آئی۔ ایکٹ کے اعلانیہ نمبر ۵۷۵ ۱۱۔ ایف، مورخہ ۱ر نومبر ۱۹۸۲ء کے ذریعہ عوامی تعطیلات کے دن قرار دیئے گئے ہیں۔

رجسٹرار آف ایشیورنس، کلکتہ اور کلکٹر آف اسٹامپ ریونیو کلکتہ کے دفاتر کے علاوہ حکومت مغربی بنگال کے دیگر دفاتر مندرجہ ذیل دنوں میں بند رہیں گے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کا جنم دن ۹ر مئی، درگا پوجا۔ ۱۸، ۱۹ر اور ۲۰ر اکتوبر۔

مختلف طبقوں کے سرکاری ملازمین کے لئے مندرجہ دنوں میں شعبہ جاتی تعطیل ہوگی۔

ایسٹر سٹر ڈے (صرف عیسائیوں کے لئے)۔ ۲ر اپریل، مہاویر جینتی (صرف جینیوں کے لئے)۔ ۲۵ر اپریل، بدھ پورنیما (صرف بدھ مت ماننے والوں کے لئے) ۲۶ر مئی بیساکھی (صرف سکھوں کے لئے) تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

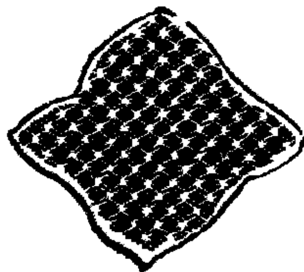
وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ میں عطیہ

شری نرمل بوس، وزیر تعاون، مغربی بنگال نے ۲۵ر نومبر ۱۹۸۲ء کو امداد باہمی سوسائٹی لمیٹڈ کے مغربی بنگال ریاستی فیڈریشن کے ممبروں اور ملازمین کی طرف سے مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو خشک سالی امداد کے لئے وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ میں ۶۰۰۱ روپے کا چیک بطور عطیہ پیش کیا۔

پانی کی سپلائی میں بہتری کے لئے

سی ایم ڈی اے کا عطیہ

سی ایم ڈی اے نے بالسٹریہ میونسپلٹی کو پانی کی سپلائی میں اضافہ کرنے کی اسکیم کی تکمیل کے لئے ۳۱۶۷۲ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی۔



رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں ۸ ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو ہندوستان
میں جرمن ڈیموکرٹیک ریپبلک کے ہز اکسلینسی مسٹر
ہنز برز کی وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو سے ملاقات۔



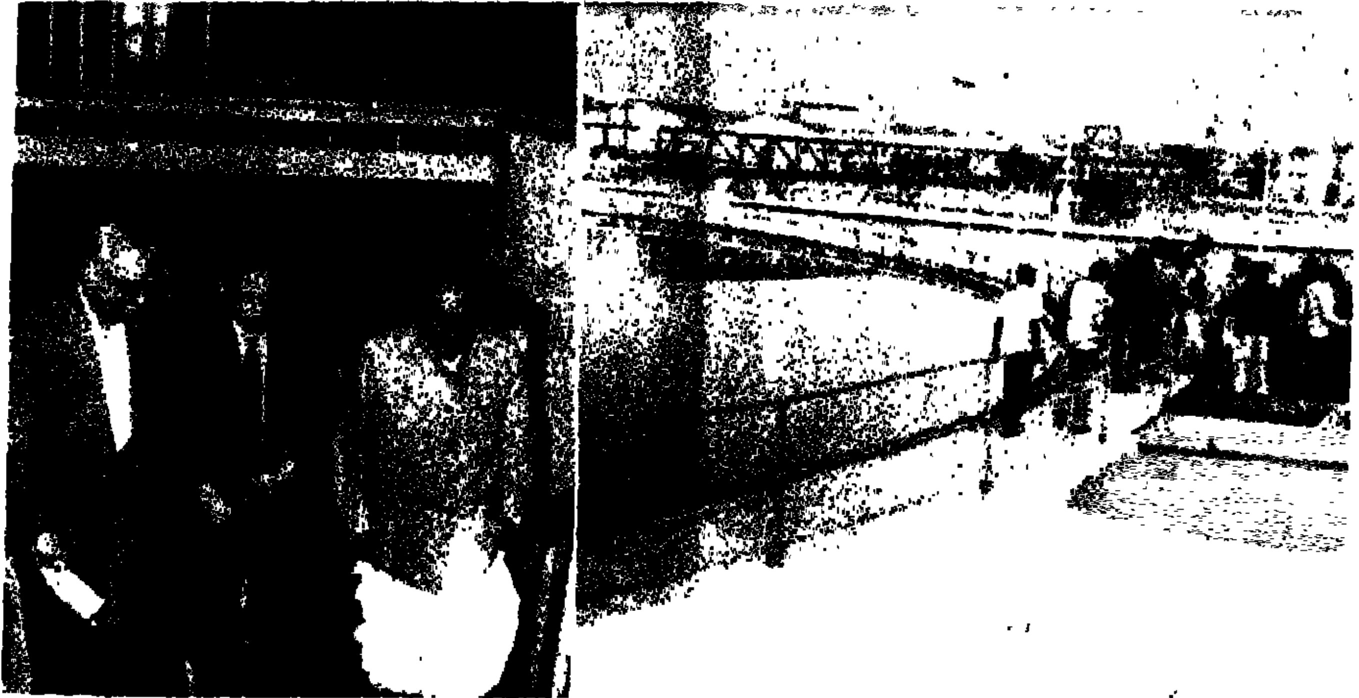


خدمت عامہ۔ شری رام نارائن گوسوامی، وزیر
ریاست برائے صحت عامہ اور خاندانی رفاہ
(صحت عامہ و صحت عام پروگرام)، پورل گرام
پنچایت کے دفتر میں بچّوں کو پولیو ویکسین (فالج
کی روک تھام کا ٹیکہ) دیتے ہوئے۔

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 30 No. 1
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL

1st JANUARY 1983



شری بی۔ ڈی۔ پانڈے، گورنر مغربی بنگال نے ۲۲ دسمبر ۱۹۸۲ء کو کلکتہ کے جنوبی علاقہ میں گارڈن ریچ پانی سپلائی اسکیم کے تحت پانی کی سپلائی کا افتتاح کیا۔ تصویر میں مغربی بنگال کے گورنر کے دائیں شری پرشانتو سور، وزیر برائے میونسپل خدمات اور شہری ترقیات اور بائیں طرف شری روبن مکھرجی، وزیر ٹرانسپورٹ ہیں۔ تصویر میں دائیں طرف گارڈن ریچ واٹر ورکس ہے۔

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

مغربی بنگال

۱۶ جنوری ۱۹۸۲ء

21.3.82



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : دھیریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد ۳	۱۵ جنوری ۱۹۸۳ء	شمارہ ۲

شرح خریداری

قیمت :- بارہ پیسے فی پرچہ
سالانہ :- ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ :-
بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور،
حکومت مغربی بنگال
۲۳، آر۔ این۔ مکھرجی روڈ
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱




وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں ریاستی بجلی بورڈ کے ملازمین کی یونین کی طرف سے یونین کے نمائندہ وزیر اعلیٰ امداد فنڈ میں ۵۰۰۰۰ روپے کا چیک پیش کرتے ہوئے۔

کارل مارکس کا نام

صدیوں تک زندہ رہیگا اور اس کے ساتھ انکی تحریریں بھی

ہنز ریچ

سر یندرا ناتھ پارک، کلکتہ میں ۶، دسمبر ۸۲ء کو کارل مارکس۔ فریڈرک اینجلس کے مجسمے کی نقاب کشائی کی تقریب میں ہز ایکسیلنسی مسٹر ہنز ریچ جرمن عوامی جمہوریہ کے سفیر نے شرکت کی۔ اس موقع پر مسٹر ہنز ریچ نے تقریر کی جس کا متن درج ذیل ہے۔

ہم لوگوں کو بڑی مسرت حاصل ہوئی ہے اور ہمیں اس بات کا فخر بھی حاصل ہوا ہے کہ آج ہم کلکتہ میں موجود ہیں اور یہاں ہمیں مارکس۔ اینجلس کے مجسموں کی نقاب کشائی کی تقریب کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ہم لوگ حکومت ہند، حکومت مغربی بنگال اور حکومت ہندوستان۔ جی ڈی آر دوستی سوسائٹی کے بے حد مشکور ہیں کہ انکی مشترکہ کوششوں نے ہند، جی ڈی آر دوستی کی اس یادگار کی سنگ بنیاد ڈالی۔ اس لئے یہ بات ہمارے لئے باعث فخر ہے کہ ہمیں یہ دیکھنے کا موقع ملا کہ آج یہاں مغربی بنگال میں کس طرح جرمن کے دو عظیم سپوتوں کی، ان کے مجسموں کو کلکتہ کے مرکز میں یعنی اس شہر کے [illegible] کی زندگی کے بالکل قریب رکھ کر، عزت افزائی کی۔

یہ تقریب فریڈرک اینجلس کی یوم پیدائش سے تقریباً منطبق ہو جاتی ہے، اور کارل مارکس کی سوویں برسی اور ۱۶۵ ویں سالگرہ کے موقع پر منعقد ہوئی جب، ۱، مارچ ۸۳ء میں ہائی گیٹ قبرستان، لندن میں کارل مارکس کو دفنایا گیا اس وقت ان کا بہت ہی قریبی دوست فریڈرک اینجلس جنہوں نے مارکس کے ساتھ چالیس برسوں تک کام کیا، نے بہت ہی مختصر تقریر کی "ان کا (مارکس) کا نام صدیوں تک زندہ رہے گا۔ اور ان کی تحریریں بھی" یہی باتیں کہہ کر انہوں نے اپنی تقریر ختم کی تھی لیکن اسکے بارہ سال بعد اینجلس اس دار فانی سے کوچ کیا تو کسی نے ان کی قبر پر اس قسم کی تقریر نہیں کی۔ کیونکہ انہوں نے جیتے جی اس کی ممانعت کر دی تھی۔ انکی لاش کو نذر آتش کر دیا گیا اور انکے قریبی دوستوں نے انکی راکھ کو رود بار انگلستان میں بہا دیا گیا۔ اگر انکی لاش کے سرہانے کوئی تعزیتی تقریر کرتا تو مقرر ضرور یہی کہتا کہ "اینجلس کا نام اور کام صدیوں تک قائم و دائم رہے گا۔

کارل مارکس اور فریڈرک اینجلس غیر فانی بن چکے ہیں۔ ان لوگوں نے انسانی سماج، فطرت اور تفکر کی حرکت کے بنیادی قوانین دریافت کرکے سائنس میں انقلاب برپا کر دیا۔ آج بھی انسانی زندگی کے ہر گوشہ میں، اس زمین کے ہر کونہ میں ان کی کارگزاریوں کی اہمیت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مارکس اور اینجلس جرمنی کے باشندے تھے اور ہم جرمن باشندوں کو اس حقیقت پر ناز ہے لیکن مارکسزم اپنے وجود میں آنے کے بعد سے ہی کئی لحاظ سے عالمی اور بین الاقوامی بن چکا ہے اور اب بھی ہے۔

مارکس اور اینجلس کی سرگرمیاں اتنی ہی عالمی اور بین الاقوامی ہیں جتنی کہ تعلیمات۔ خواہ پرولتاریت کی بین الاقوامی طور پر تشکیل کردہ پہلی پارٹی کے بانی یا پہلی بین الاقوامی (فرسٹ انٹرنیشنل) کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے بین الاقوامی محنت کش طبقہ کے نظریہ کے [illegible] یا جرمنی، فرانسیسی اور دیگر قومی مزدور پارٹیوں کے ممبر کے موقع پر موثر سربراہ ہونے کی حیثیت سے یا جرمن انقلاب کی بے چینی میں یا پیرس، برسیلس یا لندن میں مہاجرین کی حیثیت سے — ہر وقت ان کی زندگی استحصال، ظلم و ستم اور جنگ کے خلاف عالمگیر جدوجہد کے ساتھ ہزاروں دھاگوں سے بندھی ہوئی تھی۔

مارکس اور اینجلس نے اپنی ذاتی زندگی میں اس اہم حقیقت کا مظاہرہ کیا کہ پرولتاری بین الاقوامیت اور صحیح سوشلسٹ حب الوطنی ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ ایک سکہ کے دو رخ ہیں، اور یہ کہ اشتراکیت (سوشلزم) کیلئے جدوجہد میں امن کیلئے جدوجہد شامل ہے اور یہ کہ امن کی محبت سے سرشار مجاہدین کمیونسٹوں کو اپنا بہترین دوست پائیں گے۔ اینجلس کی مثال پیش کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انسان دوست تھے اور جنگ کی مذمت کیا کرتے۔ ان کے دل میں لافانی امن کی خواہش تھی اس صدی کے اختتام سے

پہلی جب یورپ میں بڑی بڑی سامراجی طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف جنگ پر اتر آئیں تو اس وقت اینجلس نے مزدوروں کو انتباہ کیا تھا کہ وہ جنگ سے اپنی امیدیں وابستہ نہ رکھیں۔ اس سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں: "کسی بھی سوشلسٹ کو اس بات کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے کہ بڑی یورپی طاقتوں میں سے کسی ایک کو اس جنگ میں فتح حاصل ہو۔ اس لئے تمام اشتراکیت پسندگان کو سارے یورپی ممالک میں امن کی تائید کرنی چاہیئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اینجلس ہی تھے جنہوں نے اشتراکی تحریک کی تاریخ میں پہلی بار تخفیف فوج و اسلحہ کی جامع تجویز پیش کی تھی۔ اس زمانہ میں ہی انہیں اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ اسلحہ جات کی دوڑ جنگ کے خطرہ کو بڑھا دیتی ہے، فوج گردی کو مستحکم بناتی ہے اور اس طرح قوموں کے لئے معاشی تباہی لاتی ہے۔

اب یہ بات بالکل عیاں ہو گئی ہے کہ بڑے بڑے امیر و کبیر لوگ ہی جنگ کا منصوبہ تیار کرتے ہیں اور پھر جنگ کی آگ میں سبھوں کو دھکیل دیتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جنگ سے زیادہ سے زیادہ دولت کمائی جائے لیکن ایسی جنگ سے ہمیشہ عام لوگوں کا نقصان ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ کارل مارکس، فریڈرک اینجلس اور لینن ہی تھے جنہوں نے سرمایہ داروں کے اس راز کو عیاں کیا۔

آج اشتراکی جماعت کی موجودگی کی وجہ سے طاقت کا توازن بہت حد تک بدل چکا ہے۔ آج امن پسند طاقتیں، سامراجیت، فاسزم اور نوآبادی کی مخالفت کرنے والی طاقتیں جب بھی امن کو خطرہ لاحق ہو جائے یا ان کی معاشی اور سیاسی آزادی کو سامراجی چالوں سے خطرہ لاحق ہو جائے، سوشلسٹ ملکوں پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امن، اشتراکیت اور ناوابستگی کی اس حقیقی غیر سامراجی نظام کا گلا گھونٹنے کے لئے سامراجیت کی مختلف کوششوں کے خلاف شروعات سے ہی دفاع کرنی چاہیئے۔

اشتراکیت امن چاہتی ہے اور اسے امن کی ضرورت ہے عوام کے مفاد کی خاطر سماجی مسائل کو حل کرنے کا کام صرف امن کے دوران کیا جا سکتا ہے۔ اشتراکی ملکوں میں بالشویک جماعت کے بہت ہی کم وسائل تھے۔ نیز ان کی بنیاد بھی محدود تھی اور انہیں جنگ کی وجہ سے بہت سارے نقصانات برداشت کرنے پڑے لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے تاریخی لحاظ سے بہت ہی مختصر عرصہ میں اپنے عوام کی مادی اور ثقافتی زندگی میں بہتری لانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور ایسا صرف امن کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ مارکس اور اینجلس نے آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد کی ہمیشہ تائید کی۔

۱۸۵۷ء میں سپاہیوں کی بغاوت جسے عام طور پر انگریزی میں ہندوستانی بغاوت کہتے ہیں، کی بابت "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" میں ان کے بہت سارے مضامین شائع ہوئے۔ دونوں نے نوآبادکاری کے خلاف ہندوستانی سپاہیوں کی جدوجہد پر اپنے مضامین میں اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا، ساتھ ہی برٹش سامراجیوں کی پرزور تنقید کی۔ خاص طور پر مارکس نے اپنے بہت سارے مضامین میں ماقبل برٹش ہندوستان سماج کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اپنے مضامین میں اس دور کے ہندوستانیوں کے معاشی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی پس منظر کا غائر اور دوررس تجزیہ کیا۔

جواہر لال نہرو نے، جنہوں نے مارکس، اینگلس اور لینن کی تصانیف کا کافی مطالعہ کیا تھا، ایک بار یوں کہا تھا: "مارکس اور لینن کی کتابوں کے مطالعہ سے میں کافی مستفید ہوا اور ان کا کافی گہرا اثر مجھ پر پڑا۔ اور ان کے خیالات میرے لئے ایک نئی روشنی میں تاریخی اور موجودہ امور کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوئے۔" نہرو کی طرح ہندوستان کے دیگر مفکروں اور لوگوں [illegible] مارکس، اینجلس اور لینن کی تحریروں سے کافی فیض حاصل کیا۔ یہ بات جرمن عوامی جمہوریہ پر بھی صادق آتی ہے۔

جرمن عوامی جمہوریہ میں مارکس اور اینجلس کی کارگزاریاں اب بھی رواں دواں ہیں۔ اور مارکس کی انقلابی تھیوری ترقی یافتہ اشتراکیتی سماج کی تعمیر کے ذریعہ ایک انقلابی عمل بن گئی ہے۔ ہمارا جرمن عوامی جمہوریہ جہاں محنت کش لوگ جرمنی کی سوشلسٹ یونیٹی پارٹی کی سربراہی کے تحت اپنی ریاست کو مستحکم بنانے اور ایک نئے قسم کے سماجی اور انسانی تعلقات پیدا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ مارکس اور لینن کی تھیوری کتنی اہم اور صحیح ہے۔

جرمن عوامی جمہوریہ میں مارکس اور اینجلس کی تصانیف کو محفوظ رکھا گیا ہے اور ہمارے دونوں عظیم فرزندوں کو ہم لوگوں نے بہت ہی اعلیٰ مقام دیا ہے۔ سنہ ۱۹۵۳ء میں ہمارے ملک میں چوتھے بڑے شہر کا نام کارل مارکس اسٹیڈ رکھا گیا ہے۔ اس شہر کے مرکزی علاقہ میں مارکس کا بہت ہی بہترین مجسمہ نصب کیا گیا ہے۔ اس مجسمہ کے نیچے فریڈرک اینجلس کے یہ الفاظ کندہ ہیں: "اس طرح اس سیدھی سادی حقیقت سے وہ روشناس ہوا کہ سب سے پہلے لوگوں کو خوراک کی، پوشاک کی اور رہائش کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد وہ سیاست، سائنس، آرٹ اور

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

از ڈاکٹر سوجے وی۔ دستو

سائنس کی تعلیم
مادری زبان میں بہتر طور پر دی جاسکتی ہے

اس صدی کے سب سے بڑے سائنسداں البرٹ آئنسٹائن کی ایک بڑی اچھی عادت یا یوں کہیئے کہ ایک عجیب عادت یہ تھی کہ وہ اپنے سائنسی بحث ومباحثہ کے دوران جب کسی دلچسپ یا اہم اور مشکل نقطہ پر پہونچتے تو وہ اپنی مادری زبان یعنی جرمن زبان میں بولنا شروع کر دیتے۔ میرے والد پروفیسر وی۔ وی۔ نارلیکر یہاں یہ ذکر کرتے ہیں کہ اس صدی کی تیسری دہائی کے شروع میں انھوں نے ایک جلسہ میں شرکت کی تھی جہاں آئنسٹائن نے تقریر کی تھی۔ تقریر تو انگریزی میں ہونے والی تھی لیکن آئنسٹائن نے تقریر تو انگریزی میں شروع کی لیکن وہ اپنے نظریہ اضافت کے کسی اہم نقطہ کی وضاحت کرنا چاہتے تو اس وقت جرمن زبان میں بولنا شروع کر دیتے۔

سائنس کی تعلیم دینے کے لئے مادری زبان کے استعمال کی تائید کرنے کے لئے مذکورہ بالا مثال مقدمہ بادی النظری ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نقطہ بھی ہے جس کا میں اسی مضمون میں بعد میں ذکر کروں گا۔ پہلے میں سائنس کی تعلیم کے واسطہ کے طور پر مادری زبان استعمال کرنے کے معاملہ کی وضاحت کروں گا۔

تاریخ یا جغرافیہ، جو استدلال سے زیادہ حفظ کرنے پر انحصار کرتا ہے، کے برخلاف سائنس کے لئے سوچ وچار، دلالت اور تجسس کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تمام طریقہ کار انفرادیت پسندانہ ہیں اور ہر شخص کو اپنے دماغ سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس لئے ان طریقہ کار کو اور بھی زیادہ اثر آفریں بنانے کے لئے ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا مادری زبان میں ان طریقہ کار کو بہتر طور پر روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مادری زبان سے مراد وہ زبان جس میں ایک شخص اپنے خیالات کا اظہار اچھے طریقہ سے کرسکتا ہے۔ یہاں میں نانا فرنویس کی ایک کہانی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے اور دیگر لوگوں سے مختلف زبانوں میں فرفر بات چیت کرنے لگا۔ یہ شخص بہت بڑا عالم تھا لیکن کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی مادری زبان کیا ہے۔ اس لئے لوگوں نے نانا فرنویس سے درخواست کی کہ وہ اس کی مادری زبان کیا ہے معلوم کرے۔ انھوں نے بہت ہی سوچ وچار کے بعد ایک آسان طریقہ پر عمل کیا۔ رات کے وقت جب وہ عالم بے خبر سو رہا تھا تو اس وقت انھوں نے اس کے جسم پر ٹھنڈا پانی ڈھال دیا۔ وہ شخص ہڑبڑا کر اٹھا اور پانی ڈھالنے والے پر اپنی مادری زبان میں چیخنے اور چلانے لگا اور اسے برا بھلا کہنے لگا اور اس طرح لوگوں کو اس کی مادری زبان کا پتہ چلا۔ ہو سکتا ہے کہ مادری زبان کی یہ تعریف ماں کی زبان یا خاندان کی بول چال کی زبان کی تعریف کے ہو بہو نہ ہو۔

میں نے مادری زبان کی جو تعریف کی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس زبان میں سائنس کی بہتر طور پر تعلیم دی جاسکتی ہے لیکن اس میں کچھ عملی مشکلات بھی ہیں اور جس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اگر سائنس میں اعلی تعلیم کا مسئلہ در پیش ہو تو اس تجویز میں حسب ضروری ترمیم کی جاسکتی ہے۔

ابتدائی سطح پر تو میں اپنی تجویز پر قائم ہوں۔ اس کی وجہ کا تو اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ ایک بچہ کو سائنس سے روشناس کرانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے تجسس کو ابھارا جائے۔ اسے سوچنے پر مجبور کیا جائے اور اسے پوچھ گچھ کرنے کا موقعہ دیا جائے اور یہ تمام اس کی مادری زبان کے ذریعہ ہی آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی اسکول کی سطح پر جب کہ بچہ کی عمر ۵ تا ۱۰ سال کی ہوتی ہے۔ اسے تصورات کو سمجھنے کے لئے نہ کہ اپنی مادری زبان کے علاوہ دیگر زبان میں نئے نئے تکنکی

انکو زبانی یاد کرنے پر اپنی سائنسی توانائی کو صرف کرنی چاہیے۔

ثانوی، اعلیٰ ثانوی اور شروع کالج کی سطحوں پر کیا اعلیٰ معیار ہونا چاہیے؟

یہاں بھی میں مادری زبان کے استعمال کے حق میں ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میری یہ تجویز بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر مادری زبان انگریزی نہیں ہے تو اس مرحلے پر تکنیکی سائنسی الفاظ کو انگریزی ہی میں استعمال کرنا چاہیے۔ اگر طلبا، سائنس کورس میں بعد میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی گراجویٹ / پوسٹ گراجویٹ / ریسرچ کی سطح تک تو ان کی اس سلسلے میں ہمت افزائی کرنی چاہیے کہ وہ ایک زبان کی حیثیت سے انگریزی کی تعلیم حاصل کریں کیونکہ میرے خیال میں اعلیٰ سطحوں پر سائنس کی تعلیم میں انگریزی کا استعمال ضروری ہے۔ اس لیے ۱۰ - ۱۱ سال کے دور کو ایک تغیر کا دور کہا جا سکتا ہے یعنی ایک ایسا دور جو مادری زبان کی جگہ انگریزی کو سائنس کی تعلیم کیلئے واسطہ زبان میں تبدیل کر دیتا ہے۔

کیوں میں گراجویٹ اور اس سے اعلیٰ درجوں میں سائنسی تعلیم کے لئے انگریزی کے استعمال کی تائید کرتا ہوں؟ کیا یہ آئنسٹائن کی مثال کے خلاف نہیں ہے؟ اگر اعلیٰ ترین سائنسی سطح پر آئنسٹائن اپنی مادری زبان میں سوچ وچار کر سکتا ہے تو ہم کیوں اپنی مادری زبان میں مثلاً مراٹھی میں بی۔ ایس۔ سی، ایم۔ ایس۔ سی اور پی۔ ایچ۔ ڈی سطحوں تک سائنسی تعلیم دینے پر اعتراض کریں۔ اب یہ سوال مجھے دوسرے نقطہ کی طرف لاتا ہے جس کا میں اس مضمون کے دوسری عبارت میں ذکر کر چکا ہوں۔

یوں تو سائنس کے مطالعہ کے لئے مادری زبان میں بہت ساری سہولتیں ہیں تاہم میں مندرجہ نقاط کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ پہلا سائنس بین الاقوامی بن چکا ہے۔ ہندوستانی سائنس، امریکی سائنس یا انگریزی سائنس کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی وہ سائنس نہیں جو صرف ان ملکوں تک ہی محدود ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ملکوں میں سائنس کے میدان میں ان ملکوں کے سائنسدانوں نے کیا کیا کردار ادا کیا ہے۔ جبکہ ممالک سائنس کی مدد کے ذریعہ اپنے اپنے خصوصی مسائل کو حل کرنے کی امید کرتے ہیں اور اس کام میں انھیں عموماً کامیابی حاصل ہوتی ہے، وہاں سائنس کی اصطلاحات، طریقۂ کار، آلات اور تبادلہ خیالات یہ سب اب بین الاقوامی بن رہے ہیں۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان خصوصی تصورات کا تبادلہ خیالات بین الاقوامی سطح پر انگریزی میں کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر الیکٹرونک کمپیوٹر، ڈاٹا اسٹورنگ وغیرہ کا کام آج کل انگریزی میں کیا جاتا ہے۔ اس کے قبل کے کمپیوٹروں کے پروگرام کو اعدادی کلام میں درج کیا جاتا تھا اب ان کے جدید جانشین انسانی زبان میں سمجھ سکتے ہیں اور وہ زبان زیادہ تر انگریزی ہوتی ہے۔ اس لئے اگر ایک سائنسداں دوسرے سائنسداں سے اپنے کمپیوٹر کے اعدادی کلام کا تبادلہ کرے تو وہ ایسا عام طور پر انگریزی میں ہی کر سکتا ہے۔

بیسویں صدی میں لوگوں نے سائنس کی ترقی کی تیز رفتاری کا مشاہدہ کیا ہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ آج کا تحقیق کل کے لیے پرانا ہو جائے گا۔ روز بروز نئے خیالات اُجاگر ہو رہے ہیں۔ نئی نئی ایجادیں ہو رہی ہیں۔ اگر ہم لوگ بی۔ ایس۔ سی اور ایم۔ ایس۔ سی سطحوں پر سائنس کی تعلیم دے رہے ہیں تو ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ اچھے طلباء ان کے نصاب کے باہر سائنس کی بابت کچھ جانیں۔ اچھے اچھے رسالے (سائنٹیفک امریکن، امریکن سائنٹسٹ، نیو سائنٹسٹ اور ہندوستانی رسالہ سائنس ٹوڈے)، سائنسی علم کی اشاعت کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن وہ سب انگریزی رسالے ہیں۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم لوگوں کو اپنی مادری زبانوں میں یا کم از کم اہم اہم ہندوستانی زبانوں میں ایسی کوششیں کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ ہمیں اپنی زبانوں کو مالا مال کر دینا چاہیے تاکہ یہ سائنس کی باتیں کر سکیں۔ ایسی تجویزوں کے سلسلے میں میرا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلاشبہ لوگوں کے درمیان سائنس اور سائنسی نظریہ کے پرچار کے لئے یہ واحد راستہ ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے تمام واسطوں کو جیسے اخبارات، رسالے، کتابیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن فلم کو اس طرح آراستہ کرنا چاہیے کہ وہ سب عوام کی زبان میں عوام سے سائنسی باتیں کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انگریزی پر بھروسہ کرنا بے وقوفی ہوگی۔

بلاشبہ عوام کو سائنس کی تعلیم دینے اور اعلیٰ سطحوں پر سائنس میں تعلیم اور تحقیق کے درمیان کافی فرق ہے۔ بعد الذکر معاملہ میں پہلے تو سائنسی تحقیق کی کتابوں کا مادری زبان میں ترجمہ کرنا ہوگا پھر اس کے بعد تحقیق کا کام شروع ہوگا۔ ایسے کام پر خواہ مخواہ وقت ضائع ہوگا۔ اگر سائنس کی رفتار میں تیزی نہیں ہوتی تو ہم اس نقطہ پر اور بھی زیادہ غور و خوض کر سکتے لیکن اگر ہم ایسا کرنا شروع کر دیں تو ہم سائنس کی دنیا میں ترقی پذیر ملکوں سے کافی پیچھے رہ جائیں گے۔ اپنی مادری زبان میں جتنا کچھ تحقیق کا کام کریں گے، وہ اعلیٰ درجہ کا نہیں ہوگا یا یوں کہیے کہ دوسروں کے تحقیق کو دہرانا ہوگا۔ یا اگر مادری زبان میں تحقیق اعلیٰ درجہ کا بھی ہو تو وہ بین الاقوامی میدان میں کوئی خاص اثر نہیں کرے گا۔ جہاں تک سائنس کا تعلق ہے تو بین الاقوامی سطح پر رابطہ کی زبان کی حیثیت سے ہمیں انگریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔

موازنۂ انیس و دبیر

جمال آرا نظامی
گرلز کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ میر انیس اور مرزا دبیر ایک ہی صنف کے دو بڑے فن کار ہیں۔ یہ امر بھی سب پر عیاں ہے کہ دونوں ایک ہی دور سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لئے دونوں کے فن کا موازنہ ہوتا آیا ہے لیکن ان دونوں میں کون بڑا ہے اس کا منصفانہ فیصلہ اب تک نہ ہو سکا۔ موازنہ کے نام پر جو کچھ بھی ملتا ہے دراصل اس کو موازنہ کا نام دینا درست نہیں۔ کیونکہ وہ ایک طرح کی تحسین ہے جس میں تاثر اور تعصب کی کارفرمائی زیادہ ہے۔ بعض نے فضیلت کی بنیاد اسی پر رکھی ہے کہ انیس کو شاعری وراثت میں ملی ہے اور یہ دبیر سے پہلے مرثیے لکھتے رہے ہیں اس لئے دبیر سے بڑے ہیں۔

بعض کا کہنا ہے کہ پہلے دبیر نے ابتدا کی اور اپنی صلاحیت و ذاتی علمیت کے بل بوتے پر اپنے فن کی بنیاد رکھی ہے اس لئے یہ انیس سے زیادہ قابل ستائش ہیں۔

موازنہ کے نام پر سب سے پہلی کتاب مولانا شبلی کی "موازنہ انیس و دبیر" ہے جس میں مولانا نے یہ تو ضرور کہا ہے کہ

"مدت ہائے دراز کے غور و فکر، کد و کاوش

بحث و تکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہو سکا کہ ترجیح کا مسند نشیں

کس کو کیا جائے۔"

لیکن فصاحت و بلاغت کو معیار بنا کر جو بنیادی طور پر صحیح نہیں، اور انیس کے بہترین نمونۂ کلام کے سامنے دبیر کی پست اور کمزور تخلیق کو رکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ انیس کو دبیر پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔

دوسری کتاب اس سلسلے میں نوق رضوی کی "المیزان" ہے جو دراصل شبلی کی "موازنہ انیس و دبیر" کے رد عمل میں لکھی گئی ہے اس کتاب میں مصنف نے اپنا پورا زور شبلی کے اعتراضات کا جواب دینے اور دبیر کو انیس کے مقابلہ کا شاعر ٹھہرانے اور بعض اشاروں کے ذریعہ دبیر کے مرثیہ کو بڑھانے میں صرف کیا ہے۔ شبلی نے دبیر کے کمزور شعروں کو جمع کیا ہے تو انھوں نے دبیر کے بلند کلام کے مقابلے میں انیس کے پست اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ مولانا نے انیس پرستی سے کام لیا تھا تو رضوی صاحب نے دبیر پرستی کا حق ادا کیا ہے۔ انیس اور دبیر کے تقابلی مطالعہ پر کچھ اور بھی چھوٹے چھوٹے مقالے ملتے ہیں جن میں پروفیسر کلیم الدین اور ڈاکٹر اکبر حیدری کے نام مشہور ہیں۔ کلیم الدین نے شبلی ہی کی طرح انیس کے اچھے کلام کا دبیر کے کم تر درجہ کے کلام سے مقابلہ کر کے اور دبیر کے مرثیوں کے اندر کردار نگاری کا فقدان دکھا کر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ انیس دبیر سے بڑے مرثیہ نگار ہیں۔

اکبر حیدری کا مقالہ جوان کی کتاب "انیس بحیثیت رزمیہ شاعر" میں شامل ہے بہت اچھا ہے۔ لیکن انھوں نے بھی دبیر کے ساتھ زیادہ انصاف نہیں کیا ہے۔ پورے مضمون میں دبیر کی کردار نگاری، اور جذبات و واقعات نگاری کی کمزوریوں اور اس کے مقابلے میں انیس کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی انصاف اور دیانت داری سے کام نہیں لیا ہے۔ کسی کے یہاں تحسین ہے تو کسی کے یہاں تعصب، کوئی سوروثی خصوصیات کو معیار بناتا ہے، تو کوئی ذاتی کمالات کو پیمانۂ نقد قرار دیتا ہے کسی کے یہاں لاعلمی ہے تو کسی کے یہاں علم دانی کا غلط استعمال۔

دراصل دو فنکاروں کے کلام کی قدر و قیمت میں امتیاز اور ان کی حیثیت کے تعین کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان کی تمام تخلیقات کا مطالعہ کیا جائے پھر دونوں کے بہترین فن پاروں کا انتخاب کر کے غیر جانبدارانہ طور سے دونوں کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ دونوں کے مزاج، انداز فکر

یا اسلوب و طرزِ ادا کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے کہ دونوں کی الگ الگ کیا اہمیت ہے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے کا کیا مرتبہ ہے اس کے بغیر کسی فن کار کے اصل مقام کا تعین غیر ممکن ہے۔

مرزا دبیر اور میر انیس دونوں ایک صنفِ سخن اور ایک دور کے شاعر تھے لیکن دونوں کے مزاج، اندازِ بیان اور اندازِ فکر و نظر میں نمایاں فرق ملتا ہے۔ دبیر دقت پسند ہیں ان کا مزاج سودا اور غالب سے ملتا جلتا ہے اسی لئے وہ کلام کو براہِ راست بیان نہیں کرتے بلکہ پیچیدہ بنا کر علامتوں کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں معنی آفرینی، خیال آرائی، پیچیدگی صنائع بدائع وغیرہ کا اہتمام زیادہ ہے خود ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ؎

کس درجہ بلند ہے تیری فکرِ دبیر
کہتی ہے زمیں یہ آسماں اور ہی پر

اس کے برخلاف انیس سہل پسند ہیں ان کا مزاج براہِ راست بیانیہ شاعری کا مزاج ہے جو میر امن سے ملتا جلتا ہے۔ اسی لئے ان کے مرثیوں میں سلاست، روانی، شگفتگی اور سوز و گداز کا عنصر غالب ہے ان کے یہاں شعری پیکر زیادہ ابھرتے ہیں ان کے یہاں سب سے زیادہ محاکات کو اہمیت حاصل ہے جس نے ان کے مرثیوں میں فضا آفرینی کی ہے اور تمام واقعات زندہ اور متحرک صورت میں نظر آتے ہیں وہ اپنی قادر الکلامی کے متعلق خود بھی لکھتے ہیں کہ ؎

خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ
شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ

آور طرف رزم ابھی چھوڑ کر جو بزم
خیبر کی خبر لائے میری طبع اولوالعزم

جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

انیس، میر کی طرح تجربے کو پیچیدہ بنا کر نہیں پیش کرتے ان کے یہاں علامتی طریقۂ اظہار نہیں ہے اسی لئے ان کے مرثیوں میں روزمرہ محاورہ کی کارفرمائی زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کا مذاقِ سخن اور پیرایۂ اظہار الگ الگ ہے دونوں اپنے اپنے انداز میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں لہٰذا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا آسان نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں مفتی میر محمد عباس کا فیصلہ قابلِ توجہ ہے۔ "مرزا صاحب کا کلام دقیق اور میر صاحب کا کلام فصیح اور شیریں ہے دونوں کا ذائقہ علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ بعض طبیعتیں نمک کو پسند کرتی ہیں اور بعض طبائع شیرینی پر مائل ہیں۔"

شبلی نے فصاحت اور بلاغت کو معیار بنا کر موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے انھوں نے الفاظ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک قسم میں نرم دلکش، سلیس، شیریں اور شگفتہ الفاظ آتے ہیں۔ جبکہ دوسری قسم غیر مانوس، ثقیل اور دقیق الفاظ پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم کے الفاظ انیس کے یہاں ملتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا کلام دلکش، سلیس، دقیع اور اثر آفریں ہے۔ دوسری قسم کے الفاظ کے استعمال کی وجہ سے دبیر کے فن میں ثقالت اور غیر واقعیت پیدا ہو گئی ہے اور درد و اثر جاتا رہا ہے لیکن بنیادی طور پر یہ تقسیم صحیح نہیں کوئی لفظ بذاتِ خود اچھا یا برا نہیں ہوتا موقع اور ماحول کے ساتھ اس کے معنی کا تعین ہوتا ہے اور اسی کے اعتبار سے اس کی کیفیت بدلتی رہتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انیس کے یہاں فصاحت کا دریا رواں دواں ہے لیکن فصاحت کو معیارِ نقد نہیں بنایا جا سکتا۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انیس کے مقابلے میں دبیر کے یہاں فصاحت کی کمی ہے لیکن یہ کہ فصاحت سرے سے ہے ہی نہیں، جیسا کہ شبلی نے کہا ہے کہ "فصاحت ان کے کلام کو چھو کر بھی نہیں گئی" سراسر غلط ہے۔ دبیر کے مرثیوں میں بھی فصاحت ہے اور بعض مقامات پر بہت خوب ہے مثلاً تلوار ہی کا بیان لے لیجئے جس میں انیس کو کمال حاصل ہے۔

آگے کبھی بڑھی کبھی پیچھے کو پھر پڑی
سر پر جو لڑکھڑائی تو شانوں پر آ پڑی
تجویز جو نصیبوں نے کی وہ سفر پڑی
اقبادان سے پوچھئے یہ جن کے سر پڑی

اٹھی گری بلند ہوئی پست ہو گئی
پی پی کے بیکسوں کا لہو مست ہو گئی

بعض ہم مضمون اشعار میں تو مرزا دبیر کے مقابلہ میں میر انیس کمزور نظر آتے ہیں۔ مثلاً

ع۔ انیس — آنکھوں میں پھرے یوں کہ نہ پتلی کو خبر ہو
دبیر — آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر ہو

؎ — سینے پہ میرے زانوے قاتل نہ گراں ہے
خنجر کے تلے نام تیرا وردِ زباں ہے — انیس

ابھی جگہ دبیر کا ایک شعر دیکھئے جو فصاحت میں بڑھا ہوا ہے ؎

حلق پہ تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے
لب پہ ہو نام تیرا دل میں تیری یاد رہے

مذکورہ بالا شعر اپنی فصاحت کی وجہ سے زیادہ مقبول خاص و عام ہے لیکن فصاحت کے چند نمونے بیان کر کے اس میدان میں بھی دبیر کا انیس سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشبہ انیس فصاحت میں دبیر سے بدرجہا بہتر ہیں لیکن دبیر کے یہاں فصاحت کی دقت پسندی اور پیچیدگی ہے جو بجائے خود ایک خوبی ہے۔ ہمارے نقاد دبیر کے اشعار کو دقیق، ثقیل، غیر مانوس، پیچیدہ اور مبہم کہہ کر انھیں مجہول ثابت کر ڈالتے ہیں لیکن ان میں پوشیدہ واقعات اور معنی کے خزانے کو پانے کی کوشش نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو اس کی داد نہیں دیتے کہ دبیر نے ایک ایک مصرعہ میں کس خوبی سے ایک ایک واقعہ کا احاطہ کیا ہے اور جو پڑھ کر اٹھتے ہی واضح طور سے آنکھوں کے سامنے ابھر آتا ہے۔

ذیل کے بند کو غور سے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ صرف چھ مصرعوں میں کتنے واقعات، خوبصورت تلمیحات و تشبیہات سمٹ آئی ہیں۔

یوسفؑ عزیز چاہ ناگہاں ہوا
یعنی غروب ماہ تجلی سماں ہوا
یونسؑ دہانِ ماہی شب سے عیاں ہوا
یعنی طلوع نیّر مشرق ستاں ہوا
فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور ید بیضا تھا آفتاب

دبیر مناظر کی تصویر کشی میں دور از کار تشبیہات، تلمیحات و استعارات کا کثرت کی قوت متخیلہ کو متحرک کرتے ہیں اور انسانوں کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ ان شعری محاسن کے ذریعہ مختلف واقعات ہمارے سامنے ابھر آتے ہیں جو یقیناً ہماری لطف اندوزی میں اضافہ کرتے ہیں اور ہمارے لئے سامان مسرت و انبساط فراہم کرتے ہیں لیکن ان سے جہاں فائدہ ہے وہاں نقصان بھی کم نہیں ہے۔ بے شک یہ ہمارے تخیل کو بیدار کرتے ہیں اور ذہن کو انبساط حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے دوسرے حواس مناظر کی دلکشی سے لطف اندوز نہیں ہو پاتے تلمیحات اور استعارات کے ذریعہ دور دراز کے واقعات تو ضرور ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں لیکن کبھی کبھی اصل منظر ہماری نظروں سے غائب ہوجاتا ہے اور صبح کی رنگینی، شام کی سیاہی، دھوپ کی تیزی، جنگ کی خونریزی وغیرہ کے اصل تاثر سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی دبیر کسی منظر کو ایسی تہوں میں لپیٹ کر بیان کرتے ہیں کہ پڑھتے پڑھتے طبیعت اکتانے لگتی ہے۔

اس کے برخلاف انیس مناظر کو سامنے کی تشبیہات اور مانوس تلمیحات کے ذریعہ زندہ اور متحرک صورت میں پیش کرتے ہیں جس سے ہمارے حواس فوراً بیدار ہو اٹھتے ہیں۔ اور اس منظر کی تمام کیفیتوں سے محظوظ ہونے لگتے ہیں۔ لیکن انیس دبیر کی طرح دعوت فکر نہیں دیتے اسی لئے ان کے زمانے میں خواص کا طبقہ ان کے کلام کو عوام کی چیز سمجھ کر اس کی طرف توجہ کم دیتا تھا۔

مندرجہ بالا بیانات سے یہ بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ زبان و بیان کے اعتبار سے دونوں کی اہمیت مسلم ہے اور کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مرثیہ کا فن جن عناصر سے تشکیل پاتا ہے ان کو برتنے میں کون کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ کس کے یہاں کتنی آفاقیت اور ہمہ گیری ہے اور کس کے مرثیوں میں سامعین کے جذبات ابھرتے ہیں اور ان پر گریہ طاری ہوتا ہے جو مرثیہ کا اصل مقصد ہے۔

ہم جب انیس اور دبیر کے منتخب فن پاروں کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ دبیر کے یہاں مرثیے کے اجزا میں اعتدال سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ چہرہ میں ایک منظر کو مختلف طرح سے پیش کرنے میں بے جا طوالت پیدا ہوگئی ہے جس سے ذہن کو اکتاہٹ پیدا ہونے لگتی ہے۔ دور از کار تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور علامات کی اتنی بھرمار ہوتی ہے کہ اصل منظر غائب ہوجاتا ہے۔ اسی طرح سراپا نگاری میں اکتا دینے والی طوالت ہوتی ہے، مختلف سراپوں میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ کرداروں میں زیادہ تر یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مخالف فوج کے بہادروں کو حسینی لشکر کے جرّاروں کے سامنے بہت کم بہادر دکھایا گیا ہے۔ کرداروں کے جذبات، نفسیات، فرق مراتب اور عمر کا کوئی زیادہ لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ بین کا حصہ اتنا زیادہ طویل ہوتا ہے کہ آنکھوں میں آنسو آتے آتے خشک ہوجاتے ہیں۔ گریہ طاری ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے۔

اس کے برعکس انیس کے یہاں مرثیہ کے تمام اجزا میں اعتدال سے کام لیا گیا ہے۔ مناظر کی عکاسی میں بے جا طوالت نہیں پائی جاتی۔ سامنے کی تشبیہوں اور موزوں ترین الفاظ کے ذریعہ مناظر اپنی تمام تر کیفیات اور آب و تاب کے ساتھ واضح طور سے ہمارے سامنے ابھر آتے ہیں جو ہمارے حواس کو بیدار کر کے ہمارے جذبات کو ابھارتے ہیں۔ سراپا نگاری میں انفرادیت کو جگہ دی گئی ہے۔ حرؑ کے گھوڑے کا سراپا یا رفتار حضرت امام حسینؑ یا حضرت عباسؑ کے گھوڑے سے مختلف ہے۔ شبیر، اکبر

[illegible] حد تک امتیاز رکھا گیا ہے۔ یزیدی فوج کے سپہ سالاروں کو بہادری اور دلیری میں حسینی فوج سے ذرا بھی کم نہیں دکھایا گیا ہے۔ ایک پہلوان دوسرے پہلوان سے مختلف نظر آتا ہے۔ بچے، جوان، بوڑھے اور عورت کے جذبات و نفسیات میں نمایاں فرق دکھایا گیا ہے۔ موقع محل کے لحاظ سے ان کی گفتگو کا انداز بدلتا رہتا ہے۔ بین کا حصہ اتنا ہی ہے جو درد و اثر کو بڑھا دے اور سامعین کی آنکھوں سے آنسوؤں کو امنڈنے پر مجبور کر دے۔

دبیر کے مرثیوں میں وہ درد و اثر نہیں جو انیس کے کلام میں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مجلسوں میں زیادہ تر انیس کے مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ دبیر کے یہاں ہمہ گیری اور وسعت نہیں انھوں نے اپنے مرثیوں کو صرف خواص کے طبقوں تک محدود رکھا ہے جس کا انھوں نے اپنے مرثیہ کے آخر میں تذکرہ بھی کیا ہے اس کے برخلاف انیس کے یہاں وسعت اور ہمہ گیری ملتی ہے۔ ان کے مرثیے عوام اور خواص دونوں پسند کرتے ہیں اور ان کے مرثیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

دبیر کے کلام میں آفاقیت کا عنصر کم ہے یہی سبب ہے مرثیہ گوئی اور سننے کا دور ختم ہوتے ہی ان کے مرثیوں کی اہمیت گھٹتی گئی اور آج خواص کی مجلسوں میں بھی ان کے مراثی بہت کم پڑھے جاتے ہیں جبکہ انیس کے مرثیے آج بھی اسی طرح اپیل کرتے ہیں جس طرح ان کی زندگی میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنی اپنی امتیازی خوبیوں کے اعتبار سے دونوں بلند پایہ مرثیہ نگار ہیں اور دونوں نے اپنے مخصوص انداز فکر اور طریقہ اظہار کے دائرے میں رہ کر مرثیے کے تمام لوازمات کو زیادہ سے زیادہ اثر آفرینی، دل آویزی اور آفاقیت کا حامل بنانے کی کوشش کی ہے اور اپنی گرانقدر تخلیقات سے اردو ادب کو مالا مال کیا ہے۔ (بشکریہ نیا دور، لکھنؤ)

باقی صفحہ ۲ کا

کارل مارکس

مذہب سے روشناس ہو سکتے ہیں؟ دارالسلطنت برلن میں بڑا اسکوائر کا نام مارکس اینگلس پلاٹز رکھا گیا ہے۔ اس ملک کے بہت سارے گاؤں اور شہروں کے نام انکے نام پر رکھے گئے ہیں۔

سنہ ۱۹۸۳ء کو کارل مارکس سال قرار دیا گیا ہے۔ اب ہمیں خصوصی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ اس سال کے شروع ہونے سے قبل کلکتہ میں مارکس اینگلس کے مجسمے نصب کئے گئے ہیں۔ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی مارکس اینگلس کی یاد لوگوں کے دلوں میں تر و تازہ ہے۔

باقی صفحہ ۱۲ کا

عورت اور امداد باہمی

ایسی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی تنظیم کا انحصار مقامی حالات، سماجی، معاشی [illegible] آب و ہوا پر ہے لیکن مختلف حیثیت کی عورتیں [illegible] کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کر سکتی ہیں خصوصاً بڑے شہروں میں، جب تک کوآپریٹیو کا انتظام نہیں کیا جا سکا اس سلسلہ میں [illegible] کی عورتیں سب سے زیادہ آگے بڑھ سکتی ہیں۔ اس کام کے لئے صوبہ بنگال کی ریاستی کوآپریٹیو یونین، ۴ گنگا دھر بابو لین پانچویں منزل، کلکتہ ۷۰۰۰۱۲ سے مزید تفصیلیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

باقی صفحہ ۶ کا

سائنس کی تعلیم ......

بہر حال مادری زبان کو عوام کو سائنسی معلومات سے باخبر رکھنے، بچوں کو سائنس سے روشناس کرانے اور موجودہ بارہویں درجہ تک سائنس کی تعلیم دینے کے سلسلہ میں بہت اہم کردار ادا کرنا ہے۔ گریجویٹ، پوسٹ گریجویٹ اور تحقیق کے کام میں انگریزی زبان میں طلباء آسانی سے سائنس کی تعلیم سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

از ۔ سپرابا اُپادھیہ

عورت اور امداد باہمی

سنہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی کل آبادی ۶۸۴٫۶۵ کروڑ ہے اور عورتوں کی تعداد تقریباً نصف یعنی ۳۳۱٫۶ کروڑ ہے۔

ان عورتوں میں سے ۳٫۱۱۳ کروڑ عورتیں برسرِ روزگار ہیں۔ عام طور پر یہ بات دیکھی گئی ہے کہ اعلیٰ تعلیم میں عورتیں تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں اور ان میں سے بہت ساری عورتیں مختلف ملازمتوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور بعض ایسے کام میں مشغول ہیں جنکی بابت دس بیس سال قبل یہ سمجھا جاتا تھا کہ عورتیں یہ کام نہیں کر سکتیں لیکن اسکے باوجود کوئی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارے ملک میں عورتوں کی سماجی معاشی حالت اچھی نہیں ہے۔ صرف ۲۴٫۸۸ فی صد عورتیں تعلیم یافتہ ہیں یعنی فی ہزار ۲۴۹ عورتیں پڑھنا لکھنا جانتی ہیں۔

ہمارے ملک میں مرد اور عورت دونوں ہی مساوی طور پر سماجی اور گھریلو کام کاج کرتے ہیں، عورتیں عام طور پر گھر کا کام کرتی ہیں اور مرد باہر کا لیکن آج کل مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی براہ راست آمدنی کے لئے روزگار کی تلاش کرتی ہیں۔

ہندوستان میں امداد باہمی (کوآپریٹیو) تحریک خاص طور پر زرعی قرض پر مبنی ہے اسکے علاوہ اس تحریک کو شہری قرض اور چھوٹی اور دیہی صنعتوں کے علاقوں میں فروغ حاصل ہوا ہے۔ فی الحال گرچہ ہر شعبہ میں معاشی بہتری کیلئے کوآپریٹیو کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ہر علاقہ اور لوگوں کے لحاظ سے اس تحریک کی ترقی کی رفتار ایک جیسی نہیں ہے۔ گرچہ تعداد کے لحاظ سے عورتیں کل آبادی کی نصف ہیں۔ تاہم صرف ایک فی صد عورتیں کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی ممبر ہیں۔ سارے ملک میں ۳ لاکھ کوآپریٹیو سوسائٹیوں میں سے صرف ۰۰۰،۴ کوآپریٹیو سوسائٹیاں ایسی ہیں جن کا انتظام صرف عورتیں کرتی ہیں۔

مغربی بنگال میں تقریباً ۱۲۵ کوآپریٹیو سوسائٹیاں عورتیں چلاتی ہیں۔ اسکے علاوہ صارفین کوآپریٹیو، مکان کوآپریٹیو، دستر خوان کوآپریٹیو ملازمین قرض کوآپریٹیو وغیرہ میں عورتیں بھی ممبر ہیں۔ لیکن جہاں معاشی بہتری کیلئے کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ وہاں عورتیں برائے نام ہیں۔

دی راکڈیل اکیوٹیبل پائنیرس سوسائٹی ۔ دنیا کی پہلی کامیاب عاملی کوآپریٹیو سوسائٹی کی کامیابی کا اہم راز یہ ہے کہ اس میں مردوں اور عورتوں دونوں نے سرگرم طور پر شرکت کی۔ اس لئے اس تحریک کی ترقی کیلئے اور معاشی، سماجی حالت میں بہتری لانے کے لئے امداد باہمی میں عورتوں کی شرکت لازمی ہے۔

مغربی بنگال میں عورتوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں زیادہ تر صنعتی نوعیت کی ہیں۔ عورتوں کی چند صارفین کوآپریٹیو بھی موجود ہیں۔ صنعتی کوآپریٹیو سوسائٹیاں زیادہ تر ہتھ کرگھے اور دستکاری کی ہیں۔ عورتوں کی ہتھ کرگھے بنکر کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی تیار کردہ مصنوعات، جیسے ساڑھی، تولیہ، لنگی، چادر، تھیلا، وغیرہ کی کافی مانگ ہے۔ دستکاری سوسائٹیاں درزی کے کام کاج میں یا کشیدہ کاری، ساڑھیوں کی چھپائی، گڑیا سازی وغیرہ کے کام میں اور دیگر سوسائٹیاں چھوٹے پیمانہ کی صنعت جیسے۔ پینٹ، برش، اسپورٹس کے سامان وغیرہ کی تیاری کے کام میں مشغول ہیں۔ ایسی سوسائٹیاں صرف ایک یا دو اشخاص کی پہل کی وجہ سے قائم ہوئی ہیں۔ ایسے افراد یا تو بذات خود دوڑ دھوپ کرنے کے بعد یا حکومت کے خصوصی پروگرام کے تحت تربیت مکمل کرنے کے بعد ایسی سوسائٹیوں کی تنظیم کا انتظام کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا سوسائٹیوں میں چند کے اپنے چھوٹے موٹے کارخانے ہیں اور چند ایسے ہیں جن کے ممبران اپنے اپنے گھر میں کام کرتے ہیں اور سوسائٹیاں انہیں خام اشیاء مہیا کرتی ہیں اور ان کی مصنوعات کو بازاروں میں فروخت کرنے کا انتظام کرتی ہیں اور اسکے بدلے ممبروں کو اجرتیں دی جاتی ہیں، صارفین کوآپریٹیو سے

بنات خود مصروفیت کو بالواسطہ فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ وہ اپنی ہی تیار کردہ چیزوں مناسب قیمتوں پر اپنے دنوں میں حاصل کرتے ہیں۔ ہر طرح کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو حکومت سے مالی امداد مل سکتی ہے۔

ہمارے ملک میں ۸۰ فیصد بے روزگار عورتیں زراعتی کام میں مشغول ہیں جنوبی انڈیا میں ذکریا، گجرات، کرناٹک، مہاراشٹر، تامل ناڈو اور پانڈیچری میں عورتوں کی زرعی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم ہیں۔ مویشیوں کی پرورش و پرداخت کے کام میں زیادہ تر عورتوں پر ہی انحصار کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ایسی سوسائٹیوں کی تنظیم کے سلسلہ میں ہم آگے نہیں بڑھ سکیں۔

احصائیات سے لوگ واقف ہیں کہ چھوٹے پیمانے کی صنعتی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے علاوہ دیگر کوآپریٹیو میں عورتوں کی تعداد نفی کے برابر ہے۔ وہ سب اجرت پر کام کرنے والیوں کی حیثیت سے زرعی اور دیگر سیکٹروں میں برسر روزگار ہیں لیکن محنت کش عورتوں کا طبقہ ایسا طبقہ ہے جس کا سب سے زیادہ استحصال کیا جاتا ہے اور امداد باہمی ہی ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعہ وہ خود کو ایسے استحصال سے نجات دلا سکتی ہیں کوآپریٹیو سوسائٹیاں اپنے ممبروں کی معاشی بہتری کے لئے کام کرتی ہیں۔ ایسی سوسائٹیوں کا مقصد نفع کمانا نہیں ہوتا، بلکہ خدمت خلق ہی ان کا اصول ہوتا ہے لیکن عورتوں کو امداد باہمی نظام کی بابت بہت ہی کم معلومات فراہم ہیں۔ اس لئے وہ ایسی سوسائٹیاں قائم نہیں کر سکتیں۔

مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹیو یونین امداد باہمی تربیت، تعلیم اور نشر و اشاعت کے پروگرام کو بروئے عمل لا رہا ہے۔ بھارتی عورت امداد باہمی ترقیات انسر کے تحت عورت امداد باہمی تعلیمی انسٹرکٹرس مغربی بنگال ریاستی کوآپریٹیو یونین کی عورتوں کی شاخ میں کام کر رہی ہیں۔ یہ سب عورتوں کی تعلیم کے پروگرام کو روبہ عمل لا رہی ہیں۔ چونکہ ایسی استانیوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، اس لئے اس پروگرام کو سارے مغربی بنگال میں روبہ عمل نہیں لایا جا سکا۔ لیکن حال ہی میں اپنے محدود ذرائع کے ساتھ تجرباتی بنیاد پر اس پروگرام کو بردوان ڈویژن اور شمالی بنگال تک بڑھا دیا گیا ہے۔

مذکورہ یونین کی پہل کی وجہ سے حال ہی میں اس ریاست کی عورت کوآپریٹرز کا چند دن کا ایک سیمینار منعقد ہوا۔ اس سیمینار میں تجویز منظور کی گئی کہ عورتیں ترسیلی طبیعت کی ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے درمیان سربراہی کی نشو و نما میں عام طور پر اوٹ پیدا ہوتی ہے اور اسکی وجہ سے کوآپریٹیو سوسائٹیاں بھی قائم کرنے میں بڑی دشواریاں ہوتی ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ عورتوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کا ایک ریاستی فیڈریشن قائم کیا جائے اور اس کے سلسلے تمام سطحوں پر پہل کی ضرورت ہوتی ہے۔

چند دائرے دئے گئے ہیں جہاں عورتوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں قائم کی جا سکتی ہیں۔

دیہی سطح پر: زرعی: (۱) پھل اور سبزی کے باغات، (۲) پھل اور سبزیوں کو محفوظ رکھنا (۳) پھول کے باغات (۴) تیل کے تخم کا پروسیسنگ (۵) چائے اور کافی کے معاون صنعتی کام کاج (۶) شہد کی مکھیاں پالنا (۷) سور اور مویشی پالنا (۸) بھیڑ بکری کی پرورش و پرداخت (۹) ماہی گیری تازہ اور سوکھی (۱۰) مرغ مرغیاں پالنا، (۱۱) دیسی شراب، تمباکو اور بیڑی۔

کپڑے: (۱) ہتھ کرگھا، (۲) مچھلیاں پکڑنے کا جال، (۳) دری (۴) پاٹ کا بستہ، (۵) قالین۔

دیگر صنعتیں: (۱) لکڑی کے کھلونے، (۲) ناڑ اور بانس کی مصنوعات (۳) مٹی کی پیالی اور کھلونے (۴) کشیدہ کاری۔

شہری سطح پر: (۱) دستکاری (۲) چائے ناشتہ کی چیزوں کی تیاری (۳) ردی (۴) ماچس، چاک، صابن، سیاہی اور اسنو پاؤڈر (۵) اون کی بنائی اور درزی کا کام (۶) پھلوں کو محفوظ رکھنا (۷) چمڑے کی صنعت۔ (۸) شیشہ اور سرامکس (۹) اسٹورس (۱۰) بلاک چھاپنا (۱۱) کاغذ اور کاغذ کی مصنوعات (۱۲) امدادی مصنوعات (۱۳) سونا اور چاندی کے زیورات۔

(۱۴) حجامت۔

سروس سوسائٹی: طبی یونٹ، (۱) پالی کلینک، ایمبولینس، (۲) نرسنگ ہوم (۳) نرسنگ کے ضروری سازو سامان کی سپلائی (۴) نرسنگ اسسٹنٹ

تعلیمی: (۱) نرسری اور پرائمری اسکول (۲) اسکول اور کالجوں کے طلباء کے لئے ٹیوٹوریل کلاس، (۳) پیشہ وارانہ تربیتی انسٹی ٹیوٹ

خوراک: (۱) اسکول اور کالج کے طلباء کے لئے خوراک کی سپلائی (۲) کارخانہ اور دفتر میں کینٹین، (۳) آرڈر پر غذائی اجناس کی سپلائی (۴) متعلقہ پارٹی کو کھانے پکانے کے سازو سامان کی سپلائی۔

رفاہی عام: (۱) کلب (۲) خاندانی رفاہ کا مرکز (۳) مرکز صحت، (۴) لائبریری (۵) رنگ سازی کا کلینک (۶) قانونی مشورہ دینے کا مرکز۔

بچوں کی رفاہ: ملازمت کرنے والی عورتوں کے بچوں کی دیکھ بھال۔

سرکاری خبریں

شنکر گھاٹ اور لنگل ہاٹ علاقہ کے لئے آبپاشی سب کمیٹی

حکومت مغربی بنگال نے شنکر گھاٹ اور لنگل ہاٹ بیل علاقہ اور پورو دھان کے کمانڈ علاقہ میں آبپاشی کی سہولتوں پر غور و خوض کرنے کے لیے مندرجہ افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی قائم کی ہے۔

(۱) اکزیکیوٹیو انجینئر، مئور اکشی ہیڈ کوارٹرس ڈویژن — صدر

(۲) اعلیٰ زرعی افسر، سوری، بیر بھوم — ممبر

(۳) اعلیٰ زرعی افسر، برہمپور، مرشد آباد — ممبر

ہومیوپیتھک شفاخانوں کو عطیات

حکومت مغربی بنگال نے مندرجہ ذیل ہومیوپیتھک اداروں کو اپنے مفت شفاخانوں کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے کل دس ہزار روپے دینے کی منظوری دی ہے۔

(۱) رام کرشنا دویکانند آشرم، گسنڈیا، ضلع ہوڑہ۔

(۲) آرتو تران سمیتی، اگرپاڑہ۔ ضلع ۲۴ پرگنہ۔

جذام کے مریضوں کے علاج کے لئے مزید بستر

حکومت مغربی بنگال نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قومی جذام کنٹرول پروگرام کے تحت مزید چار ۲۰۔ بستروں کے عارضی ہسپتال وارڈس تعمیر کئے جائیں۔ یہ وارڈ مندرجہ ذیل ہسپتالوں میں ہوں گے:۔ (۱) گورنکا کالج آف میڈیسن، کلکتہ یونیورسٹی، (۲) ہگلی ضلع ہسپتال، منپورہ، (۳) بول پور پرائمری مرکز صحت، (۴) پرولیا صدر ہسپتال۔

متعلقہ ڈویژنوں کے اکزیکیوٹیو انجینئرز (پی ڈبلو ڈی) اپنے اپنے علاقہ میں تخمیناً ۸۲ ہزار روپے خرچ کر کے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچائیں گے۔

—×—×—

ہوڑہ میونسپل کارپوریشن

ہوڑہ میونسپل کارپوریشن ایکٹ ۱۹۸۰ء، ۱۰ر جنوری ۱۹۸۳ء سے نافذ ہوگیا ہے چند دنوں کے اندر انتخابی فہرستوں کی تیاری سے متعلق قوانین بھیج دیئے جائیں گے۔ فہرستوں کی آخری اشاعت اور انتخاب کی تاریخوں کا وقت پر اعلان کیا جائے گا۔

سڑک کی بہتری کیلئے سی ایم ڈی اے کی امداد

سی ایم ڈی اے نے ضلع ۲۴ پرگنہ میں نریندر پور انچل پنچایت کے تحت شری رام کرشن پوتی روڈ کی بہتری کے لئے ۵۶۱۰۰۱ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس کام کو سی ایم ڈی اے کے متعلقہ سیکٹر انجام دیں گے۔

پہاڑی علاقوں میں ترقیاتی کام

ضلع دارجلنگ کے پہاڑی امور شاخ کی سکریٹریٹ (ترقیاتی و منصوبہ بندی شعبہ) نے دیوان ہاؤس کے نزدیک کانتی بھور اکی، نومبر کے پہلے ہفتہ میں فوری مرمت کے لئے ۸۵ ہزار روپے دینے کی منظوری دی ہے یہ رقم، ناظم، کرسیونگ میونسپلٹی کو دی جائے گی۔

ہسپتال کے لئے عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے وویکانند سیوا سمیتی ہسپتال، کلکتہ کو ۱۹۸۲ء میں اپنے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۱۰ ہزار روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

خشک سالی امداد فنڈ میں کلکتہ پولس کا عطیہ

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ کی اپیل پر، کلکتہ پولس کے افسران اور اسٹاف نے وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ (خشک سالی) میں ۶۰۸۳۰ روپے بطور عطیہ دیئے۔

—×—×—

حکومت مغربی بنگال

شعبہ آراضی و اصلاحات آراضی

نوٹس

کلکتہ ٹھیکا رعیتی (حصولیابی اور ضابطگی) ایکٹ، ۱۹۸۱ء ۱۸ جنوری ۱۹۸۲ء سے نافذ العمل ہو چکا ہے۔ ٹھیکا رعیتی کے تحت جو قطعات آراضی ہیں، ان کے علاوہ (۱) قطعات آراضی جہاں کھٹال ہیں یا جنہیں کھٹال کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، (۲) ۱۲ سال یا اس سے زائد عرصہ کے لئے رجسٹرڈ پیٹے کے تحت قطعات آراضی اور (۳) دائمی قبضہ کے تحت قطعات آراضی اس ایکٹ کے دائرہ عمل کے تحت آگئے ہیں اور ایسے قطعات آراضی کے مالکوں کو اس ایکٹ کے تحت ٹھیکہ رعیت کی تعریف میں شامل کر لیا گیا ہے۔

ٹھیکا رعیتیں اور دیگر رعیتیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، براہ راست حکومت کے تحت آگئے ہیں۔ ۱۸ جنوری ۱۹۸۲ء سے ان لوگوں کو میعادی کرایہ ان شرحوں کے مطابق جن میں وہ سابق زمینداروں کو کرایہ دیا کرتے تھے، ٹھیکا کنٹرولر کو دینا پڑے گا۔ کرایہ کی رقم چالان (ٹی۔آر فارم نمبر ۷) کے ذریعہ ٹریژری میں جمع کرنی ہوگی۔ چالان کے فارم ٹھیکہ کنٹرولر کے دفاتر میں مفت فراہم کئے جائیں گے۔

چالان فارم کا مسودہ تیار کرنے کے پہلے برائے تصدیق کنٹرولر کے پاس داخل کرنی ہوگی۔ تصدیق کے بعد ٹریژری میں کرایہ کی رقم جمع کرنی ہوگی۔ ٹھیکہ کنٹرولر کے دفاتر میں مزید تفاصیل حاصل کریں۔ رعیتوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ سب بقیہ اور حالیہ کرایہ جلد از جلد ادا کر دیں۔

زمینداروں اور رعیتوں کے لئے فارم ۱ اور ۲ میں حساب و کتاب داخل کرنے کی آخری تاریخ بڑھا کر ۳۱ مئی ۱۹۸۳ء کر دی گئی ہے۔ تمام متعلقہ افراد سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنا اپنا حساب و کتاب جلد از جلد داخل کر دیں۔ اس نوٹس کا اطلاق ان کیسوں پر نہ ہوگا جن پر کسی بھی عدالت کا حکم امتناعی جاری ہے۔ ٹھیکہ کنٹرولروں کے دفاتر کے پتے درج ذیل ہیں۔

کلکتہ۔ ۱۲ بی، رسل اسٹریٹ، کلکتہ ۔ ۷۱۰۰۰۷ (نزد پارک اسٹریٹ)
ہوڑہ۔ ایس۔ڈی۔او (صدر) کا دفتر، ہوڑہ۔

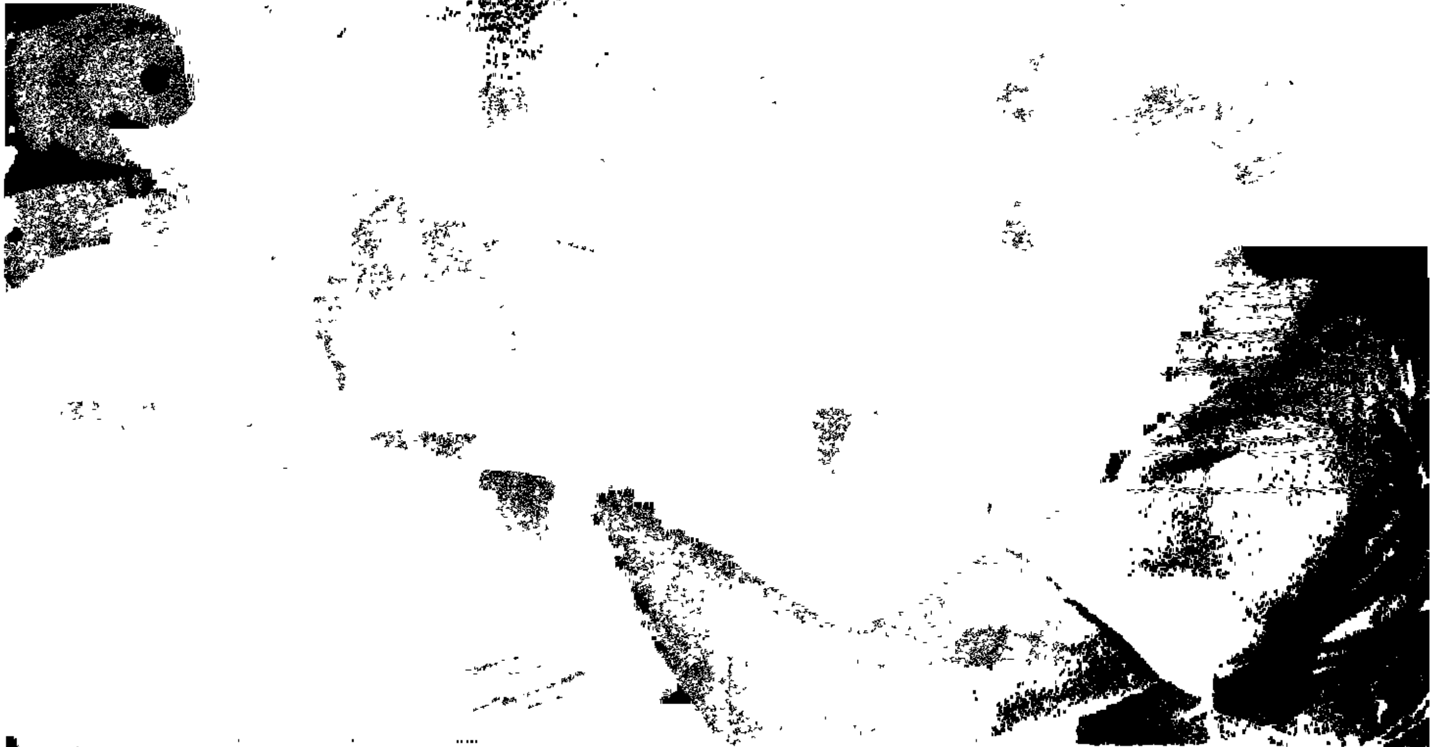


مغربی بنگال کی گھریلو صنعت۔ ہتھ کرگھا

مغربی بنگال کی بایئں محاذ حکومت اس صنعت کی ترقی اور بہتری کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے

Regd. ... CC-52
Vol. ... No. 2
PRICE-12 Pa...

MAGHREBI BENGAL
15th JANUARY



مغربی بنگال کی پاٹ صنعت

پاٹ صنعت کے مزدور دن رات محنت کر کے اس صنعت کی رفتار ترقی کو اور بھی تیز کر رہے ہیں



... Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

یوم جمہوریہ نمبر

مدیر اعلیٰ: دھیریندر ناتھ دت

مدیر معاون: محمد اعظم

جلد ۳۰	یکم فروری ۱۹۸۳ء	شمارہ ۳

شرح خریداری

قیمت :- بارہ (۱۲) پیسے فی پرچہ

سالانہ :- ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ :-

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

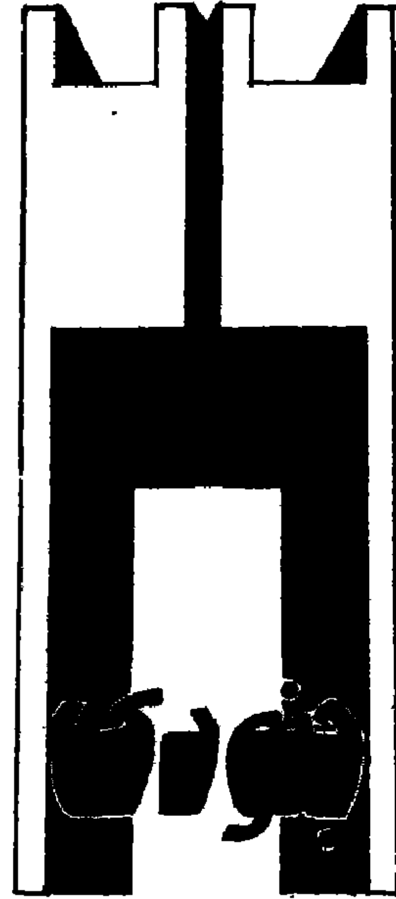
۲۳، آر۔ این۔ مکھرجی روڈ

کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

شری بی۔ ڈی۔ پانڈے۔ گورنر مغربی بنگال ۲۶ر جنوری سنہ ۸۳ء
کی صبح کو کلکتہ میدان میں منعقدہ پریڈ تقریب میں قومی پرچم لہراتے

آؤ کہ آج غور کریں اس سوال پر!
دیکھے تھے ہم نے جو وہ حسیں خواب کیا ہوئے

دولت بڑھی تو ملک میں افلاس کیوں بڑھا
خوش حالیٔ عوام کے اسباب کیا ہوئے
جو اپنے ساتھ ساتھ چلے کوئے دار تک
وہ دوست، وہ رفیق، وہ احباب کیا ہوئے
کیا مول لگ رہا ہے شہیدوں کے خون کا
مرتے تھے جن پہ ہم وہ سزایاب کیا ہوئے
بے کس برہنگی کو کفن تک نہیں نصیب
وہ وعدہ ہائے اطلس و کمخواب کیا ہوئے
جمہوریت نواز، بشر دوست، امن خواہ
خود کو جو خود دیے تھے وہ القاب کیا ہوئے
نفرت کا روگ آج بھی کیوں لا علاج ہے
وہ نسخہ ہائے نادر و نایاب کیا ہوئے
ہر کوچہ شعلہ زار ہے، ہر شہر قتل گاہ
یکجہتیٔ حیات کے آداب کیا ہوئے
صحرائے تیرگی میں بھٹکتی ہے زندگی
ابھرے تھے جو افق پہ وہ مہتاب کیا ہوئے



ساحر لدھیانوی



سرسری
یوم جمہوریہ

"یوم جمہوریہ کی ۳۲ ویں سالگرہ کے مقدس موقع پر میں مغربی بنگال کے عوام کو نیک خواہشات پیش کرتا ہوں" ۔ شری بی. ڈی. پانڈے گورنر مغربی بنگال نے گذشتہ ۲۶ جنوری کو مغربی بنگال کے عوام کے نام اپنے ایک پیغام میں یہ باتیں کہیں۔ ۲۶ جنوری کی شام کو ان کے اس پیغام کو آکاش وانی اور دوردرشن کلکتہ سے نشر کیا گیا۔

گورنر نے اپنے پیغام میں کہا:

آئیے ہم سب ایکبار پھر جمہوری اداروں اور قدروں کو برقرار رکھنے اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ ہمیں اپنی جمہوری روایتوں کی بنیاد کو کھوکھلا بنانے والی تحریکوں کے خلاف ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے۔ یہ بات باعث فخر ہے کہ ہم لوگوں نے اس ریاست میں جمہوریت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا کو برقرار رکھا اور انتشار پھیلانے والی طاقتوں کو ناکام بنا دیا۔

ہمارے جمہوریہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے تمام لوگوں کیلئے مساوی مواقع فراہم کئے جائیں۔ اور پسماندگان کی معاشی حالت میں بہتری لائی جائے۔ ایسا کرنا اسوقت ممکن ہوگا جب چاروں طرف امن وامان اور خیرسگالی کی فضا برقرار رہے گی۔ اس صورت حال میں جمہوری قدریں پھل پھول سکیں گی۔ مجھے اس بات کو دہرانے میں خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ گذشتہ سال مئی کے مہینہ میں عام انتخابات مغربی بنگال میں بہت ہی پرامن فضا میں منعقد ہوئے۔

مغربی بنگال میں دیہی سطحوں تک جمہوری ادارے موثر طور پہ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے عوام کی سماجی سیاسی زندگی میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ ریاستی حکومت جمہوری طور پر منتخب پنچایت اداروں کے ذریعہ دیہی عوام کے لئے بہت سارے خاص

۲۶ جنوری ۱۹۸۲ء کی صبح کو یوم جمہوریہ کے موقع پر کلکتہ میدان میں مارچ پاسٹ کے بعد، حکومت کی ترقیاتی سرگرمیوں کی جھانکی نکالا گیا۔

پروگراموں کو بروئے عمل لا رہی ہے۔ اصلاحات آراضی کے سلسلہ میں دیہی کام کی رفتار ترقی کافی تیز کر دی گئی ہے۔ اور بے زمین کسانوں، پٹہ دار کسانوں اور غریب کسانوں کی کثیر تعداد کو سہولتیں فراہم کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔

موجودہ سال میں ہم لوگ بہت ہی مشکل دور سے گذر رہے ہیں۔ ریاست لاامثال خشک سالی سے دوچار ہے اور اس کی وجہ سے خاص طور پر دیہی علاقوں میں معیشت پر برا اثر پڑا ہے۔ یوم جمہوریہ کی تقریب مناتے وقت ہمارا فرض

معصیبت زدگان کو یاد رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے ہم ان کی مدد کریں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ عوام کے سرگرم تعاون کے ساتھ ہم موجودہ بحران پر قابو پالیں گے۔

میں مغربی بنگال کے تمام لوگوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس ریاست کے لوگوں کی ترقی کے لئے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور خیرسگالی برقرار رکھنے کے لئے مشترکہ طور پر خدمات انجام دیں گے۔

میں آپ لوگوں کو اپنی نیک خواہشات بھیجتا ہوں۔

۲۶ جنوری کو صبح کے وقت مسلح فوج، پولس، ہوم گارڈ، این سی سی، سیول ڈیفنس، بھارت اسکاؤٹ اور گائیڈ اور سینٹ جان ایمبولینس برگیڈ نے ریڈ روڈ پر ڈرنکارنگ مارچ کا اہتمام کیا۔ گورنر نے پریڈ کا معائنہ کیا اور سلامی لی۔

ریڈ روڈ پر مجمع لوگوں کو تقریباً ۱۵ ٹیبلو (Tableau) دکھائے گئے۔ درگاپور اسٹیل پلانٹ کی طرف سے پہلی بار پیش کیا گیا ٹیبلو، اسٹیل پلانٹ کی چھوٹی ساخت اور چلتی ہوئی مشین کی ریکارڈ کی ہوئی آواز کی وجہ سے سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔

دوسرے ٹیبلو میں سی۔ ایم۔ ڈی۔ اے گارڈن ریچ واٹر ورکس میٹرو ریلوے، جنوبی مشرقی ریلوے اور گارڈن ریچ شپ بلڈرز اینڈ انجینیرز کا منقش جہاز وغیرہ بھی پرکشش تھے۔

پھر محکمہ ضلع کے ریڈ کراس نے یوم جمہوریہ کے موقع پر سوری صدر سوری جیل اور سوری پولیس ہسپتالوں کے آٹھ سو مریضوں میں خوراک تقسیم کی۔

(بقیہ صفحہ ۳۰ کا)

کہتے ہیں اور وہ ایک مثبت جواب کے لئے فلسفیوں سے رجوع کرتے ہیں۔ آخر میں کارل مارکس نے پیش قدمی کی اور انسانی ضرورتوں کی خوبیوں کا اور ان کی مثبت مادیت کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد انہوں نے بہت ہی بہترین واضح تشریح کی۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ آرٹس ذی شعور انسانوں کی ضرورتوں میں سے ایک ہے۔ اہم اور پیچیدہ سوالوں کا وہ حسین انداز سے جواب دیتے ہیں وہ ان عینیت پسند لوگوں کے جو ہر آسان سوال کو تنزلی اور خیالی بنا دیتے ہیں، طرز جواب سے مختلف ہوتے ہیں۔

مادی جمالیاتی منطق کے مطابق آرٹس کے تمام نقش و نگار میں آرٹسٹ کی تخلیق کا اہم موضوع انسان ہوتا ہے۔ نظم ہو یا ڈرامہ، معماری ہو یا سنگتراشی یا فنون لطیفہ ہر ایک میں آپ کو انسانی دلچسپی کی کچھ نہ کچھ باتیں ضرور نظر آئیں گی۔ انسانی انا کے بغیر، موضوع کے بغیر اور تخلیقی سرگرمیوں کے بغیر آرٹ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک آرٹسٹ "قوانین حسن" کے مطابق پہلے خود کو اپنے آس پاس کی حقیقتوں کو تبدیل کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی اس کے آرٹ میں ایک نئی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں خاموش رہنے کے لئے نہیں بلکہ سرگرم بر طور پر زندہ رہنے کے لئے آیا ہے۔ وہ علمی اور عملی طور پر دنیا سے مسلسل رابطہ قائم رکھتا ہے۔ دنیا کے ساتھ مسلسل علمی اور عملی تعلقات کے دوران آرٹسٹ میں دھیرے دھیرے دنیا کی حقیقت، اور سراب کی بابت اعتماد پیدا ہوتا ہے

اور جیسا کہ لینن نے کہا ہے کہ "دنیا آدمی کو تشفی نہیں دیتی بلکہ ایک آدمی ہی اپنی تشفی کے لئے اپنی سرگرمیوں سے دنیا کو بدلنے کا فیصلہ کرتا ہے۔" دنیا کو بدلنے کی بدلنے کی خواہش تو ہر آرٹسٹ اور فنکار کی ہوتی ہے۔ لیکن اگر مادی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر آرٹسٹ ایک ناکامیاب انقلابی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی پسند کے مطابق سماج کو بدل نہیں سکتا تو وہ اپنی پسند کے ایک سماج کی ایک تصویر تیار کرتا ہے، حسن کا "منزل مقصود" کا، اس کا ایک اپنا تصور ہوتا ہے۔ اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر شخص اس منزل تک پہونچے۔ لیکن وہ بذات خود تمام انسانیت کو اس منزل تک نہیں پہونچا سکتا تو وہ خود اپنی تصویروں میں خیالی کرداروں کو اجاگر کیا کرتا ہے۔

انسان کے شعور کو بیدار کر کے، دنیا کے سلسلے میں اسکے رویہ کی تشکیل کر کے پھر اس کے عالمی نظریہ میں تبدیلی لا کر آرٹ انسانی سرگرمیوں کو ایک خاص سمت، ایک خاص منزل کی طرف موڑ دیتا ہے۔ ان کی زندگی میں ایک نئے معنی پیدا کر دیتا ہے۔ آرٹ اپنے قوانین حسن کے ذریعہ لوگوں میں بھی جمالیاتی ذوق پیدا کرتا ہے۔ اور یہی ہر آرٹ کی تلاش ہوتی ہے، منزل ہوتی ہے۔

——— …

یوم جمہوریہ

دستوری اعلانات اور ہمارے فرائض

از جسونت رائے

جب لوگوں کو ۱۹۸۳ء میں پھر ایک بار جنوری کی ۲۶ ویں تاریخ سے گذرنا پڑا۔ اس خاص تاریخ کو یاد کرنے کا یہ ۳۴ واں سال ہے۔ یہ تاریخ یعنی ۲۶ جنوری بہت ہی اہم ہے اور ہم اسے یاد رکھتے ہیں اور اس دن کو ہم مناتے ہیں کیونکہ ۳۴ سال قبل ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہمارے ملک، جسے تقسیم کردیا گیا تھا لیکن جو غیر ملکی برٹش حکومت کی زنجیروں سے آزاد ہوچکا تھا۔ کیلئے دستور کو اپنایا گیا۔ گذشتہ برسوں کی طرح اس سال بھی اس تاریخ کا گذر جانا کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کوئی نئی بات اور نہ کوئی خصوصی بات ہے۔

دستور میں جسے ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو اپنایا گیا تھا، ہندوستان کو ایک خود مختار عوامی جمہوریہ، قرار دیا گیا ہے۔ پھر دستور کی ایک ترمیم یعنی ۴۲ ویں ترمیم جسے ۱۹۷۶ء میں اندرون ملک ایمرجنسی کے عرصہ میں منظور کیا گیا تھا۔ کے ذریعہ ہندوستان کو خود مختار اشتراکی لامذہبی عوامی جمہوریہ، قرار دیا گیا۔ نئی تعریف میں اشتراکی، اور لامذہبی، الفاظ ۱۹۵۰ء کی کے الفاظ میں شامل کئے گئے ہیں۔

اس اعلان کا مقصد تو خود دستور میں درج ہے۔ خود مختار عوامی جمہوریہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کیلئے حاصل کریگا۔

(۱) انصاف ــ سماجی، معاشی اور سیاسی،

(۲) خیال، اظہار خیال، یقین، مذہب اور عبادت کی آزادی

(۳) سماجی حیثیت اور مواقع کی مساوات

اس اعلانیہ کے اندرونی معنی میں کوئی فرق پڑا یا جب اسکی تعریف میں اشتراکیت، اور لامذہبی، الفاظ شامل کئے گئے۔ دوسرے الفاظ میں مذکورہ لفظوں کو شامل کرنے کے بعد تناظر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور وہ ویسے ہی رہا جیسا کہ ۱۹۵۰ء میں تھا

اب ہم اس بات پر بحث کریں کہ کس حد تک اس اعلانیہ کی تکمیل کی گئی۔ ہم اس بات کا بھی تجزیہ کرینگے کہ کیا اس وقت کے حالات اور حقائق کے پیش نظر ایسی ترمیم ضروری تھی؟

آیئے پہلے انصاف کے سوال پر غور کریں۔ دستور انصاف کو تین پہلوؤں سے دیکھتا ہے۔ سماجی انصاف سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی شہری کو، سماج میں اسکا جو مقام ہے، اسکے پیش نظر، کمتر سمجھنا نہیں چاہیئے اور اسکے ساتھ نا انصافی کی جانی چاہیئے۔ آج کس حد تک ہندوستانی سماج میں اس تصور کو عملی جامہ پہنایا جاسکا ہے۔ آج بھی ہمارے سماج میں صرف دولت ہی سماجی مقام کا تعین کرتی ہے۔ اب دولت کی جگہ کچھ حد تک طاقت نے لے لی ہے۔ بہتر طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ دولت اور طاقت اس سلسلے میں تعین کرتی ہے۔ غریب اور پسماندہ لوگوں کی آج بھی وہی سماجی حیثیت ہے جو آزادی کے قبل کے دنوں میں انکی تھی۔ یہ ایک لعنت ہے کہ سماج میں حیثیت کا تعین ذات پات سے کیا جاتا ہے، اور یہی ہندوستانی سماج کی رفتار ترقی کی راہ میں اہم رکاوٹ ہے۔ سماجی انصاف حاصل کرنے کیلئے جن مقاصد کا اعلان کیا گیا اسکے پیش نظر انسانیت پر بنیادی تضحیک کے تصورات کو ختم ہوجانا تھا۔ کیا آج بھی ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ہریجنوں کو اعلیٰ ذات کے ہندو آگ میں زندہ جلا دے رہے ہیں، اور اسکی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ وہ سب ہریجن ہیں۔ ایسے واقعات اکا دکا رونما نہیں ہوئے۔ ایسے بھی واقعات ہوئے ہیں کہ جب گاؤں کے پوری ہریجن آبادی کو جلا کر مار ڈالا گیا۔ تب سماجی انصاف کے تصور کی کیا اہمیت رہ گئی؟ دستور کے محافظ کیا کر رہے ہیں؟

معاشی انصاف کے سلسلہ میں بھی ہم یہی دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک کے محنت کش عوام یعنی جو کھیتوں یا کارخانوں میں دولت پیدا کرتے ہیں بہت ہی ابتر غربت میں زندگی گذارتے ہیں، انہیں نصف سے زیادہ گو

غربت کی سطح سے بھی نیچے سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور غریب کی سطح بھی اتنی نچلی سطح ہے کہ جو لوگ اس سے ذرا اوپر کی سطح پر زندگی گذارتے ہیں تو انہیں بھی نیم فاقہ کشی کے دن گذارنے پڑتے ہیں۔

جہاں تک سیاسی انصاف کا سوال ہے، تو اسکی بابت جتنا کم کہا جائے، اتنا ہی بہتر ہے۔ آزادی کے بعد کانگریسی حکومت نے یہ روایت تعمیر کی ہے کہ جو لوگ کانگریس کی سیاست، کانگریسی حکومت کی پالیسیوں کی مخالفت کریں گے انہیں سرکاری ملازمتوں اور دیگر سہولتوں سے محروم رکھا جائے گا۔ سیاسی تمیز اور تفریق کے اس اصول کو، جسے انگریز حکمرانوں نے رائج کیا تھا، آزادی کے بعد دیسی حکمرانوں نے بڑی خوبی سے اپنایا۔ اس طرح سیاسی انصاف کی باتیں جو دستور کی تمہید میں درج ہے، نیک خواہشات بنی رہیں۔

اسی طرح اگر ہم آزادی اور مساوات کے مسئلہ پر غور کریں تو ہمارا تجربہ کچھ مختلف نہ ہوگا۔ امتناعی حراست قانون بھی بغیر عدالتی کارروائی کے حراست میں رکھنا، تو ہمارے ملک کے قوانین کی کتاب کا اہم جزو بن چکا ہے صرف بہت ہی مختصر عرصہ کیلئے جب مرکز میں جنتا حکومت برسر اقتدار تھی، تو اس قانون میں کچھ نرمی برتی گئی تھی۔ اخباروں کی آزادی کو دبا دینے کا قانون جوں کا توں موجود ہے۔ نہ صرف بہار پریس بل بلکہ مختلف ریاستوں میں بہت سارے ایکٹ منظور کئے گئے ہیں جنکے تحت پریس کی آزادی ختم کر دی گئی ہے پھر یہ کہنا بھی حقیقت سے انحراف کرنے کے برابر ہوگا کہ ہمیں اپنے سماج میں سماجی حیثیت اور مواقع کی مساوات حاصل ہو چکی ہے۔ بلکہ ہمارے سماج کو اس نقشہ پر ڈھالا جا رہا ہے کہ سماجی حیثیت اور مواقع کو مخصوص اعلیٰ طبقہ تک محدود کر دیا جائے۔ یہ مخصوص اعلیٰ طبقہ آہستہ آہستہ ابھر رہا ہے اور یہ سماج کا لوگوں سے کئے گئے کروڑوں کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کے ذریعہ پیدا ہونے والے مواقع اور سماجی حیثیت کو غصب کر لے گا۔

ہم کیسے اس بات کا اعتراف سکتے ہیں کہ آج بھی دستور کو اپنانے کے ۳۲ سال بعد بھی ہم جہالت کو دور کرنے میں ناکام رہے۔ کون اس بات سے ناواقف ہے کہ دستور میں یہ درج ہے کہ ۱۴ سال تک بچوں اور بچیوں کو مفت اور لازمی تعلیم دینی چاہئے اور اس کام کو سنہ ۱۹۶۰ء تک مکمل کر لینا چاہئے۔ ایک شخص قانونی طور پر یہ پوچھ سکتا ہے...... کیا یہ ہماری ناقابلیت ہے یا نا اہلیت، یا ایسا قصداً کیا گیا ہے؟ تعلیم کی اشاعت سے مواقع کی تقسیم کی مانگ پیدا ہوتی ہے۔ وسیع پیمانے پر جہالت سے نابرابری کی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھا جائے اور ہو سکے تو نابرابری کے خلیج کو وسیع بنا دیا جائے۔

اب سوشیلسٹ اور سیکولر، الفاظ کی بابت کچھ کہنا چاہتا ہوں ان الفاظ کے اضافہ سے اعلان کی نوعیت میں متعلقہ تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ یہ اضافہ صرف ظاہری نمائش کے لئے کیا گیا ہے درحقیقت ان الفاظ کو شامل کرنے کے بعد سے ہمارے ملک کی حکومت کی نوعیت میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ خاص طور پر ایک اشتراکیتی (سوشیلسٹ) ریاست کا تصور ہی بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ہمارے دستور کی جو بنیادی ڈھانچہ ہے اور جو بنیادی تصورات ہیں، انکی روشنی میں کسی بھی ریاست کو سوشیلسٹ ریاست کہا نہیں جا سکتا۔ ہمارے دستور نے جو حد بندی کر دی ہے وہ تو سوشیلسٹ سماج کے بنیادی ڈھانچہ سے بالکل مختلف ہے۔ ایک سوشیلسٹ سماج تو بنیادی طور پر کام کرنے کے حق کو تسلیم کرتا ہے اور نفع خوری کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن ایسی بنیادی باتوں کا ہمارے دستور میں ذکر نہیں ہے۔ اسکے نتیجہ میں بے روزگاروں کی تعداد سال بہ سال بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ کم و بیش اب انکی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ ہو گئی ہے دوسری طرف کالے بازار کا کام کرنے والے اور نفع خور تو عوام کی غربت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لاکھوں روپئے بطور نفع کما رہے ہیں۔ صرف چند لوگوں کے ہاتھوں دولت اکٹھی ہوتی جا رہی ہے۔ اجارہ داروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ سرمایہ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سرمایہ دار ملکوں سے غیر ملکی سرمایہ یہاں آ رہا ہے اور اس طرح آمدنی میں فرق اور بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ ایسی صورت حال ہے جسے کوئی بھی سوشیلسٹ ملک پنپنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

سیکولرزم یعنی لامذہبی کے سلسلہ میں ہم یہی دیکھتے ہیں کہ ہمارے حکمران صرف زبانی جمع و خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہایت ہی بدقسمتی کی بات ہے کہ آج بھی ہمارا ملک بدترین قسم کے فرقہ وارانہ فسادات کے چنگل میں جکڑا ہوا ہے اس طرح کے حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے سوشیلسٹ اور سیکولر الفاظ شامل نہیں کئے گئے۔ ایسا تو صرف لوگوں کو بے وقوف بنانے کیلئے کیا گیا۔ ایک سماج کی تبدیلی کیلئے عوام کو ہی پہل کرنی پڑتی ہے اور عوام ہی اس کام میں عملی طور پر حصہ لیتے ہیں۔ سماج کی تبدیلی کیلئے یہ ابتدائی ضرورت ہے لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ سماج کی اس ابتدائی ضرورت کو ابتک پورا نہیں کیا گیا۔ برخلاف اسکے عوام کو اس کام سے بالکل الگ تھلگ رکھا گیا۔ اور جہاں کہیں بھی لوگوں نے اس سلسلے میں پہل کی وہاں انھیں مارپیٹ کر پس پشت ڈال دیا گیا۔ جہاں کہیں بھی استحصال اور رجعت پسندوں کی طاقتوں کے خلاف لوگ منظم ہوسکے وہاں انھیں ان لوگوں نے،

جو بہت اقتدار میں ہیں ہر ممکن طریقے سے دبا رہا ہے ہم تو یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بہت سارے کالے قوانین نافذ کئے گئے جنکا مقصد یہ ہے کہ محنت کش لوگوں کا اپنے حالات زندگی میں بہتری لانے کیلئے جد و جہد کو دبا دیا جائے۔ نیشنل سیکوریٹی ایکٹ، اسینشیل سروسیز مینٹیننس ایکٹ وغیرہ اسکی مثالیں ہیں جبکہ سماج، جو ۳۰۰ سال سے زیادہ برسوں تک غیر ملکی استحصال، کا شکار بنا رہا۔ تبدیلی کیلئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اسکے عوام کو اور بھی زیادہ حقوق دیئے جائیں تاکہ وہ رجعت پسند طاقتوں کو شکست دینے کیلئے موثر طور پر جد و جہد کر سکیں وہاں ہمارے ملک میں ٹھیک اسکے برعکس باتیں رونما ہو رہی ہیں نہ صرف یہ کہ ان حقوق میں توسیع نہیں کی جا رہی ہے بلکہ اس کا ایک خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ محنت کش لوگوں نے مسلسل جد و جہد کرنے کے بعد انگریزوں سے جو حقوق چھینے تھے، انہیں بھی بے اثر کر دیا جا رہا ہے اور چھین لیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں حکومت ہند نے ہندوستانی ٹریڈ یونین ایکٹ ۱۹۲۶ء میں ترمیم کی۔ اس نئی ترمیم نے ہسپتالوں، تعلیمی اداروں کے ملازمین اور مزدوروں کو ٹریڈ یونین حقوق سے محروم کر دیا۔ اس سے اس ترمیم کا منفی پہلو ظاہر ہو جاتا ہے۔

اس لئے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کے حکمران طبقے ہمارے دستور میں ذکر کردہ باتوں کو پورا کرنے میں دلچسپی نہیں لیتے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ استحصال بلا روک ٹوک جاری رہے۔ انکی یہ خواہش ہے کہ ہندوستانی سماج ہمیشہ طبقوں میں بٹا رہے اور وہ بالائی سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

اس لئے ہر باشعور اور ایمان دار شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات کی کوشش کرے کہ عوام بالعموم طور پر متحد ہو جائیں تاکہ وہ سب ایک ساتھ مل کر کم از کم ان باتوں کی حصولیابی کیلئے جنکا دستور میں ذکر کیا گیا ہے، حکمران طبقوں کے حملوں کا بخوبی مقابلہ کر سکیں۔ جد و جہد کے دوران یہ بات عیاں ہو جائیگی کہ دستور میں درج باتوں کو پورا کرنے کیلئے ہمیں ایک لمبے فاصلے کو طے کرنا ہو

آئیے ہم خوشحالی کی طرف آگے بڑھیں۔ آئیے ہمارے دستور کی ۳۳ ویں سالگرہ کے موقعہ پر اس بات کا عہد کریں کہ ہم متحد ہو کر سماجی برائیوں کو دور کریں گے اور ایک نئے ہندوستان کی تعمیر کریں گے۔

(باقی صفحہ ۶ کا)

باقی مہینوں میں مزید ۵۰ کروڑ کا اضافہ ہوگا۔

چھٹے منصوبہ کے تین سال پورے ہو گئے لیکن ابھی تک چھٹے پنجسالہ منصوبہ کا درمیانی دور میں اس منصوبہ کے جائزہ لینے کا کام شروع نہیں ہوا۔ پنجسالہ منصوبہ کو ایک طرح سے طاق پر رکھ دیا گیا ہے۔

بجلی کی صورت حال سے سبھی واقف ہیں۔ ابھی بھی پیداوار مانگ سے تقریباً دس فی صد کم ہے۔ بجلی پلانٹ کی پیداواری صلاحیت کو پورے طور استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ یعنی ۵۰ فی صد صلاحیت سے کام لیا جا رہا ہے دوسری طرف ۸۲-۱۹۸۱ء میں درآمد کردہ تیل پر انحصار اور بھی زیادہ ہو گیا ہے تقریباً ۲۶۰ کروڑ سے زیادہ روپے کا تیل درآمد کیا گیا۔ مختلف صنعتوں میں کوئلہ کے استعمال میں کمی کی ہوئی۔ اپریل۔ ستمبر ۱۹۸۲ء بجلی گھروں میں ۹ر۲ فی صد سے کم ہو کر ۱۵ر۱ فی صد اسٹیل پلانٹس میں ۲۳ر۱۲ فی صد سے کم ہو کر ۱۱ر۱ فی صد، واشریز میں ۲۶ر۹ فی صد سے کم ہو کر ۲ر۶ فی صد اور سیمنٹ صنعت میں ۳۷ فی صد سے کم ہو کر ۱۹ر۱ فی صد ہو گیا۔

آئی ایم ایف سے جو قرض لیا گیا ہے اس کے سلسلے میں بہت ساری شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ہندوستان میں غذائی اجناس کے سلسلے میں مالی سہولتیں یا امداد دینی بند کر دینی ہوگی اس کے نتیجہ میں عام لوگوں کے لئے اناج کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔ ریسرچ بیورو آف کامرس نے بمبئی میں مندرجہ ذیل ضروری چیزوں کی خردہ قیمتوں کی ایک فہرست تیار کی ہے جو درج ذیل ہے۔

اجناس	کوالیٹی	قیمت فی کیلوگرام روپے میں		ایک سال میں قیمتوں میں فی صد فرق
		۱۶ دسمبر ۸۲ء کو	۱۶ دسمبر ۸۱ء کو	
چاول	اوسط	۶٫۰۰	۳٫۸۰	۷۵٫۹۰
گیہوں	"	۴٫۶۰	۳٫۹۰	۱۷٫۹
جوار	"	۳٫۰۰	۲٫۳۰	۳۰٫۴
تُر دال	"	۸٫۰۰	۶٫۰۰	۳۳٫۳
دودھ فی لیٹر		۶٫۰۰	۵٫۴۰	۱۱٫۱
وناسپتی گھی فی لیٹر		۱۷٫۰۰	۱۵٫۰۰	۱۳٫۳۰

اس ملک کی آزادی کے لئے جد و جہد کرنے والوں کو بہت ساری باتوں کی امید تھیں لیکن عوامی جمہوریہ کی ۳۳ ویں سالگرہ کے موقعہ پر چاروں طرف معاشی بدحالی کی تصویر دیکھ کر انہیں بڑی مایوسی ہوگی۔

عوامی جمہوریہ کی ۳۳ ویں سالگرہ

از: [illegible]

• اور •

ہندوستانی معیشت کی بدحالی

بلاشبہ نئی دہلی لال قلعہ میدان میں پھر ایک بار یوم جمہوریہ کی ۳۳ ویں سالگرہ تزک و احتشام کے ساتھ منائی جا رہی ہے لیکن گزشتہ تیس برسوں میں ہندوستانی معیشت کی کیا حالت ہوئی ؟

گزشتہ تیس برسوں میں مجموعی قومی پیداوار کی شرح زیادہ ہونے کی جگہ آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی ہے یعنی ۱۹۵۰ء میں ۸ر۳ فیصد سے کم ہو کر ۱۹۸۲ء میں ۳ فیصد ہو گئی ہے فی کس آمدنی میں ۱۹۵۰ء میں ۱.۸ فی صد سے کم ہو کر ۸۲ء میں ایک فی صد ہو گئی ہے ۔ ۱۹۵۰ء میں زرعی پیداوار میں اضافہ کی شرح ۹ر۲ فی صد سے گھٹ کر ۱۹۸۱ء میں ۵ ر۱ فی صد ہو گئی ۔ کان کنی اور مصنوعات تیار کرنے والے سیکٹر بھی اس سے الگ نہیں رہ سکے ۔ اس سیکٹر میں افزائش کی شرح ۱۹۵۰ء میں ۵ر۶ فی صد سے کم ہو کر ۱۹۸۱ء میں ۳ فی صد ہو گئی ہے ۔ عالمی صورت حال کے زیر اثر عالمی معاشی مندہ بازاری رکنے کا نام ہی نہیں لیتی ۔ معیشت کی حالت دن بدن بدتر ہوتی جا رہی ہے ۱۹۸۲ء کے لئے صنعتی منظر بہت ہی سنسان نظر آیا ہے ۱۹۸۱ء میں صنعتی پیداوار ۹½ فی صد تھی جو گھٹ کر ۱۹۸۲ء میں ۴½ فی صد ہو گئی ۔ نشانہ تو ۱۰ فی صد کا تھا ۔ صنعتی پیداوار میں بلا شبہ ۱۰ فی صد کے مقابلہ میں ۴½ فی صد کے اضافے سے صورتحال کی ابتری کا پتہ چلتا ہے ۔ ۱۹۸۲ء سے بہت ساری صنعتیں جیسی سوتی کپڑے بننے کی مشینیں ، ٹریکٹر ، ریفریجریٹر ، کاسٹک سوڈا ، سوڈا ایش ، کاغذ ، کھاد اور اسپیشل اسٹیل وغیرہ تو مندہ بازاری کی گرفت میں ہیں ۔

سوتی کپڑے تیار کرنے کی مشینیں تیار کرنے والی صنعت کی پیداوار جنوری ۱۹۸۱ء میں [illegible] کروڑ روپئے سے کم ہو کر جنوری تا جون ۱۹۸۲ء میں ۳۹ کروڑ روپے کی مالیت کی ہوئی ۔ کیونکہ جون ۸۲ء کے آخر تک اس صنعت کے پاس ۲۰ کروڑ روپے کی مالیت کی مشینیں بلا فروخت تھیں ۔ ٹریکٹر تیار کرنے والوں کو بھی بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں ۳۰ فی صد کمی کرنی پڑی کیونکہ ان کے اور ان کے ڈیلروں کے پاس جون ۸۲ء کے آخر تک کم و بیش ۱۲۰۰۰ ٹریکٹر بلا فروخت پڑے تھے ۔ ریفریجریٹر صنعت کے جولائی ۸۲ء کے آخر تک ایک لاکھ ریفریجریٹر اسٹاک میں پڑے تھے ۔ کاسٹک سوڈا کی پیداوار ۱۹۸۱ء کے آخری سہ ماہ میں ۵۵ر۱ لاکھ ٹن سے کم ہو کر ۱۹۸۲ء کے دوسرے سہ ماہ میں ۳۸ر۱ لاکھ ٹن ہو گئی ۔ کاغذ صنعت کے پاس کاغذ کی سپلائی کے لئے جو آرڈر پیش کیا گیا تھا وہ اپریل ۔ جون ۱۹۸۱ء میں ۱۹۵۳۲ ٹن سے کم ہو کر اپریل ۔ جون ۱۹۸۲ء میں ۹۷۷۱ ٹن ہو گیا ۔ کھاد صنعت کے اسٹاک میں ۶ر۷ لاکھ ٹن کھاد جولائی ۸۲ء میں بلا فروخت رہا ۔ اسی طرح ۱۹۸۲ء میں دھاگہ اور کپڑے تیار کرنے والی سوتی کپڑے کی صنعت کی مصنوعات ۱۹۸۱ء کے مقابلہ میں علی الترتیب ۸ر۹ فی صد اور ۵ر۲ فی صد کم ہوئی ۔ مخصوص اسٹیل کا اسٹاک ۱۹۸۱ء میں ۳۹۰۰۰ ٹن سے بڑھ کر ۱۹۸۲ء میں ۵۰۰۰۰ ٹن ہو گیا ۔

اس کی وجہ معلوم کرنے کے لئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ۔ دنیا کے ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں میں زبردست مندہ بازاری کے تحت اور ضروری مصنوعات کی تجارت میں اچھی خاصی کمی کے پیش نظر اب سامراجی ممالک اس بات کی جی توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ اس بحران کے بوجھ کو تیسری دنیا کے ملکوں پر لاد دیا جائے ۔

ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ممالک بذات خود درآمدات کی روک تھام کر رہے ہیں اور اپنی صنعتوں کی حفاظت کے لئے دیواریں تعمیر کر رہے ہیں لیکن ان کی ایجنسیاں جیسے آئی ایم ایف اور عالمی بینک تیسری دنیا کے ملکوں پر زور دے رہی ہیں کہ وہ درآمدات میں فراخدلی سے اضافہ کریں ۔ ساتھ ہی وہ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان ملکوں میں الیکٹرونک صنعت کی مصنوعات کی بڑی کثیر القوامی کارپوریشن کی مصنوعات لے لے ۔

غیر ملکی زر مبادلہ کے ریزرو میں بھی بڑی کمی پیش ہو رہی ہے ۔ جنوری ۱۹۸۱ء میں ۵۰۰۰ کروڑ روپئے سے کم ہو کر دسمبر ۸۲ء کے آخر میں ۳۰۰۰ کروڑ روپئے ہو گئے ۔ نیز یہاں اس بات کو بھی زیر غور رکھا گیا تھا کہ آئی ایم ایف سے ۱۸۰۰ کروڑ روپئے نکالے گئے تھے ۔ دوسری طرف بجٹ میں کمی بڑھتی ہی جا رہی ہے ۔ اور وزیر مالیات کے اندازہ کے مطابق یہ کمی ۱۳۱۵ کروڑ روپے سے کہیں زیادہ ہوگی ۔ یہ حقیقت ہے کہ پارلیمنٹ کے پس پردہ حکومت نے ایک پورے سال میں ۲۰۰ کروڑ روپئے سے قومی قرض میں اضافہ کر دیا ہے اور ۸۲-۸۳ء کے

باقی صفحہ نمبر ۹

سنت داس گپتا

وشنو پرشاد رابھا

انقلابی شاعر

وشنو رابھا، اب کتنی رات ہوئی ہے؟

ڈاس گپتا، کتاب کے اب صرف گیارہ صفحے باقی رہ گئے ہیں۔

مشہور و معروف آسامی شاعر ڈاکٹر برنید ڈکمار بھٹاچاریہ نے یہ سوال آسام کے انقلابی شاعر وشنو پرشاد رابھا سے کیا تھا اگر ہم ڈاس گپتا کی اہمیت کا اندازہ لگائیں تو ہم لوگوں کی سمجھ میں یہ بات ضرور آئیگی کہ ایک مارکس وادی اور لینن وادی شاعر کا یہ خراج عقیدت نہ صرف معقول ہے بلکہ اہم اور غیر معمولی بھی ہے۔ آجکل آسام کی سیاسی بے چینی کے پس منظر تنگ نظر اور نام نہاد قوم پرور جماعت کے لوگ بھی جنھوں نے اپنی ریاست سے غیر آسامیوں اور کمیونسٹوں کو نکال باہر کرنے کا تہیہ کر لیا ہے بڑی شان و شوکت کے ساتھ وشنو پرشاد رابھا کی جنم صدی منا رہے ہیں اور انہیں قوم پرور اور وطن دوست اسامی شاعر و ادیب کہکر پھولوں کے ہار پیش کئے جا رہے ہیں واہ، واہ، واقعی یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن ہار تو انکی تصویر کے فریم (چوکھٹے) پر چڑھائے جا رہے ہیں کیونکہ وہ زندہ نہیں ہیں اور اگر وہ زندہ رہتے تو، تو ان چھوٹے مہاجنوں کے خلاف گرج اٹھتے۔

شاعر رابھا، جب وکٹوریہ کالج، کوچ بہار میں زیر تعلیم تھے، اپنی اندرونی انقلابی تحریک کے جذبے سے سرشار ہو کر، کوچ بہار کے راجہ کے محل کی دیوار پر یوں لکھ رکھا تھا۔

"اس سلطنت میں دو بکریاں ہیں۔
ایک کالے رنگ کی ہے اور دوسری سفید
اگر سلطنت کی فلاح و بہبود کی خواہش ہے
تو قربانی دو ان دونوں بکریوں کی۔"

اسکے نتیجہ میں انھیں کوچ بہار سے باہر نکال دیا گیا۔ اگر وہ آج زندہ رہتے تو انکا احتجاجی قلم بلاشبہ ان ہی باتوں کو دہراتا۔

پیدائش : ڈھاکہ (بنگلہ دیش) میں ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو جمعرات کی نصف شب کے وقت وشنو پرشاد رابھا پیدا ہوئے انکے والد کا نام سردار بہادر گوپال چندر موچہاری اور دادا کا نام شونی رام موچہاری تھا۔ انکے دادا مدناپور میں برسر روزگار تھے اور وہیں دوران ملازمت انکی موت واقع ہو گئی۔ انکے والد گوپال چندر اس وقت بہت ہی کمسن تھے۔ اس لئے باپ کی وفات کے بعد مدناپور کے ایک پولس انسپکٹر جن کا نام رابھا تھا، نے گوپال چندر کی پرورش کی اور اسی وجہ سے گوپال چندر نے اپنے نام کے ساتھ 'رابھا' بھی شامل کر لیا۔ گوپال چندر ڈھاکہ میں انگریزوں کی فوج کے اسٹرن رائفل کے صوبیدار میجر تھے۔ لیکن دوران ملازمت یہ ایک حادثہ کا شکار ہو گئے اور اسکی وجہ سے انکی موت واقع ہو گئی۔ اسکے بعد انگریزی حکومت نے انکے بیٹے وشنو رابھا کو تیج پور آسام میں، ۲۰ ہزار بیگھوں پر مشتمل قطعات آراضی بطور عطیہ دیئے۔ اتنی بڑی ملکیت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ استحصال کرنے والے زمیندار بن سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے لئے ایک الگ تھلگ راستہ اختیار کیا کالج کے دنوں میں انقلابی اشعار لکھنے پر انھیں شہر بدر کر دیا گیا تھا لیکن اسکے بعد وہ انقلابی راہ پر گامزن ہو گئے

ایک آرٹسٹ کی پیدائش : یہ ۱۹۲۷ء سے قبل کی بات ہے تیج پور شہر میں طلباء کے ایسوسی ایشن کا 'ادشا چھاترا سبھا' نام کا ایک ادارہ تھا، جو ادبی لحاظ سے کافی مشہور تھا بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں جیسے دوتی ناتھ کلیتا، چندرا ناتھ شرما اندریشور بڑٹھاکر، تیرتھ ناتھ شرما، ہیم بروا وغیرہ، کی اوائیل ادبی

زندگی اسی سبھا سے شروع ہوئی۔ وشنو را بھا کی ابتدائی ادبی زندگی کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔ اپنی ادبی زندگی کے پہلے دور میں وشنو را بھا لوک ثقافت سے روشناس ہوئے تیج پور کے 'بان رنگو منچ' کے پوجا پنڈال میں ہر سنیچر کو بنگلہ میں کرتن گیت اور گھوش انام اگیت کی بیٹھک ہوتی۔ یہیں وشنو را بھا کے دل میں موسیقی کا شوق پیدا ہوا۔ وہ خاص طور پر انہیں طنز و مزاح کے کرتن گیت بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔ انکے ایک طنزیہ کرتن یوں ہے :-

"بکری کے چھوٹے بچے
مجھے پسند نہیں ہیں
اچھے اچھے اور بڑے بڑے خصی
مجھے بیحد پسند ہیں"

کن لوگوں کیلئے یہ آرٹ اور ثقافت : ۱۹۰۵ء میں آرٹ

اور ثقافت کا ذکر کرتے ہوئے لینن نے یہ کہا تھا کہ کمیونسٹوں کی آرٹ اور ثقافت لاکھوں لاکھ محنت کشوں کی خدمت کا نام ہے۔ آرٹ و ثقافت کی بابت تو تقلید پسندوں اور عملی لوگوں کی بحث تو نہ ختم ہونے والی بحث ہوتی ہے۔ اسلئے دونوں مکتب خیال کے لوگ نے اپنے اپنے مطمع النظر کو روبہ عمل لاتے ہیں۔

تقلید پسندوں کی رائے میں آرٹ عوام کے لئے ہے۔

عملی لوگوں کی رائے میں عوام کیلئے آرٹ ہے۔

میکسم گورکی اور چین کے 'لوسون' صحیح معنوں میں مارکس وادی تھے اس لئے ان لوگوں نے عملی لوگوں کا راستہ اختیار کیا۔ ہندوستان میں وشنو را بھا بھی دوسرے راستے کے مسافر تھے۔ اسی لئے را بھا کے الفاظ میں 'ایک شخص جسم میں راکھ ملکر، زرد لباس پہن کر اعلےٰ مطمع نظر کی باتیں کہکر سماج کے سامنے ایک رنگین خواب پیش کرتا ہے، اس طرح وہ شان و شوکت کے دور سے گذرتا ہے ہوسکتا ہے کہ اس سے اسے دلی تسلی حاصل ہو، لیکن میں کوئی دائمی تحریک شروع نہیں کرسکتا جس سے تخلیقی انقلابی رجحانات رونما ہو سکیں۔ میری تحریک کی لہروں کی روؤں سے سماج کی صدیوں پرانی خامیاں اور برائیاں دور ہو جائیں گی۔ آج ہماری زندگی پر معیشت کا اچھا خاصہ اثر پڑتا ہے۔ ایک طرف غربت ہے اور معاشی نابرابری ہے تو دوسری طرف مٹھی بھر لوگوں میں خزانہ جمع ہو چکا ہے اور اسی وجہ سے سماج میں بے انصافی، استحصال اور بے چینی رونما ہوتی ہے۔ بنی نوع انسان کی تابندگی کی رفتار ترقی کا اگر ہم جائزہ لیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ہر دور میں ایک تہذیب ترقی کے ایک زینہ سے جب دوسرے زینہ پر جاتی ہے تو ٹھیک اسکے عروج کے وقت سماجی زندگی میں بے چینی، اضطراب اور کھلبلی رونما ہوتی ہے۔ لیکن بے چینی کے اس دور میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو لاانتہا تکالیف برداشت کرکے اور قربانیاں دیکر تخلیقی انقلاب رونما کراتے ہیں اور ایک نئی تہذیب کی راہ کو روشن کردیتے ہیں۔ اس اقدام کو عوام بیداری کہہ سکتے ہیں اور یہ بیداری انسان کی ترقی کی مسلسل لہروں کی وجہ سے سالم اور مستحکم ہو جاتی ہے۔

کتنی گہری اور سچی باتیں ہیں را بھا کی۔ اور بقول را بھا، "مجھے لوگ آرٹسٹ یعنی فنکار کہتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو میرا یہ کہنا ہے کہ یہ ناچیز بھگوان کے طفیل سے فنکار نہیں بنا، اسے فنکار بنایا ہے عام لوگوں نے"۔

دوست، رفیق اور رہبر جیوتی پرشاد اگروال: آسامی سنگیت

کے بانی اور روح رواں جیوتی پرشاد اگروال مختلف النوع فنکار تھے۔ وہ نہ صرف آسامی زبان کے بہترین ڈرامہ نویسوں میں تھے، بلکہ ۱۹۳۹ء میں 'جے موتی' فلم تیار کرکے آسامی فلموں کی بنیاد ڈالی۔ اس فلم کے گیتوں کے سُر تیار کرنے کے موقعہ پر جیوتی پرشاد اگروال اور وشنو را بھا ایک دوسرے سے روشناس ہوئے۔ جس طرح رابندرناتھ کے 'سروں' کے دینیندرناتھ ٹھاکر خازن تھے، اسی طرح جیوتی پرشاد کے 'سروں' کے وشنو را بھا خازن تھے۔ اس مشترکہ سُر سادھنا نے آسامی موسیقی کے سُر اور تال میں ایک نئی روح پھونک دی جسکی وجہ سے آج آسامی ثقافت کو ایک نئی زندگی ملی۔ دونوں ایک ساتھ نظمیں اور گیت لکھا کرتے۔ ان لوگوں نے ایک ہی ساتھ تھیٹر اور فلموں میں کام کیا۔ دونوں مصور بھی تھے اور سیاست میں بھی حصہ لیا کرتے۔ جیوتی پرشاد اگروال کی تخلیقی تحریک کی وجہ سے وشنو را بھا آسام کی ترقی پذیر ثقافت کے روح رواں بن گئے۔ شری جگتو بھوپن ہزاریکا اعتراف کرتے ہیں کہ اگر ہوگ دریائے برہمپتر کی شاخ ندیاں ہیں تو وشنو کو کائی (بھائی) اہم برہمپتر دریا ہیں

سیاست اور زندگی : ۱۹۴۲ء کی ہندوستان چھوڑو تحریک میں سرگرم

طور پر حصہ لینے والے جیوتی پرشاد اگروال نے آزادی کے بعد مارکسزم کی طرف رجوع کیا۔ اسکے بعد وہ آئی پی ٹی اے کی آسام شاخ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں احمد آباد میں منعقدہ آئی پی ٹی اے کی مجلس صدارت کے ممبر منتخب ہوئے۔ وشنو را بھا آسام کی آئی پی

کی نسبت کہ دوسرے مصروف اور ترقی پذیر فن کاروں کے ایسو سی ایشن کے پہلے صدر تھے جب ۱۹۴۸ء میں سارے ہندوستان میں انقلابی کمیونسٹ پارٹی کے مسلح انقلاب کا اعلان کیا گیا تھا تو اس وقت وشنو رابھا نے بھی اس انقلاب میں شرکت کی۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک گیت یوں ہے۔

جاگو، جاگو، جاگو، جاگو
مزدور نوجوان
مظلوم استحصال کے شکار
فاقہ زدہ کسان۔

صرف تحریروں میں ہی نہیں بلکہ ایک حقیقی انقلابی کی طرح وشنو رابھا براہ راست عوام کی جدوجہد میں شامل ہو گئے۔ اسکے نتیجہ میں انہیں پانچ برسوں تک روپوش رہ کر کام کرنا پڑا۔ اس روپوشی کے دوران کانگریسی سرکار نے ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا اور انھیں زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لانے والے کو دس ہزار روپے بطور انعام دینے کا وعدہ کیا۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہاتھ میں اسٹین گن اور دوسرے میں قلم اور برش لیکر غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف انقلاب میں کود پڑے۔ ایک کامریڈ کے مطابق آسام میں ایسے پہاڑ کم ہیں جنھیں انہوں نے پار نہیں کیا۔ ایسے گاؤں کم ہیں جہاں وہ نہیں گئے۔ ایسی ندیاں اور چشمے کم ہیں جنھیں انھوں نے تیر کر پار نہیں کیا۔ ان میں ایک اور نمایاں خوبی یہ تھی کہ اگر کبھی وہ کسی کو بھی کسی بات کی نصیحت کرتے تو پہلے بذات خود اس پر عمل کرتے۔ یہ بات خود انکی زندگی کے کارناموں سے نمایاں ہو جاتی ہے۔

انقلاب اور انقلابی، انقلابی آرٹ اور انقلابی فنکار ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے، اس سے بالاتر ہو کر آپ نے اپنی خدمات سے اس دور کے ہندوستان میں ایک نایاب مثال قائم کی تھی۔ بقول وشنو رابھا، "عوام تو آرٹ کا خزانہ ہیں۔ اسی لئے عوام کی قربت میں رہ کر اور انکی محبت کے سمندر میں ڈوب کر میں نے آرٹ کی سرسوتی کو پایا۔" یہ نصب العین صحیح معنوں میں انقلابی آرٹسٹ کا نصب العین ہوتا ہے۔ ایک بار لینن فورم کی گفت و شنید کی محفل میں ماؤزے تنگ نے آرٹ اور ثقافت کے سلسلے میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ "انقلابی ادیب اور فن کار عوام سے اپنی تحقیقی مواد حاصل کرتے ہیں، پھر اسے انقلابی مطمح نظر سے مزین کر کے عوام ہی کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔" وشنو رابھا اپنے روپوش ہونے کے عرصہ کو گیات باس یعنی خاموش رہنے کا موسم قرار دیتے ہیں۔ اس عرصے میں انھوں نے گیت گا کر، گیتوں میں سُر دیکر اور کھلے دل سے گیت گا کر عوام میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس عرصہ میں انھوں نے مصوری کی، تصویریں بنائیں ساتھ ہی لوگوں کو منظم بھی کیا۔ اس سلسلہ میں انوداشنکر رائے یوں رقمطراز ہیں: "ہاتھ میں اسٹین گن لئے گیت گانے والے ادیب کی مثال تو اٹلی کے "عہدِ نو" میں تو مل سکتی ہے لیکن ہمارے یہاں ایسی مثال شاید ہی ملے" ۱۹۵۲ء میں وشنو پرشاد رابھا کی روپوشی کا دور ختم ہو گیا لیکن انھیں فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ پھر ایک سال تک انھیں قید میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا۔ اسکے بعد وہ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی میں پورے وقت کیلئے شامل ہو گئے اور انتھک محنت کرنے لگے۔ انھوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ثقافتی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ آج کی آسامی ثقافت وشنو رابھا کی قربانیوں کی بہت حد تک مرہون منت ہے۔ انھوں نے گاؤں گاؤں کا دورہ کیا اور وہاں کے 'نام گھر'، 'ستر'، 'دیوستھان'، 'موٹ' اور مندروں سے ثقافت کے مواد حاصل کئے۔ قدیم آسامی روایتوں سے انھوں نے 'ستریہ'، 'ستر دھاری'، 'دساوتار دیودھونی'، 'لوک ناچ' وغیرہ سیکھا اور پھر انہیں دہرایا۔ انھوں نے 'کامروپی اتروسماج' قائم کیا۔ جب اپنی روپوشی کے دوران کاندھے پر اسٹین گن اور ہاتھ میں لال جھنڈا لئے گاؤں گاؤں کا گشت لگایا کرتے تھے تو اس وقت بھی اپنی ثقافتی سرگرمیاں جاری رکھیں اور قدیم آسامی ثقافت کے اہم جزو 'بیہو گیت' اور 'ستریہ' ناچ کی دھن اور لے حاصل کیا۔ وشنو رابھا ناچ کے بہت زیادہ شوقین تھے اور ناچ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی لئے جب بڑھاپے میں انھوں نے بیرونی ملک کا سفر کیا تو انا پیلو با سے 'مدرا' ناچ سیکھا۔ چونکہ وہ اشتراکیتی معیشت اور غیر طبقاتی سماج پر یقین رکھتے تھے، اسی لئے ہر بار براہ راست عوامی تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ طبقاتی سماج کی حکومت کو یہ بات پسند نہ تھی اور اسی لئے وہ ان سے خوف کھاتی اور انھیں جیل میں بند کر دیا اور انہیں رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ۱۹۶۲ء میں جب ہندوستان چین کا سرحدی جھگڑا شروع ہوا تو ہندوستان کی حکومت نے اس عظیم آرٹسٹ کو ڈی آئی آر کے تحت گرفتار کر لیا۔ چونکہ سرکاری ہتھکڑیاں اس عظیم و جسیم شخص کی کلائیوں میں چڑھائی نہ جاسکی، اس لئے انکی کمر میں رسی باندھ کر انہیں تیج پور کی کھلی سڑکوں سے پیدل جیل خانہ لے جایا گیا۔ ۱۹۶۸ء میں پارلیمانی انتخابات میں جب انہیں شکست حاصل ہوئی تو اس وقت بھی جب رجعت پسندگان خوشی کا جشن منا رہے تھے، وہ اپنے اصول پر قائم رہے اور تنگ نظر قومیت

پسندی اور ملک کے الگ ہو جانے کے رجحان کیخلاف اندولن اور جدوجہد کرنے کا اعلان کیا۔ انھوں نے آسامی زبان اور ثقافت کے نام نہاد ہمدردوں پر طنز کرتے ہوئے کہا تھا۔ "یہ تنگ نظری اور الگ ہونے کا رجحان ایک روز آسامی زبان اور ثقافت کے خلاف جائے گا۔"

اختتام: ہر ادیب اور ہر آرٹسٹ اپنی طبقاتی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جو مارکس وادی ہیں وہ سب مزدور اور محنت کشوں کے نصب العین پر یقین کرتے ہیں اور ان کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر ایک آرٹسٹ درمیانہ اور اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور وہ صحیح مارکسٹ بننا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے طبقوں کو فراموش کر دینا ہوگا۔ یعنی اپنے طبقہ کے خیالات اور مفاد کو ترک کر کے عوام، محنت کش مزدوروں اور کسانوں کے خیالات، اصولوں اور راستوں کو اپنانا پڑے گا۔ ان اصولوں کو اپنانے کیلئے بہت سارے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ ان مرحلوں کی پہلی سطح کو طے کرنے کے لئے وشنو پرشاد رابھا نے، مادھودیب، اور شنکر دیب کے آدرشوں سے سرشار ہو کر ایک گیت لکھا تھا: "اے آسامی، نوجوانو! ...."

وشنو پرشاد رابھا نے اپنی جدوجہد کے وقت کی رفتار کے ساتھ تال ملاتے ہوئے اور اس میں ایک نئی روح پھونک کر، نیز اپنی آبائی جاگیر یعنی .... بیگھا زمین غریب کسانوں کو دیکر، عوام کی آزادی اور نجات کی جدوجہد میں براہ راست شریک ہو گئے۔ اور لکھنے لگے

"جاگ جاگ
مزدور، نوجوان، ...."

آجکل آسام میں مفاد پرست افراد جگہ جگہ کمیونسٹوں اور غیر آسامیوں کے خلاف جلسہ کر رہے ہیں اور جلوس نکال رہے ہیں اور ایسے جلسوں اور جلوسوں میں "اے آسامی نوجوان" کا گیت گا کر وشنو پرشاد رابھا کو تنگ نظر قوم پرستی کے ڈور میں باندھ لینا چاہتے ہیں۔ لیکن رابھا نے اپنی زندگی اور کارگذاری کے ذریعہ ثابت کر دکھایا کہ ان کا نصب العین کیا ہے۔ انھوں نے بہت سارے انقلابی گیت لکھے۔ کبھی کبھی تو وہ خود عوام کی آزادی کی جدوجہد میں یہ گیت گایا کرتے۔ ایسے گیت انقلابی ہونے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی نوعیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے اپنے گیتوں میں ایک نئی سچائی کے نمودار ہونے کی پیش گوئی کی۔ اس سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں۔ "لاچار اور غریب آسامیوں کو بچانا پڑے گا۔ انقلاب کے ذریعہ، انکی حفاظت کرنی ہو گی ان امیروں کے خلاف جدوجہد کر کے جن کا نہ کوئی ذات ہے نہ سماج ہے اور نہ مذہب ہے۔ یہ سب صرف سامراجیت کے ستون ہیں۔ یہ لوگ گاؤں کے کسانوں اور غریبوں کا خون چوستے ہیں۔ ملک کے عوام کی آزادی کو چھین لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غریبوں کو پیس رہے ہیں۔ ان لوگوں کی تقریر، ان کا ادب مکر و فریب ہے۔ کل جگ کے بعد ستیہ جگ آنے والا ہے۔ اب وہ ستیہ جگ یعنی سچائی اور حقیقت کا دور آچکا ہے۔ وہ حقیقت ہے آزادی، ہزاروں سال سے جکڑے ہوئے عوام کی آزادی۔ مزدوروں اور کسانوں کی آزادی۔ یہی ستیہ ہے یہی انسانی سچائی ہے۔ اس میں کوئی درجہ بندی نہیں ہے۔ اگر اس میں کچھ ہے تو وہ ہے مساوات۔"

(بنگلہ سے تلخیص و ترجمہ)
بشکریہ پیوپلز پیپر، کلکتہ

جذام (کوڑھ) کی روک تھام کیلئے سرکاری اقدامات

[illegible] کی روک تھام کے [illegible] پروگرام ۱۹۸۲ء ۔۸۳ [illegible] جذام [illegible] چھتورہ کے قیام کیلئے منظوری دیدی ہے۔ ریاستی حکومت نے [illegible] سرکار میڈیکل کالج اور اسپتال کے [illegible] کو مزید [illegible] دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ نیز [illegible] اور غیر [illegible] عہدے اس مقصد

پانی کے نکاس کیلئے نالے کی تعمیر

کلکتہ میٹروپولیٹن ترقیاتی اتھورٹی نے دمدم میونسپل علاقہ اور [illegible] [illegible] اور [illegible] سرائی میں کئی ایک نالوں کی تعمیر کے لئے تقریباً ۱۶۱۱ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ دمدم میونسپل علاقوں میں نالوں کی تعمیر کا کام سی ایم ڈی اے کے بستی ترقیات اور میونسپل انجینئرنگ [illegible] انجام دے گا اور مذکورہ بالا سڑکوں میں نالیوں کی تعمیر کا کام دمدم میونسپلٹی کے ذمہ دیا گیا ہے۔

از: موکولیش بسواس

آزادی — خواب اور حقیقت

ہندوستان کو آزاد ہوئے تین دہائی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اس عرصہ میں ملک کی ترقی اور بہتری کے لئے بہت سارے منصوبوں کو روبہ عمل بھی لایا گیا۔ ان منصوبوں سے مرکزی حکومت کی پالیسی عیاں ہوتی ہے۔ برٹش سامراجیوں کے جانے کے بعد ہندوستانی سامراجیوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ آزادی تو ملی لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔ ہندوستان کے لوگوں نے آزادی کے بعد کے جو خواب دیکھے تھے وہ شرمندہ تعبیر نہ ہوئے، اور اب انھیں یہ بات معلوم ہوئی کہ خواب کیا ہے اور حقیقت کیا ہے۔ ہندوستان کو سونے کا ملک کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس قدرتی وسائل کی کمی نہیں ہے۔ آکاش کے دیوتا بھی اس پر مہربان ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا اتنی اچھی ہے کہ اس کی زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی عوام کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ ایک ملک کی ترقی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہندوستان میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہندوستان کے عوام بہت سارے مسائل سے دوچار ہیں جن کے حل کبھی کہیں نظر نہیں آتے۔ ہم گویا تاریکی کے غار میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایسی تاریکیاں کیوں؟ اس کیوں کا جواب یہ ہے کہ آج حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ عام لوگوں کیلئے آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ آج عوام پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ ایک دن ہم سب ہندوستانی مادر وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد میں شریک ہو گئے۔ اس دن بلا لحاظ مذہب، ملت، ذات اور علاقہ ہندوستان کے عوام آزادی کی جدوجہد میں تن من دھن سے شامل ہو گئے۔ کسان، مزدور، عالم فاضل سبھی اس جدوجہد میں شامل ہو گئے کیونکہ سبھوں کو اس بات کی امید تھی کہ انگریزوں کے ہاتھوں سے ملک کو بچانے پر عام لوگوں کو خوراک اور پوشاک کی کمی نہیں ہوگی، لیکن ہوا اس کے برعکس۔ مسلسل بڑھتی ہوئی جدوجہد کے پیش نظر انگریزی سامراجیوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اب ان کے لئے ہندوستان پر حکومت کرنی ممکن نہیں، اس لئے انھوں نے ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا، لیکن جانے سے قبل انھوں نے اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک انوکھا انتظام کیا، یعنی ہندوستان کو آزادی دینے کے نام پر ہندوستان کے ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھ اپنی طاقت منتقل کر دی۔ اس طاقت نے سب سے پہلے دین مذہب کے نام پر ملک کو تقسیم کیا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی سامراجی ہندوستان چھوڑنے کے بعد بھی دوسروں کے ذریعہ بلاواسطہ حکومت کرنے لگے۔ جن لوگوں کو اختیارات دئے گئے وہ تو تھے پیدائشی ہندوستانی لیکن انداز حکمرانی کا تھا انگریزوں کی طرح۔ انھوں نے نظام حکومت میں ان پالیسیوں کو ہی اپنایا جنھیں انگریز روبہ عمل لا رہے تھے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بلاشبہ ہندوستانیوں کو آزادی ملی، لیکن کیا انھیں شخصی آزادی ملی؟ کیا انھیں معاشی اختیارات دئے گئے؟ کیا آزاد شہری ہونے کے ناطے انھیں زندہ رہنے کا حق دیا گیا؟

۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء سے ہندوستان میں دستور رائج ہو گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کا دستور بہت ہی اعلیٰ اور جدید ہے کیونکہ دنیا کے دیگر ملکوں کے دستوروں میں جو اچھے اچھے نکات تھے، انھیں ہندوستان کے دستور میں درج کیا گیا، نیز ہندوستانی عوام کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دستور تیار کیا گیا تھا۔ آیئے اس دستور پر ذرا غور و فکر کریں۔ دستور میں ہوتے ہوئے خود دستور میں عوام کے بنیادی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے لیکن کہیں انھیں بر سر عمل لانے یا ان کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے کو لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ مثال کے طور پر تعلیم کو لیجئے۔ دستور میں درج ہے کہ ہندوستان کے ۱۴ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کو ابتدائی تعلیم کی سہولتیں فراہم کی جاتی جب ہو سکیں لیکن کیا آج تک ہندوستان میں اس عمر کے تمام بچوں کو فیضیاب کیا گیا، کام کرنے کے حق کو لیجئے۔ روزگار کی فراہمی کی بات چھوڑ ہی دیجئے تو بہتر کیونکہ دن بدن بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام بنیادی حقوق صرف تحریروں میں درج ہیں، عملی شکل میں نمودار نہ ہو سکے۔ آج ہمارے ملک میں سرمایہ داروں، زمینداروں اور بیرونی ممالک کے سرمایہ نے ہماری آزادی کے پھل پر قبضہ کر لیا ہے اور سرکاری مشینوں کو بروئے کار لا کر استحصال اور لوٹ مار کے بازار کو گرم کر رکھا ہے۔ جس طرح آزادی کی عمر بڑھتی جا رہی ہے، اسی طرح سرمایہ داروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ساتھ ہی استحصال کے شکار عام لوگوں کی غربت، جہالت اور بیروزگاری بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ افراط زر نے عوام کو اور بھی پریشانیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ عوام کے مسائل اور بھی بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ ہر طرف بے چینی کی لہر پھیل گئی ہے۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے عام لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان کے حقوق کیا ہیں۔ انھیں کیسے حاصل کیا جا سکتا۔ وہ دوست دشمن میں تمیز نہیں کر سکتے۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ اسی لئے سرمایہ دار مفاد پرست افراد استحصال کے شکار مزدوروں، کسانوں اور عام لوگوں کو جھوٹی جھوٹی باتیں بتا کر ان کی توجہ دوسری طرف

منبدول کراتے ہیں۔ وہ سب امن کی باتیں کہتے ہیں، لیکن مسائل کو حل کرنے کا ذکر نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ وہ عوام کی بے چینی کو دبانے کے لئے پارلیامنٹ کو استعمال میں لاکر نئے نئے قوانین مرتب کرتے ہیں، اس طرح وہ عوام کے بنیادی حقوق کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

برسراقتدار لوگوں میں ایک نیا رجحان رونما ہو رہا ہے۔ وہ سب ریاستی حقوق کو دباکر مرکزی حکومت کو مضبوط بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے تحت ہر ریاست کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ اس لئے آج سارے ملک میں جگہ جگہ لوگوں میں بے چینی پھیل رہی ہے اور مرکز کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ نیز آج سارے ملک میں ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جو علاقہ کی بابت یا ذات پات کے نام کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نعرہ بازی سے ان کا مسئلہ حل ہو جائے گا، تو وہ غلطی پر ہیں۔ ملک سے الگ ہو جانے پر معاشی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ریاستوں کو مزید حقوق اور وسائل فراہم کئے جائیں تاکہ پیداوار میں اضافہ ہو اور عوام کو مزید سہولتیں فراہم کی جا سکیں۔ لیکن مرکز نے ریاستوں کو اور بھی زیادہ حقوق اور اختیارات دینے کے مطالبات کو نامنظور کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکز تو ریاستوں کی فلاح و بہبود کے لئے زبانی بہت کچھ کہہ سکتا ہے لیکن وہ کبھی بھی ملک کے مالداروں، زمینداروں اور سامراجیوں کی خواہش کے خلاف کچھ کر نہیں سکتا۔ ان لوگوں کی ایما پر مرکز دستور میں ترمیم لاتا ہے تاکہ بنیادی حقوق پر اور بھی قبضہ کیا جا سکے۔ اسی لئے کہیں کہیں صدارتی حکومت کی آوازیں بھی اٹھائی جا رہی ہیں۔ مرکز کی طرف سے ٹریڈ یونین حقوق کی قطع برید کی جا رہی ہے۔ روٹی روزی کی جدوجہد کو دبا دیا جا رہا ہے۔ نیز برسراقتدار لوگ آج ملک کی خود مختاری کو رہن رکھ کر غیر ملکی امداد لے رہے ہیں۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آزادی کے ۳۴ سال بعد بھی عوام کی زندگی ایک سراب بن چکی ہے۔ اس لئے اس سے باہر نکلنے کے لئے انھیں جدوجہد کرنی ہوگی، الگ تھلگ رہنے سے مسئلہ حل نہ ہوگا۔ آزادی خواب ہی بنی رہے گی، کبھی بھی یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ بے روزگاری بڑھتی ہی جائے گی، جہالت اور غربت آزادی کی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جائے گی۔

اس لئے آج ہندوستان کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے، عوام کے معاشی حقوق کی حفاظت کے لئے یوم جمہوریہ کے موقعہ پر ہندوستان کو بیدار ہونا پڑے گا تاکہ ان کے ہندوستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

(باقی صفحہ ۳۶ کا)

زبانوں، ثقافتوں اور مذاہب کے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ ایسے اسپورٹس اتحاد کو فروغ دیتے ہیں، یہ اس بات کی شاہد ہے کہ ہم سب ایک ہیں۔ میں دعا گو ہوں کہ آپ سب زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہوں"۔

اس کے بعد انعامات تقسیم کئے گئے۔ حکومت مغربی بنگال کی طرف سے اس اسپورٹس میں بہتر کارکردگی کے لئے اسپورٹس میں حصہ لینے والوں کو انعامات دئے گئے۔ سی بی ایس۔ ایس۔ سی۔ بی۔ نئی دہلی نے انفرادی چمپین شپ حاصل کیا۔ اور سی جی ای ڈبلو سی سی کلکتہ نے ٹیم چمپین شپ۔

اسکے بعد رائٹرس بلڈنگس کلب کے صدر شری پی بی۔ بسواس نے تمام افراد کا شکریہ ادا کیا۔ اور اسطرح یہ اسپورٹس پایۂ اختتام تک پہونچا۔

اور میں بھی اپنے مضمون کو عزت مآب وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کے اس پیغام کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ اسپورٹس سارے ملک میں سیول سروسز کے ممبروں کے درمیان کافی جوش و خروش پیدا کرے گا۔ اس طرح کا موقعہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں کام کرنے والے سرکاری ملازمین کے درمیان رشتہ کو مستحکم بنانے میں کافی معاون ثابت ہوگا۔ ہمیں اپنے اتحاد کو مستحکم بنانے کے لئے اس طرح کے مواقع سے مستفید ہونا چاہئے"!

میں ۱۷ ویں کل ہند اتھلیٹک میٹ کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں"۔

اور ہم لوگ کامیاب ہوئے۔

ریاستی میڈیکل افسروں کی تربیت

حکومت مغربی بنگال نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنے میڈیکل افسروں کو جنکی عمر ۴۵ سال سے کم ہے۔ پوسٹ گریجویٹ تربیتی سہولتیں فراہم کی جائیں ایسی سہولتیں صرف ان موضوعات میں دی جائیں گی جہاں تربیت یافتہ افراد کی کمی ہے۔ ایسی تربیت کیلئے منتخبہ امیدواروں کو اس کورس میں داخلہ کے وقت ایک عہد نامہ پر دستخط کرنا ہوگا کہ ایسی تربیت پانے کے بعد ۵ سال کے لئے (اگر تربیت چھ مہینے کے عرصہ کے لئے دی گئی ہے) اور تین سال کے لئے (اگر تربیت کا عرصہ چھ مہینوں سے کم ہو) وہ ریاستی حکومت کے تحت مغربی بنگال کے کسی بھی علاقہ میں جہاں ان کی تقرری ہوگی کام کریں گے۔

سبرامانیہ بھارتی

محب وطن، باغی اور مصلح شاعر

از
ڈاکٹر وی سی کلدیوامی
وائس چانسلر
انا یونیورسٹی، مدراس

اس ملک کے عظیم ترین شاعروں میں سے ایک شاعر کی جنہوں نے شعر شاعری اور ادب کی دنیا کو اپنی نادر تخلیقات سے بے انتہا مالامال کیا ہے ہمدردی اپنائے اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اس یادگار تقریب سے خود کو وابستہ کرکے مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔

بھارتی ایک شاعر تھے اور محب وطن تھے، باغی تھے اور مصلح تھے وسیع تخیل کے مالک تھے اور حقیقت پسند بھی تھے۔ ان کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان کا دل و دماغ بہت ساری خوبیوں سے مزین تھا وہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے۔ ان کی دلی خواہش یہی تھی کہ مادرِ وطن آزاد ہو جائے اور پھر اسی مقام پر بحال کیا جائے جو اس کے عظیم ماضی کے شایان شان ہو۔ انسانی امور اور علم سے آپ گہری دلچسپی لیا کرتے تھے۔

ارشاد و ادب، معاشی و سیاسی مسائل، فلسفہ اور مذہب کی بابت ان کے پاس معلومات کا خزانہ تھا جب بھی وہ کسی مسئلہ پر بحث و مباحثہ کرتے تو اس میں ایک نیا رخ شامل کر دیتے یا پھر نئے معانی پیدا کر دیتے۔ ان کا وقت ان کے خیالات ان کی اپنی کوشش اور دلچسپی سب مکمل طور پر آزادی کی جد و جہد کے لئے وقف تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے خوابوں کے ہندستان کی ایک رنگین تصویر کھینچی تھی ایک آزاد اور نئے ہندوستان کے تصور کو پیش نظر انہوں نے اپنی تحریروں میں حقیقت نگاری کا ثبوت دیا۔ وہ اس قدیم سرزمین کی طاقت اور کمزوریوں سے اچھی طرح واقف تھے اور اسی لئے اپنی ادبی تحریروں میں انہوں نے ان باتوں کا واضح طور پر ذکر کیا ہے۔

برسوں سے ہمارے شاعروں اور فلسفیوں، رشیوں اور منیوں نے نیکی کی تعریف کی ہے اور نیک راہ پر گامزن رہے ہیں لیکن نیکی کی تعریف کیا ہے۔ ایک اچھا آدمی کسے کہا جاسکتا ہے؟ ہم اکثر کریم النفس شخص کو اچھا آدمی کہتے ہیں لیکن بھارتی نے اس کی تردید یوں کی ہے: "یہ ضروری نہیں کہ ایک بے ضرر اور کریم النفس شخص کو اچھا آدمی کہا جائے" ان کے مطابق نیک لوگ وہی ہوتے ہیں جو برائی سے لڑتے ہیں۔

بذات خود کبھی بھارتی نے کبھی بھی برائی کو صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیا انہوں نے ان لوگوں کی بڑی تنقید کی جو نا انصافی کا خاموشی کے ساتھ تماشہ دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس سلسلہ میں مہابھارت میں ایک نظم لکھی ہے جس کا عنوان ہے "پنچالی کی قسم"۔ اس نظم میں انہوں نے ایک منظر کی وضاحت کی ہے جو دروپدی کو ننگا کرنے کی کوشش کرنے کے منظر سے قبل کی ہے۔

دریودھن کے حکم سے اس کے بھائی دوسرے چھوٹے دروپدی کو اس کے بال پکڑ کر راستہ سے کھینچتے ہوئے لا رہا تھا۔ اسے عدالت میں لے جانا تھا جہاں اس کے جسم سے اس کا لباس اتار لیا جانے گا جب اسے گھسیٹتے ہوئے راستہ سے لے جایا جا رہا تھا تو لوگ جوق در جوق مکھیوں کی طرح سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے ان لوگوں نے ایک عورت پر ظلم ہوتے دیکھا، آنسو بہائے مگر خاموش رہے۔

اس سلسلہ میں بھارتی نے یہ سوال کیا: "کیا عورتوں کی طرح آنسو بہانے سے مصیبت زدگان کو مدد ملے گی؟"

بھارتی نے ایک ایسے سماج کا تصور کیا تھا جہاں بدی سے مصالحت نہیں کی جائے گی، جہاں نا انصافی کو برداشت نہیں کیا جائے گا اگر ہم اپنے دیو مالاؤں کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جب بھی برائی پھیلی تو اس وقت بھگوان نے برائی کو دور کرنے کے لئے اوتاروں کو اس دنیا میں بھیجا۔ اس کی مثال تو رشیما، رماتا اور رام ہیں بھارتی شاید اپنے ہم وطنوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ ایسا بھگوان ہم لوگوں پر احسان نہیں کرے گا اور اوتار بھیج کر برائی کو دور نہیں کرے گا اس لئے ہمیں ذمہ داری کو ہمیں خود نبھانا ہوگا۔

جب انہوں نے نئے ہندستان کا تصور کیا تھا تو ... عورت کا ... برابری، عورتوں کی بدحالی، عام جہالت وغیرہ کے مسائل سے ... فکرمند ...

انہوں نے یہ بات دیکھی کہ ساری دنیا میں نابرابری، نا انصافی اور ... کی عورتیں ہی زیادہ شکار ہیں جن معذوری میں ہماری مائیں، بیویاں اور بہنیں شکار ہیں وہ تمام ذاتوں میں اور تمام فرقوں میں عام ہیں۔

اسی لئے بھارتی نے پوچھا تھا۔

"کیا ایک ایسے سماج کی یا ایسی قوم کی جو اپنی نصف آبادی کو اپنی غلامی میں رکھتی ہے نجات کا کوئی راستہ ہے ؟"

یہ سوال کرنے کے بعد انہوں نے اس مسئلہ کے بنیادی نقطہ کو عیاں کر دیا یہ تمام کام نیکی اور پاک دامنی کے نام پر کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا۔

"نیکی اچھی صفت ہے اس لئے مرد اور عورت دونوں ہی کے لئے اس کا معیار ایک جیسا ہونا چاہیے۔"

لیکن اس پاک سرزمین میں پاکدامنی تو صرف عورتوں کی خوبی ہوتی ہے۔ آپ کسی بھی لغت کو دیکھیں اس میں لفظ "دوشیزہ" یا کنواری کو تانیث ہی پائے گا۔ آپکو اس کی مذکر شکل نہیں ملے گی۔ قدیم زمانہ سے ہی مرد ہی قوانین بنایا کرتے ہیں اسی لئے انہوں نے لفظ "دوشیزگی" نے نہ کہ مردوں سے منسوب کر دیا اس لئے بھارتی کے نئے سماج میں مساوات کا پہلا علاقہ جنسوں کی مساوات ہے۔

جو لوگ عورتوں کی آزادی اور نجات کی بات لغت و شنید کرتے ہیں۔ عورتوں کے لئے مساوات کا ذکر کرتے ہیں لیکن انہیں نجات ملے تو کیسے ؟ کس طرح وہ آزادی حاصل کر سکتی ہیں ؟ جو لوگ تو اس بات کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ عورتوں کو آزادی دی جانی چاہیئے بھارتی اس بات سے واقف تھے کہ آزادی تو ٹھوس شئے نہیں ہوتی کہ جسے ایک شخص دے سکتا ہے اور دوسرا قبول کر سکتا ہے آزادی تو ایک طرز زندگی ہے اس لئے بھارتی کی عورتوں نے خود کو سماج کے تمام بندھنوں سے، تمام فرسودہ روایتوں سے آزاد قرار دیا اور اس میں انہیں کس طرح کامیابی حاصل ہوئی ؟ —— تعلیم کے ذریعہ !

بھارتی نے بہت ہی عیاں طور پر اس بات کا تصور کیا تھا کہ پس ماندگان کی نجات تعلیم ہی میں ہے جاہل اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی وہ صرف ایک کی غلامی سے دوسروں کی غلامی میں جاتے رہیں گے۔ وہ اپنے آقاؤں کو تبدیل کریں گے لیکن وہ انہیں کبھی اپنے گلے سے اتار نہیں پھینکیں گے اس سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں

ہر گھر میں علم کا چراغ روشن کرو
ہر سڑک میں ایک یا دو اسکول قائم کرو
سارے ملک میں کوئی شہر یا گاؤں ایسا نہ ہو
جہاں بہت سارے مراکز تعلیم نہ ہوں
اس جگہ کو جلا ڈالو جہاں تعلیم نہیں ہے
یہی عبادت ہے جس سے سرسوتی خوش ہوگی
بھگوان تمام مصیبتوں اور آلام کو دور کرتا ہے۔

ہماری سرزمین ایسی ہے جو انسان دوستی کی تعریف کرتی ہے سخاوت کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ روایتی طور پر لوگ مندر تعمیر کرتے ہیں، باغات بناتے ہیں ایسے مراکز کھولتے ہیں جہاں سے غریبوں کو کھانا مفت تقسیم کیا جاتا ہے لیکن بھارتی نے ایک نئی بات کے لئے عطیات طلب کئے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں کہ اب عظیم کام یہ ہے کہ ایک آدمی کو تعلیم یافتہ بنایا جائے مزید برآں انہوں نے یوں درخواست کی :-

امیر لوگ آگے بڑھیں اور سونے کا ڈھیر پیش کریں۔
غریب لوگ سکے بطور عطیہ دیں
طاقتور اپنی طاقت اور محنت پیش کریں
عورتیں گیت گائیں اور دعا کریں۔
لیکن ان تمام باتوں سے بھی آپ کامیاب نہیں ہو سکتے
اس لئے اس کاذ کی اپنے الفاظ اور اپنی محنت سے مدد کیجئے۔

بھارتی نے امیر و غریب، مرد و عورت، کمزور و توانا سبھی لوگوں سے پرزور اپیل کی کہ وہ سب آگے بڑھیں اور عام لوگوں کو تعلیم دینے کی اس عظیم کوشش میں مدد کریں

ماضی بعید میں تعلیم تو معاشی ضرورت نہیں تھی کسی بھی قوم کو خوراک، رہائش اور پوشاک کے لئے تعلیم پر انحصار نہیں کرنا پڑتا۔ اس وقت تعلیم تو سماجی ضرورت بھی نہیں تھی قبل کی صدیوں میں اور اس صدی کے شروع میں صورت حال یہ تھی کہ صرف امیر قوم ہی اپنے لوگوں کو تعلیمی مواقع فراہم کر سکتی تھی لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ صرف تعلیم یافتہ قوم صحیح معنوں میں امیر بن سکتی ہے۔ بھارتی کے اندر گویا ایک روشنی تھی وہ بہت ہی دور اندیش تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج تعلیمی میدان میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ تقریباً ستر سال پہلے اس کا خواب دیکھ چکے تھے۔ اس بات کے سلسلہ میں ان کا خیال بہت ہی واضح اور صاف تھا کہ جاہلوں کے لئے نجات اور آزادی نہیں ہے۔ جہالت بذات خود غلامی ہے جاہل لوگ صرف اپنے آقاؤں کو بدلتے رہتے ہیں اور ایک قسم کی غلامی کو دوسرے قسم کی غلامی سے تبدیل کرتے ہیں صرف ایک بیدار قوم ہی آزادی حاصل کر سکتی ہے اور بیداری کا ذریعہ روشنی یعنی تعلیم ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں تو بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن بھارتی نے بہت پہلے ہی اس بات پر زور دیا کہ سماج کی ضرورتیں تعلیم ہی سے پوری ہو سکتی ہیں اس سلسلہ میں وہ یوں گیت گاتے ہیں :-

آئیے ہم سب "آرٹس" کی تخلیق کریں۔ پھر اس کے بعد ہی دوسرے جملہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں "آئیے لوہا تیار کرنے کے لئے لوہار خانہ بنائیں !"

"آئیے ہم سب پینٹنگ کریں" لیکن اس کے بعد ہی وہ یہ اعلان کرتے ہیں "آئیے

ہم سب اچھی سوئیاں تیار کریں۔"

بھارتی اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ تعلیمی شعبہ اور جنگل اگانے کے درمیان آرٹ کی تخلیق اور لہارکی کے درمیان اور پینٹنگس اور سوئی سازی کے درمیان کوئی بات مشترک نہیں ہے لیکن وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ فائن آرٹس حقیقی دنیا سے ناوابستہ ہے یعنی کام کی دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہے۔

اپنی ایک نظم میں وہ یوں رقمطراز ہیں۔ "آیئے ہم سب چاند کے ماحول کے سائنس کا مطالعہ کریں پھر دوسرے شعر میں وہ یہ کہتے ہیں" آیئے گلیوں اور سڑکوں کو صاف رکھنے کی شاستر کا مطالعہ کریں مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ کیا کبھی بھی کسی شاعر نے سڑکوں کو جھاڑو دینے اور صاف رکھنے کے کام کو شاستر تک پہونچا دیا

بھارتی ہر لحاظ سے ایک جدید شخص تھے۔ انہوں نے ہمیشہ نئی چیزوں پر نئے آوزار نئے طریقہ کار نئی علم پر ——— زور دیا۔

مغرب میں صنعتی معیشت سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں ان سے وہ اچھی طرح واقف تھے انہوں نے یہ بات دیکھی کہ مغربی ملکوں میں جو تعلیم فراہم ہے اور جتنے نت نئے آوزار استعمال کئے جاتے ہیں ان سے وہاں کے لوگ قدرتی وسائل کا پہلوؤں سے کہیں زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے مغربی تعلیم اور فن کے حق میں رائے دی گرچہ وہ خود گاندھی کے پیرو تھے اس کے باوجود وہ ایجادات کو قبول کرتے ——— وہ سائنس اور ٹکنالوجی کے جدید اوزار استعمال کرنے سے کبھی نہیں جھجکتے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں:-

ہزاروں صنعتیں ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

انہوں نے اپنے ملک کے مردوں اور عورتوں کو یہ کہا:- "جاؤ چاروں طرف پھیل جاؤ نئی علم حاصل کرو نئے اوزار کی تلاش کرو انہیں اپنے مادر وطن میں واپس لاؤ اور وسیع زمین کو مالا مال کرو۔"

قوم کی تعمیر کے سلسلہ میں قدیم اور جدید کے درمیان ناگزیر جد و جہد کا انہوں نے بہت سے مطالعہ کرلیا تھا۔ ہمارے یہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو ہمیشہ پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں اور احیاء نو کے لئے تعلیمیہ کرتے ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں اپنے آبا و اجداد کی عقلمندی کا گیت گاتے ہیں ان لوگوں سے بھارتی نے یوں سوال کیا:-

آپ لوگوں کے آبا و اجداد، کون تھے وہ
کیا وہ چالیس سال قبل یہاں رہتے تھے؟
یا تین سو سال یا تین ہزار سال قبل
یا پانچ ہزار سال قبل
شاید وہ اس زمانہ میں رہتے تھے
جب بدھ مت کے سنیاسی اس سرزمین پر آمد و رفت کیا کرتے
یا پرانک دنوں میں
کیا وہ ساوتری یا وشنو تھے۔
یا اس سے بھی قبل کے دنوں میں وہ رہا کرتے تھے۔
جب اندرا ہمارے سب سے بڑے دیوتا تھے۔

یہ باتیں آج بھی ان لوگوں پر صادق آتی ہیں جو ماضی کی طرف دیکھتے رہتے ہیں بھارتی یہ سوال اٹھا کر خاموش نہیں رہے انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی جھجھک کا لبادہ اتار پھینکیں اور اپنے ارد گرد دیکھیں۔

علم اور نیکی
جس کونے سے وہ نمودار ہوں
خواہ کوئی بھی آپ کی توجہ ان کی طرف مبذول کرائے۔
ان کا استقبال کرو، انہیں حاصل کرو
تمہیں کسی بات سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ باتیں ان کی زندگی کے دوران جتنی اہم تھیں آج بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہیں۔ بھارتی تجدید ترقیاتی اقدامات کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر رکھی تھی وہ سبھوں کی باتیں سنتیں لیکن ان کا ذہن بالکل صاف تھا۔ ان کا نظریہ ٹھوس تھا۔

بھارتی نے اپنی نظم میں ایک اور بات کا ذکر کیا ہے اور وہ ہے ہندستان کا اتحاد برسوں پہلے جب پاکستان کے لئے مانگ نہیں کی گئی تھی، اس سے قبل بھی جب ہندستان کے تفرقہ پرور تقسیم کی طاقتوں کا کوئی نام و نشان بھی نہ تھا بھارتی نے اپنے ملک کے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ اپنے گیت میں انہوں نے یوں ذکر کیا۔

ہم سب ایک کروڑ، ہمیشہ ایک ساتھ رہیں گے
ہم سب تیس کروڑ ہمیشہ ایک ساتھ ہو کر رہیں گے

انہوں نے طبقاتی، ثقافتی اور سیاسی طور پر اس اتحاد کا تصور کیا تھا وہ کہتے ہیں:-

"بنگال کے فاضل پانی کو ہم استعمال کریں گے
مرکزی ریاستوں کے غلوں کی ازالش کے لئے"

ان کی یہ خواہش تھی کہ پالک جلیج پر ایک پل تعمیر کر کے شری لنکا کو ہندستان کے ساتھ ملا دیا جائے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ہم لوگ پنجاب اور سندھ کی ندیوں میں کشتیوں پر سیر و تفریح کریں گے۔ اور کیرالا کی نوجوان اور خوبصورت دوشیزوں کے ساتھ میٹھی تیلگو میں گیت گائیں گے۔

گنگا کی وادیوں کا گیہوں ہم لیں گے
اور اس کے عوض کاویری کی زمین کے پان کے پتے دیں گے۔

ہملوگ بہادر بہادر شرٹ کے گیت سنیں گے ۔
اور اس کیرالا کے ہاتھی دانت کے ساتھ انہیں پیش کریں گے ۔
جنوب میں ہملوگ کو بھی درم میں بیٹھیں گے اور سنیں گے
ور تاشی میں عالموں کی گفت و شنید
ان آلات کے ذریعہ جنہیں ہم خود تیار کریں گے ۔
ہندوستان کی طاقت اور صنعتی ترقی کے پیش نظر غیر ملکی تجارت کا خواب دیکھا تھا
اس سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں :۔

"ریشم اور روئی کے کپڑے ہم تیار کریں گے
اور سڑکوں کو ان سے پُر کر دیں گے
اور انہوں بیرونی ممالک کے تاجروں کو دیں گے ۔
ان کے بدلے جو ہمیں اعلیٰ ساز و سامان دیں گے"

ہمارا آج کا موضوع یہ ہے "آزادی میں ایک سماج کا نیا جنم" وہ بڑی خوشی سے اپنے خوابوں کے ہندوستان کی خوشحالی کا ذکر کرتے ہیں ۔

"تیس کروڑ مرد اور عورتیں ہیں جو سب بھوک کے مالک ہیں ۔
ساری دنیا میں ایسی تصویر کہیں بھی نظر نہیں آتی
آدمی آدمی کے رزق کی چوری کرتا ہے
اس جرم کو جلا وطن کر دو
اب ایسا منظر نظر نہیں آئے گا جہاں
ایک آدمی دوسرے آدمی کی مشکلات اور مصیبتوں کو
صرف تکتا نہیں رہتا ۔

انہوں نے مزید اعلان کیا :۔

"ہم لوگوں نے یہ قانون بنائے
ہم ہمیشہ اس کی حفاظت کریں گے ۔
کوئی بھی شخص بھوک کا مزہ نہیں چکھے گا ۔
اگر کبھی ایک بھی شخص بھوک کا شکار ہو جائے
تو ہم اس زمین پر تمام چیزوں کو
اور ساری دنیا کو تباہ و برباد کر دیں گے ۔

ملک کے اتحاد کے بعد انہوں نے انسانیت کے اتحاد پر زور دیا ۔ اتحاد نہ صرف سیاسی ہونا ہے نہ صرف ثقافتی بلکہ اتحاد جو ایک دھاگے کی طرح موتیوں کی ایک دوڑی میں ساری قوم کے درمیان سے گزرتا ہو ۔ اس سلسلہ میں وہ یوں فرماتے ہیں :۔

"ایک خاندان کے ہیں ہم سب
بچے ہیں ایک ہی پیاری ماں کے ہم سب
برابر ہیں ہم سب، ایک ہی ہم سب
بڑا نہیں کوئی ہمارے درمیان نہ چھوٹا ہے کوئی
رتبہ میں سب برابر، افادت میں سب مساوی"

جب بھارتی نے یہ گیت گائے تھے تو اس کمیونسٹ انقلاب رونما نہیں ہوا تھا سوشلسٹ سویت ریپبلک کا یونین قائم نہیں ہوا تھا ۔ بھارتی نے خود طور پر ایک اشتراکی سماج کا تصور کیا تھا وہ یوں فرماتے ہیں :۔

"ہماری سرزمین میں ہم میں سے ہر شخص ایک بادشاہ ہے ۔"

وہ یہیں نہیں ٹھہرتے، بلکہ دوبارہ کہتے ہیں :۔

"ہاں ہم میں سے ہر ایک بادشاہ ہے ۔"

یہ بات دہرانے سے انہیں تشفی نہیں ہوتی، وہ پھر کہتے ہیں :۔

"ہاں! ہاں اس زمین کے ہملوگ سب بادشاہ ہیں ۔"

بھارتی محب وطن تھے، جوشیلے اور جذباتی تھے ان کے خیال میں جدت پسندی سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوتا جب شدید ضرورتیں اور مسائل رونما ہوتے ہیں انہیں اپنی جائے پیدائش سے اور اپنے آبا و اجداد کی زبان سے دلی محبت تھی ۔ انہیں رامائن اور مہابھارت جیسے رزمیوں پر اور ماضی کے بدھ، مہابیر اور شنکر جیسی عظیم ہستیوں پر اور موجودہ صدیوں کے تلک اور گاندھی جیسے سربراہوں پر بڑا ناز تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کے دل میں انسانیت کے لئے بے لوث محبت تھی ۔ انسانی ترقی تو کمال کی طرف ایک ابدی سفر ہے ۔ تبدیلیاں اور ترقی تو مسلسل ہوتی رہتی ہیں یہی مستقل اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی ۔ باقی دیگر چیزیں بیانائی ؛

بھارتی نے نمودار ہونے والے آزاد ہندوستان کی شان و شوکت کے گیت گائے انہوں نے ازاط اور خوشحالی کی، مساوات اور انصاف کی، روشنی اور قوت کی سرزمین کا پیغام دیا تھا جب ہم ان کی صد سالہ سالگرہ مناتے ہیں تو اس وقت ایک قوم کی حیثیت سے ہمیں خود کو ان عظیم نصب العین کے لیے جن کے لیے بھارتی نے جدوجہد کی، وقف کر دینا چاہیے تھا ۔ یہی سب سے بہترین خراج عقیدت ہے جو ہم اس دنیا کے عظیم شاعر کو پیش کر سکتے ہیں ۔

آرٹ اور آرٹسٹ

● رحمت حسین

ماہرین عمرانیات ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ خوراک، لباس، پناہ گاہ اور جنسی تسکین انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہمیشہ ایک اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو بظاہر فضول اور بیکار نظر آتی ہے اور وہ ہے آرٹ یعنی فنون لطیفہ میں ذاتی طور پر تخلیق کرنے کا شوق۔ تنگ حالات کے تحت زندگی جیسا کہ ہوبز نے بیان کیا ہے، نحش، حیوانی اور مختصر ہو سکتی ہے۔ لیکن ہر انسان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حسن کا پرستار ہوتا ہے اور اسے ایک جامع شکل دینے کی کوشش کرتا ہے۔

بقول ارسطو آرٹ ہمیشہ حقیقی چیزوں، مسائل یا تجربات کی نقل ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سارے مناظر ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں ہم دیکھنا پسند نہیں کرتے یا انھیں دیکھنے سے درد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان مناظر کو ہو بہو طور پر آرٹ کی شکل میں پیش کریں تو ہم خوشی خوشی انھیں دیکھتے ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ نقل و تقلید یا یوں کہیے کہ فنی تشبیہ ایک قدرتی خوبی ہے جو انسان میں اس کے بچپن ہی سے پائی جاتی ہے اور اس لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بچے بوڑھے سبھی اس قسم کے کام کے کرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔

قدیم زمانے سے انسان کی سماجی زندگی سے آرٹ کا بہت ہی گہرا اور قریبی رشتہ قائم رہا ہے لیکن آج انسان کی زندگی میں اسے کیا مقام حاصل ہے اسکی بابت صحیح طور پر کچھ کہا نہیں گیا ہے۔ کیا آرٹ ضروری ہے؟ کیا آرٹ عیش و عشرت کا دوسرا نام ہے؟ ٹالسٹائی نے آرٹ کی یوں تعریف کی کہ آرٹ آرام طلبی اور خود پسندی کی پیداوار ہے۔ تعیش میں شاید ہی کبھی آرٹس یعنی فنون لطیفہ کی کمی ہوتی ہے۔ لیکن فنون لطیفہ میں تعیش کا سامان ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ نیز ٹالسٹائی نے یہ بات بھی دریافت کی ہے کہ جوں جوں آرٹس کو پایہ تکمیل تک پہونچایا جائے گا۔ لوگوں میں عیش و عشرت کا رجحان بیدار ہوتا جائے گا۔ جس طرح ٹالسٹائی نے آرٹ کو ایک بے کار تعیش بتایا ہے اس سے عالموں کو بڑی تکلیف ہوئی ہے اور انھوں نے اسکے خلاف آواز بھی اٹھائی۔ انھوں نے ٹالسٹائی کی تنقید کرتے ہوئے اسے زمانہ قدیم کا جنگلی ادیب، ادب لٹریچر کا غلط اعصاب کا فاسد مریض بتایا۔ لیکن کسی نے بھی اسے کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اس پر کوئی ٹھوس تنقید کی۔

ہمعصر فلسفی ہیگل نے اس سلسلہ زیادہ تو کچھ نہیں کہا لیکن کم از کم انہوں نے آرٹ کی اہمیت کو عیاں کیا کہ آرٹ ہر انسان کی معتدل و معقول سرگرمیوں کا مظہر ہے۔ انسان کے اندر ایک جوہر ہے اور آرٹ، مذہب اور فلسفہ کے ذریعہ وہ اس سے واقف ہوتا ہے۔ انہوں نے کامل دماغ کا ذکر کرتے ہوئے آرٹ کو تیسرے درجہ پر رکھا۔ اور مذہب کو دوسرے درجہ پر۔ فلسفہ کو پہلا درجہ دیا۔ حسن لازمی طور پر ایک تصور ہے جسے ہم اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ایک آرٹسٹ یا فنکار اپنے آرٹ یا فن کے ذریعہ اس روحانی تصور کو مادی شکل میں پیش کرتا ہے۔ اسلئے اس کی تخلیق سے روحانی ماہیت اور جوہر کی چمک دمک عیاں ہو جاتی ہے۔

اتنے معقول تصوراتی بحث و مباحثہ کے بعد بھی ہیگل کی تھیوری سے ترقی کی راہ پر گامزن نہ ہو سکا کہ ہم آرٹ کی اہمیت اور ضرورت کی مناسب اور واضح طور پر تعریف نہ کر سکے۔

آج کی دنیا میں جہاں لاکھوں لاکھ محنت کشوں کی آبادی ہے۔ تصوراتی آرام طلبی کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے اور نہ جہاں آرٹس جیسی تعیش کے لئے وقت ہے۔ اس لئے عام آرٹسٹوں اور فنکاروں کو برا بھلا

(باقی صفحہ پر)

اسپورٹس

کثرت میں وحدت

محمد اعظم

بڑی عجیب بات ہے!

اور بڑی انوکھی بات ہے۔

ارے بھی کیا؟

کیا؟ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ یہ دونوں حضرات یعنی لوکل سلف گورنمنٹ اور اسپورٹس کے عزت مآب وزراء۔ ان لوگوں نے ہم سب سے بہت ہی دوستانہ لہجہ میں باتیں کیں۔ ہم لوگوں کو دعوت دی اور ہم لوگوں کو ہاتھ پکڑ کر چائے نوشی کی دعوت میں لے گئے۔ جیسے کہ ہم لوگ ان کے بھائی ہیں، دوست ہیں۔ ان لوگوں نے ہم لوگوں کو کلکتہ کی سیر کرنے کی دعوت بھی دی۔

آپ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں کہ ایسے ایسے وزراء آپ کے یہاں ہیں۔ ہمیں بے حد خوشی حاصل ہوئی ہے۔ اور ہم آپ لوگوں کے عزت مآب وزراء حکومت مغربی بنگال اور آپ لوگوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اور یہ باتیں کہی گئیں چائے نوشی کی دعوت میں۔ ہمارے عزت مآب وزیر اسپورٹس شری سبھاش چکرورتی نے ۵ جنوری کی شام کو ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی سات ہی مرکزی حکومت کی اسپورٹس ٹیم کے ممبروں اور حکام کو علی پور کے چڑیا خانہ میں چائے نوشی کی دعوت دی تھی۔

اور ایسا کیا بھی گیا۔ ۱۷ ویں کل ہند سیول سروسز اتھلیٹک میٹ ۸۳-۱۹۸۲ء میں یہ اسپورٹس ۵ تا ۸ جنوری ۸۳ء تک رابندرا سروبار اسٹیڈیم، کلکتہ میں منعقد ہوا۔ حکومت مغربی بنگال نے اس اسپورٹ کے اخراجات برداشت کئے اور حکومت کی طرف سے رائٹرس بلڈنگس کلب نے اس کا انتظام کیا۔ اس اسپورٹس میں سرکاری حکومت کی چھ ٹیموں اور ریاستی حکومتوں کی بارہ ٹیموں نے حصہ لیا۔

شری بی۔ڈی۔ پانڈے، گورنر مغربی بنگال نے ۵ جنوری کو صبح ۹½ بجے رابندرا سروبار اسٹیڈیم، کلکتہ میں اس اسپورٹس کا افتتاح کیا۔ گورنر نے مرکزی سیول سروسز اسپورٹس بورڈ کا جھنڈا لہرایا اور مختلف ٹیموں کے ممبروں کی مارچ پاسٹ کی سلامی لی۔ اس کے بعد گورنر نے اپنی تقریر میں اسپورٹس میں حصہ لینے والوں کو مبارکباد دی اور دعا دی کہ انھیں کامیابی حاصل ہو۔ شری جوتن چکرورتی، وزیر تعمیرات عامہ اور شری سبھاش چکرورتی، وزیر ریاست برائے اسپورٹس جو ۱۷ ویں کل ہند سیول سروسز اتھلیٹک میٹ ۸۳-۱۹۸۲ء کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین بھی ہیں، اس افتتاحی تقریب میں موجود تھے۔

اسپورٹس ۵ جنوری ۸۳ء کو ٹھیک بارہ بجے دن کو شروع ہوا۔ سب سے پہلے عورتوں کے ۔ امیٹر ہرڈل ریس (ٹی دوڑ) کا اعلان کیا گیا۔

یہ سنتے ہی میں نے تالیاں بجائیں۔ یہ بہت ہی اچھا شگون ہے، میں نے کہا، ہم لوگ شروع ہی سے رکاوٹوں کو دور کر رہے ہیں۔ میرے ساتھیوں نے پوچھا "اچھے شگون سے آپ کی مراد کیا ہے؟" میں نے جواب دیا "ارے بھائی یہ تو بڑی سیدھی سادی بات ہے۔ ہماری زندگی تو رکاوٹوں سے بھری پڑی ہے اور اپنے مقصد میں کامیابی کیلئے اور کیا آسودگی کے لئے ہمیں ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ کیا تم سب یہ نہیں دیکھتے کہ اگر ہمارا اسپورٹس اس رکاوٹ کی دوڑ سے شروع ہو تو باقی ماندہ

اسپورٹس کو ہم آسانی سے چلا سکیں گے ۔

اچھی بات ہے بھائی جان، ہم آپ کے عملی منطق کو قبول کرتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے والنٹیرس ٹریک کے چاروں طرف اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔

ہرڈل ریس ختم ہوا۔ مردوں کے لئے لانگ جمپ اور عورتوں کے لئے ڈسکس تھرو شروع ہوا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ایک صاحب اپنے تھیلے اور سوٹ کیس لئے ہوئے میدان میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی ۔ ۔ ۔ کے پاس پہونچ گیا۔ انھوں نے اپنے تھیلوں کو کاندھے سے اتار کر میدان میں رکھا پھر مجھسے کہا "میں اسپورٹ میں حصہ لینے کے لئے سیدھا پٹیالہ سے آرہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ کچھ دیر ہوگئی۔ لیکن اس کی وجہ ریل ہے" میں نے فوراً ان کا نام اور جس دوڑ میں وہ حصہ لیں گے اس کا نام ایک کاغذ میں لکھکر اسپورٹس حکام کے پاس داخل کردیا اور وہاں سے جو نمبر ملا اسے انکے حوالہ کردیا۔ اسکے فوراً بعد ۱۰۰ میٹر ریس ہیٹ کا اعلان کیا گیا۔ اب ہمارے ہیرو وہیں لباس تبدیل کر کے دوڑ میں حصہ لینے کے لئے چلے اور میں وہیں کھڑا ان کے ساز و سامان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ ہیٹ میں ہمارے ہیرو اول آئے۔ ریس کے ختم ہونے کے بعد وہ میرے پاس واپس آئے بس انکا اونچا تھا اور چہرہ پر مسکراہٹ تھی۔ جیسے کہ وہ کہہ رہے ہیں "دیکھا" میں آیا، میں نے دیکھا اور میں نے فتح حاصل کی"۔ اس کے بعد انہیں وہاں سے ہوسٹل میں پہنچایا گیا۔ جہاں ان لڑکوں کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔

اب آیئے میدان کی طرف چلیں۔ لونگ جمپ میں کیرالا کے جی اشوک کمار نے ۱۴ء۷ میٹر کا فاصلہ کود کر پار کیا اور اس طرح وہ اوّل آئے۔ ڈسکس تھرو (عورتوں کے لئے) میں مہاراشٹر کی شریمتی جی۔ ایم سینیس اول آئی۔ انھوں نے ۳۴ء۴۲ میٹر تک ڈسکس تھرو پھینکا تھا۔ ۴۰×۴ ہنڈر ریلے (عورتوں کے لئے) فائنل میں صرف تین ٹیموں نے حصہ لیا کیونکہ اسپورٹس میں حصہ لینے والی عورتوں کی تعداد کافی کم تھی۔ اس ریس میں دہلی کی ٹیم ۵۱ء۷ سکینڈ میں اول آئی، اس کے بعد کلکتہ کی ٹیم (۵۸ء۸ سکینڈ)۔ ۱۰۰ میٹر ریس (مردوں کے لئے) میں بہت ہی زبردست مقابلہ ہوا۔ جب ریس شروع ہوا تو تمام والنٹیر اور دیکھنے والے دنگ رہ گئے۔ دہلی اور کلکتہ صرف چند انچوں کے فرق میں آخر فیتے تک پہونچے۔ اس دوڑ میں دہلی کے مہیش یادو اول (۹۰ء۲") اور آر۔ این۔ رستگی

تیسرے نمبر (۲۰۱ء۲") پر اور کلکتہ کے شین گھوشال دوسرے (۱۰۱ء۲") نمبر پر اور پرتاپ منڈل جو تھے (۵۰ء۳۳ء۲") نمبر پر آئے۔

دوسرے دن اسپورٹس ٹھیک صبح ۸ بجے شروع ہوا۔ سب سے پہلے ۱۰۰ میٹر ریس (ڈیکا) شروع ہوا۔ والنٹرس سب اپنی اپنی جگہ جا کر تھے۔ اسٹارٹر اور دیگر حکام بھی تیار ہو گئے تھے۔ ٹھیک اسی وقت آندھرا پردیش کی پوری اسپورٹس ٹیم، ہوڑہ اسٹیشن سے براہ راست میدان میں آئی۔ میں فوراً ان کے پاس گیا اور ان سے دیر میں آنے کی وجہ پوچھی۔ 'دیر آید درست آید' فوراً جواب ملا: ہملوگ دیر سے آئے۔ اسکی کچھ ٹکنیکی وجہیں ہیں۔ اب یہ بتائیے کہ ہمیں اب یہاں کیا کرنا ہے؟

حسب ضروری کام کے لئے میں فوراً اس ٹیم کے منیجر اور کپتان کو اسٹیڈیم میں واقع اسپورٹس دفتر میں لے گیا۔ اس ٹیم نے باقی ماندہ ریس میں حصہ لیا اور انعامات بھی حاصل کئے۔

اب آیئے چلیں میدان کی طرف۔ ۱۰۰ میٹر ریس (مرد) شروع ہوا۔ میں آخری فیتے کے قریب میدان میں کھڑا تھا۔ لیکن واقعی کیا ریس تھا۔ جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔ پٹیالہ کے امرجیت سنگھ اور کلکتہ کے شیامل لوس دونوں آخری فیتے تک ۱۱ء۳ سکینڈ میں پہونچے۔ یوں سمجھئے کہ بس یہ برابر کی دوڑ تھی۔ امرجیت سنگھ کے جسم کے جھکے حصے نے آخری فیتے کو پہلے چھوا۔ اس طرح تیسرے اور چوتھے نمبر پر علی الترتیب پونے کے ایلون نیٹلے اور کیرالا کے جی۔ اے۔ کمار آئے اور ان دونوں کا وقت ۱۱ء۸ سکنڈ تھا۔ کیا عمدہ مسابقت تھی یہ۔ سبھوں نے تالیاں بجاکر انھیں خراج تحسین پیش کیا۔ ناظرین میں سے ایک نے بہت ہی اچھی بات کہی "ارے بھائی دیکھئے، ہلوگ متحد ہوئے اور اول آئے"۔

عورتوں کا ۱۰۰ میٹر ریس میں بھی بہت ہی زبردست مقابلہ ہوا۔ اس دوڑ میں شریمتی ہرجندر کور اور شریمتی اجلا چھولتاال، دونوں ہی دہلی کی علی الترتیب "۱۲ء۳" اور "۱۳ء۰" میں اول و دوئم آئیں۔

اب آیئے ذرا پول والٹ کا منظر دیکھیں۔ اس میں بانس یا لمبی لاٹھی کے سہارے کودنا پڑتا ہے۔ یہ بہت ہی اچھا مقابلہ تھا۔ اور اس نے اس بیان کی "کوشش کرو، کوشش کرو اور کوشش کرو، کامیابی تمہیں حاصل ہوگی" کی صداقت کو عیاں کردیا۔ اس مقابلہ میں کلکتہ کے سوہن داس

۲ء۱۰ میٹر کی بلندی کو کود کر اول آئے۔ حالانکہ یہ سوپن داس ہی تھے جنہیں اس سے قبل مختلف بلندیوں تک کودنے کے لئے دو تین بار موقع دیا گیا تھا لیکن بہترین اسپورٹس مین ہیں یہ۔ انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور ان کے خلوص نے انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا۔

اس کے بعد ہیمر تھرو (مارتول پھینکنا) شروع ہوا۔ چال تو تھا نہیں اس لئے والنٹیرس چاروں طرف محفوظ فاصلوں پر کھڑے ہو گئے۔ مقابلہ شروع ہوا۔ مقابلہ کرنے والے ایک ایک کرکے آنے لگے۔ انہوں نے زنجیر میں جکڑی لوہے کی بھاری گیند کو گھما گھما کر پھینکنا شروع کیا۔ ایک بار ایک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا اور گیند ایک والنٹیر کے اوپر سے گزرتے ہوئے ذرا دوری پر جا گری۔ والنٹیر بیچارہ اس دائرے سے تماشہ بینوں کو ہٹانے میں معروف تھا۔ بہرحال اس مقابلہ میں دہلی کے شاہ دلیو یادو ۱۲ء۴۳ میٹر کی دوری تک گیند کو پھینک کر اوّل آئے۔ ان کے بعد آندھرا پردیش کے جی وی سیجو نائیڈو (۶۰ء۱۲ میٹر) اور دہلی کے این پی سنگھ (۱۲ء۲۸ میٹر) دوسرے اور تیسرے نمبر پر آئے۔

اب آتا ہے چار سو میٹر ہرڈل ریس (ٹٹی دوڑ) امپائروں کی ہدایت کے مطابق ہم لوگوں نے دوڑ کے ٹریک پر جگہ جگہ ٹٹیاں سجا دیں۔ اسکے بعد ہم لوگ میدان کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔ دوڑ شروع ہوا۔ دوڑاکوں نے دوڑنا اور ٹٹیوں کو اچھل کر پار کرنا شروع کیا۔ لیکن ارے یہ کیا۔ ایک دوڑاک نے تو پہلے دوڑنا شروع کیا۔ لیکن دو ٹٹیوں کو اچھل کر پار کرنے کے بعد وہ دو اور ٹٹیوں کے بغل سے دوڑا۔ پھر ایک کو اچھل کر پار کیا۔ پھر دوسرے کے پاس سے گزر گیا۔ آخر کے چار ٹٹیوں کو اچھل کر پار کیا۔ دوڑ کے ختم ہونے کے بعد ہم لوگوں نے اس سے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ مسکراتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ "بھائی میرے، مجھے اپنی زندگی میں بہت ساری رکاوٹوں سے سامنا کرنا پڑا۔ بہت خلوص اور محنت کے ذریعہ میں نے انہیں دور کیا اور اب بھی کر رہا ہوں۔ اس لئے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ان رکاوٹوں کی میری نظر میں کوئی اہمیت ہی نہیں۔ میں نے جیسے چاہا انہیں پار کیا۔" پھر مسکراتے ہوئے انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میری باتوں کا کچھ خیال نہیں کیجئے گا۔ دراصل میرے گھٹنے میں چوٹ ہے۔ جب میں پہلی بار اچھلا تو اسوقت میرے ٹخنہ میں چوٹ لگ گئی اس لئے میں دوڑا اور اچھل کو برقرار نہیں رکھ سکا۔" اس کے اس معقول پسندی کی سبھوں نے داد دی۔

اسکے بعد ۱۵۰۰ میٹر ریس (برائے مرد) شروع ہوا۔ مقابلہ بڑا زبردست رہا۔ لیکن آخر میں مہیش یادو اور بی۔ او۔ اگنی پاتری، دونوں ہی دہلی کے علی الترتیب ۴′۱۲ء۱۵″ اور ۴′۲۰ء۱۵″ میں اول و دوم آئے۔

لیکن ہم لوگ اس دوڑ کو کبھی نہ بھول سکیں گے۔ کیوں آپ تو ضرور ہی پوچھیں گے۔ تو لیجئے اس کی تفصیل یوں ہے۔ اس دوڑ میں ایک درجن سے زیادہ دوڑاک تھے۔ ہم لوگوں کو یعنی والنٹیروں کو ایک ایک فہرست دی گئی جس میں ایک سے بارہ تک نمبر درج تھے۔ اور ہر فہرست میں ایک ایک دوڑاک کا نمبر لکھا تھا۔ اسٹارٹر کی ہدایت کے مطابق ہمیں اپنے اپنے دوڑاکوں کو، جن کے نمبر ہماری فہرستوں میں درج تھے، جب وہ ایک چکر لگا کر پھر اسی جگہ آئیں جہاں سے انہوں نے دوڑنا شروع کیا تھا، تو ہمیں اپنے اپنے دوڑاک سے یہ کہنا پڑے گا۔ "تمہیں اور ۱۲ دوڑ لگانی پڑے گی، ۱۱ دوڑ لگانی ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوڑاک تو جھنڈ کے جھنڈ ٹریک پر میدان میں چاروں طرف دوڑ رہے تھے۔ لیکن جب پہلے دوڑاک نے اپنی دوڑ ختم کی، تو اسوقت آخری دوڑاک کو اور بھی چار چکر لگانا تھا۔ وہاں موجود سبھوں نے اس کی ہمت افزائی کرنی شروع کی۔ اور وہ دوڑتا رہا اور دوڑتا رہا۔ امپائرس سیٹی لئے تیار کھڑے تھے اور ٹائم کیپرمنٹ سکنڈ کی گھڑیوں کو تکتے رہے۔ اتنے میں ہمارا ہیرو آتا ہے۔ آخری چکر شروع ہونے والی تھی، گھنٹی بجی، اسے اطلاع دی گئی کہ یہ اسکا آخری چکر ہے۔ ہمارے ہیرو نے اب تیز تیز دوڑنا شروع کیا۔ اور اپنی دوڑ کو ختم کیا۔ سبھوں نے تالیاں بجائیں۔ وہ بہت تیزی سے زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ میدان میں بیٹھ گیا۔ اسے دیکھنے کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ مجمع کو دیکھتے ہوئے ہمارے ہیرو نے بڑی آہستگی سے کہا: "بھائی میرے، کیوں اس طرح گھور رہے ہیں مجھے۔ میں تو ایک سرکاری ملازم ہوں۔ اور میں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کی اسکے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کیا۔" واہ واہ ہمارے ہیرو نے کیا بات کہی، سبھوں نے کافی سراہا۔

آئیے اب تیسرا دن شروع ہوتا ہے۔ یعنی، ۶ جنوری صبح ۱۱ بجے ۱۱۰ میٹر ہرڈل ریس (ٹڈیکا) مردوں کے لئے شروع ہوا لیکن اس دن میں نے مختلف ٹیموں کا انٹرویو لیا تاکہ یہاں کے اسپورٹس کی بابت انہیں فراہم کردہ رہائشی سہولتوں کی بابت ان کی رائے معلوم ہو سکے۔ اس کے لئے میں اپنے بھائیوں اور عام والنٹیروں کا مشکور رہوں کہ انہوں نے انٹرویو لینے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ

بڑی بہت افزائی ہوئی۔ کچھ چار بار مختلف وقت کے لئے ٹیموں کے منیجروں اور لیڈروں کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ ایک ہی وقت میں سبھوں سے انٹرویو لینا ممکن نہ ہوا کیونکہ اسپورٹس جاری تھا اور وہ سب اسی میں مشغول تھے۔

سب سے پہلے میں نے پوچھا ہاسٹل سے جاس انسٹی ٹیوٹ اور سینٹ جاسس ٹے اسکول میں ان کی رہائش کے لئے فراہم کردہ سہولتوں کی بابت پوچھا۔ سبھوں نے رہائشی سہولتوں کی تعریف کی۔ انہوں نے کہا: "ہمیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ بڑا آرام ہے۔ کلکتہ کی آب و ہوا بھی بہت اچھی ہے۔ ایک دو منیجروں نے کہا کہ رہائش گاہوں میں گرم پانی کا بھی انتظام ہوتا تو اچھا تھا اور بھی آرام ملتا۔ تمام لوگوں نے ان کے لئے ہاسٹل سے میدان اور وہاں سے واپسی کے سلسلہ میں بسوں کے انتظام کی بڑی تعریف کی۔

اسپورٹس کے میدان کی بابت وہ لوگ رقمطراز ہیں۔

"بلاشبہ دوڑنے کا ٹریک تو بہت اچھا ہے اگر یہاں کی مٹی اور بھی ذرا نرم ہوتی تو بہتر ہوتا" اور میدان کافی اچھا ہے۔ چونکہ یہ فٹ بال کا میدان ہے اسلئے بیچ میں ذرا اونچا ہے اور چاروں طرف بتدریج نیچا ہے۔ اس کی وجہ سے اسپورٹس کے میدانی ایونٹس میں مقابلہ کرنے والوں کو ذرا دقت کرنی پڑتی ہے۔

"اس میں کوئی شک یہاں کے انتظامات کافی اچھے ہیں۔"

"لیکن ایک بات جو ہم لوگوں نے خاص طور پر دیکھی ہے اور وہ ہے وقت کی پابندی۔ ہم تو یہاں آپ کی بسوں سے صبح ۹ سے ۹½ کے درمیان آجاتے ہیں۔ یہاں اگر ہم آپ سبھوں کو موجود پاتے ہیں۔ ٹھیک دس بجے لاؤڈ اسپیکر سے اسپورٹس کے شروع ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام والنٹیرس اسپورٹس حکام کی مدد کرنے کے لئے میدان کے چاروں طرف اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں"

میں نے ان لوگوں سے پوچھا: "آپ کی ٹیمیں تو بہت ساری ایونٹس میں حصہ لے رہی ہیں۔ کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ کون کون سے ایونٹس آپ کو پسند آئیں؟"

انھوں نے جواب دیا "بھائی اعظم، ہم لوگ تو اسپورٹس مین ہیں۔ ہمیں تو تمام ایونٹس پسند ہیں۔ البتہ دو چار ایونٹس جیسے ۱۰۰ میٹر، ۲۰۰ میٹر، ۸۰۰ میٹر، ۱۵۰۰ میٹر وغیرہ قابل ذکر ہیں"۔

اب یہ دیکھئے کہ ۸۰۰ میٹر ریس میں دہلی کے مہیش یادو کی خوشنما کارکردگی وہ حالیہ ایشین گیمس میں ہندوستانی ریکارڈ کے برابر ہے یعنی دو منٹ ۹ سکنڈ۔ کیا آپ کے پاس یہاں کے دیگر ریسوں کے نتائج اور وقت کی کاپی ہے۔ اگر ہے تو کیا آپ کے ان کے سلسلہ میں ہمیں کچھ بتائیں گے اس کے ساتھ میں اگر ایشیائی کھیلوں کے کچھ ریکارڈس ہوں تو بتائیں بڑی مہربانی ہوگی۔

میں نے چند ریسوں کے نتائج ان کے سامنے پیش کر دئے:

<u>مردوں کے لئے</u>

<u>۱۰۰ میٹر دوڑ</u>

امرت سنگھ پٹیالہ، ۱۱٫۳ سکنڈ - اول

شیامل بوس، کلکتہ - ۱۱٫۳ سکنڈ - دوئم

<u>۲۰۰ میٹر دوڑ</u>

مالوب موئترا، کلکتہ، ۲۲٫۸ سکنڈ اول

امرت سنگھ، پٹیالہ، ۲۲٫۰۰ سکنڈ دوئم

(حالیہ ایشیاڈ ریکارڈ، کوریا - ۲۰٫۸۹ سکنڈ)

<u>۱۵۰۰ میٹر دوڑ</u>

مہیش یادو، دہلی - ۳م ۷٫۵۰ - اول

سی انتر، پونے ۳م ۱۱٫۷ - دوئم

(حالیہ ایشیاڈ ریکارڈ، عراق - ۳م ۴۳٫۳۹)

<u>عورتوں کے لئے</u>

<u>۱۰۰ میٹر ہرڈل</u>

شریمتی لالی چکرورتی، کلکتہ ۱۷٫۳ - اول

شریمتی نیتی بھٹاچاریہ، کلکتہ ۱۸٫۲ - دوئم

<u>۴۰۰ میٹر دوڑ</u>

شریمتی سندھیا رائے - کلکتہ ۱م ۱٫۱ - اول

شری کملا کانت سونی، دہلی ۱م ۳٫۶ - دوئم

(حالیہ ایشیاڈ ریکارڈ، جاپان ۵۳٫۴۲)

<u>۲۰۰ میٹر دوڑ</u>

شریمتی اچلا چھتراں، دہلی، ۲۷٫۰، اول

شریمتی بولا چودھوارا، کلکتہ، ۲۷٫۷ - دوئم

(حالیہ ایشیاڈ ریکارڈ، جاپان، ۲۴٫۲۲)

ریکارڈ پر غور کرنے کے بعد ایک منیجر نے جوشیلے انداز میں کہا: "ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہم لوگ ایشیائی ریکارڈ سے بہت زیادہ پیچھے نہیں ہیں۔"

"اس سے ایک بات اور عیاں ہو جاتی ہے"، ایک اور منیجر نے کہا: "ہم لوگ پہلے سرکاری ملازم ہیں۔ اسپورٹس مین ہونے کے ناطے ہم سب سے پہلے اپنے سرکاری فرائض کو اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق بہترین طور پر انجام دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اسپورٹس اور کھیل کود کی طرف جاتے ہیں۔"

"ارے بھائی اگر ہم لوگوں کے لئے تربیت کی مناسب سہولتیں فراہم کی جائیں تو ہم ایشیاڈ اور اولمپک میں طمغات جیت سکتے ہیں۔"

"ہاں ہاں" اور سبھوں نے اسکی تائید کی۔

مہاراشٹر کے منیجر اور کپتان نے بتایا کہ مہاراشٹر کی حکومت اسپورٹس اور کھیل کود میں دلچسپی لینے والے ملازمین کو تربیت اور پریکٹس کرنے کی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

میں نے جواب دیا: "ہماری بائیں محاذ حکومت بھی اپنے ملازمین کو ایسی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری حکومت نے ریاست میں بہت سی جگہوں پر اسٹیڈیم تیار کئے ہیں اور یہاں نوجوانوں کو تربیت کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔"

مرکزی سکریٹریٹ، دہلی کی ٹیم کے حکام نے کہا: "ذرا ان ریکارڈوں پر بھی نظر ڈالئے۔ ہماری ٹیم نے بہت بہتر کارنامہ انجام دیا ہے۔ شاٹ پٹ میں این۔ پی۔ سنگھ (۱۳ء۶۰ میٹر)، ہیمر تھرو میں شادیو یادو (۴۳ء۷۰ میٹر)، ۸۰۰ میٹر دوڑ میں مہیش یادو (۲'۴۹") اور ۱۵۰۰ میٹر دوڑ میں مہیش یادو (۴'۷ء۵") نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس لئے ہمیں قومی نشانہ کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور اس کے لئے ہم لوگوں کو یعنی سرکاری ملازمین کو اچھی تربیت اور تربیتی کیمپ کی ضرورت ہے۔"

پونے اور دیگر ریاستوں کی ٹیموں کے حکام نے مختلف دوڑوں میں اچھے وقت کی تعریف کرتے ہوئے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ اس بار اسپورٹس میں حصہ لینے والی عورتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

"جبکہ مرکز اور ۱۷ ریاستی حکومتوں کی ٹیموں میں مردوں کی تعداد ۹۲ ہے۔ وہاں صرف ۷ ریاستوں کی ۳۵ عورتیں ہیں۔ جو اسپورٹس میں حصہ لے رہی ہیں" میں نے کہا۔

بہت سارے ٹیم منیجروں نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ "مالی دشواری کی وجہ سے تمام ریاستیں پوری ٹیم نہیں بھیج سکتیں۔"

اسکے باوجود تمام منیجروں نے یہ کہا: "ہم سب حکومت ہند کے شکر گذار ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کے لئے ایسی سہولتیں فراہم کیں۔ اگر مرکز ریاستوں کو اس سلسلہ میں کم از کم کچھ مالی امداد فراہم کرے تو ایسے اسپورٹس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں سرکاری ملازمین حصہ لے سکتے ہیں۔"

اس کے علاوہ منیجروں اور کپتانوں نے تجویز پیش کی کہ اسپورٹس میں کبڈی، تیراکی، وزن اٹھانا، کشتی اور باکسنگ کو بھی شامل کرنا چاہئے۔

اس کے بعد میں نے پوچھا: "آپ لوگوں کو کلکتہ پسند آیا؟"

ان لوگوں نے جواب دیا: "کلکتہ تو تمام شہروں میں جوہر ہے۔ یہاں بہت سارے قابل دید مقامات ہیں۔ فرصت ملی تو ہم لوگ سیر و تفریح بھی کر لیں گے۔"

اچھا! میں نے کہا۔ اب آپ لوگوں کی اسپورٹس اور کھیل کود کی بابت کیا رائے ہے؟ دیکھئے میں ایک اسپورٹس مین ہوں اور میری نظر میں اسپورٹس اور کھیل کود، کثرت میں وحدت کا جزو لاینفک ہے۔"

"ہاں ہاں کیا انوکھا تصور آپ نے پیش کیا" سبھوں نے جوشِ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"اسپورٹس اور کھیل کود تو قومی یکجہتی کے اہم جزو ہوتے ہیں۔ ہم مختلف بولیاں بولتے ہیں۔ ہمارے لباس مختلف ہیں۔ ہماری خوراک بھی مختلف ہوتی ہے۔ لیکن اسکے باوجود اسپورٹس ہمیں ایک دوسرے کے قریب کھینچ کر لاتے ہیں ہمیں ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ ہر جگہ ہمارے مسائل ایک جیسے ہیں اور ہم سب انھیں حل کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم لوگ ایک ثقافتی درخت کی مختلف شاخیں ہیں" سبھوں نے کہا۔

اچھی بات ہے اعظم صاحب، آپکا بہت بہت شکریہ۔ ایک بار پھر ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ عزت مآب وزراء، آپ لوگوں کی ریاستی حکومت، رائٹرس بلڈنگس کلب اور یہاں کے تمام اسپورٹس حکام اور والنیٹروں تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ ہم سب ان کے دلی طور پر مشکور ہیں" انھوں نے مجھ سے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ آپ کے اس پیغام کو ان لوگوں تک پہونچا دوں گا۔"

شکریہ" میں نے کہا۔ اور اس طرح انٹرویو ختم ہوا۔

اب آیئے میدان چلیں۔ کیونکہ یہاں بھی مجھے وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں کا ساتھ دینا پڑا۔ عورتوں کے ہائی جمپ میں کافی اچھا مقابلہ ہوا اور آخر میں کلکتہ کی شریمتی لالی چکرورتی اور دہلی کی شریمتی کملا کانت سونی علی الترتیب ۱٫۴۰ میٹر اور ۱٫۳۵ میٹر کی بلندیوں کو پار کر کے اول اور دوئم آئیں۔ اسی طرح عورتوں کی ۴۰۰ میٹر دوڑ میں تیز مقابلہ ہوا اور اس میں کلکتہ کی شریمتی سندھیہ رائے ۱۰۱٫۷ سیکنڈ میں اول آئیں اور دہلی کی کملا کانت سونی دوسرے نمبر پر۔ اسی طرح مردوں کے ۱۰۰ میٹر ریس میں مقابلہ بہت تیز رہا اور کلکتہ کے منوب موئترا اور پٹیالہ کے امرجیت سنگھ علی الترتیب ۱۰٫۸ اور ۱۰٫۲۳ میں اول و دوئم آئے۔

اب آخری دن آتا ہے یعنی ۸ جنوری ۱۹۸۲ء چند ایونٹس رہ گئے تھے۔ ۴۰۰ میٹر ہرڈل فائنل میں منوب مترا اور تپوش سنتل دونوں ہی کلکتہ کے علی الترتیب ۵۰٫۳ اور ۵۰٫۶ میں اول اور دوئم آئے۔ ہائی جمپ میں کلکتہ کے رنجن بنرجی اور دہلی کے ایم رائے۔ قریشی اول و دوئم علی الترتیب ۱٫۸۵ میٹر اور ۱٫۷۵ میٹر کی بلندی کو کود کر پار کیا تھا۔ عورتوں کے ۸۰۰ میٹر ریس میں کلکتہ کی سندھیہ رائے اور دہلی کی کملا کانت سونی علی الترتیب ۲٫۱۰ اور ۲٫۱۶ میں اول اور دوئم آئیں۔

اب آخری آئٹم آتا ہے اور یہ ہے ۳۰۰۰ میٹر اسٹیپل چیس۔ یہ بہت ہی دلچسپ دوڑ تھی۔ چند دوڑاکوں نے اس میں حصہ لیا۔ جب انہوں نے دوڑ شروع کی تو ان کے اسپورٹنگ لباس بہت ہی صاف تھے۔ لیکن جب انھوں نے دوڑ ختم کی تب ہی گویا رنگ برنگی لباس میں ملبوس نظر آئے۔ ہوا یہ کہ انھیں دوڑ میں بہت ساری رکاوٹوں کو پار کرنا پڑا۔ ان میں ایک خندق بھی تھا جو پانی سے بھرا تھا۔ اور ان لوگوں کو اس گندے پانی کو پیدل چل کر پار کرنا پڑا اور اس کے بعد اسپورٹس ختم ہوا۔

اس کے بعد تقسیم انعامات کی تقریب شروع ہوئی۔ اس تقریب کی صدارت شری سبھاش چکرورتی وزیر تعلیم (اسپورٹس) نے کی۔ وزیر موصوف نے اپنی صدارتی تقریر میں اس اسپورٹس میں شرکت کرنے والوں کو ان کے جذبے اور ڈسپلن کیلئے مبارکباد دی اور دعا دی کہ وہ سب اپنی زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہوں گے انہوں نے مزید کہا "ہندوستان سرزمین عجائب ہے۔ ہمارے ملک میں عرصہ دراز کی ایک روایت چلاآ

ہے وحدت کثرت میں وحدت۔ موجودہ حالات میں یہ کل ہند اسپورٹس جس میں مرکز کے اور دیگر تمام ریاستوں کے سرکاری ملازمین نے شرکت کی کافی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کے درمیان اتحاد کی تعمیر کرنے اور اسے مستحکم بنانے میں معاون ثابت ہوگا۔ اس سے ہمیں ایک متحد ہندوستان کی تعمیر میں کافی مدد ملے گی کیونکہ آج ایسی طاقتیں رونما ہو رہی ہیں جو منفی کردار ادا کر رہی ہیں اور جو ہمارے عوام کے اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں اسپورٹس میں شریک ہونے والے تمام افراد سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ان تخریب پسندوں کے کردار کو سمجھیں اور ایک ہندوستان کے لئے متحد ہو کر کھڑے ہو جائیں"۔ اس کے بعد انھوں نے راؤنڈرس بلڈنگس کلب کو شاباشی دی کہ اس نے حکومت مغربی بنگال کی طرف سے اس اسپورٹس کا اچھا انتظام کیا۔

ان کے بعد شری پرشانت سور وزیر مقامی سلف گورنمنٹ مغربی بنگال نے اپنی تقریر میں اس اسپورٹس کی کامیابی کے لئے اسپورٹس میں حصہ لینے والوں اور اسپورٹس حکام کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے مزید کہا "ایسے اسپورٹس ہم لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے اچھی جان پہچان کا موقعہ ملتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی مشکلات اور مسائل سے واقف ہوتے ہیں۔ ایسے اسپورٹس سے قومی یکجہتی کو تقویت پہونچتی ہے اور یہ عوام میں خیرسگالی اور بھائی چارگی کو فروغ دیتا ہے"۔ اس کے بعد انھوں نے اسپورٹس میں حصہ لینے والوں کو کامیابی کی دعا دیتے ہوئے اپنی تقریر ختم کی۔ ان کے بعد مغربی بنگال کے سرکاری ملازمین کی طرف سے شری سبھوتوش رائے، ریاستی تال میل کمیٹی کے سکریٹریٹ ممبر اور ۱۲ جولائی کمیٹی، مغربی بنگال کے ممبر نے اپنی تقریر میں خوشی کا اظہار کیا کہ کل ہند اسپورٹس میں لینے کے لئے مختلف ریاستوں سے اتنے سارے افراد جو درحقیقت سرکاری ملازمین ہیں، یہاں آئے۔ انہوں نے مزید کہا "ایسے اسپورٹس ہمیں قریب سے جاننے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ نیز یہ باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں اور آج ملک کی مختلف ریاستوں میں سرکاری ملازمین کی تحریک کا رجحان کیا ہے اور ملک کی صورت حال کیسی ہے"۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا "ہم ایک ہیں، ہمارا ملک ایک ہے، ہم متحدہ طور پر کھڑے ہیں، اگر منتشر ہوں گے تو گر جائیں گے۔ سرکاری ملازمین کو انتشار پھیلانے والی طاقتوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے اہم کردار ادا کرنا ہے۔ کل ہند اسپورٹس میں مختلف

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

سترہویں کل ہند سول سروسیز ایتھلیٹکس میٹ، ۸۲-۸۳ء کی افتتاحی تقریب
میں شری بی.ڈی. پانڈے، گورنر مغربی بنگال، افتتاحی تقریر کرتے ہوئے
(نیچے) اس اسپورٹس میں حصہ لینے والے۔

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal
and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

ازسرِنو عہد



ہم لوگوں نے تینتیس سال قبل ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندوستان کے عوام کی فرمانروائی کے اعلان کرنے کا باضابطہ طور پر عہد کیا تھا اور اپنے ملک کے تمام شہریوں کیلئے سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف، اظہار خیال کی آزادی، مذہب اور عبادت کی آزادی اور سماجی حیثیت کی مساوات حاصل کرنے اور بھائی چارگی اور قومی اتحاد کو فروغ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

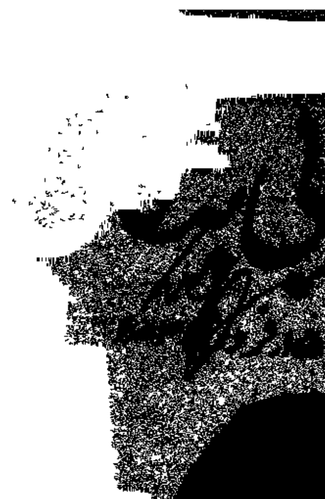
علاقائی انتشار، فرقہ واریت اور مفاد پرستی کی ناپاک طاقتیں اور دیگر خامیوں نے ہماری ترقی کی راہ میں اکثر رکاوٹیں پیدا کی ہیں اور اس طرح ہمارے عزم اور ہماری کامیابی کے درمیان ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ایک نئی صبح کی روشنی میں ہم لوگوں کو جگائیں اور ان کے خوابوں کی تعبیر اور ان کے مقاصد کی تکمیل کے سلسلے میں ایک نئی جدوجہد کے لئے ان کی ہمت افزائی کریں۔

مغربی بنگال کے عوام اس بات کا حلف اٹھاتے ہیں کہ ایک نئے ہندوستان کی، جہاں ہمارے عوام کو سماجی اور معاشی انصاف حاصل ہوگا، تعمیر کے کام میں وہ خود کو از سرِ نو وقف کر دیں گے۔ آئیے ایک بار پھر ہم سب اس بات کا عہد کریں کہ ہم آزادی، جمہوریت اور عوام کے اتحاد کو برقرار رکھیں گے اور انہیں مستحکم بنائیں گے اور استحصال کرنے والوں اور انتشار پھیلانے والوں اور مفاد پرستوں کے خلاف ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بائیں محاذ حکومت نے اس بات کا عہد کیا ہے کہ وہ عوام کی، ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے، جدوجہد میں عوام کے ساتھ رہے گی۔

۲۶ جنوری ۱۹۸۳ء











پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پربیتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھیریندر ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد ۳۰	۱۵ فروری سنہ ۱۹۸۳ء	شمارہ ۴

شرح خریداری

قیمت :- بارہ پیسے فی پرچہ

سالانہ :- ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ :-

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور،

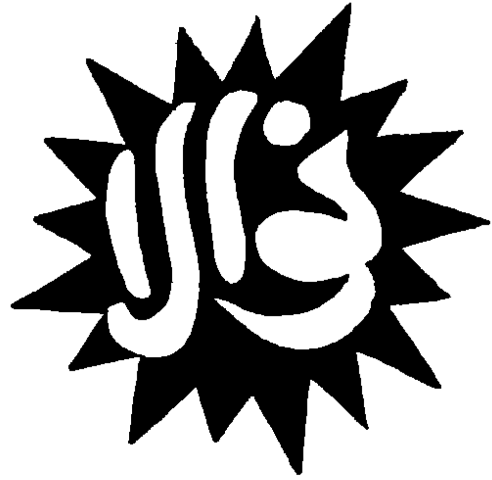
حکومت مغربی بنگال

۲۳، آر۔ این۔ مکھرجی روڈ

کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو موریسس کی کے وزیر اعظم شری اے. جگناتھ کے ساتھ ۱۰ فروری ۱۹۸۳ء کو راج بھون، کلکتہ میں محو گفتگو۔







اردو کی شاہکار نظموں میں ایک نظم نوالا بھی ہے جسے شاعر نے کھراتران کمیٹی کے زیر اہتمام ۱۰ فروری کو ہونے والے مشاعرے میں سامعین کی فرمائش پر سنایا۔ —

ماں ہے ریشم کے کارخانے میں
باپ مصروف سوتی مِل میں ہے
کوکھ سے ماں کی جب سے نکلا ہے
بچّہ کھولی کے کالے دل میں ہے
جب یہاں سے نکل کے جائے گا
کارخانوں کے کام آئے گا
اپنے مجبور پیٹ کی خاطر!
بھوک سرمائے کی بڑھائے گا
ہاتھ سونے کے پھول اُگلیں گے
جسم چاندی کا دَھن لُٹائے گا
کھڑکیاں ہوں گی بینک کی روشن
خون اس کا دئے جلائے گا
یہ جو ننھا ہے بھولا بھالا ہے
صرف سرمائے کا نوالا ہے
پوچھتی ہے یہ اس کی خاموشی
کوئی مجھ کو بچانے والا ہے

وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ کے لئے

کھراتران کمیٹی کے زیر اہتمام

شاندار مشاعرہ

مغربی بنگال میں خشک سالی سے متاثر لوگوں کی امداد کے لئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے عوام سے پرزور اپیل کی تھی۔ اس اپیل پر عوام اور مختلف تنظیموں نے اپنے اپنے طور پر فنڈ کی فراہمی کے لئے وزیر اعلیٰ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

وزیر اعلیٰ امداد فنڈ کے لئے مغربی بنگال کے کھراتران (خشک سالی امداد) کمیٹی نے بھی ۱۰ فروری کی شام کو نیتا جی انڈور اسٹیڈیم کلکتہ میں ایک کل ہند مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ اس مشاعرے کو کامیاب بنانے کے لئے بنگلہ زبان کے باذوق حضرات نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سامعین میں اردو والوں کے ساتھ بنگلہ والے بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ مشاعرے میں ملک کے متعدد معروف شعرائے کرام نے حصہ لیا۔ بیرونی شعرا میں علی سردار جعفری، مجروح سلطانپوری، بیکل اتساہی، والی آسی اور ساغر اعظمی کے نام گرامی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مشاعرے کی صدارت سابق وزیر رسل و رسائل کامریڈ محمد امین نے کی۔ مشاعرے سے پہلے صدر مشاعرہ نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں انھوں نے مغربی بنگال کی خشک سالی اور اس سے ہونے والی ... سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ انھوں نے بتایا کہ اس مشاعرے کا مقصد خشک سے متاثر لوگوں کی امداد کے لئے فنڈ جمع کرنا ہے۔ انھوں نے اس نیک مقصد کے لئے حاضرین کا خیر مقدم کیا اور آخر میں انھوں نے مشاعرے کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ مشاعرے کا آغاز ڈاکٹر علامہ اقبال کی نظم "نیا شوالہ" اور "فرمان خدا" سے ہوا جنھیں بنگال کے مشہور فنکار پریشنا بھٹا چارجی نے نہایت دلکش انداز میں ساز پر پیش کیا۔ اس کے بعد مشاعرے کی باضابطہ کارروائی شروع ہوئی۔ پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے اپنے ہردلعزیز انداز میں نقابت کے فرائض انجام دئے۔

نقیب مشاعرہ نے بغیر کسی تاخیر کے مدعو شعرا حضرات کو باری باری دعوت سخن دی۔ مشاعرہ مسلسل تین گھنٹوں تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا اور تقریباً رات کے ساڑھے دس بجے بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔ مشاعرے کے اختتام پر سامعین کی واپسی کے لئے سرکاری ٹرانسپورٹ کا پورا پورا انتظام کیا گیا۔

مشاعرے میں جن شعرائے کرام نے شرکت کی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں

بیرونی شعرا: علی سردار جعفری، مجروح سلطانپوری، بیکل اتساہی، ملک زادہ منظور، والی آسی، قیصر الجعفری، اثر فیض آبادی اور ساغر اعظمی۔

مقامی شعرا: ابراہیم ہوش، پروفیسر اعزاز افضل، سالک لکھنوی، علقمہ شبلی، پروفیسر نصر غزالی، حامی گورکھپوری، ولی رضوی، حبیب ہاشمی، رئیس آنولوی، جذب آنولوی اور منور رانا۔

مشاعرے میں جو کلام پڑھے گئے تھے ان کے منتخب اشعار درج ذیل ہیں۔

علی سردار جعفری

کام اب کوئی نہ آئے گا بس اک دل کے سوا
راستے بند ہیں سب کوچۂ قاتل کے سوا

باعثِ رشک ہے تنہا روی رہروِ شوق
ہمسفر کوئی نہیں دوریٔ منزل کے سوا

تیغ منصف ہو جہاں، دار و رسن ہو شاہد
بے گنہ کون ہے اس شہر میں قاتل کے سوا

ہم نے دنیا کی ہر اک شئے سے اُٹھایا دل کو
لیکن اک شوخ کے ہنگامۂ محفل کے سوا

مجروح سلطانپوری :

اہلِ طوفاں آؤ دل والوں کا افسانہ کہیں
موج کو گیسو بھنور کو چشمِ جاناں نہ کہیں

وہ شہ خوباں کدھر ہیں پھر چلیں ان کے حضور
زندگی کو دل کہیں اور دل کو نذرانہ کہیں

سرخیٔ مئے کم تھی، میں نے چھو لئے ساقی کے ہونٹ
سر جھکا ہے جو بھی اب اربابِ میخانہ کہیں

تشنگی ہی تشنگی ہے کس کو کہیئے میکدہ!
لب ہی لب تو ہم نے دیکھے کس کو پیمانہ کہیں

بیکل اتساہی :

پتوار کاغذی ہے تو پنّی کی ناؤ ہے
ہے اس ندی میں جس کا ہواؤں میں بہاؤ ہے

اسٹیشنوں پہ پانی پلاتے تو ہیں اچھوت
ہاں پنگھٹوں پہ تھوڑا بہت بھید بھاؤ ہے

کچھ ہاتھوں کی مہندی چھوٹی، کچھ آنکھوں کے کاجل برسے
پھول پات سب جوگی ہوگئے بن موسم جب بادل برسے

ابراہیم ہوش :

(قطعہ)

جس سے دل ہل جائے وہ الفاظ ہیں
جس سے دل کھل جائے وہ الفاظ ہیں
دو دلوں میں تفرقہ الفاظ کا
جس سے دل مل جائے وہ الفاظ ہیں

سالک لکھنوی :

چلو چلتے رہیں آخر کوئی منزل تو آئے گی
متاعِ زیست اتنی کم ہے اور اتنا سفر باقی

محبت ڈھونڈنے والو! محبت مل ہی جائے گی
مرے دل سے گزر جاؤ ابھی یہ رہگزر باقی

پروفیسر اعزاز افضل :

یہ شہر یہ خوابوں کا سمندر نہ بچے گا
جب آگ لگے گی تو کوئی گھر نہ بچے گا

یا نقش ابھارو کوئی یا عکس کو پوجو
شیشے کو بچاؤ گے تو پتھر نہ بچے گا

مقتل کی سیاست نہ تمہاری نہ ہماری
تفریق کرو گے تو کوئی سر نہ بچے گا

پروفیسر ملک زادہ منظور :

نہ خوفِ برق، نہ خوفِ شرر لگے ہے مجھے
خود اپنے باغ کے پھولوں سے ڈر لگے ہے مجھے

عجیب درد کا رشتہ ہے ساری دنیا میں
کہیں ہو جلتا مکاں اپنا گھر لگے ہے مجھے

میں ایک جام ہوں کس کس کے ہونٹ تک پہنچوں
غضب کی پیاس لئے ہر بشر لگے ہے مجھے

علامہ شبلی:

جلال دے کر نہ دے تو جمال دے مجھکو
خود اپنے حسن کے سانچے میں ڈھال دے مجھکو

جواب دے کر نہ دے اختیار ہے تجھکو
میں چاہتا ہوں کہ اذنِ سوال دے مجھکو

میں دن کو دن ہی کہوں رات کو کہوں میں رات
وہ سرکشی، وہ خودی، وہ کمال دے مجھکو

پروفیسر نصر غزالی:

سیب سے گوہر، گھر سے آب بھی لے جائے گا
آسماں کیا اب زمیں سے خواب بھی لے جائے گا

آدمی کل کا خبر کب تھی کہ اپنے ساتھ ساتھ
زندگی کے مستند آداب بھی لے جائے گا

زرد کلیاں ہی فقط زد میں ہوں بات ایسی نہیں
قہرِ موسم کا گلِ شاداب بھی لے جائے گا

والی آسی:

ہزاروں دکھ دئے جس نے ہم کو آرزو بن کر
اسی عورت کے پیچھے لوگ پاگل ہوتے جاتے ہیں

آرزو ویسے کوئی گھر سے نکلتے کیوں ہو
پاؤں جلتے ہیں تو پھر آگ پر چلتے کیوں ہو

شہرتیں سب کے مقدر میں کہاں ہوتی ہیں
تم یہ ہر روز نیا بھیس بدلتے کیوں ہو

قیصر الجعفری:

دیواروں سے مل کر رونا اچھا لگتا ہے
ہم بھی پاگل ہو جائیں گے ایسا لگتا ہے

کتنے دنوں کے پیاسے ہوں گے یارو سوچو تو
شبنم کا قطرہ بھی جن کو دریا لگتا ہے

اس بستی میں کون ہمارے آنسو پونچھے گا
جو ملتا ہے اس کا دامن بھیگا لگتا ہے

حامی گورکھپوری:

ہم تمہارے کوچے کی رسم کو نبھائیں گے
پھول پھول آئے تھے زخم زخم جائیں گے

کچھ پتہ نہیں چلتا رات کتنی باقی ہے
کب تلک چراغوں میں ہم لہو جلائیں گے

فرد فرد رہنے سے قافلے نہیں بنتے
فرد فرد مل کر ہی قافلہ بنائیں گے

اثر فیض آبادی:

ہواؤ تیز تھا احساس کا پٹ کٹ گیا یارو!
مرا سایہ بڑا لیکن مرا قد گھٹ گیا یارو!

بلا کا سخت جاں تھا میں کئی قسطوں میں دم نکلا
میں اک اندھا کنواں تھا پٹتے پٹتے پٹ گیا یارو

مجھے پہچاننے والے بھی دھوکہ کھا گئے ہوں گے
غبارِ جہدِ پیہم سے میں کتنا اٹ گیا یارو!

ذکی رضوی:

ہے یہ بہتر کسی طوفاں کا سہارا لے لو
تم کو ہرگز نہ بچائیں گے یہ ساحل والے

نقش ہستی کو تو کچھ رنگ ملا مقتل سے
اور کچھ رنگ بھریں گے ابھی محفل والے

ساغر اعظمی:

کانٹوں سے گزر جانا شعلوں سے نکل جانا
جب پھولوں کی بستی میں جانا تو سنبھل جانا

دن اپنے چراغوں کی مانند گزرتے ہیں
ہر صبح کو بجھ جانا ہر شام کو جل جانا

بچوں ہی سی فطرت ہے ہم اہل محبت کی
ضد کرنا مچل جانا پھر خود ہی بہل جانا

حبیب ہاشمی:

جب میری تباہی کے حالات رقم ہوں گے
تنہائی کے آنگن میں آنچل ترے نم ہوں گے

کیا ہم نے اسی خاطر خوں اپنا بہایا تھا
اک روز ہمارے سر سجدوں میں قلم ہوں گے

جب تجھ پہ کبھی آفت اے خاکِ وطن آئے
آواز ہمیں دینا ہر گام پہ ہم ہوں گے

جذبؔ الوری:

جب بھوک غریبوں کے بازار میں چلّائی
شیشے کے مکانوں سے ہنسنے کی صدا آئی

پھر اس کے کئی بچے فاقے سے بلک اٹھے
پھر جاکے کوئی بیوہ عزت کو لٹا آئی

منوّر رانا:-

رِستے ہوئے زخموں کی دوا بھی نہیں ملتی
اب ہم کو بزرگوں سے صدا بھی نہیں ملتی

کیا جانے کہاں ہوتے مرے پھول سے بچے
ورثے میں اگر ماں کی دعا بھی نہیں ملتی

رئیسؔ الوری:

ہمارے دل ہمارے خون کی حدت سے جلتے ہیں
چراغ ایسے کسی کی بزم میں قسمت سے جلتے ہیں

سبھی آئے مگر وہ تاپنے والا نہیں آیا
ہم اپنی آگ میں جس کے لئے مدت سے جلتے ہیں

خیالِ ترکِ محبت تو بار بار ہوا
مجالِ ترکِ محبت نہ ایک بار ہوئی
(وحشت کلکتوی)

امداد باہمی تحریک

میں

امداد باہمی تعلیم اور تربیت کا مقام

از:- امیو مجمدار

حالیہ برسوں میں اس بات میں کوئی شبہ نہیں امداد باہمی تحریک ایک اہم تحریک کی شکل میں رونما ہوئی ہے۔ اب اس تحریک کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اس میں طاقت پیدا کی جائے اور اسے اندر سے ہی مستحکم بنایا جائے۔ اس تحریک کو خود اعتمادی کی تحریک ہونی چاہئے۔ اس مقصد کی کامیابی کے لئے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ایسی تنظیم کی کارکردگی اور انتظام اور امداد باہمی تحریک کے متعدد نظام اور تنظیمی منازل کی کامیابی کیلئے ایک بہتر پر انحصار اور باہمی مفاد کو فروغ دینے کی حتی الامکان کوششیں کی جائیں گی۔

لیکن اس بات سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا اگر امداد باہمی اداروں کو جب ضروری ہدایت دینے کی سربراہی کی تحریک سے وابستہ ممبران ایسے اداروں کے ان اغراض و مقاصد سے، جنکے لئے یہ قائم کئے گئے ہیں، ناواقف رہیں۔

ایک امداد باہمی سوسائٹی کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاشی استحصال کو نیست و نابود کر دیا جائے اور ایسی سوسائٹیوں کے انکے ممبران جمہوری طور پر نظم و نسق کا انتظام کرتے ہیں۔ ایسی سوسائٹیوں کی اہم خصوصیت یہ ہوتی ہیں کہ انکے بہت سارے ممبران اعلیٰ تعلیم یافتہ اور فرض شناس ہوتے ہیں اور تربیت یافتہ اسٹاف کے ذریعہ ایسے اداروں کا بہتر طور پر انتظام کیا جاتا ہے۔

امداد باہمی سوسائٹی کے ممبران ہی انکی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں کیونکہ حسب ضرورت ہی پیداوار کیلئے اور صارفین کی مصنوعات تیار کرنے اور بہتر زندگی کیلئے دیگر ضروری خدمات فراہم کرنے کیلئے یہ ممبران ہی بخوبی اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے امداد باہمی کے ممبروں اور انکے خیر خواہاں کے درمیان رشتہ اور مستحکم ہوگیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ امداد باہمی کے ممبروں کو تعلیم دی جائے تا کہ وہ امداد باہمی کے کام کاج کا بہتر طور پر انتظام کر سکیں۔ تعلیم ہی کے ذریعہ ممبران امداد باہمی کے مقاصد سے واقف ہو سکیں گے۔ پڑھے لکھے اور روشن خیال ممبران نہ صرف اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں گے بلکہ وہ اس تحریک کی بہتر طور پر سربراہی بھی کر سکیں گے۔

ایک امداد باہمی ادارہ میں جمہوری فیصلہ بہت ہی کوششوں کے بعد کیا جاتا ہے لیکن اس کا دور رس اثر ہوتا ہے۔ صرف مستحکم، پُرخلوص اور اجتماعی سربراہی اس تحریک کی بہترین طور پر خدمت کر سکتی ہے بشرطیکہ سربراہ ان کوآپریٹو سوسائٹیوں کے، جن سے وہ وابستہ ہیں، اغراض و مقاصد کی بابت اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی واقف ہوں۔ اسکے لئے سربراہی ترقیاتی پروگرام کی ضرورت ہے۔

اسکے علاوہ امداد باہمی اداروں کو ماہرین کی خدمات فراہم کرنے کیلئے تربیت یافتہ افسروں اور ملازمین کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہندوستان میں اس تحریک کے آغاز سے ہی امداد باہمی تعلیم کی اہمیت سے سبھی واقف ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں مہاتما گاندھی نے اخلاقی تعمیر پر زیادہ زور دیا۔ بمبئی صوبائی امداد باہمی کانفرنس میں انکا ایک مضمون پڑھا گیا تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے کہا تھا کہ وہ مسٹر ڈی۔ ایم۔ ہملٹن کے، جو ان دنوں غیر منقسم بنگال کی امداد باہمی تحریک کے بہت ہی عظیم سربراہ تھے، خیالات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اخلاق کے بغیر امداد باہمی بے معنی سی بات ہوتی ہے۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ اس تحریک کی پیمائش اس بات سے نہیں کریں گے کہ امداد باہمی سوسائٹیوں کی تعداد کتنی ہوگئی ہے بلکہ وہ اس کا اندازہ امداد باہمی کے کارکنندگاں کی اخلاقی حالت سے لگائیں گے۔

آزادی کے بعد زرعی قرض کے سلسلہ میں اس وقت کی موجودہ مشاورتی کمیٹی کے مشورہ کے تحت ریزرو بنک آف انڈیا نے کوآپریٹو ٹریننگ کالج کے لئے یہاں

متعلقہ افراد کو امداد باہمی خدمات کے سلسلہ میں تربیت دیجاتی ہے ۔ مالی امداد فراہم کرنے کی اسکیم رائج کی ۔ بعد میں جب امداد باہمی تربیت پر حکومت ہند کی تشکیل کردہ عالم ٹیم نے امداد باہمی تربیت اور تعلیم کے کام کی بابت لامرکزیت اور اسے غیر سرکاری بنانے کی سفارش کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امداد باہمی تربیت کی ذمہ داری ہندوستان کی قومی امداد باہمی یونین کے ہاتھ منتقل ہو گئی ۔

آج ریاستی امداد باہمی یونینوں کے پیش کردہ امداد باہمی تعلیمی پروگرام کی تکمیل کے سلسلے میں مذکورہ قومی امداد باہمی یونین گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے ۔ سارے ملک میں ریاستی امداد باہمی یونین مذکورہ قومی یونین سے ملحق ہیں ۔ نیز قومی یونین اپنے طور پر بھی خصوصی تعلیمی پروگرام کو بروئے عمل لاتا ہے ۔ یہ امداد باہمی سوسائیٹیوں کے کام کرنے والوں کی تربیت کا انتظام کرتا ہے ، ساتھ ہی تعلیم کے سلسلہ میں حسب ضروری چیزوں کی سپلائی کا بھی انتظام کرتا ہے ۔ آج ۲۲ ریاستی امداد باہمی یونینوں کے تحت ۸۰۰ افراد امداد باہمی کی تعلیم دے رہے ہیں اور ان لوگوں کے ذریعہ ہر سال سارے ملک میں امداد باہمی سوسائیٹیوں کے تقریباً دس لاکھ سے زیادہ ممبروں کو امداد باہمی تعلیم دیجاتی ہے ۔ نیز متعلقہ ریاستوں میں ریاستی امداد باہمی یونینیں اور ضلع امداد باہمی یونینیں امداد باہمی کے اصولوں اور طریقہ کار کی بابت تعلیم کی اشاعت کا انتظام کرتے ہیں ۔

مغربی بنگال میں امداد باہمی تربیت و تعلیم کی ذمہ داری مغربی بنگال ریاستی امداد باہمی یونین پر عائد ہے ۔ اس پروگرام کا اہم مقصد یہ ہے کہ اس ریاست میں امداد باہمی تحریک کو فروغ دیا جائے ۔ اور امداد باہمی اصولوں کے جز و لاینفک کی حیثیت سے امداد باہمی شعبہ اور اسکی خدمات کی تعمیر اور فروغ کیلئے عوام جو کوششیں کرتے ہیں ، اس سلسلے میں انکی مدد ، رہنمائی اور تعلیم کا انتظام کیا جائے ۔ ان اداروں کو اپنے تعلیمی اور تربیتی پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت مکمل طور پر مالی امداد فراہم کرتی ہے ۔

ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ جو لوگ اس تحریک کے باہر ہیں ، انہیں اس امداد باہمی تحریک کے زیر اثر لایا جائے تاکہ وہ سب امداد باہمی کے فوائد سے مستفید ہو سکیں اس سلسلے میں ہمیں دیہی عوام کی ہمت افزائی کرنا چاہئے کیونکہ وہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اور امداد باہمی کے تصورات سے وہ ناواقف ہیں ۔ مغربی بنگال ریاستی امداد باہمی یونین اپنے ۳۲ تعلیمی انسٹرکٹروں کی مدد سے باضابطہ طور پر تعلیمی کیمپ قائم کر کے تعلیمی پروگراموں کو بروئے عمل لا رہا ہے ۔ تعلیم دینے کیلئے امداد باہمی سوسائیٹیوں کے ممبروں کی تعداد کے مقابلہ میں تعلیم دینے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے ۔

امداد باہمی تحریک میں عورتوں کو شامل کرنے کے لئے ریاستی امداد باہمی یونین کی عورت مبلغ عورتوں کی امداد باہمی سوسائیٹیوں کا دورہ کرتی ہے اور انہیں انتظامی اور رہنمائی کے سلسلہ میں مشورہ دیتی ہے ۔ لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں استانیوں کے ساتھ لیڈی انسٹرکٹرس بھی تعلیم دیتی ہیں تاکہ طالبات بھی اپنے اپنے اسکول اور کالج میں امداد باہمی کے پیمانہ پر صارفین اسٹورس قائم کریں ۔

مختلف شعبوں میں امداد باہمی تحریک کو کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اسے کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ، ان تمام باتوں پر اظہار خیال کرنے اور دشواریوں کو دور کرنے کیلئے تجاویز پیش کرنے کے سلسلہ میں ریاستی امداد باہمی یونین کے تحت سیمینار ، کانفرنس اور ورکشاپ کا انتظام کیا جاتا ہے ۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ایسی کانفرنس حکومت کو بھی حسب ضرورت ہدایت دے گی ۔ کیونکہ حکومت بھی اب اس تحریک کو آگے بڑھانے میں سرگرم عمل ہے ۔ ریاستی امداد باہمی یونین کبھی اپنے طور پر اور کبھی ضلع امداد باہمی یونینوں کے ساتھ ملکر ایسی کانفرنسوں کا انتظام کرتا ہے اور اس کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ ریاستی امداد باہمی یونین کی اس سلسلہ میں مدد کی جائے کہ وہ مختلف علاقوں میں اپنے مقاصد کو روبہ عمل لا سکے ۔

آج سے سو سال قبل جب راک ڈیل پائیونیرس نے انگلینڈ میں پہلی کامیاب صارفین سوسائیٹی قائم کی تھی تو اس نے ان کے ممبروں کی تعلیم پر اچھا خاصہ زور دیا تھا ۔ امداد باہمی تنظیم میں خود اعتمادی بہت ہی اہمیت کی حامل ہے اور اس میں اسی وقت کامیابی حاصل ہو سکتی ہے جب امداد باہمی سوسائیٹیاں جمہوری نظم و نسق کیلئے اپنے اپنے ممبروں اور کارکنندگان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں ۔

پہلے امداد باہمی کے ممبروں اور کارکنندگان کی تربیت کے لئے اس ریاست کے امداد باہمی تربیتی مراکز کے نظم و نسق کی ذمہ داری ریاستی حکومت کی تھی ۔ پھر ۱۹۶۴ء سے یہ ذمہ داری ریاستی امداد باہمی یونین کو سونپ دی گئی ۔ فی الحال اس ریاست کے مختلف علاقوں (اتر پاڑا ، ہگلی ، جھاڑ گرام ، کلیمپانگ ، ہتمپور اور رجلپائی گوڑی) میں چھ تربیتی مراکز کو ریاستی امداد باہمی یونین چلاتا ہے ۔ ان مرکزوں میں امداد باہمی کے جونیئر اسٹاف کو چھ مہینے کے لئے امداد باہمی کے کام کاج کے سلسلہ میں بنیادی تربیت دیجاتی ہے اور پھر انہیں امداد باہمی میں جونیئر ڈپلومہ دیا جاتا ہے ۔ ایک تجویز یہ ہے کہ موجودہ مالی سال میں ۲ اور تربیتی مراکز

باقی صفحہ ۱۱

شکارِ قندیلِ آسماں

(ایک فلسطینی مجاھد کے تصوّرات)

بنگلہ: [illegible]

اردو: مصطفیٰ اکبر

تمہارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
گذر میں سکتا ہوں آسماں کی بلندیوں سے
تمہارے عہدِ وفا کے صدقے
حدودِ کون و مکاں سے آگے سفر ہے ممکن

تمہاری باتیں تھیں یاد مجھ کو
تمہارے حکم سفر پہ تک کے وطن گوارہ
اگر کرو تم یہ مجھ سے وعدہ ——
کہ وقت کا ہر بلا سے خود کو بچائے رکھو گے
مہیب جنگ و جدل کی آتش فشانیوں میں
تمہارے جسم و بدن کا پرتو نہیں جلے گا
تمہارا معصوم حسن محفوظِ گردِ وقتِ زماں رہے گا

کر دیا وعدہ ——————
کہ میں نہیں تو مری جگہ پر
مرے وطن کے نئے سپاہی کے روز و شب پر نظر رکھو گے
وطن کے حق میں جو زخمی ہو جائیں بازو اس کے
تو اس کے زخموں کو پیار سے تم بھرا کرو گے
ہر ایک لمحے کو صرفِ مہر و وفا کرو گے
کہ جیسے اک باغباں اپنی
پہلی کاوش کے پہلے گل کو
شفیق نظروں سے دیکھتا ہے
نگاہ و دل اس پہ وارتا ہے

ہاں میں نہیں پر مری محبت
زمیں کے سینے پہ ماہِ کامل کی روشنی کی طرح بڑھے گی
طفیل جس کے ——
ستم کی راتوں کا دھیرے دھیرے زوال ہوگا
اک عہدِ نو کی نمود ہوگی
جو میرے عزم جواں کی طرح عظیم ہوگا۔

ابھی اگرچہ میرے تعاقب میں موت آمادۂ سفر ہے
میں یاروں جانب مصیبتوں کے مہیب سائے
مگر یہ برگ و شجر کے گھیرے میں چھوٹا سا سایہ دار خطہ
سکون و راحت و خواب و الفت کا ہے گہوارہ
ابھی اگرچہ نہیں ہو تم بھی
... نظر تک نہ روشنی ہے
مگر تمہاری وفا کے صدقے
تمہاری یادوں کے دیپ روشن
وجود میں میرے روشنی کے وسیع سمندر کا اک تلاطم
مچل رہا ہے۔
اور ہو رہی ہے مجھے روحانی مسرت حاصل
ابھی اگرچہ نہیں ہو تم بھی
تمہاری قربت کا لمس محسوس کر رہا ہوں
شدید جذباتِ عشق سے میرا قلب و جاں لذت آشنا ہے۔
ابھی تمہاری طلب ہے مجھکو
کہ آؤ ——
اک بار پھر ہم ہاتھوں میں ہاتھ دے کر
شکارِ قندیلِ آسماں کا اک عہد باندھیں

شنکر

میرے دوست میرے کامریڈ

از بمل باسو

شنکر گپتا اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے گذشتہ ۲۲ر جنوری کی صبح کو بے رحم موت نے ہمارے بہترین ساتھی اور دوست کو ہم سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا مجھے اسکا دلی افسوس ہے کہ میں اسوقت انکے پاس موجود نہ تھا جب وہ موت سے آخری لڑائی لڑ رہے تھے۔ میں اس وقت ایک ضروری کام کے سلسلہ میں بر مپور میں تھا۔ اس بات کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اتنے مختصر عرصہ میں وہ لوگوں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے۔

شنکر گپتا کی پیدائش ستمبر ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ انہوں نے جنوبی کلکتہ میں واقع تیرتھاپتی اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ اس اسکول میں میں نے بھی تعلیم حاصل کی۔ ہم دونوں ایک ہی کلاس میں تھے۔ اسکول کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انھوں نے جادو پور یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں طلباء کی تحریک کے دوران انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ یہ ۵۸ء کی بات ہے۔ اس وقت کے نام نہاد ماہرین تعلیم کا یہ خیال تھا کہ جادو پور یونیورسٹی سیاست سے بالکل پاک ہے۔ دراصل وہاں طلباء کی سیاست کی ممانعت تھی لیکن اس وقت کی ضرورت یہ تھی کہ جادو پور یونیورسٹی کے طلباء اور باہری طلباء تحریک کے دھارے کے درمیان ایک رشتہ قائم کیا جائے اور ایسا کیا گیا۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اس یونیورسٹی میں طلباء کا فیڈریشن قائم کیا اور وہاں طلباء کی تحریک کو سرگرم طور پر آگے بڑھایا۔ اس سلسلہ میں ۱۹۵۹ء کے طلباء کے جلوس کی بات مجھے بار بار یاد آتی ہے۔ ایک سامراجی تنظیم فورڈ فاؤنڈیشن نے ہندوستانی نظام تعلیم پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ انلوگوں نے اس سلسلہ میں حکومت ہند سے بات چیت بھی کر لی تھی۔ اسی دن جب کلکتہ میں فورڈ فاؤنڈیشن کے اعلیٰ حکام آئے تھے، طلباء کے جلوس کا انتظام کیا گیا۔ اور اس جلوس کے



شنکر گپتا

سربراہ شنکر تھے۔

۱۹۶۱ء میں آپ غیر منقسم کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بنے۔ اس وقت آپ جنوبی کلکتہ میں طلباء کو منظم کرنے کے کام میں مشغول تھے۔ آپنے جادو پور یونیورسٹی سے ۱۹۶۱ء میں ایم اے پاس کیا۔ آپنے انٹرنیشنل ریلیشن (بین الاقوامی تعلقات) میں ایم اے کیا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں اس وقت کی کمیونسٹ پارٹی کے ایک طبقہ نے ہند چینی سرحدی جھڑپ میں چین کو مورد الزام ٹھہرایا تھا اور اس سلسلہ میں طلباء اور نوجوانوں میں جنگجویانہ وطن پرستی کے جذبہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی تھیں لیکن اسوقت شنکر اور دیگر کمیونسٹ ساتھیوں نے ایک ساتھ ملکر یہ تحریک چلائی کہ مناسب طور پر بات چیت کے ذریعہ ہند چینی سرحدی تنازعہ کا تصفیہ کیا جائے۔

اسکے بعد شری شنکر گپتا ۲۴ پرگنہ میں نوڑل ہائی اسکول میں برسر روزگار ہو گئے پھر وہ تلجلا، کلکتہ میں بردجوناتھ ہائی اسکول کے ٹیچر ہوئے۔ اس عرصہ میں انکا طلباء کی تحریک سے براہ راست تعلق نہ رہا۔ لیکن انہوں نے طلباء اور نوجوانوں کو جنگجویانہ وطن پرستی کے خلاف بیدار کرنے میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۹۶۵ء سے آپ گھاٹال، مدناپور میں ربندر مشنری کالج میں پولیٹکل

سائنس (سیاسی سائنس) کے لکچرار تھے ۔ وہاں آپ نے خود کو سی پی آئی (ایم) کی سرگرمیوں سے پورے طور پر وابستہ کر دیا۔ اپنے پیشہ کی وجہ سے انھیں پارٹی کے لئے نئے کارکنندگان کی جماعت قائم کرنے کا کافی موقعہ ملا۔ اس سلسلے میں قابل ذکر مثال 'نندارانی ڈول' ہے جو ابھی جمہوری عورت ایسوسی ایشن کی سکریٹری ہے۔ اور انکی ریاستی سکریٹریٹ کی ممبر ہے۔ شریمتی نندارانی ڈول کو سربراہی میں لانے میں شری گپتا نے کافی اہم کردار ادا کیا۔

۱۹۷۱ء میں شری شنکر گپتا نے شریمتی شیا ملی سے شادی کی۔ ۱۹۷۲ء میں آپ سلی گوڑی گئے۔ وہاں شمالی بنگال یونیورسٹی میں آپکو لکچرر کی جگہ ملی۔ لیکن یہاں بھی آپکی سیاسی سرگرمیاں رک نہیں گئیں مگر چہ یہاں بھی انہوں نے پروفیسروں کی تحریک سے خود کو وابستہ رکھا تاہم صرف اسی حد تک وہ خود کو محدود نہ رکھ سکے۔ وہاں بھی انہوں نے مقامی جمہوری تحریکوں سے خود کو وابستہ کر لیا۔ انہوں نے سلی گوڑی میں جمہوری نوجوان فیڈریشن کو منظم کرنے کیلئے نہایت ہی اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۸۰ء میں جب جمہوری نوجوان فیڈریشن کا رسمی طور پر افتتاح کیا گیا تو اس وقت آپ اسکی ریاستی سربراہی سے وابستہ ہو چکے تھے۔ جب آپ شمالی بنگال یونیورسٹی میں معلم تھے تو اس وقت آپکا فرقہ پرستی یا تفریق پسندی کی تحریک سے سامنا ہوا کیونکہ اس زمانہ میں طلباء اور نوجوانوں میں فرقہ پرستی کا دبا پھیل چکی تھی اور اس بد مقصد کیلئے شمالی بنگال کی یونیورسٹی کو ایک کیمپ کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔

۱۹۷۳ء میں دارجلنگ میں شری شنکر رائے نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ پورے وقت کے لئے سی پی آئی (ایم) ورکر بننا چاہتے ہیں۔ بعد میں انہوں نے اسی تجویز کو ریاستی کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔ ۱۹۷۵ء میں انھیں سی پی آئی (ایم) کی مرکزی کمیٹی کی نگرانی کے تحت پورے وقت کیلئے لے لیا گیا۔ اور اس پارٹی کے اہم ہفت روزہ پیپلس ڈیموکریسی کی ذمہ داری انھیں سونپی گئی۔ اپنے طالب علمی کے زمانہ میں، نیز نوجوانوں کی تحریک، پروفیسروں کی تحریک اور جمہوری تحریکوں سے انھیں جو تجربات حاصل ہوتے اس پرچہ میں انکی تحریروں سے وہ عیاں ہو جاتے ہیں۔ یہ بات تو واقعی قابل تعریف ہے اور اس بات کو بھی زیر غور رکھنا بھی چاہئے کہ انہوں نے پارٹی کے کل وقت کے کارکن بننے کی خواہش کا اظہار کیا جب ساری ریاست نیم فاشستی دہشت اور ایمرجنسی سے قبل کی تمہید سوزی کی سرپرستی کے تحت تھی، اس وقت پارٹی کی سیاست اور تنظیم کو بہت مضطرب صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جب وہ اپنی ملازمت پر برسر روزگار رہ سکتے تھے، جہاں انہیں کافی اچھی تنخواہ ملتی تھی، انھیں ذاتی تحفظ بھی حاصل تھا اور آرام بھی، لیکن ایسے وقت میں بھی انہوں نے اپنی پارٹی کے پورے وقت کے کارکن بننے کو ترجیح دی۔ اسے ہم کمیونسٹ کی لامثال ذہنیت کہہ سکتے ہیں۔ اسکے بعد ۱۹۷۶ء میں شری گپتا نے ریاستی کمیٹی کے تحت کام کرنا شروع کیا کیونکہ پیپلس ڈیموکریسی کی اشاعت کا کام دہلی سے ہونے لگا۔

۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال میں پہلی بائیں محاذ حکومت کے وزیر اعلیٰ کے وہ سیاسی سکریٹری بنے۔ اس ذمہ داری کو انھوں نے پانچ برسوں تک بحسن و خوبی نبھایا۔ ۱۹۷۹ء میں شری شنکر گپتا کو پٹنہ بہار میں ڈی وائی ایف آئی کی کانفرنس کے بعد 'جوبو شکتی' رسالہ کے ادارتی بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے اور اپنی زندگی کے آخری دنوں تک وہ اس رسالہ سے وابستہ رہے۔ ۱۹۷۸ء میں کلکتہ میں نوجوانوں اور طلباء کا فیسٹول ہوا۔ اس فیسٹول کے آپ سکریٹری بھی تھے۔ یہاں انکا انتظامی جوہر عیاں ہو گیا اور یہ فیسٹول بہت ہی کامیاب رہا۔ اسی سال آپنے کیوبا میں منعقدہ عالمی نوجوان فیسٹول میں ہندوستانی وفد کے ایک ممبر کی حیثیت سے ہوانا کا دورہ کیا۔ انکی سرگرمیاں کتنی تیز تھیں یہ ۱۹۷۸ء میں مغربی بنگال میں سیلاب کے دوران واضح ہو گئیں۔ ۱۹۸۱ء میں وہ طلباء کے فیڈریشن کی کلکتہ کانفرنس کے بعد طلباء کے فیڈریشن کی ریاستی سکریٹریٹ کے ممبر بن گئے۔ ۱۹۸۲ء میں سی پی آئی (ایم) کی چودھویں ریاستی کانفرنس میں وہ ریاستی کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ آخری وقت تک وہ اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۹۸۲ء میں عام انتخابات میں آپ جادوپور حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے۔ انہوں نے کافی ووٹ حاصل کئے۔ اس کے بعد وہ وزیر بھی بنے اور خلوص کے ساتھ ریاست میں بجلی کی فراہمی اور تقسیم کے کام میں جٹ گئے۔ نیز اسکے ساتھ وہ اپنے حلقہ انتخاب کے باضابطہ کام کاج میں اور اپنی پارٹی کے انتظامی کام کو مستعدی سے انجام دینے لگے انکی انتھک محنت کا اثر انکی صحت پر پڑا۔ لیکن انہوں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ اپنے بچپن میں اور نوجوانی میں انھیں خناق، نمونیا اور گٹھیا کے مرض سے دوچار ہونا پڑا تھا، اسلئے انہیں اپنی صحت کا اور بھی خیال رکھنا چاہئے تھا۔ کبھی کبھی وہ مجھسے غیر منطقی طور پر یہ درخواست کرتے کہ میں انکے بخار یا علالت کی بابت پارٹی کے سربراہوں کو کچھ اطلاع نہ دوں اور پارٹی پروگرام میں شرکت کرنے سے انھیں باز نہ رکھوں۔ لیکن پارٹی کے سربراہوں نے کئی بار انکی علالت کی وجہ سے انھیں پارٹی پروگراموں میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ سی پی آئی (ایم) کی ۶ سے ۹ جنوری ۱۹۸۳ء تک منعقدہ ریاستی کمیٹی کے جلسہ میں شرکت کرنے کے لئے انھوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن مجھے اسکے لئے کلکتہ ہنگر فورڈ اسٹریٹ میں واقع سرکاری مہمان خانہ میں جانا پڑا تاکہ انھیں ریاستی کمیٹی کے جلسہ میں شرکت کرنے سے باز رکھوں کیونکہ انکی صحت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ وہ سیاسی ذمہ داریوں کو بہت ہی سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ نبھانے کی کوشش کیا کرتے۔ اسی لئے جب جولائی ۱۹۸۲ء میں اس ریاست میں سی پی آئی (ایم) نے سیاسی تعلیم کے کیمپوں کا انتظام کیا تو وہ ایک استاد کی حیثیت سے تین کیمپوں میں گئے۔

آنجہانی شنکر گپتا ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن وہ اپنے ان گنت ساتھیوں کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ ہمیں ان کے استقلال، مصلحت اندیشی، استعداد اور ہر ہر بات کچھ سیکھنا ہے انکی زندگی اس ملک میں کمیونسٹ تحریک کی ایک مثال ہے اس لئے لوگ انھیں کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ ان کی شخصیت کو فراموش کرنا ہمارے لئے تو نا ممکن ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے اگر شنکر گپتا اپنی صحت کا خیال رکھتے تو اتنی جلدی یہ مضمون لکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ہمیں انکی روز مرہ کی زندگی کی دقیقہ رسی اور زندگی کے سلسلے میں ان کے خیالات اور انکے نصب العین پر غور کرنا چاہئے اور ان پر عمل در آمد کرنا چاہئے، اور اس طرح ہم انکے اصولوں کو زندہ رکھ سکیں گے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں جو خدمات انجام دی ہیں، انکی وجہ سے لوگ انھیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

(بشکریہ پرباشکتی)

نصاب کی کتابوں کی تقسیم

شری عبدالباری، وزیر ریاست برائے ابتدائی (پرائمری) تعلیم نے ۱۰ فروری ۸۲ء کو رائٹرس بلڈنگس میں ایک پریس کانفرنس میں پریس سے اپیل کی کہ وہ سب تعمیراتی تعلیمی پالیسی کی تکمیل میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ صرف محنت سے نہ صرف عوام کو فائدہ پہونچیگا اور نہ حکومت کو مدد ملے گی

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ چند اخبارات نے اس سال نصاب کی کتابوں کی چھپائی، اور اسکولوں میں ان کی تقسیم کے سلسلہ میں ایک تاریک تصویر پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ باتیں بالکل بے بنیاد ہیں۔ انہوں نے جو اعداد و شمار پیش کئے ان کے مطابق تمام ضلعوں کے اسکولوں میں ۹۰ فی صد کتابیں تقسیم کر دی گئی ہیں اور موجودہ فروری کے مہینے میں تمام ضلعوں میں سو فی صد نصاب کی کتابیں تقسیم کر دی جائیں گی۔

شری باری نے مزید کہا کہ نصاب کی کتابوں کی تقسیم کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا ہو اس بات کے پیش نظر اس سال ایک خصوصی سیل کی تشکیل کی گئی ہے اور اس سیل کی تنظیم کی نہ کہ کتابوں کی چھپائی میں مشکلات کی وجہ سے تقسیم کے کام میں کچھ تاخیر ہوئی ہے۔

ریاستی حکومت خاندانی رفاہ کیلئے مزید ۲۳ مراکز کھولیگی

حکومت مغربی بنگال نے مختلف سرکاری اداروں اور اسپتالوں میں شہری خاندانی رفاہ کے لئے ۲۳ مراکز کھولنے کا فیصلہ کیا ہے جن اداروں میں مراکز کھولے جائیں گے وہ درج ذیل ہیں:-

(۱) بیلور اے جی اسپتال
(۲) ای ایس آئی اسپتال، الوبیریا
(۳) جنوبی ہوڑہ ریاستی اسپتال
(۴) بدیابتی سی ایم ڈی اے شفاخانہ
(۵) بھادر سو رمانکندو سی ایم ڈی اے شفاخانہ
(۶) درگاپور ریفرنس یونٹ، درگاپور ایس ڈی اسپتال
(۷) باگاجوتن کالونی، سی ایم ڈی اے شفاخانہ
(۸) گرڈیا، سی ایم ڈی اے شفاخانہ، کلکتہ
(۹) لیک ٹاؤن سی ایم ڈی اے شفاخانہ
(۱۰) بالگوئی ہاٹ ریفرنس یونٹ آر جی کار میڈیکل کالج
(۱۱) گارڈن ریچ ریاستی اسپتال
(۱۲) سالٹ لیک اسپتال (ریفرنس یونٹ)
(۱۳) دمدم باگ جولا، ریفرنس یونٹ
(۱۴) جنوبی شہری ریفرنس یونٹ، ودیا ساگر اسپتال، بیہالا
(۱۵) سی ایم ڈی اے شفاخانہ، کانونٹ روڈ، کلکتہ
(۱۶) کانکول بگان سی ایم ڈی اے شفاخانہ
(۱۷) تالیپاڑہ سی ایم ڈی اے شفاخانہ، کلکتہ
(۱۸) سیوک ریفرنس یونٹ، سلی گوڑی اسپتال
(۱۹) بلور گھاٹ (ریفرنس یونٹ) بلور گھاٹ صدر اسپتال
(۲۰) سی ایم ڈی اے شفاخانہ راجہ سبودھ ملک روڈ، کلکتہ
(۲۱) شیب تلہ سی ایم ڈی شفاخانہ بیجلا
(۲۲) پکنک گارڈن روڈ سی ایم ڈی اے شفاخانہ
(۲۳) دیبا گرام میٹرنیٹی کلینک، جلپائی گوڑی

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کی ترقی
نارنگی کے کسانوں کو مزید سہولتیں

ضلع دارجلنگ کے مضافاتی علاقوں میں نارنگیوں کے بہت سارے باغات ہیں جہاں نارنگیوں کی کافی پیداوار ہوتی ہے لیکن انھیں بازاروں میں فروخت کرنے کے کام کیلئے منظم طریقہ کار کی کمی ہے۔ اسکے نتیجہ میں کسانوں کو درمیانی درجے کے تاجروں کے رحم وکرم پر رہنا پڑتا ہے ایک اندازے کے مطابق شہری صارفین نارنگیوں کی جو قیمت دیتے ہیں اس کا ۸۱ فیصد حصہ درمیانی تاجروں کے پاس جاتا ہے اور کسانوں کو صرف ۱۴ فیصد ملتا ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نارنگی کی پیداوار میں اضافہ سے درمیانی تاجروں کا نہ کہ کسانوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ شہروں میں نارنگیوں کے خریداروں اور دیہی علاقوں میں نارنگیوں کے کاشتکاروں کے درمیان کوئی منظم رابطہ قائم نہیں ہے اور اس کا فائدہ درمیانی تاجر اٹھاتے ہیں۔

حالیہ موسم سرما میں میرک ہارٹی کلچرل ایگریکلچرل مارکٹنگ کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹیڈ نے قومی ڈیری ترقیاتی بورڈ کے تعاون کے ساتھ ضلع دارجلنگ کی نارنگیوں کے لئے صارفین اور کسانوں کے درمیان حائل خلا کو پاٹنے کے ایک اہم پروجکٹ پر عمل درآمد کرنا شروع کر دیا ہے۔

امداد باہمی سوسائٹی نے ضلع دارجلنگ میں حصول کے تین مراکز قائم کئے ہیں جہاں دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں سے نارنگی اگانے والوں یا انکی تنظیموں سے براہ راست نارنگیاں خریدی جاتی ہیں۔ انہیں نارنگیوں کی قیمت بحساب ۴۴ روپئے فی ہزار فوراً ادا کر دی جاتی ہے۔ اگانے والوں کی تنظیموں کو ایک ہزار نارنگیاں توڑنے اور انہیں ان مرکزوں تک بھیجنے پر ۴۰ تا ۷۰ روپئے فی ہزار نارنگیاں خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ مزدور پہلے باغات سے نارنگیاں توڑتے ہیں پھر انہیں ٹوکریوں میں بھرتے ہیں پھر ٹوکریوں کو اپنے سروں پر لاد کر راستے کے کنارہ لاتے ہیں، پھر یہاں سے پھلوں کی ٹوکریوں کو بذریعہ لاری حصول کے مراکز تک لے جایا جاتا ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسانوں کو انکے باغات میں ہی ایک ہزار نارنگیوں کیلئے ۷۰ تا ۹۰ روپئے مل جاتے ہیں۔ اس سے قبل درمیانی کاروباریوں سے انہیں ایک ہزار نارنگیوں کے لئے ۵۰ ـ ۶۰ روپئے ملتے تھے۔ اس کے میرک مارکٹنگ کوآپریٹو سوسائٹی کے تحت ان نارنگیوں کو سائز کے لحاظ سے الگ الگ رکھا جاتا ہے۔ پھر انہیں بکسوں میں بھر کر کلکتہ کے بازاروں میں فروخت کے لئے سپلائی کر دیا جاتا ہے۔ اس سوسائٹی نے ان نارنگیوں کا نام کیمپن رکھا ہے اور کلکتہ اور اسکے آس پاس کے علاقوں میں دودھ کی مدر ڈیری کے ذریعہ ان نارنگیوں کی خردہ فروخت کا انتظام کیا گیا ہے۔ صارفین نے بھی اس اقدام کو کافی سراہا، کیونکہ بہت ہی معقول قیمت پر تازہ نارنگیاں ملتی ہیں۔ اس سوسائٹی نے ۲۱ر نومبر ۸۲ء سے ۱۷ر جنوری ۸۳ء تک تقریباً ۸۲ لاکھ نارنگیاں حاصل کیں، ان میں سے ۸½ لاکھ نارنگیاں مدر ڈیری کے ذریعہ خردہ فروخت کی گئیں، باقی نارنگیاں کلکتہ اور سلی گوڑی کے تھوک فروش بازاروں میں دارجلنگ پھل اور سبزی پروسیسنگ کوآپریٹو سوسائٹی کے ہاتھ رس نکالنے کے کام کے لئے فروخت کی گئیں۔ اس سوسائٹی نے اس عرصہ میں کل ۲۰ لاکھ روپئے کی نارنگیاں فروخت کیں۔ اس سوسائٹی نے دارجلنگ پھل اور سبزی پروسیسنگ کوآپریٹو سوسائٹی کی تیار کردہ پھلوں اور سبزیوں کی مصنوعات کی فروخت کا انتظام کیا ہے۔ اس ریاست میں یہ اپنی نوعیت کا واحد پروسیسنگ سنٹر ہے۔ کنچن، نام کے تحت تازہ جیم جیلی، پھلوں کا رس، ساسیج اور پھلوں کی دیگر مصنوعات، کلکتہ میں مدر ڈیری کی منتخبہ دکانوں میں خردہ فروخت کیلئے فراہم ہیں۔ غیر سرکاری دکانوں سے بھی ایسی چیزیں جلد ہی فروخت کی جائینگی۔

نسیلا : امداد باہمی

قائم کئے جائیں، کیونکہ امداد باہمی سوسائیٹیوں میں کام کرنے والے غیر تربیت یافتہ اسٹاف کی تعداد کافی زیادہ ہے اور انکی تربیت ضروری ہے۔

اس ریاست میں ایک علاقائی امداد باہمی تربیتی کالج ہے، جو کلیانی میں ہے۔ این سی یو آئی کے تحت اس کالج کا انتظام قومی کاؤنسل برائے امداد باہمی تربیت کے ذمہ ہے۔ یہاں امداد باہمی سوسائیٹیوں میں کام کرنے والے درمیانی درجہ کے اسٹاف کو تربیت دی جاتی ہے۔

تعلیمی پروگرام کو مستحکم بنانے کی راہ میں سربراہا کی بذات خود جیسی ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ سربراہا کا، دیگر ذمہ داریوں کے علاوہ ایک اہم محرک کردار بھی ہوتا ہے اور اچھی سربراہی سے اس ذمہ داری کو موثر طور پر نبھایا جا سکتی ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی امداد باہمی یونین نے ہر تربیتی مرکز میں سربراہی ترقی کورس رائج کیا ہے اور اس کے لئے بذات خود تحریک سے حاصل کردہ امداد باہمی ترقیاتی فنڈ سے مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔



مہاجتی سدن، کلکتہ میں ۲۳ جنوری سنہ ۶۷ء کو نیتاجی سبھاش چندر بوس کی ۷۰ ویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ ایک تقریب میں
سیول ڈیفنس اور ہوم گارڈ کی مارچ پاسٹ کی سلامی لیتے ہوئے

MAGHREBI BENGAL
15th FEBRUARY

Regd. No. WB/CC-82
Vol.3[illegible] No.4[illegible]
PRICE-12 Paise

گھراتران (خشک سالی) امدادکمیٹی کے زیراہتمام ۱۰ فروری ۱۹۸۳ء کو نیتا جی
انڈور اسٹیڈیم کلکتہ میں منعقدہ اردو مشاعرہ۔
تصویر میں (اوپر) دائیں سے بائیں، والی آسی، علی سردار جعفری
اور مائک پر منظور احمد اور (نیچے) مشاعرہ کا ایک منظر۔

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.



مشرقی بنگال

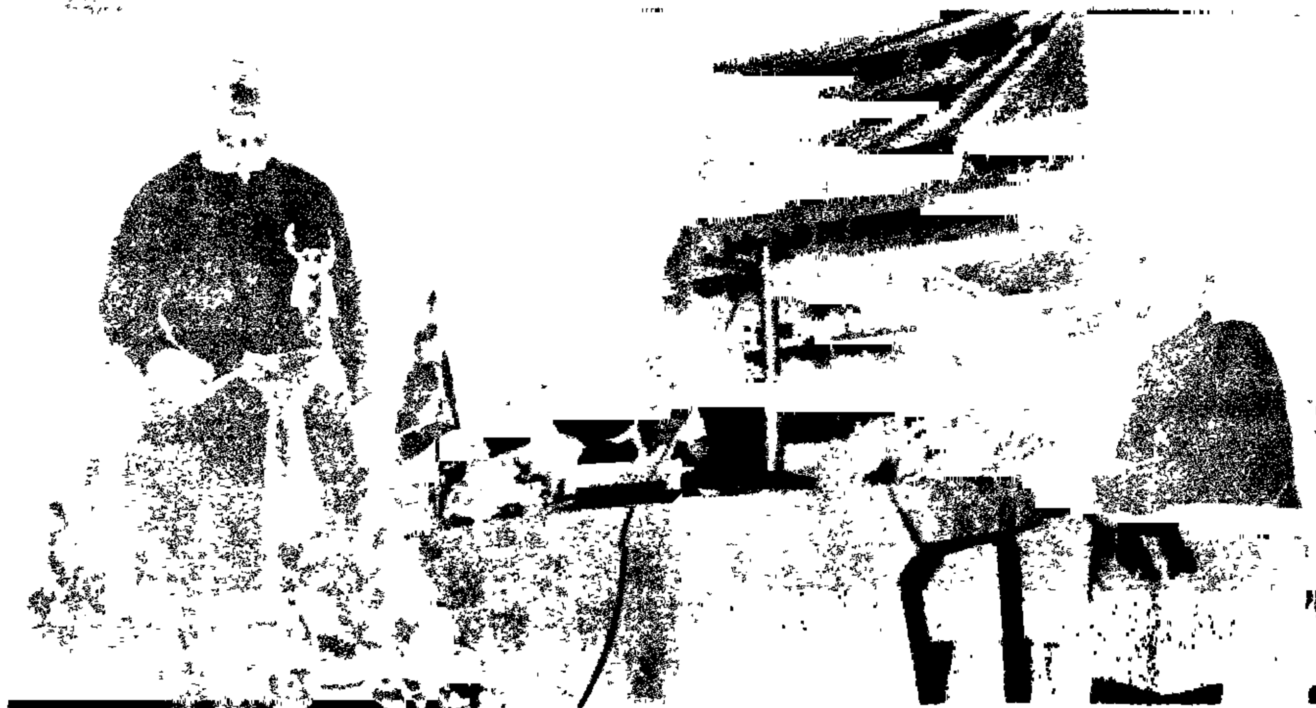
پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر اعلیٰ :- پربتین بھٹاچاریہ
مدیر :- دھیریندر ناتھ دت
مدیر معاون :- محمد اعظم

شرح خریداری
قیمت - ۱۲ پیسے فی پرچہ
سالانہ - ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ
بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر- این مکھرجی روڈ کلکتہ ۱-۷۰۰۰

جلد نمبر ۳ ● ۱۵ مارچ ۱۹۸۳ء ● شمارہ نمبر ۶



شری نرمل باسو، وزیر تعاون، حکومت مغربی بنگال، ۲۰ فروری ۱۹۸۳ء کو جھاڑگرام میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی رفاہ سے متعلق کیمپس کے ایک سیمنار کا افتتاح کرتے ہوئے



ریاستی بجٹ برائے سنہ ۸۳-۸۴ء

مغربی بنگال کے لئے ۵۴۳ کروڑ روپے کا سالانہ منصوبہ برائے سنہ ۸۳-۸۴ء

چھوٹی صنعتی یونٹوں کے لئے سیلس ٹیکس میں مراعات۔ خشک سالی سے متاثر لوگوں کی امداد کے لئے بہت سارے اقدامات کیے گئے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، جو حکومت مغربی بنگال کے وزیر مالیات بھی ہیں، نے ۱۴ مارچ سنہ ۱۹۸۳ء کو ریاستی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں سنہ ۸۳-۸۴ء سال کے لئے ریاستی بجٹ پیش کیا۔ بجٹ پیش کرتے ہوئے انہوں نے اپنی تقریر میں عوام کی ترقی اور فلاح وبہبود کے لئے ریاستی حکومت کی گوناگوں کارگزاریوں اور کامیابیوں کا ذکر کیا انہوں نے مزید کہا کہ سنہ ۸۲-۸۳ء کے لئے مکرر اخراجات ۷۱۶ کروڑ روپئے اور آمدنی ۵۲۰ کروڑ روپئے ہوگی۔ اس طرح محاصل میں ۱۹۶ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ نیز محاصل مد کے باہر دیگر مدوں میں ۱۰ کروڑ کی بچتی آمدنی ہوگی۔ اس طرح سال کے آخر میں ٹیکس کی موجودہ شرحوں کے مطابق کمی ۱۹۶ کروڑ روپئے کی ہوگی۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مزید وسائل اکھٹا کرنے کی ضرورت ہے۔ وزیر اعلیٰ کی بجٹ تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

حکومت ہند کے معاشی جائزہ کے مطابق سنہ ۸۳-۸۴ء سال ہندوستان کی معیشت کے لئے آزمائش کا دور ہے۔ مغربی بنگال کے لئے شدید بدحالی کا سال ثابت ہوا ہے۔ کیوں کہ سال رواں میں مغربی بنگال بارش کی کمی اور صنعتی مندہ بازاری کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ان باتوں کی وجہ سے محاصل کی افزائش میں جمود پیدا ہو گیا ہے۔

اس سال ہمارے وسائل بہت ہی محدود ہیں لیکن اس کے باوجود ہم لوگوں نے وسیع پیمانے پر خشک سالی سے متاثر لوگوں کے لئے امدادی کام شروع کر دیا ہے۔ اس کام میں ہمیں اس ریاست کے لاکھوں لاکھ کسانوں اور دیگر لوگوں کا دلی تعاون حاصل ہوا۔ شدید بدحالی میں بھی لوگوں نے اتحاد باہمی اور قابل تعریف تحمل کا ثبوت پیش کیا اور واقعی اس بات کے لئے ہمارے عوام قابل تعریف ہیں۔ میں اس ریاست کے لوگوں کا اس سلسلے میں بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ میں دل کھول کر عطیات دیئے اس فنڈ میں اب تک ایک کروڑ سے زیادہ روپئے بطور عطیہ حاصل ہوئے اور اب اس رقم کو خشک سالی سے متاثر علاقوں میں خرچ کیا جائے گا۔

اب میں ان اقدامات کا ذکر کروں گا جو ہم نے اس ریاست کی شدید خشک سالی کا مقابلہ کرنے کے لئے کئے

اس ریاست میں ۴۱ لاکھ ہیکٹر قطعات آراضی میں امن دھان کی کاشت کی جاتی ہے اور اس سے چاول کی مجموعی پیداوار ۵۰ لاکھ ٹن سے کچھ زیادہ ہوتی ہے ایک اندازہ کے مطابق خشک سالی سے ۵۰ فیصد امن فصل برباد ہوگئی۔ کل زرعی زمین کے پانچویں حصہ میں کاشت کاری نہیں کی جاسکی اور ایک تہائی قطعات آراضی میں از سر نو بیج بویا گیا۔ ان کے علاوہ مسلسل فصل کی کمی کی وجہ سے اس ریاست کے دیہی معیشت بری طرح متاثر ہوئی۔

ان دشواریوں پر قابو پانے کے لئے ہم نے جامع اقدامات کئے

خشک سالی سے متاثر قطعات آراضی میں ... قطعات کو زیر کاشت لانے
کے لئے ہم لوگوں نے چھوٹے پودے اور بیج کسانوں کو دیئے نیز بیج خریدنے
کے لئے بھی انہیں قرض فراہم کیا۔ درحقیقت چھوٹے چھوٹے پروگرام سے ۸ لاکھ
حاشیائی کسان مستفید ہوئے۔ چھوٹے چھوٹے پارسن، یا واٹر پمپ سٹ
خرید لئے گئے اور انہیں ضلع پریشدوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ندیوں سے پانی
کو اٹھانے کے لئے چھوٹی آبپاشی تنظیمات نے کئی لفٹ پارسن یا واٹر پمپ
سٹ نصب کئے۔ کھاد کا بہترین طور پر زیادہ سے زیادہ استعمال کے لئے
۵ کروڑ روپئے بطور قرض کسانوں، کوآپریٹو بنکوں اور فروخت کرنے کی
دیگر ایجنسیوں کو دیئے گئے پانی کے بہتر طور پر استعمال کے سلسلہ میں وسیع پیمانہ
پر نشر و اشاعت کا کام شروع کیا گیا ان تمام اقدامات سے ہمیں کسی
حد تک کامیابی حاصل ہوئی اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا
ہے کہ سنہ ۸۳-۸۲ء کے خریف موسم میں ۱۲۰۰۰ ٹن کھاد استعمال کی گئی
حالانکہ گزشتہ خریف کے موسم میں ۱۰،۰۰۰ ٹن کھاد استعمال کی گئی تھی جبکہ اندازہ
کے مطابق دھان کی پیداوار ۲۵ لاکھ ٹن ہوگی اس طرح مصائب کی شدت میں کچھ
حد تک کمی ہوئی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں ہم تمام لوگوں کی متحدہ کوششوں کے مشکور ہیں
اس کے ساتھ ہی ایک اہم بات کا بھی خیال رکھا گیا اور وہ یہ کہ جن امدادی کام اور دیگر
کام کے پروگراموں کو روبہ عمل لایا گیا ان میں زرعی اجرت کی شرحوں میں کمی نہیں آئی
بلکہ چند ضلعوں میں تو اس شرح میں کچھ اضافہ ہوا۔

اس کے ساتھ ہی ہم لوگوں نے ربیع فصل کے لئے چند پیشگی اقدامات
کئے۔ ندیوں سے پانی اٹھانے کے لئے ۶۰۰ لفٹ پمپ نصب کئے گئے۔ ان
کسانوں کی جو دس ایکڑ سے کم قطعات آراضی کے مالک ہیں اس سلسلہ میں
مدد کرنے کے لئے کہ وہ کم گہرے ٹیوب ویل اپنے کھیتوں میں نصب
کر سکیں، تجرباتی بنیاد پر ایک اسکیم رائج کی گئی ہے جس کے تحت چھوٹے کسان
کو ٹیوب ویل کے لئے سرمایہ کی ۲۵ فیصد رقم بطور امداد فراہم کی جائے گی۔
کنوئیں اور تالاب کھودنے کے لئے خشک سالی امداد اسکیم کے تحت ۱۱ کروڑ
روپئے منظور کئے گئے اس طرح ۲۰ لاکھ ہیکٹائر کی جگہ ۲۴ لاکھ ہیکٹائر قطعات
آراضی کو ربیع کی کاشت کے تحت لایا گیا۔ نیز اس بات کے پیش نظر کہ آئندہ
سال ربیع بیج کی کمی نہ ہو ہم لوگوں نے کسانوں کے درمیان تقسیم کرنے
کے لئے ۴ کروڑ روپئے کی مالیت کے بیج خریدے۔

مسلسل خشک سالی نے غذائی صورت حال کو بری طرح متاثر
کیا۔ عوامی نظام تقسیم کو اس سال ہر مہینہ ۳ لاکھ میٹرک ٹن غذائی اجناس
کی ضرورت ہوگی۔ بدقسمتی سے حکومت ہند اس سلسلے میں صرف
۲ر۱ لاکھ میٹرک ٹن غذائی اجناس فراہم کرتی ہے نیز ہم ایک اور دشواری
سے دوچار ہیں کہ اس محدود غذائی اجناس کی جلد از جلد نقل و حمل کا فوڈ
کارپوریشن آف انڈیا اور ریلوے انتظام نہیں کرتے حکومت ہند ہمیں جتنا
چاول فراہم کرتی ہے اس کے علاوہ ہمیں ۳ لاکھ میٹرک ٹن چاول کی ضرورت
ہوتی ہے لیکن ہمیں پنجاب سے صرف ۱۵۰۰۰ میٹرک ٹن چاول خریدنے کی اجازت
دی گئی ان تمام دشواریوں کے باوجود ہم لوگوں نے عوامی تقسیم کے ذریعہ
سنہ ۱۹۸۱ء میں ۲۰ لاکھ میٹرک ٹن کی جگہ سنہ ۱۹۸۲ء میں ۲۸ لاکھ ٹن غذائی اجناس
تقسیم کی۔

جعلی راشن کارڈ کو ختم کرنے کے لئے ہم لوگوں نے انفرادی راشن
کارڈ جاری کرنے کے پروگرام کو شروع کر دیا ہے۔ ہم لوگ صورت حال میں
بہتری لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں لیکن اگر مرکز کی طرف سے
اس ریاست میں کافی مقدار میں غذائی اجناس نہ فراہم کی جائیں تو اس کی
وجہ سے آئندہ چند مہینوں میں، جب کاشت کاری کا کام کم ہو جاتا ہے، مشکلات
پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔

اب میں خشک سالی امداد کے سلسلے میں اخراجات کا ذکر کروں گا
ہم نے اپنے پہلے میمورنڈم میں مرکزی حکومت سے ۱۸ر۴۷ کروڑ روپئے بطور
امداد کی درخواست کی تھی بعد میں ہم لوگوں نے مرکز سے ۳۹ر۲۰۵ کروڑ
روپئے بطور امداد طلب کئے مرکزی حکومت نے ہماری درخواست منظور
کی لیکن خشک سالی امداد کے طور پر خرچ کرنے کے لئے دو قسطوں میں صرف
۲۷ر۷۷ کروڑ روپئے دیئے منصوبہ کی مدوں کے تحت ۱۹ر۶۶ کروڑ
روپئے مخصوص کئے گئے تھے اس سلسلہ میں روزگار کے مواقع پیدا کرنے
کے لئے ۵۲ر۶۴ کروڑ روپئے، پینے کے پانی کی سپلائی کے لئے ۸ کروڑ
روپئے، بے استحقاقی امداد کے لئے ۸ر۶۳ کروڑ روپئے، تقاوی کے لئے
۳۵ر۴ کروڑ روپئے اور کسانوں کے درمیان بیج، کھاد وغیرہ تقسیم
کرنے کے لئے ۵ر۲ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی۔ چند مدوں پر
اور خاص طور پر بے استحقاقی امداد پر ہمیں حکومت ہند کی مقرر کردہ رقم
سے کہیں زیادہ رقوم خرچ کرنی پڑیں۔ روزگار کی فراہمی کے تحت ۶۰۰ لاکھ
کام کرنے کے دن پیدا کئے گئے۔ روزگار پیدا کرنے کے کام کے لئے جو رقم

مخصوص کی گئی اس میں سے تقریباً ۱۸ کروڑ روپے امدادی کام کی اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لئے پنچایتوں کو دیئے گئے۔ آبپاشی کی بڑی اور چھوٹی اسکیموں کے لئے ۲۰ کروڑ سے زیادہ روپے مخصوص کئے گئے اور مٹی کے تحفظ، جنگلات اور ماہی گیری کے لئے تقریباً ۳ کروڑ روپئے رکھے گئے۔ سڑکوں کی، معہ بازاروں تک جانے والی سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے ۴ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی۔ اس طرح ہم لوگوں نے مضافاتی علاقے میں اثاثے پیدا کرنے کی کوششیں کیں اور ان سے بعد میں زرعی سیکٹر کو فائدہ پہنچے گا۔

قبل اس کے کہ میں خشک سالی صورت حال کے جائزہ کا کام ختم کروں میں ان کمیٹیوں کی جو خشک سالی امداد کے کام کے لئے مختلف سطحوں پر قائم کی گئی ہیں اچھی کارگزاری کا ذکر کرنا چاہتا ہوں میں اس بات کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ آبپاشی کے پانی کی اور غذائی اجناس کی منتظم طور پر تقسیم کے لئے مقامی لوگوں سے مل جل کر پنچایتوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ مئی ۱۹۸۳ء میں انتخابات کے بعد پنچایتوں کے موجودہ ممبروں کی میعاد ختم ہو جائے گی۔ بلاشبہ تشفی کے ساتھ گزشتہ پانچ برسوں کی کارگزاریوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ میں اس اسمبلی کے تمام ممبروں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کرنے میں میرا ساتھ دیں۔

اب ہمیں آنے والی برسات کا انتظار ہے ہمیں امید ہے کہ گزشتہ دو برسوں کی دشواریاں دور ہو جائیں گی اور مغربی بنگال کے کسان اور عوام ایک اچھے سال کی امید رکھ سکتے ہیں۔

مغربی بنگال کے لئے ۸۴-۱۹۸۳ء کا سالانہ منصوبہ بندی میں اخراجات کا تخمینہ ۵۴۳ کروڑ روپے رکھا گیا ہے یعنی موجودہ سال کے منصوبہ کے اخراجات کے تخمینے سے دس فیصد زیادہ لیکن اس سے ہماری کم سے کم ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔ بہرحال ہمیں مزید ۳۸ر۶۴ کروڑ روپئے کی امداد بھی ضرورت ہوگی۔ زراعت و چھوٹی آبپاشی، امداد باہمی، ماہی گیری، جنگلات، تعلیم، دیہی اور چھوٹی صنعت، کاروبار و صنعت، صحت عامہ و خاندانی رفاہ، میونسپل ترقیات، مکانات کی تعمیر اور شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی رفاہ کے لئے منصوبہ کے تحت مخصوص رقوم میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

خشک سالی سے متاثر لوگوں کی مدد کے کام کو جاری رکھنے کے لئے ہم لوگوں نے مزید ۹۴ر۵۸ کروڑ روپیے کی مانگ کی ہے حکومت ہند کی منظوری حاصل کرنے کے بعد زراعت اور کاشتکاری کے لئے منصوبہ کے تحت مخصوص رقوم میں اضافہ کر دیا جائے گا۔

عزت مآب ممبروں کو یہ معلوم کر کے خوشی حاصل ہوگی کہ ۸۳-۸۲ء میں ریاستی منصوبہ میں مجموعی اخراجات کا تخمینہ ۵۶ کروڑ روپئے سے کچھ زیادہ ہے اس میں خشک سالی امداد کے لئے منصوبہ کے تحت اسکیموں کے لئے فاضل اخراجات شامل ہیں۔ معاون منصوبہ پر خرچ کا تخمینہ تقریباً ۴۷ کروڑ روپیہ ہے۔ اب میں چند شعبوں کی کارگزاریوں کا ذکر کروں گا۔

۸۴-۸۳ء کے لئے تعلیمی بجٹ ۱۴۸ کروڑ روپئے کی ہوگی۔ حالانکہ ۸۳-۸۲ء کے لئے نظر ثانی کردہ تخمینہ ۳۸۵ کروڑ روپئے کا تھا ۸۳-۸۲ء کے آخر میں چھ تا دس سال کے تقریباً ۹۳ فیصد بچے یعنی ۷۲ لاکھ بچوں کا نام پرائمری اسکولوں میں درج کر دیا جائے گا۔ ۸۰-۷۹ء میں ایسے بچوں کی تعداد ۶۴ لاکھ تھی یعنی ۸۵ فیصد۔ اس کے ساتھ ہی ان بچوں کی جنہیں ابھی تک رسمی اسکول تعلیم کے تحت نہیں لایا گیا، جز وقتی وقت کے لئے غیر رسمی تعلیم اسکیم کے تحت تعلیم کے لئے اور بھی موثر اقدامات کئے گئے ہیں اس اسکیم کے تحت ۸۰-۷۹ء میں ۴۶ ہزار بچوں کی جگہ ۸۳-۸۲ء میں ...۱۶ بچوں کو لایا گیا ہے۔ تغذیہ پروگرام سے پرائمری اسکولوں کے ۲۶ لاکھ بچے مستفید ہو رہے ہیں بالغوں کی تعلیم کے میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے ۸۰-۷۹ء میں ۸۵ ہزار کی جگہ اب چار لاکھ بالغوں کو تعلیم دینے کی سہولتیں فراہم ہیں۔

میں یہاں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلباء کی طرف دی جانے والی خصوصی توجہ کا ذکر کروں گا۔ سال رواں میں قبائلی بچوں کی تعلیم کے لئے ۱۴۶ پرائمری اسکول کھولے گئے اس طرح گزشتہ ۴ برسوں میں اس طرح کے کل ۸۵۴ اسکول قائم کئے گئے مختلف وظیفہ اسکیموں سے ثانوی اور بعد از ثانوی درجوں میں ...۳۸ طلباء مستفید ہو رہے ہیں

سال رواں میں ۲۰ جونیئر ہائر اسکول اور ۱۹ ہائر سکنڈری اسکول قائم کئے گئے۔ ۹ تا چودہ سال کے بچوں کے لئے جو پڑھنا لکھنا جاری نہ رکھ سکیں ۲... غیر رسمی تعلیمی مراکز کھولنے کی اسکیم زیر غور ہے۔ بنگال انجینئرنگ کالج میں کمپیوٹر سائنس اور ٹکنالوجی میں نیا چار سالہ ڈگری کورس شروع کر دیا گیا ہے ہلدیہ میں تقریباً ایک کروڑ روپئے خرچ کر کے سال رواں میں سرکاری کالج قائم کرنے کی منظوری بھی دی گئی۔

شہری سیکٹر میں عالمی بنک نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا ہے

کو دوسرے کلکتہ شہری ترقیاتی پروجیکٹ کی تسلی بخش طور پر تکمیل کے بعد کلکتہ شہری ترقیاتی منصوبہ کے لئے ۳۲۲ کروڑ روپے کے شہری ترقیاتی پروجیکٹ کی تائید کریگا اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس تیسرے پروجیکٹ سے تقریباً ۶۰ لاکھ لوگ مستفید ہونگے ان میں سے ۴۰ فیصد سے زیادہ لوگ سماج کے معاشی لحاظ سے کمزور طبقے کے لوگ ہونگے۔

عزت مآب ممبران کو یہ جان کر بڑی خوشی حاصل ہوگی کہ آنے والے سال میں میونسپل ترقی کے لئے ۵ کروڑ کی جگہ ۵۴ر۱۱ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

کلکتہ شہری ٹرانسپورٹ پروجیکٹ کی تکمیل کا کام تسلی بخش طور پر جاری ہے۔ ۲۱۳ سنگل ڈیکر بسیں اور ۱۱۱ ڈبل ڈیکر بسیں، یہ تمام بسیں اب سڑکوں پر آمد و رفت کر رہی ہیں۔ نیز ۲۶ سنگل ڈیکر اور ۱۷۰ ڈبل ڈیکر بسیں بہت جلد فراہم کی جائیں گی۔ کلکتہ میں ۵۰ نئی ٹرام گاڑیوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۶۰ ٹرام گاڑیاں از سر نو تیار کی جائیں گی۔ اس پروجیکٹ کے تحت موجودہ مالی سال کے آخر تک ۱۴ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ اس پروجیکٹ کے تحت ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۳۵ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے

اس ریاست میں صنعتی تعلقات کی صورت حال کافی اچھی اور تسلی بخش رہی۔ اس سال ایک اہم کارنامہ یہ ہوا کہ پاٹ صنعت میں مالک اور مزدوروں کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا اور اس طرح ۱۳ بند پاٹ ملیں پھر سے کھل گئے اور ۵۵۰۰۰ مزدور پھر اپنے کام کاج میں مشغول ہوگئے۔ ۸۰ ملوں میں، جہاں ۲۵۰۰۰ مزدور کام کرتے ہیں مصالحتی بات چیت جاری ہے۔ صنعتی مزدوروں کے لئے سال رواں میں مزید چھ اور دس شفاخانے کھولے گئے اور بینڈل اور مانک تلہ میں ای ایس آئی ہسپتالوں میں مزید ۲۰ بستروں کا اضافہ کر دیا گیا

اس ریاست میں صنعتی اداروں کے کام کی رفتار میں کچھ تیزی آئی ہے سالٹ لیک میں ویبل ایک نیا یونٹ قائم کر رہا ہے۔ یہاں الیکٹرونکس کے لئے صنعتی ادارے قائم کئے جائیں گے۔ اس ریاست میں کلیانی ایک اہم صنعتی یونٹ کی حیثیت سے ترقی کر رہا ہے۔ ٹنگسٹن فلامنٹ کارخانہ حال ہی میں چالو ہو گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ سال کے دوران مالیک این ہائیڈرائیڈ تیار کرنے کا پروجیکٹ بھی چالو ہو جائے گا۔ فائزر اور ہندوستانی تیل کارپوریشن بھی کلیانی میں اپنا اپنا یونٹ قائم کر رہے ہیں۔ اس علاقہ کی مزید ترقی کے لئے حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ندیا ضلع میں ایک نیا سب ڈویژن قائم کیا جائے جس کا ہیڈ کوارٹر کلیانی ہوگا۔

بجلی کا مسئلہ ۸۳-۱۹۸۲ء تک بہت حد تک حل ہو جائے گا۔ ریاستی بجلی بورڈ کے تحت حال ہی میں بنڈیل میں ۲۱۰ میگا واٹ یونٹ چالو کر دیا گیا ہے امید کی جاتی ہے کہ کولا گھاٹ اسٹیشن کا پہلا ۲۱۰ میگا واٹ یونٹ چالو ہو جائے گا ۱۹۸۲ء میں درگاپور پروجیکٹس لمیٹڈ کا VI یونٹ چالو ہو جائے گا مارچ ۱۹۸۲ء کے آخر تک کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے ۶۰ میگا واٹ والے تین یونٹ چالو ہو جائیں گے۔ نیز جلڈھاکہ ہائیڈل اسٹیج II کے ۸ میگا واٹ یونٹ کی تعمیر کا کام مکمل ہونے کے قریب ہے۔ کولا گھاٹ کے دوسرے اور تیسرے یونٹ اور رمام ہائیڈل اسٹیج II کی تعمیر کا کام جاری ہے

تیستا بیراج پروجیکٹ کے پہلے اسٹیج کی تعمیر کا کام جاری ہے اس سال اس کام کے لئے ۲۳ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے امید کی جاتی ہے کہ ۱۹۸۲ء کے آخر سے اس بیراج سے آبپاشی کے لئے پانی سپلائی کیا جا سکے گا۔

سال رواں میں ریاستی منصوبہ کے تحت جو رقم منظور کی گئی ہے اس کے علاوہ گزشتہ سال کے طوفان سے متاثر ہونے والے پشتوں کے لئے ۵٫۵۰ کروڑ روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ نیز امداد کی رقم سے بڑی آبپاشی اور سیلاب کنٹرول اسکیموں کے لئے دس کروڑ روپے مختص کئے گئے۔

سال رواں میں تین بڑے پل تعمیر کئے گئے اور انہیں ٹرافک کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ وہ پل یہ ہیں۔ نرگھاٹ میں متنگنی سیتو، جو کلکتہ کو دیگھا سے ملاتا ہے قبائلی علاقہ میں سیدھو۔ کانو برسا سیتو، جو مغربی بنگال کو بہار اور اڑیسہ سے ملاتا ہے اور بھاگیرتی ندی پر نوادیپ میں گورنگا سیتو۔

دوسرے کلکتہ شہری ترقیاتی پروجیکٹ کے تحت پانی کی سپلائی کی گئی اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ اب اس پروجیکٹ کے تحت اس ریاست کے مضافاتی اور شہری علاقوں میں بہت ساری اسکیموں پر عمل درآمد ہو رہا ہے چھٹے منصوبہ کے پہلے تین برسوں میں مضافاتی علاقوں کے لئے کم از کم ضرورت پروگرام کے تحت ۹ء۳ کروڑ روپے خرچ کئے گئے دیہی علاقوں میں بذریعہ پائپ پانی کی سپلائی کی ۲۰۸ اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ اور اب اس طرح کی ۲۰۰ سے زیادہ اسکیمیں زیر تکمیل ہیں۔ سخت چٹان والے علاقوں میں ۹۰۰ سے زیادہ بہت ہی مضبوط ٹیوب ویل نصب کئے گئے۔ ۲۴ میونسپل پانی سپلائی اسکیمیں زیر تکمیل ہیں۔

صحت عامہ اور خاندانی رفاہ کے شعبہ میں ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران

ہسپتالوں میں مزید ۱۰۰۰ نئے بستروں کا اضافہ ہوگا۔ ان میں ۵۰۰ بستر مضافاتی علاقوں میں واقع ہسپتالوں میں ہوں گے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء کے لئے ۱۳۰۰ بستروں کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے ان میں ۴۰۰ بستر دیہی علاقوں میں ہوں گے۔ سال رواں میں چار غیر سرکاری طبیہ اداروں اور دو ہومیوپیتھک کالجوں کو حکومت کے زیر انتظام لایا گیا۔

اصلاحات آراضی کے سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء تک ۵۷۰۰۰۰ ایکڑ قطعات آراضی کو، جن کی ملکیت حکومت کو حاصل ہو گئی تھی، بے زمین اور غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ مستفید ہونے والوں کی کل تعداد ۱۴۱۸۳۰۳ تھی جس میں ۵۲۹۳۰۰ افراد شیڈولڈ طبقہ ۲۷۳۰۰۰ شیڈولڈ ٹرائب طبقہ کے تھے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء میں ۱۲۰۶۵۰۰ برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کئے گئے۔ برگداروں اور سرکاری قطعات آراضی پانے والوں کو مالیاتی اداروں سے کھیتی باڑی کے لئے مالی سہولتیں فراہم کی گئیں ۱۹۸۲ء کے صرف خریف کے موسم میں ۲۰۴۰۰۰ کسان اس اسکیم سے مستفید ہوئے۔ ہماری امدادی اسکیموں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کے ۲ لاکھ برگداروں اور پٹہ داروں کو خریف اور ربیع کے لئے مالیاتی اداروں سے مالی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ نیز زرعی مزدوروں، کاریگروں اور ماہی گیروں کی رہائش کے سلسلہ میں قطعات آراضی کی حصولیابی سے متعلق ایکٹ کی رو سے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء تک ۱۴۷۰۰۰ افراد کو رہائشی مکانات تعمیر کرنے کے لئے قطعات آراضی دیئے گئے۔ ان میں سے ۶۱۰۰۰ شیڈولڈ کاسٹ اور ۲۸۷۰۰ شیڈولڈ ٹرائب فرقوں سے وابستہ ہیں۔

ہمیں معیشت میں بہتری لانے کے کام میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوتی اگر ہمارے مغربی بنگال اصلاحات آراضی (ترمیمی) بل ۱۹۸۱ء کو صدر ہند کی منظوری حاصل ہو جاتی۔ اس بل کو ریاستی اسمبلی نے تین سال پہلے منظور کیا تھا کیوں کہ اس قانون کے تحت ہم تقسیم کرنے کے لئے کافی تعداد میں قطعات آراضی حاصل کر سکتے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس بل کو صدر کی منظوری بہت ہی جلد حاصل ہو جائیگی۔

اب میں آپ کی توجہ چند اور پروگراموں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارے لئے یہ پروگرام کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس ریاست میں جامع ترقیاتی پروگرام کو، جسے پہلے ۱۶۳ بلاکوں میں رائج کیا گیا تھا اب ۳۳۵ بلاکوں میں رائج کر دیا گیا ہے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ہر بلاک میں ۶۰۰ خاندانوں کی مدد کرنے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔

۸۴-۱۹۸۳ء میں قومی دیہی روزگار پروگرام کے لئے ۲۸ کروڑ روپے کے اخراجات کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ پنچایتی راج کے اداروں سے کہا گیا ہے کہ وہ اس رقم کی ۱۰ فیصد رقم الگ کر لیں اور اسے خاص طور پر ایسے پروگراموں کی تکمیل کے کام پر صرف کریں جن میں براہ راست شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ نیز ان اداروں سے کہا گیا ہے کہ وہ مزید ۱۰ فیصد رقم سماجی جنگلات اسکیموں پر خرچ کریں۔ اس سال سے گرام پنچایتوں کے ساتھ ساتھ ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیاں بھی ان پروگراموں کو روبہ عمل لا رہی ہیں۔

ضلع دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں، شمالی بنگال کے ضلعوں، جھارگرام کے علاقہ، ضلع مدناپور میں دیگھا اور سندربن کے علاقوں کی ترقی کے لئے ترقیاتی اقدامات اور بھی تیزی سے بروئے عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت نے ریاستی بجٹ میں کافی گنجائش رکھی ہے۔ ۳۲ کروڑ روپئے کے سندربن ترقیاتی پروجیکٹ کی تکمیل کا کام تیزی سے جاری ہے۔

اب میں چند اعداد و شمار پیش کروں گا ۸۳-۱۹۸۲ء کے لئے نظرثانی کردہ تخمینہ کے مطابق محاصل اخراجات ۱۶۸۶ کروڑ روپئے اور محاصل آمدنی ۱۴۲۱ کروڑ روپے ہوں گے اس طرح ۲۶۵ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ محاصل سے باہر دیگر مدوں کے تحت ایک تخمینہ کے مطابق فاضل باقی ۲۰۵ کروڑ روپئے ہوگا۔ اس طرح اس سال ۶۰ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔

اور بھی ۵۹ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی اور اس کی کیا وجہ ہے اس کا میں مختصر طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں مرکزی محاصل میں کمی کی وجہ سے مرکزی ٹیکس کی تفویض میں ۱۰ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ سیلس ٹیکس اور چھوٹی بچت کے تحت جتنی رقوم حاصل کرنے کا اندازہ لگایا گیا تھا اس سے ۷ کروڑ روپئے کم ہمیں حاصل ہوں گے ان دونوں مدوں میں محاصل میں کل ۱۷ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ اخراجات کی مد میں ہم لوگوں نے قومی دیہی روزگار پروگرام کے لئے مزید ۱۱ کروڑ روپئے، خشک سالی کے سلسلہ میں اخراجات کے لئے مزید ۵ کروڑ، شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی رفاہ کے لئے مزید ایک کروڑ روپے اور مہنگائی بھتہ کے لئے مزید ۱۲ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی۔ پنشن کے تحت مزید ۱۴ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی۔ پنچایت انتخابات کے لئے ۲.۵ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے دیگر مدوں کے لئے بھی مزید ۵.۵۰ کروڑ روپئے مختص کئے گئے ہیں اس طرح اخراجات میں کل ۴۲ کروڑ روپئے کا اضافہ ہوگا اس کے ساتھ ہی ہم لوگوں نے مختلف شعبوں سے کہا ہے کہ اپنے اخراجات میں انتہائی حد تک کفایت شعاری

سے لام لیں اور ہمیں امید ہے آخری تجزیہ میں بجٹ میں کمی کم ہوگی۔

۷۳-۱۹۷۲ء میں ایک تخمینہ کے مطابق محاصل اخراجات ۲۱۶ کروڑ روپے ہوں گے اور محاصل آمدنی ۱۵۲.۰ کروڑ روپئے۔ محاصل میں اس طرح ۱۹۶ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ محاصل سے باہر دیگر مدوں میں کل ۱۰۰ کروڑ روپے کی بچت ہوگی ٹیکس کی موجودہ سطحوں کے مطابق کمی ۹۶ کروڑ روپئے ہوگی۔ اس طرح اس خلیج کو پاٹنے کے لئے مزید وسائل کو یکجا کرنے کی اہم ضرورت ہے۔

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ ریاستوں کے لئے وسائل اکٹھا کرنا بہت ہی دشوار اور مشکل ہے دستور سازوں نے ریاستوں کو جو اختیارات دیئے انہیں بھی مرکزی حکومت آہستہ آہستہ چھین لے رہی ہے اس سال بھی مرکزی حکومت نے ریاستوں کے درمیان تقسیم کی جانے والی ٹیکس سے حاصل کردہ رقوم میں کمی کر دی ہے کیوں کہ اس نے آمدنی ٹیکس کی شرحوں میں مراعات دی ہیں۔ لیکن اس نے سرچارج کی شرحوں میں اضافہ کر دیا اور سرچارج سے حاصل کردہ رقوم پر صرف مرکز کا ہی حق ہوتا ہے۔ گزشتہ تین برسوں میں نئے ٹیکس کے جو اقدامات کئے گئے ہیں، ان کے تحت اس سال ۱۴۲۱ کروڑ روپئے وصول ہوں گے لیکن ان میں سے صرف ۱۰۸ کروڑ روپئے فی الحال ریاستوں کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے۔

گزشتہ تین برسوں میں وقتاً فوقتاً من مانی طور پر انتظامی قیمتوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس اضافہ سے مرکزی حکومت کو سالانہ ۳۰۰۰ کروڑ روپئے ملتے ہیں۔ دوسری طرف ریاستوں کو بڑھتے ہوئے اخراجات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس طرح ان کے لئے مزید وسائل اکٹھا کرنے کا کام لازمی بن جاتا ہے۔ مزید برآں مساوی کرایہ کے نہ ہونے کی وجہ سے مشرقی علاقوں کو ان کے قدرتی فوائد سے دور رکھا جاتا ہے اور اس سے ان کی حسب معمول صنعتی ترقی بری طرح متاثر ہوتی ہے اور اس کا اثر ٹیکس کی بنیاد پر بھی پڑتا ہے۔ اعلان کردہ چیزوں اور برآمد کی جانے والی چیزوں پر سیلس ٹیکس عائد کرنے کی ایک حد مقرر کر دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے مشرقی ریاستیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔

ان تمام رکاوٹوں کے پیش نظر ہمارے محاصل میں اضافہ ہونے کے امکانات کم ہوگئے ہیں۔ اس کے باوجود ان نئے ٹیکسوں کا، جن کا ذکر اب میں کروں گا، لوگوں کی روزمرہ کی زندگی پر کم سے کم اثر پڑے گا

میری تجویز یہ ہے کہ جب تفویض کی بنیاد پر تیار کردہ چیزیں اس ریاست کے باہر بھیجی جائیں تو ضروری خام اشیاء پر خریداری ٹیکس ۲ فیصد سے بڑھا کر تین فیصد کردی جائے۔ اس اقدام سے پورے سال میں ایک اندازہ کے مطابق دو کروڑ روپئے بطور محاصل وصول ہوں گے۔

میری ایک تجویز یہ بھی ہے کہ کھلی کے تیل پر سیلس ٹیکس کی شرح میں اضافہ کردیا جائے جب یہ تیل کارخانہ داروں کو فروخت کیا جائے تو دو فیصد اور دیگر افراد کے پاس فروخت کیا جائے تو ۴ فیصد سیلس ٹیکس عاید کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مغربی بنگال موٹر اسپرٹ سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۴۱ء میں حسب ضرورت ترمیم لائی جائے گی۔ اس اقدام سے پورے سال میں ایک کروڑ روپئے بطور محاصل حاصل ہونے کی امید ہے۔

میری تجویز یہ کہ موٹر گاڑیوں کے ڈرائی سیل بیٹری، لینولیم اور پی وی سی ٹائیلس، ماچس، ٹائر اور ٹیوب، مشین کے پرزوں اور دیگر ضروری مشین کے پرزوں پر، جب انہیں کارخانہ داروں کو فروخت نہ کیا جائے، سیلس ٹیکس کی شرح میں ایک فی صد کا اور مشین کے تیل اور گریس پر دو فیصد کا اضافہ کردیا جائے۔ اس ریاست کے سیلس ٹیکس قوانین کے تحت رجسٹرڈ کارخانہ داروں اور بجلی سپلائی کرنے والے ادارے ٹیکس کی رعایتی شرح پر مشین کا تیل اور گریس خرید سکیں گے اس سلسلہ میں مغربی بنگال سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۴ء کے تحت حسب ضرورت اعلانیہ جاری کردیا جائے گا۔

گجرات اور اترپردیش کی ریاستی حکومتیں ہتھ کرگھے کے کپڑوں پر ٹیکس عائد کرچکی ہیں۔ عزت مآب ممبروں کو یہ بات معلوم ہے کہ ملوں میں تیار کردہ کپڑوں سے مختلف اقسام کے نازک اور مہین ہینڈلوم کپڑے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ مختلف اقسام کے قیمتی ہینڈلوم کپڑوں میں، جن کی قیمت فی میٹر ۱۰ روپئے سے زیادہ ہوگی، ۲ فیصد سیلس ٹیکس عائد کیا جائے۔ ان تبدیلیوں سے سالانہ ۵۰ر۳ کروڑ روپے حاصل ہوں گے۔

میونسپلٹیوں کے لئے مزید وسائل فراہم کرنے کے پیش نظر میری تجویز یہ ہے کہ انٹری ٹیکس ایکٹ ۱۹۷۲ء کے تحت، انٹری ٹیکس کی شرح میں اضافہ کردیا جائے۔ میری تجویز یہ ہے کہ میتھائی لیٹڈ اسپرٹ اور الکوحل، جو صنعتوں میں استعمال کیا جاتا ہے، پر فی لیٹر ۵ پیسے ٹیکس عائد کردیئے جائیں۔

میری ایک تجویز یہ ہے کہ مغربی بنگال ریاستی بجٹ کے تحت پیشہ، تجارت روزگار ایکٹ ۱۹۷۹ء کی رو سے تنخواہ پانے والے چند درجوں کے ملازمین اور دیگر پیشہ میں برسر روزگاروں کے لئے ٹیکس کی شرح میں ازسر نو تبدیلی لائی جائے تنخواہ پانے والے ملازمین کے لئے ۱۰۰۱ تا ۱۲۵۰ روپئے، ۱۲۵۱ تا ۱۵۰۰ روپئے

اور ۱۵۰۱ تا ۲۰۰۰ روپے تنخواہ پانے والوں پر ماہانہ ٹیکس میں علی الترتیب ایک، دو اور تین روپے کا اضافہ کر دیا جائے۔ وکیل ڈاکٹر وغیرہ جیسے آمدنی ٹیکس ادا کرنے والے پیشہ ور لوگوں پر پیشہ ٹیکس کی شرح کو فی سال ۲۰۰ روپے سے بڑھا کر ۲۵۰ روپے کر دینے کی تجویز ہے۔

ہم لوگ حکومت ہند سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ ریاستوں کو کوئلہ پر مالیت کے حساب سے رائیلٹی (ٹیکس) دے لیکن ابھی تک ہماری تجویز کے سلسلے میں مرکز کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ حال ہی میں مرکزی بجٹ سیشن کے آغاز سے کچھ قبل مرکز نے کوئلہ کانوں کے تحفظ اور ترقی ایکٹ ۱۹۷۴ء کے تحت لیوی (ٹیکس) میں اضافہ کر دیا ہے اس لیوی میں اضافہ سے کبھی ہمیں کچھ نہیں ملے گا اس لئے ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ مغربی بنگال دیہی روزگار و پیداوار ایکٹ ۱۹۷۶ء کے تحت ٹیکس کی شرح کو بڑھا کر ۱۵ روپئے فی ٹن کر دیا جائے۔

بڑے بڑے تاجروں کو مجموعی فروخت پر ٹیکس دینے کا سلسلہ یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے رائج کیا گیا اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ کاروباری ٹیکس کے اس بوجھ کو صارفین پر نہیں لاد دیں گے۔ کئی ایک کاروباریوں نے اس سلسلے میں عدالت سے رجوع کی حالانکہ ہمارے اقدام کی تائید میں سپریم کورٹ کے کئی فیصلے ہیں اس کے باوجود ہمیں اس بات کی خبر ملی ہے کہ کاروباری اپنے ٹیکس کی رقم قیمتوں میں اضافہ کر کے بلا واسطہ وصول کر رہے ہیں اس صورت حال کا ہم کڑی نگرانی کر رہے ہیں۔ میں ایوان کو اس بات کا یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ میری حکومت اگر ضروری ہوئی تو محاصل کے ان ذرائع کی حفاظت کے لئے مناسب قانون مرتب کرے گی۔

اب ٹیکس کی رعایتوں کا ذکر کروں گا۔ ہم لوگوں نے زندگی بچانے والی ادویہ کو سیلس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ چائے باغات کی مدد کرنے کے لئے تاکہ وہ اپنا کام کاج بحسن و خوبی جاری رکھ سکیں اور باغات کے مزدوروں کو بے روزگاری کا سامنا نہ کرنا پڑے میں مندرجہ ذیل مراعات کی تجویز پیش کرتا ہوں۔ ایک سال میں ایک باغ کے لئے ایک لاکھ کیلو گرام چائے یا ۱½ لاکھ گرام چائے کی پتیوں کو سیلس ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اس اقدام سے محاصل میں سال میں تقریباً ایک کروڑ روپے کی کمی ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ اس اقدام سے چائے صنعت کو جو فائدہ ہوگا اس سے چائے صنعت کے انتظامیہ کے ذریعہ چائے مزدور بھی مستفید ہوں گے

میری تجویز یہ ہے کہ نہ زنگ لگنے والے اسپات کی ہانڈیوں اور برتنوں میں ٹیکس کی شرح کو کم کر کے ۴ فیصد کر دی جائے۔ میری تجویز یہ ہے کہ سائیکل رکشا اور اس کے کل پرزوں پر بین الریاستی سیلس ٹیکس کی شرح کم کر کے ایک فیصد کر دی جائے۔

ہم لوگوں نے کلکتہ کے سالٹ لیک کے علاقہ میں الکٹرانکس کارخانوں کے قیام کے سلسلے میں حکومت ہند کے پاس اپنی تجویز داخل کی تھی لیکن ابھی تک ہمیں کوئی جواب نہیں ملا۔ بہرحال الیکٹرانکس صنعت کی ترقی کے لئے ہم لوگ ریاستی حکومت کے اداروں اور مقامی اداروں کے ذریعہ اقدامات کر رہے ہیں اس ریاست میں ٹیلی ویژن ۱۹۷۵ء سے شروع ہوا اور مقامی الیکٹرانکس صنعت کی تائید کے لئے اس ریاست میں تیار کردہ ٹیلی ویژن سیٹس کو ۳ اگست ۱۹۷۸ء تک یعنی ۳ سال کے لئے تیار کرنے والے کاروباریوں کے ہاتھوں سیلس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا سارے ملک میں رنگین ٹیلی ویژن ۱۹۸۲ء سے شروع ہوا اس لئے میری تجویز ہے کہ یکم اپریل ۱۹۸۳ء سے تین برسوں تک رنگین ٹیلی ویژن اور متعلقہ الیکٹرانکس پرزوں اور سامان کو سیلس ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے

نئے سینما گھروں کی تعمیر کی ہمت افزائی کرنے کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ ایک نیا مستقل سینما گھر تفریحی ٹیکس اور رنگ سرچارج کے تحت جو رقم حاصل کرے انہیں ایک سال کے لئے اس سینما گھر کو بطور امداد یا عطیہ واپس دیا جائے تاکہ سینما کے مالک تعمیراتی اخراجات کا کچھ حصہ پورا کر سکے یہ اسکیم تین برسوں تک رائج العمل رہے گی۔ بنگلہ اور نیپالی زبانوں میں فلم تیار کرنے کی ہمت افزائی کرنے کے لئے ایسی فلموں کی نمائش پر تفریحی ٹیکس اور رنگ سرچارج کی شرحیں تمام فلموں کی نمائش کے لئے لئے جانے والے ٹیکس کی شرحوں کی تین چوتھائی کے برابر ہوں۔ اس سلسلے میں بنگال تفریحی ٹیکس ایکٹ ۱۹۲۲ء میں حسب ضرورت ترمیم لائی جائے گی

فی الحال موسیقی کے جلسوں، ڈرامہ اور اسپورٹس وغیرہ کے لئے جہاں داخلہ ٹکٹ کی نمائش ۱۵ روپئے سے زیادہ ہوتا ہے تفریحی ٹیکس واجب الادا ہوتا ہے۔ آرٹسٹوں، اسپورٹس مینوں اور موسیقی، ڈرامہ اور اسپورٹس کے شیدائیوں کے مفاد کی خاطر میری تجویز یہ کہ ایسی نمائشوں کو ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے ان رعایتوں کی وجہ سے تفریحی ٹیکس میں سال میں ۲ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔

میں نے جن تبدیلیوں کا ذکر کیا ان کی وجہ سے ریاستی حکومت کو کل
ایک سال میں ۲۵ء۶۹ کروڑ روپئے بطور فاضل حاصل ہوں گے امید کی جاتی
ہے کہ سال رواں میں اس مد کے تحت ۱۶ء ۲۸ کروڑ روپئے حاصل ہوں گے ان
اضافات سے روکڑ باقی کم ہوکر ۲،۷۰ کروڑ روپئے ہو جائے گی۔

اختتام سے قبل میں ایک بار پھر مرکز۔ ریاست مالیاتی تعلقات
سے متعلق چند امور کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ خشک سالی اور صنعتی مندہ بازاری
کے علاوہ آئی ایم ایف کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کے مطابق مرکزی حکومت
جن پالیسیوں کو روبہ عمل لا رہی ہے ان سے مسائل اور بھی الجھ گئے ہیں۔ اگر
ان کے نتیجہ میں ہمارے ملک کے عوام بری طرح متاثر ہوں تو یہ نہ صرف ہمارا فرض
ہے کہ ہم اس بات کا ذکر کریں بلکہ اس بات پر زور دیں کہ ایسے اہم معاملات میں
ریاستوں کو بھی اعتماد میں لینا چاہئے ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ اس بات
کا ذکر کرنا پڑتا ہے کہ اندرون ملک ریاستی حکومتیں کس حد تک قرض لے سکتی
ہیں اس پر غور و خوض کرنے سے مرکزی حکومت برابر انکار کرتی جا رہی ہے
نیز مرکزی حکومت نے اوور ڈرافٹ (بنک کے قرض) کے مسئلہ کو بھی اس
طریقے سے حل نہیں کیا جس سے ریاستوں کو ان کے مالی امور میں مدد ملے اور
ان کے ترقیاتی کام کاج میں برا اثر نہ پڑے میری یہ پرزور اپیل ہے کہ مرکز۔
ریاست مالی تعلقات پر از سر نو طور پر غور کیا جائے ایسے بھی چند امور ہیں
جن کا تعلق خاص طور پر ہماری ریاست سے ہے جیسا کہ میں نے گزشتہ سال ذکر
کیا تھا اس ریاست میں کئی بڑے صنعتی پروجیکٹوں کے قیام کے لئے تجویز دی
گو اب بھی مرکزی حکومت کی رضامندی نہیں ملی ہے مجھے امید ہے کہ سال رواں میں ایسے اہم
امور کی بابت مرکزی حکومت کی رضامندی ہمیں حاصل ہو جائے گی یہاں میں ایک اور مسئلے
کا ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ مسئلہ ہے لاکھوں لاکھ بے گھر لوگوں کا۔ شری سمر مکھرجی
ایم پی کے زیر صدارت مرکزی حکومت کی کمیٹی نے بے گھروں کی آبادکاری کے لئے ۷۵
کروڑ روپئے دینے کی سفارش کی تھی اب بھی یہ مسئلہ حکومت ہند کے زیر غور ہے

میں نے گزشتہ سال اپنی بجٹ تقریر میں اس بات کا ذکر کیا تھا
کہ آنے والے دو سال ہمارے لئے بہت ہی کٹھن سال ہوں گے پہلا سال تو
گذر گیا اور چند مشکلات سے پر سال میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی اس
سے ہمارے اندر اعتماد پیدا ہوا، ہمت پیدا ہوئی کہ ہم مستقبل کا مقابلہ کریں
ہم اس بات سے واقف ہیں کہ ہمیں اس ریاست کے عوام کی تائید حاصل ہے
[illegible]

سرکاری خبریں

ہومیوپیتھک ہسپتال کو عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے پرتاب چندر میموریل ہومیوپیتھک
ہسپتال اور کالج، کلکتہ کو سنہ ۸۲-۸۳ء میں اپنے اخراجات برداشت
کرنے کے لئے ۱۶۶۰۶۰ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی۔

مزدوروں کے لئے بہتر سہولتیں

ترقیاتی و منصوبہ بندی شعبہ، پہاڑی امور شاخ، دارجلنگ
نے ضلع دارجلنگ کے منگپو، منگوبنگ، لتپنچار اور رانگو میں سنکونہ
اور جڑی بوٹیوں کے باغات کے مزدوروں کے رہائشی علاقوں میں پینے
کے پانی کی سپلائی اور صحت عامہ کی ضروری سہولتیں فراہم کرنے
کے لئے ۵۵ء۳ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

مٹابرج سیوا سدن کو عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے مٹابرج سیوا سدن کلکتہ کو اخراجات
برداشت کرنے کے لئے ۵ ہزار روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی
ہے۔

منصور صدیقی بندھولوی



رومان سے انقلاب تک

ترقی پسند ادبی تحریک نے بے شمار فنکاروں کو جنم دیا۔ لیکن چند ہی فنکار ایسے ہوتے جو ترقی پسند تحریک کے زوال کے بعد بھی اس آب و تاب سے زندہ رہے اور اب تک زندہ ہیں۔ ورنہ بیشتر ادیب تو ترقی پسند تحریک کے ساتھ ہی پردۂ گمنامی میں چلے گئے اور آج ان کا نام لینے والا بھی نہیں ملتا۔ وہ پھوس کی آگ کی طرح بھڑکے اور بجھ کے رہ گئے۔

البتہ وہ ترقی پسند ادیب و شاعر جن کا نام آج بھی ادب و احترام سے لیا جاتا ہے ان میں فیض، فراق، سردار جعفری، پرویز شاہدی اور مخدوم جیسے باکمال شاعر بھی ہیں اور خواجہ احمد عباس، سہیل عظیم آبادی، علی عباس حسینی، احمد ندیم قاسمی، اختر انصاری اور کرشن چندر جیسے افسانہ نگار بھی ہیں اور سجاد ظہیر، مجنوں گورکھپوری، آل احمد سرور، احتشام حسین، سردار جعفری، محمد حسن اور قمر رئیس جیسے نقاد بھی۔ لیکن اس وقت میرے بحث کا موضوع مخدوم اور فقط مخدوم ہے۔

ایک زمانہ تھا جب سب سے بڑا ترقی پسند شاعر وہی کہلاتا تھا جس کی شاعری کا موضوع مزدور اور انقلاب ہوا کرتا تھا۔ خواہ فنی اعتبار سے اس کی حقیقت نعرہ بازی اور چیخ و پکار کی ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب انقلاب کا سورج طلوع ہوا تو ان کی شاعری شب کی سیاہی کی طرح زائل ہو گئی۔ البتہ وہ لوگ جو شبنم نہیں سادن کی گھٹا تھے وہ سورج کی تیز روشنی میں بھی چمکتے، گرجتے اور برستے رہے اور ان کی شاعری پہلے سے زیادہ حسین و خوبصورت لبادہ اوڑھ کر سامنے آتی رہی اور قاری کو نئی جہتوں، سمتوں اور قدروں سے روشناس کرتی رہی۔ اس طرح کے شعراء میں مخدوم اگر سرِ فہرست نہیں صفِ اول کے شاعر ضرور ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ مخدوم ایک ترقی پسند شاعر تھے لیکن مخدوم کی شاعری کو صرف ترقی پسند شاعری کہنا اور کسی مخصوص چوکھٹے میں فٹ کرنا مخدوم کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ میں یہ باتیں یونہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میرے اس دعوے کی دلیل خود مخدوم کے اشعار ہیں۔

اگر آپ مخدوم کے کلیات کا مطالعہ کریں تو اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی شاعری میں بیک وقت رومان کی چاشنی بھی ہے انقلاب کی گرمی بھی اور غزل کی مٹھاس اور شیرینی بھی۔ لیکن اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ کہاں سے رومانی ہے اور کہاں سے انقلابی۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی ابتدائی شاعری خالصتاً رومانی شاعری ہے اور رومانیت سے لبریز۔ مگر مخدوم کا رومان نہ صرف ترقی پسند شاعروں سے بلکہ اردو کے از اوّل تا حال تمام شعراء سے مختلف، نرالا اور انوکھا ہے۔ البتہ اس قسم کی رومانیت کی ہلکی سی جھلک ہمیں نظیر اکبرآبادی کے یہاں ضرور نظر آتی ہے۔ مگر نظیر کا محبوب تو صرف سولہ (۱۶) سال کی عمر میں سینکڑوں کا دل اپنے پاؤں تلے مسل دیتا ہے اور وہ اتنا ہرجائی ہے کہ کسی ایک کا ہو کے رہنا اسے پسند نہیں ؎

مجھے اس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا

دکھا کر اک طرف چلتا ہوا اور مجھ کو تڑپا پایا

✣

کبھی نظریں پھیلا دے اور کبھی سرکا دے پیلے آنچل
پڑا دُر کانوں میں جھلکے گلے میں سج دھج بیکل

✣

برخلاف اس کے مخدوم کا محبوب اتنا چھوئی موئی ہے کہ ذرا سا چھونے پر بھی اسے وہ پسینے میں نہا جاتا ہے ؎

جو چھو لیتا تھا میں اس کو نہا جاتا پسینے میں
تھے دو آتشہ کے سے مزے آتے تھے جینے میں

یہی وجہ ہے کہ ایسے عاشق و معشوق کو دیکھ کر خدا بھی مسکرا دیتا تھا ؎

نہ ماتھے پہ شکن ہوتی نہ جب تیور بدلتے تھے
خدا بھی مسکرا دیتا تھا جب ہم پیار کرتے تھے

یہ دراصل مخدوم کے محبوب اور اس کے پیار کا تقدس ہے جو خدا کو مسکرانے پہ آمادہ کرتا ہے۔ اور اس قسم کا پیار صرف مخدوم اور صرف مخدوم ہی کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ جو بچپنے سے پیار کو ترستا رہا، پیار کے اسرار و رموز اور اس کی حقیقت سے واقف تھے۔ پیار ان کے یہاں کہیں بھی ہوس کی حدود میں داخل نہیں ہوا ہے۔ پیار ان کے یہاں ایک ایسے آبگینے کی طرح نمودار ہوا ہے جو ذرا سی خراش بھی برداشت نہیں کر سکتا

چہروں کو کبھی شرم سے آنچل میں چھپانا
گہہ کھیلنا پانی سے جھینپ اپنی مٹانے

اور یہ جھینپ وہیں مٹائی جا سکتی ہے جہاں کی دھرتی اپنی سوندھی سوندھی خوشبوؤں کو اپنے آنچل میں چھپائے ہوئے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح دھرتی کسی غیر کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی اسی طرح دھرتی میں بسنے والا محبوب بھی کسی اجنبی کو برداشت نہیں کر سکتا ؎

پھرنے والی کھیت کی مینڈوں پہ بل کھاتی ہوئی
نرم و شیریں قہقہوں کے پھول برساتی ہوئی
کنگنوں سے کھیلتی اوروں سے شرماتی ہوئی
اجنبی کو دیکھ کر خاموش مت ہو گائے جا
ہاں تلنگن گائے جا بانکی تلنگن گائے جا
(تلنگنی)

لیکن مخدوم اس اجنبیت کی دیوار کو ختم کر دینا چاہتے ہیں مگر اسے کیا کہا جائے کہ ان کی شرافت ہمیشہ مانع آتی ہے اور وہ اظہار کی جرأت نہیں کر پاتے ؎

میں تجھ سے محبت کرتا ہوں یہ کہنے کی ہمت ہو نہ سکی
اظہارِ تمنا ہو نہ سکا اظہار کی جرأت ہو نہ سکی

آ شاعر کے من میں آ جا
آ اپنے نشیمن میں آ جا

مگر دیکھئے یہ تاکہ اس کے من میں آئی بھی تو کیا شعوری یا غیر شعوری طور پر انقلاب کی تجلی، لیکن یہ تجلی یکبارگی نہیں آئی، بلکہ رفتہ رفتہ اور صبح کے سورج کی طرح آئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس بات کا اندازہ آسانی سے نہیں لگایا جا سکتا کہ مخدوم کے یہاں رومانیت کہاں ختم ہوتی ہے اور انقلابی اور تحریکی شاعری کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مخدوم نے انقلاب کی چکاچوند کر دینے والی روشنی میں آنکھیں نہیں کھولیں بلکہ وہ صبح کاذب ہی سے سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے کا انتظار کرتے رہے تھے۔ اس انتظار کی وجہ سے ان کی انقلابی شاعری بھی ایک مخصوص آواز اور رومانیت لئے ہوئے ہے۔ وہ طور، ساگر کے کنارے اور لمحۂ رخصت سے ہوتے ہوئے 'جوانی' کی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب وہ جوانی کی رنگین فضاؤں میں جی رہے ہیں اور دنیا کی تمام چیزوں میں خوبصورتی کے جویا ہوتے ہیں۔

ہر بڑا فنکار بعض ایسی چیزیں چھوڑ جاتا ہے جو خواص سے زیادہ عوام میں مقبول ہوتی ہیں۔ مخدوم نے بھی چند اشعار اور چند ایسی نظمیں عوام کو دی ہیں جو آج بھی ضرب المثل کی طرح زبان زد عام ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ نظموں کا خالق کون ہے اور وہ اس میں کیا کہنا چاہتا ہے مگر عوام اسے گاتے ہیں اور جھوم جھوم کے گاتے پھرتے ہیں۔

ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل نظمیں :- ؎

اک چنبیلی کے منڈوے تلے
دو بدن
پیار کی آگ میں جل گئے
(چارہ گر)

✣

جانے والے سپاہی سے پوچھو

وہ کہاں جا رہا ہے (سپاہی)

٭

یہ جنگ ہے جنگِ آزادی
آزادی کے پرچم کے تلے (جنگِ آزادی)

ازیں قبل ۔

مخدوم نے چونکہ بڑی اچھی آواز پائی تھی اس لئے وہ اچھی آواز کے رسیا نظر آتے ہیں۔ وہ ایک اچھے موسیقار بھی تھے اس لئے وہ ہر آواز کو ساز کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ وہ چونکہ شاعر تھے، اس لئے آواز اور ساز کا رشتہ ملانے کے لئے تشبیہ اور استعارے کا سہارا لیتے ہیں ؎

ساز کی کھنک بن گئی اس شوخ کی آواز
بربط کو ہوئی گدگدی یا جاگ اٹھے ساز

اور پھر انتظار کی گھڑیاں گذرنے لگتی ہیں ۔ مگر ؎

رات بھر دیدۂ نمناک میں لہراتے رہے
سانس کی طرح سے آپ آتے رہے جاتے رہے

کے علاوہ اور کچھ نہ ملا اور بالآخر یاد اور صرف "یاد" باقی رہ گئی ؎

ہر ادائے حسن پہ مرتا تھا دل جب بے قرار
جب رہا کرتا ملاقاتوں کا باہم انتظار
جب طبیعت تجھ سے ملنا چاہتی تھی بار بار

یاد ہے وہ نوجوانی کا زمانہ یاد ہے

اور وہ انہیں ایام نوجوانی کی یادوں میں کھوتے رہتے ہیں کہ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا محبوب مشرقی مغربی جلووں کا لقمہ ہے ۔ ایک مسلسل رات ایک بھٹکتی ہوئی روح ہے ۔ ایک مرگِ بے قیامت ہے ۔

(بساطِ رقص ۔ دوسرا ایڈیشن" ب")

؎ جہل، فاقہ، بھیک، بیماری نجاست کا مکان
زندگانی تازگی، عقل و فراست کا مرکز
اس زمین موت پرور دہ کو ڈھایا جائے گا
اک نئی دنیا نیا آدم بنایا جائے گا

اور وہ اس مکان میں داخل ہو کر اسے منہدم کر دینے کا قطعی فیصلہ کر لیتے ہیں ۔ مگر چراغ پا نہیں ہوتے بلکہ لہجے میں اب بھی شائستگی باقی ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں ہلکی ہلکی کڑواہٹ بھی آجاتی ہے مگر یہ کڑواہٹ اس کے موضوع کی ہے زبان کی نہیں ۔ اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ (مخدوم) قلم کو تلوار میں اور تلوار کو قلم میں تبدیل کر سکتے ہیں ۔"

(بساطِ رقص ۔ طبع ثانی ۔ ب)

اور جب ان کا قلم تلوار بن جاتا ہے تو وہ اپنی جولانی اس طرح دکھلاتے ہیں ؎

توڑ ڈالوں گا میں زنجیرِ اسیرانِ قفس
دہر کو بخیۂ عسرت سے چھڑانے دے مجھے

(باغی)

نکلے دہانِ توپ سے بربادیوں کے راگ
باغِ جہاں میں پھیل گئی دوزخوں کی آگ

(جنگ)

وقت ہے آؤ دو عالم کو دگرگوں کر دیں
قلبِ گیتی میں تباہی کے شرارے بھر دیں
پھونک دو قصرِ کو گر کسی کا تماشہ ہے یہی
زندگی چھین لو دنیا سے جو دنیا ہے یہی

(موت کا گیت)

اور مندرجہ ذیل نظموں مثلاً دھواں، ٹوٹے ہوئے تارے، حویلی، قمر، ردیج، فغفور، گھر، زلف چلیپا، سپاہی، انقلاب، اندھیرا، جنگِ آزادی، قیدی، آج کی رات نہ جا، بن چاند تاروں کا بن، وغیرہ میں مخدوم اپنی تلوار کو قلم میں تبدیل کرتے نظر آتے ہیں اور ان کی شاعری علامتی پہلو اختیار کرتی نظر آتی ہے ۔

اس کے بعد مخدوم فرازوں کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوتے ہیں اور ان کی شاعری نیا موڑ لیتی نظر آتی ہے ۔ اور یہ وہ موڑ ہے جہاں ان کی تلوار، تلوار نہیں رہ جاتی بلکہ وہ پوری طرح قلم میں تبدیل ہو جاتی ہے اور مخدوم کو اس سرحد پہ لے جاتی ہے جہاں سے انہوں نے اپنا سفر شروع کیا تھا ۔ مگر پہلے کے اور اب کے سفر میں بیّن فرق ہے ۔ پہلے وہ انجان رستے پہ چل رہے تھے لیکن اب وہ جانے پہچانے رستے پہ گامزن ہیں ۔ پہلے کچھ جھجک تھی لیکن اب ان کے اندر ایک طرح کی بے نیازی

اور خود اعتمادی آگئی ہے۔ ملاحظہ ہوں چند اشعار ؎

اک شہر میں اک آہوئے خوش چشم سے ہم کو
کم کم ہی سہی نسبتِ پیمانہ رہی ہے
ہر شام سجاتے ہیں تمنا کے نشیمن
ہر صبح مئے تلخیِ ایام بھی پی ہے

❖

کوئی رسم ہے نہ سہی اک آہ اک آنسو
بصد خلوص بصد امتیاز ساتھ رہے

❖

اٹھو کہ فرصتِ دیوانگی غنیمت ہے
قفس کو لے کے اڑیں گل کو ہمکنار کریں

❖

یہ تند و تند ہوا جائے یہ رات رات کا درد
یہی تو رہ گئی اب جانِ بیقرار کی بات

❖

بجا رہا ہے کہیں دور کوئی شہنائی
اٹھا ہوں آنکھوں میں اک خوابِ ناتمام لئے

❖

نہ کسی آہ کی آواز نہ زنجیر کا شور
آج کیا ہو گیا زنداں میں کہ زنداں چپ ہے

❖

آج تو تلخیِ دوراں بھی بہت ہلکی ہے
گھول دو ہجر کی راتوں کو بھی پیمانوں میں

❖

اس جنوں کو ذرا دھوپ سے رد کر مخدوم
چھوڑ کر چھاؤں گلِ تر کی کہاں جائے گا

❖

وہ جنوں کوئی اور نہیں بلکہ خود مخدوم کی ذات ہے جس نے اپنی فکر کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ اور یہ دراصل مخدوم کا احساس ہے جو غمِ جاناں سے زیادہ غمِ دوراں میں مبتلا رکھتا ہے اور بار بار انہیں تازیانے لگاتا ہے کہ ؎

مجھے ڈر ہے کہیں سرد نہ ہو جائے یہ احساس کی آگ
نرغۂ طوفانِ حوادث کے، ہوس کی یلغار
یہ دھماکے، یہ بگولے، سرِ راہ
جسم کا، جان کا، پیمانِ وفا کیا ہوگا! (احساس کی رات)

مگر جب "اس کیا ہوگا" کا جواب نہیں ملتا ہے تو اپنے آپ سے کہتے ہیں ؎

میرے دل اور دھڑک
شاخِ گل
اور مہک اور مہک اور مہک (احساس کی رات)

لیکن اسے کیا کہا جائے کہ ہر رات سناٹا ہی سناٹا ہے اور "وادیِ فردا" کی رعنائیاں بھی رات کے سناٹے میں کھو جاتی ہیں۔ مگر مخدوم کی اولوالعزمی انہیں اندھیرے میں بھی راہ دکھاتی ہے ؎

تیری پرواز ہی بن جاتی ہے سامانِ سفر
دامنِ کوہ میں سرخی نظر آتی ہے
ترے خواب کی زریں سحر

مگر مخدوم جس پیار اور محبت کے جویا تھے وہ انہیں زندگی بھر نہ ملی۔ برسوں پہلے "چارہ گر" سے جو انہوں نے سوال کیا تھا ؎

یہ بتا چارہ گر
تیری زنبیل میں
نسخۂ کیمیائے محبت بھی ہے
کچھ علاج مداوائے الفت بھی ہے؟ (چارہ گر)

اس کا جواب انہیں "نفی" کی صورت میں ملا اور بالآخر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ؎

درد پیدا ہوا درماں کوئی پیدا نہ ہوا (رت)

اور جب کوئی درماں پیدا نہ ہوا تو انہوں نے اپنی جان کو نیلام کر دیا۔

مخدوم نے اپنی جان نیلام ضرور کر دی لیکن آج بھی ان کی شاعری ہمیں جھنجھوڑ رہی ہے اور ہم سے بار بار اپنے سوال دہرا رہی ہے اور آئندہ بھی دہراتی رہے گی۔ مگر ہمارے پاس خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہیں۔ شاید ہم کبھی ان کے خواب کی تعبیر بن سکیں۔

❖ (بشکریہ "پاسبان" چنتہ گوٹم)

کلکتہ ہائی کورٹ میں پھولوں کی نمائش۔ اس نمائش کا افتتاح چیف جسٹس نے کیا۔

گورنگا سٹور (دہلی) کے افتتاح کے موقع پر مقامی لوگوں کا اجتماع۔

مغربی بنگال

کارل مارکس نمبر

۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء



رخِ حیات کو بخشیں تجلیاں تو نے
بکھیر دی ہیں فضاؤں میں سرخیاں تو نے
جلائی عزم کی مشعل عمل کی راہوں میں
دیا ہے منزلِ مقصود کا نشاں تو نے



جہانِ پیر کی طرح کہن بدل ڈالی!
مٹائے فرقہ و طبقات کے نشاں تو نے
عنانِ وقت ہے محنت کشوں کے ہاتھوں میں
یہ راز وہ ہے جسے کر دیا عیاں تو نے

—— سردار جعفری

پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ :۔ پریتین بھٹاچاریہ
مدیر :۔ دھریندرا ناتھ دت
مدیر معاون :۔ محمد اعظم

جلد ۳۰ • ۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء • شمارہ ۷ اور ۸

شرح خریداری

قیمت :۔ ۱۲ پیسے فی پرچہ
سالانہ ۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر این مکھرجی روڈ۔ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

علی سردار جعفری

کارل مارکس

"نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب" ___ اقبال

وہ آگ مارکس کے سینے میں جو ہوئی روشن
وہ آگ سینۂ انساں میں آفتاب ہے آج
وہ آگ جنبشِ لب جنبشِ قلم بھی بنی
ہر اک حرف نئے عہد کی کتاب ہے آج
زمانہ گیر و خود آگاہ و سرکش و بیباک
سرورِ نغمہ و سرمستیٔ شباب ہے آج
ہر ایک آنکھ میں رقصاں ہے کوئی منظرِ نو
ہر ایک دل میں کوئی دلنواز خواب ہے آج
وہ جلوہ جس کی تمنا تھی چشمِ آدم کو
وہ جلوہ چشمِ تمنا میں بے نقاب ہے آج

• • •



کارل مارکس، ان کی بیٹیاں اور اینگلس

عظیم انقلابی رہنما

کارل مارکس

از: شری جیوتی باسو
وزیر اعلیٰ مغربی بنگال

آج ۱۴ مارچ ۱۹۸۳ء کو سائنسی سوشلزم اور کمیونزم کے محقق اور دنیا کی پرولتاریت یعنی غریب محنت کش طبقہ کے عظیم انقلابی رہنما کارل مارکس کی سو ویں برسی ہے۔ ۵ مئی ۱۸۱۸ء میں اس عظیم ہستی کا جنم ہوا تھا" اور ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو یہ اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔ اینگلس کے لفظوں میں "اس عظیم ترین مفکر کے سوچ وچار کا کام رک گیا"۔

ہماری پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے مارکس کی سو ویں برسی منانے کا صحیح فیصلہ کیا ہے۔ اس سال کارل مارکس اور ان کے عزیز دوست اور ساتھی اینگلس کے فلسفے اور ان کی تعلیمات کی وسیع پیمانہ پر ہمیں اشاعت کرنی ہوگی۔ کارل مارکس اور فیڈرک اینگلس کی تصانیف اور ان کی کارگزاریوں کو دوسروں سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ان دونوں نے سائنسی اشتراکیت اور کمیونزم کے اصولوں کی تشریح کی اور ان کے فروغ کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ ہماری پارٹی کی مغربی بنگال ریاستی کمیٹی نے کارل مارکس کی سو ویں برسی کو پارٹی کی تعلیم کے سال کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ پورے ایک سال کے دوران مارکس کے انقلابی فلسفہ، تعلیم اور کارناموں کے مختلف پہلوؤں کا غائر مطالعہ کرنا ہوگا اور ان کی گہرائیوں کو سمجھنا ہوگا۔ صرف سمجھنا ہی کافی نہیں بلکہ مارکسزم کے اصولوں پر مبنی مارکس کے فلسفہ اور ان کی تعلیمات کو ہمارے ملک میں خاص خاص صورت حال میں روبہ عمل لانے کی کوشش کرنی ہوگی۔ مارکس کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر ہی ہم ان کی صد سالہ برسی کو صحیح طریقہ سے منا سکیں گے۔

اس سلسلہ میں لینن نے کہا تھا "مارکس کی تعلیم ایک طاقت ہے کیونکہ وہ سچائی اور حقیقت پر مبنی ہے ...... مارکسزم کے آغاز کے بعد دنیا کی تاریخ کے تین اہم ادوار میں سے ہر ایک نے مارکسزم کے لئے نئی کامرانی پیش کی۔ لیکن تاریخ کے آنے والے دور پرولتاریہ طبقہ کی تعلیم کی شکل میں مارکسزم کیلئے اور بھی بڑی کامیابی پیش کریں گے"۔

(لینن۔ مرتب تحریریں)

لینن کی پیشن گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ لینن کے وقت لینن کی سربراہی میں ۱۹۱۷ء میں بالشویک کے تحت روس میں عظیم اکتوبر (نومبر) اشتراکیتی انقلاب کو کامیابی حاصل ہوئی اور برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی پرولتاریتی حکام نے روس میں استحصال سے پاک اور غربت وبے روزگاری سے آزاد سماج کی تیاری کا کام شروع کر دیا۔ روس میں اشتراکیت کی فتح، دراصل مارکس کی انقلابی تعلیم کی جیت تھی لینن کی سربراہی میں بالشویک پارٹی نے روس میں مارکسزم کے اصولوں کو بروئے عمل لانے میں کامیابی حاصل کی۔ اکتوبر (نومبر) انقلاب [illegible] عظیم اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے بعد اشتراکیت اور کمیونزم کی ترقی کا دور شروع ہوا [illegible] نظام کے خاتمہ اور نوآبادیاتی غلامی نظام کے خاتمہ کا دور کہا جا سکتا ہے۔ مارکس، اینگلس اور لینن کے انقلابی نظریہ، تعلیمات اور خدمات

نے تمام ممالک کے پرولتاری طبقہ، محنت کش عوام اور غلامی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے نوآبادیاتی ملکوں کے لوگوں کے دلوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور ان میں ایک نئی بیداری پیدا ہو گئی۔ ہر ملک میں کسان تحریک کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور جگہ جگہ مزدور طبقہ کی انقلابی پارٹی تیار ہونے لگی۔ ہمارے ملک پر بھی مارکس کے انقلابی خیالات اور تعلیم کا اثر پڑا۔ عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب کی لہریں ہندوستان میں بھی پہونچیں اور یہاں بھی کمیونسٹ تحریکیں شروع ہو گئیں۔

مارکس اور اینگلس پرولتاری طبقہ اور تمام محنت کش عوام کے گویا استاد اور رہنما تھے۔ فلسفہ، سیاسی معیشت، منطقی مادیت اور تاریخی مادیت، طبقاتی جدوجہد، پرولتاری طبقہ کی سربراہی کا نظریہ، اشتراکیت اور کمیونزم پر مبنی سوسائیٹی کا عام نظریہ — ان تمام موضوعات پر ان کے تحقیقی نتائج نے ساری دنیا میں سرمایہ داری کے خلاف جدوجہد، عام لوگوں کو سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات دلانے یعنی صحیح معنوں میں انسانی سماج کی تنظیم کی جدوجہد میں مدد کی اور مدد کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ لیکن مارکس نے خود کو انقلابی اصولوں کے مطالعہ کرنے اور ان کی اشاعت کرنے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے خود کو سیاسی کارگزاریوں اور جدوجہد سے ہمیشہ کے لئے منسلک کر دیا۔

مارکس ایک سائنسداں بھی تھے۔ ڈارون نے جس طرح انسانی ارتقا کی تھیوری (نظریہ) پیش کی تھی اسی طرح مارکس نے تاریخی مادیت کی تھیوری کی بنیاد پر ہی انسانی سماج کی تاریخ کے قوانین اور فاضل مادیت کی تھیوری پیش کی تھی۔ اینگلس نے اپنی کتاب "تردیدِ اشتراکیت" میں یوں ذکر کیا کہ "مارکس کی ان دو عظیم تھیوریوں سے اشتراکیت کے تصور میں بنیادی تبدیلی پیدا ہوئی اور اشتراکیت ایک سائنس بن گئی۔"

انسانی سماج کی ترقی کے سائنسی تجربہ سے کارل مارکس اس نتیجہ پر پہونچے کہ اشتراکیت اور کمیونزم صرف تصور نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام خود سے ختم ہو جائیگا اور اشتراکیت اور کمیونزم سماج میں خود بخود قائم ہو جائیں گے! انقلاب کی حقیقی صورت حال کے رونما ہونے ہی سے انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ اس انقلاب کو صحیح راستہ پر گامزن ہونے کے لئے ایک سرگرم طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے مارکس اور اینگلس نے پرولتاری منطق العملی اور انقلابی اصولوں سے لیس مزدور طبقہ کی انقلابی پارٹیوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ پیرس کمیون سے مارکس نے ایک اچھا نکتہ اخذ کیا تھا، اور وہ یہ کہ مزدور طبقہ کے ذریعہ صرف ملک کا سربراہی پر دخل کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس سربراہی کو مستحکم بنانے اور پھیلانے اور بورژوائی راج کو توڑ کر ایک نئے راج کا انتظام کرنا بہت ضروری ہے۔

مارکس صرف سائنسداں ہی نہیں تھے بلکہ سب سے پہلے وہ انقلابی تھے۔ اینگلس اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں "مارکس کی زندگی کا مقصد ہی یہی تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی قائم کردہ ریاستی تنظیمیں ختم ہو جائیں۔ مارکس کے لئے سائنس، تاریخی نقطۂ نظر سے محرک اور انقلابی طاقت تھا۔" [کارل مارکس کی قبر پر اینگلس کی تقریر)

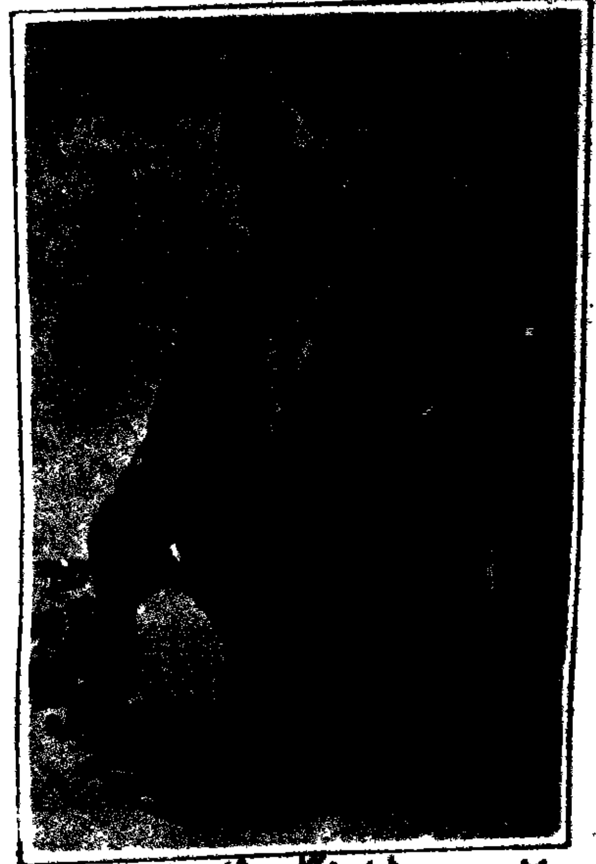
مارکس کی دریافت، ان کے مطالعہ اور ان کی تحقیق کا اصل مقصد منطقی اور تاریخی مادیت تھا۔ یہی مارکسزم فلسفہ کی بنیاد ہے۔ یا یوں کہیے کہ یہی مارکسی اصول ہے۔ اپنے ملک کی خصوصی صورت حال کے پیش نظر مارکسزم کے صحیح استعمال کے لئے مارکس کے اصولوں کی پیروی کرنا تمام مارکس وادیوں کے لئے ضروری ہے۔ مارکسزم علمی کے ساتھ ساتھ عملی اصول بھی ہے۔ مارکس اور اینگلس کے مشترکہ دستخطوں سے جاری کردہ "کمیونسٹ منشور" میں یہ باتیں درج ہیں کہ مارکس کے خیالات اور اصولوں کو مختلف ملکوں میں مختلف صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے روبہ عمل لانا پڑیگا۔ لیکن بنیادی نظریہ میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس منشور میں ایک اور اچھی بات کہی گئی جو ہمارے لئے کافی اہمیت کی حامل ہے۔ وہ بات یہ ہے، "فوری مطالبات کے سلسلہ میں جدوجہد کرتے وقت مزدور طبقہ کو اپنے آخری مقصد کو — سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم سے آزادی، استحصال سے آزادی اور اشتراکیتی اور کمیونسٹ سماج کا قیام — ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہوگا۔"[۵]

ہندوستان کی بابت مارکس کی تحریریں قابل قدر ہیں۔ مارکس نے اپنے بہت سارے مضامین میں انگریزوں کی

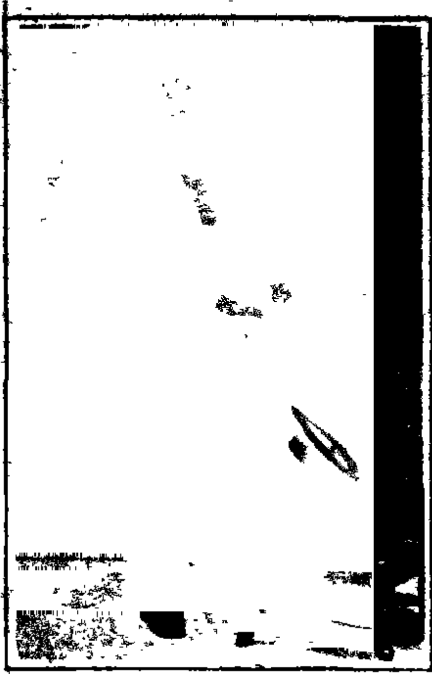
۵

نوآبادیاتی حکومت کے خلاف ہندوستان کے لوگوں کی جدوجہد آزادی کی تعریف کی۔ ہندوستان نے برطانیہ کی غلامی کی بیڑی پہننے کے باوجود ہندوستان کی بابت حقائق سے پُر ایسے مضامین لکھنا مارکس جیسی عظیم ہستی کے لئے ہی ممکن تھا۔ مارکس نے ہندوستان، چین اور دیگر ملکوں کی بابت بھی مضامین لکھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مارکس اور اینگلس نوآبادیاتی اور محکوم ملکوں کی آزادی کی جدوجہد کی بابت سوچ بچار کیا کرتے۔ (ہندوستان میں برٹش راج، ۲۵ جون ۱۸۵۳ء)۔

ہندوستان کے سلسلہ میں مارکس اپنے ایک اور مضمون میں یوں رقمطراز ہیں: "ہندوستان کے لوگ نئے عناصر سے جنہیں انگریز سامراجیوں نے ان کے درمیان تقسیم کیا تھا، اس وقت تک مکمل فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے جب تک برطانیہ میں صنعتی پرولتاریت آج کے حکمرانوں کی جگہ نہ لیں یا جب تک کہ ہندوستان کے لوگ اتنے طاقتور نہ بن جائیں کہ وہ طوق غلامی کو گلے سے اتار پھینکیں (مارکس اینگلس مشترکہ مضامین صفحہ ۲۷)۔



فریڈرک اینگلس ۱۸۴۵ء



کارل مارکس
۱۸۶۰ء سے شروع ہونے والی دہائی کے زمانہ کی تصویر۔

مزدور طبقہ کو اپنی آزادی کے لئے اور استحصال کے پھندے سے سارے انسانی سماج کو آزاد کرانے کے لئے کون سی حکمت عملی کو اپنانا چاہیئے، کون سے پروگرام کو روبہ عمل لانا چاہیئے، ان کے ڈھانچے مارکس اور اینگلس تیار کر گئے ہیں۔ سائنسی اشتراکیت کے ان موجدوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اشتراکیت کی جدوجہد میں صرف مزدور طبقہ ہی اکیلا نہیں رہے گا بلکہ کسان، شہروں کے متوسط طبقہ کے لوگ عالم فاضل لوگ مزدوروں کے قدرتی دوست ہوں گے۔

جو لوگ استحصال سے آزاد سماج قائم کرنا چاہتے ہیں اور انسانی سماج کی فلاح و بہبود اور ترقی کے متمنی ہیں، انھیں مارکس اور اینگلس کی تعلیمات فیض پہونچاتی رہیں گی۔

کارل مارکس کی موت کی صد سالہ برسی کے موقعہ پر اس عظیم اور انقلابی ہستی کو ہم خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہونچانے اور فروغ دینے کا عہد کرتے ہیں۔

پرولتاریہ کا قومی ترانہ

اٹھو، اے بھوک کے قیدیو اٹھو،
اٹھو، دھرتی کے مفلوک الحال لوگو، اٹھو،
کیونکہ، انصاف یہ بانگ دہل مذمت کر رہا ہے،
ایک بہتر دنیا جنم لے رہی ہے
روایتی زنجیریں اب ہمیں مزید باندھ نہیں سکیں گی
اٹھو، اے غلامو اٹھو، اب غلامی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔
یہ دھرتی اپنی بنیادوں پر از سر نو ابھرے گی۔
ہم صفر تھے، اب ہم ہی سب کچھ ہوں گے
یہ آخری تصادم ہے،
آیئے ہر ایک اپنی اپنی جگہ تن کر کھڑا ہو جائے۔
انٹرنیشنل ہی
انسانی نسل کی نمائندگی کرے گی

۱۸۷۱ء کے موسم گرما میں لندن میں جن جری کمیون والوں کو پناہ ملی ان میں فرانسیسی شہری یوجین پوتیئر بھی شامل تھے وہ اپنے ساتھ پیرس کے دوران لکھی گئی نظمیں بھی لائے تھے ایسی نظمیں جو انقلاب پیرس کے جوش و ولولے سے معمور تھیں جو شکست کے باوجود بین الاقوامی مزدور تحریک کے لئے مینارۂ نور بن چکا تھا۔ برس گزر گئے اور ان میں سے ایک نظم ہر کسی زبان میں منتقل ہوئی۔ تمام ملکوں کے پرولتاریہ کا قومی ترانہ قوموں سے جبر و استبداد کے خلاف جد و جہد کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی اپیل بن گئی۔



کارل مارکس اور ہندوستان

از:- این ترا کوپیان، پی ایچ ڈی

۵ مئی ۱۹۸۳ء تاریخ انسانیت کے عظیم مفکر کارل مارکس کی ۱۶۵ ویں سالگرہ سے منسوب ہے۔ کارل مارکس نے انسانیت کے لئے جو خدمات انجام دیں ہیں ان سے پوری دنیا واقف ہے۔ انہوں نے اور ان کے ہم خیال کامریڈ فریڈریک انگلس نے جو خیالات و نظریات پیش کئے ان میں، دنیا میں سماجی انصاف قائم کرنے کا صحیح راستہ دکھلایا گیا۔ ہندوستان میں مارکس کے نظریات کی اشاعت بہت ہی پہلے سے شروع ہو گئی تھی۔ تقریباً نصف صدی سے بھی پہلے جواہر لال نہرو نے دنیا کی خوشحالی اور ارتقاء کے لئے مارکس کی تعلیمات کو بڑی اہمیت دی تھی۔ انہوں نے ان کی کتاب "سرمایہ" کو ایک شاہکار قرار دیا اور اسے ان چند کتابوں میں شمار کیا جنہوں نے کثیر التعداد عوام کے ذہن پر گہرا نقش چھوڑا جن سے ان کے خیالات میں تبدیلی آئی اور انسانی ترقی پسند پر زبردست اثر پڑا۔

مارکس پر مدلل بحث کرنے سے پہلے میں ان کی تخلیقات کی نمایاں خصوصیات سے قطع نظر ان کے انقلابی رجحانات پر توجہ مبذول کرانا چاہوں گا لینن نے اپنی کسی ابتدائی تخلیق میں سائنس کی منصفانہ دلیل اور انقلابی رجحان کے جو مارکسزم کا اہم خصوصیات میں سے ایک ہے اتحاد اور ارتصال سے متعلق وضاحت کی تھی ہندوستان سے متعلق مارکس کے مضامین اس طرح کے رجحانات کی مثال پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان میں جب برطانوی سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت کی جا رہی تھی مارکس نے اس کی مخالفت کی اور نوآبادیاتی ملکوں کے حاکموں کے ظالمانہ اصولوں اور غیر انسانی فعلوں کو اپنی تحریروں میں عیاں کر دیا۔

ایک جگہ کہتے ہیں کہ کیا ایسا نہیں ہوا کہ بورژوا طبقے نے عوام اور انفرادی طور پر لوگوں کو قتل و خون، مفلسی اور ذلت کے راستے پر گامزن کئے بغیر ترقی نہیں کی۔ کیا بورژوائی تہذیب کے مکر و فریب اور ظلم نوآبادیاتی ملکوں میں اب بھی جاری نہیں ہے۔

مندرجہ بالا سوالات ہندوستان سے متعلق مارکس کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے۔ حقیقی معنوں میں مارکس نے ہندوستان کے متعلق متعدد تخلیقات بشمول "سرمایہ" میں اس طرح کے سوال اٹھائے۔ مزید براں ان کی متعدد تخلیقات کے خلاصہ اور دستاویزات کے مطابق ہندوستان ان کی تحریر و نگارشات کا اہم موضوع رہا ہے مثال کے طور پر "ہندوستانی تواریخ پر تاریخی تبصرہ" (Chronological notes on Indian history) کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی تواریخ سے دلچسپی :- مارکس ہندوستان کی قدیم و جدید تواریخ، ترقی کے لئے معاشی طریقۂ عمل، ہندوستانی معیشت و عالمی بازار کے درمیان رابطہ، ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی پالیسی اور ہندوستانی عوام کی قومی آزادی کی جد و جہد سے یکساں دلچسپی رکھتے تھے۔ چند سوالات جیسے ہندوستان کے دیہی لوگوں کی تواریخ کو مارکس نے اپنا خاص موضوع بنایا۔ اس کے علاوہ مذہب، ثقافت اور قوانین کی تاریخ پر انہوں نے الگ الگ خامہ فرسائی کی۔ اگر ہندوستان سے متعلق مارکس کی تمام نگارشات کو یکجا کر لیا جائے تو ہندوستانی تواریخ کی بہت ہی دلچسپ اور واضح تصویر ہمارے سامنے ابھر کر آئے گی۔ مارکس اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان نے انسانی تہذیب میں ایک نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے باوجود اس کے وہ اس کے ماضی کا خاکہ نہیں کھینچتے اور نہ ہی ملک کی عام روایات کو تسلیم کرتے ہیں وہ سماجی زندگی کے پست ماندہ نظام حیات کے خلاف تھے جو ہندوستان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث تھا۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایشیائی ملکوں بالخصوص ہندوستان میں چونکہ مطلق العنان حکومت پہلے سے قائم تھی اس لئے انگریزوں کو یہاں (باقی صفحہ ۲۰ پر)

کیا آپ کو معلوم ہے؟

۱۸۳۶ء میں پرشیا کے کاؤنسلر لڈوگ وان ویسٹ فالن کی بیٹی جینی وان ویسٹ فالن کے ساتھ مارکس کی شادی طے کر دی گئی۔ کارل اور جینی بچپن کے دوست تھے وقت گزرنے کے ساتھ یہ دوستی اپنائیت اور محبت کے مضبوط رشتہ میں بدل گئی جس نے انہیں تادم حیات ایک دوسرے سے وابستہ رکھا۔ ذہین، طباع اور خوبصورت جینی کو مشترکہ دانشورانہ رجحانات و مفادات نے مارکس سے وابستہ رکھا۔ یہ رفاقت ایک ذہنی ضرورت تھی۔ خاطر خواہ مالی وسائل اور سماج میں کسی خاص مقام سے محروم ایک طالب علم کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر کے جینی نے ایک طرح سے بلا جھجک مادی خوشحالی کی زندگی سے دستبردار ہو گئی تھی۔ وہ پہلی ہستی تھی جس نے ان کی فطرت کی گہرائی کو تسلیم کیا جب کہ خود مارکس نے اپنی حیرت انگیز جینی کے لئے عہد شباب کی پرجوش محبت کو زندگی بھر برقرار رکھا۔ سگائی کے بعد سات سال کے طویل اور پرصعوبت وقفہ کے بعد جینی اور کارل باضابطہ طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

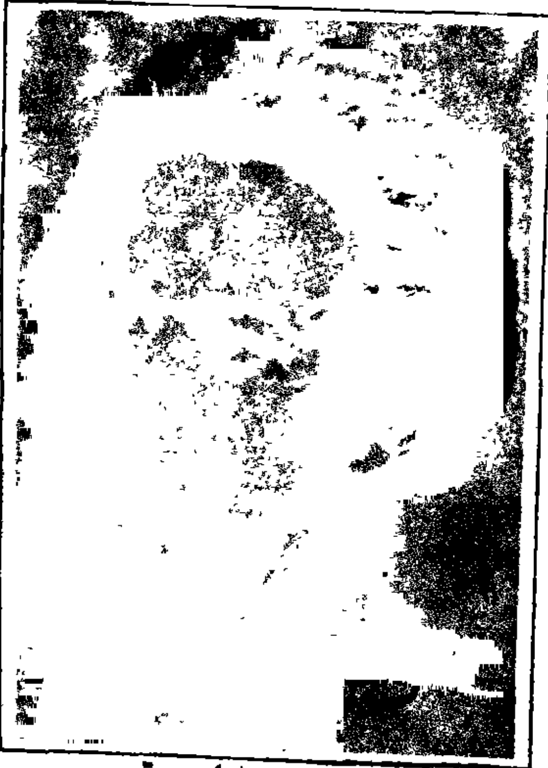
اٹھارہ سال کی عمر میں کارل مارکس کی سگائی ہوئی۔ جینی سے انہیں دلی محبت تھی اس لئے اس عمر میں انہوں نے وہ بھی کیا جو بہت سارے نوجوان عشق میں مبتلا ہو کر کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے شاعری کی، نظموں میں اپنے جذبات و احساسات کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ یہ خیال پیش کر کے دل کو تسلی دیتا تھا کہ جینی کے ہجر میں کئی برس کاٹنے ہیں۔ انہوں نے اتنی نظمیں لکھیں کہ تین کاپیاں بھر گئیں یہ سب جینی سے منسوب تھیں۔ میری جان اور میری آخری سانس تک میری محبوبہ جینی وان ویسٹفیلن کے لئے۔ ●

وجہ بے رنگیٔ گلزار کہوں تو کیا ہو
کون ہے کتنا گنہگار کہوں تو کیا ہو
تم نے جو بات سر بزم نہ سننا چاہی
میں وہی بات سر دار کہوں تو کیا ہو

ساحر لدھیانوی



مارکس کی بیوی، جینی وان ویسٹ فالین



مارکس کے زمانۂ طالب علمی کی ایک تصویر
(ایک ڈرائنگ پر مبنی)

کارل مارکس صدی کے نام

اویس احمد دوراں

جب اس کی عالی آواز ابھری تو دشمنوں کے
دل لرز اٹھے
وہ نادان فلسفی جو کہ اپنی ایازی میں
جو بکتا رہے
جہاں پالنے کی خاطر روز و شب جو
سوچتے تھے چھپاتے تھے
یک آواز بول اٹھے
کہ یہ محنت کشوں کا فلسفہ
بنجر زمیں کی کوکھ سے نکلا ہے
اس میں پھول پھل ہرگز نہ آئیں گے
کئی تاجداروں کے بہی خواہوں نے فرمایا
سنو! یہ فلسفہ
یہ فکر
یہ اعلانِ بیداری
سرابوں اور خوابوں کا
ادب ہے جو بہت ہی خوبصورت ہے
ادب سے بھی کہیں مزدور کی تقدیر چمکی ہے
کسانوں کے شکستہ جھونپڑے
محلوں میں بدلے ہیں؟
وہ دقیانوسی طرزِ فکر کے ناکارہ دانشور
جو استحصال کرنے والوں کے کوچے
میں اپنا دم بھرتے تھے
یہ زعمِ خود
حکیمانہ نظامِ فکر کو مہمل سمجھ بیٹھے

بہت برہم ہوئے
کھل کر مذمت کی
تمسخر
طنز
پھبتی
ہجو کے حربے لئے
ٹھیک آج کے ظلمت پرستوں کی طرح
ہر سمت سے دوڑے
مگر تعلیمِ کارل مارکس
جس کی تہہ میں صدیوں کی صداقت ہے
ظفرمندانہ نکلی
اور مرہم بن کے مزدوروں کے زخمی
دل میں جا بیٹھی
اسی دنیا نے ایک پیرس کمیون
اپنی نگاہِ شوق سے دیکھا
یہ کارل مارکس کے خوابوں کی پہلی
دلنشیں تعبیر تھی جس نے
غریبوں کے مقدر کو بدل ڈالا
غمِ ایام کے ماروں نے اپنی صف بنا ڈالی
کئی ملکوں نے شاہوں سے
غلامی کے جوئے پھینکے
کئی ظلِّ الٰہی تخت سے اترے
شہنشاہوں کے سر سے تاج گر گر کر
وقت کے زیرِ قدم آئے

کروڑوں بھوکے ننگے لاڈلوں کی فوج اتر آئی
زمیں کے بالادستوں نے سزا پائی
جہالت
بھوک
ناداری
ہزاروں سال تک جس کو
مذاہب نے خدائی دین سمجھا اور سمجھایا
زمیں کی اک تہائی گود سے بھاگی
جہاں میں آسمانی بادشاہت کے وکیلوں نے
ہلاکت خیزیاں کیں
بے نواؤں پر ستم ڈھائے
خدا کے نام پر صدیوں
سسکتے بلبلاتے سادہ لوحوں کو
ہر اک خطے میں بہکایا
یہ قاتل رسم اگرچہ اب بھی جاری ہے
مگر اے ہم صفیرو
یہ طلوعِ صبحِ بیداری کا موسم ہے
ابھی تو اک صدی گزری ہے
مستقبل کو آنے دو
زمیں کے چپے چپے پر
کروڑوں زخمیوں کا فلسفہ ہی تاج پہنے گا
تضادوں سے بھرے ماحولِ غم کا خاتمہ ہوگا
نئی آسودگی کا حسن ہر انسان کے چہرے سے
جھلکے گا

ایم۔ اے۔ تسلیم

جاننے کی باتیں

کارل مارکس کے خاندان نے کبھی بھی انتہائی مشکل اور دشوار حالات میں امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ ہمیشہ رجائیت پسند رہا ان کے دوستوں نے اس بات کی نشاندہی خاص طور پر کی ہے کہ یہ سائنس کا انسان، ایک انتہائی مستعد اور توجہ دینے والا باپ تھا۔ فرصت کے لمحات میں جو انہیں کم ہی میسر آتے تھے وہ اپنے بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھتے تھے انہوں نے ایک باپ کی حیثیت سے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کبھی بھی نہیں کیا۔

مارکس کے قدرے سانولے رنگ اور سیاہ بالوں کی وجہ سے ان کی بیوی اور ان کے بچے انہیں مور (افریقہ کے شمال مغرب میں آباد مخلوط عرب اور بربر نسل کے لوگ) کہا کرتے تھے۔ ان کی بچیاں اس وقت وسیع پیمانے پر رائج "اعتراف" کے کھیل کی بے حد دلدادہ تھیں یہ کھیل سوال و جواب پر مشتمل ہوتا تھا۔ مارکس کھیل کھیل میں ہی جو جوابات دیتے ان میں اکثر و بیشتر ایک نڈر انقلابی ایقان کی صدائے بازگشت سنائی دیتی۔ وہ ایک عظیم انسان اور پرولتاریہ سربراہ کی عظیم صفات کی عکاسی کرتے تھے ذیل میں بعض سوال و جواب درج ہیں۔

آپکی پسندیدہ خوبی۔	سادگی
آپ کی بنیادی خصوصیت۔	مقصدی یکسوئی
مسرت کے بارے میں آپ کا تصور۔	جدوجہد
آپ کی رائے میں فلاکت کیا ہے۔	تابعداری
آپ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت گناہ۔	کمینہ پن
آپ کا پسندیدہ مشغلہ	مطالعہ
آپ کا پسندیدہ رنگ	سرخ

اپنے باپ کی راست گوئی اور ریاکاری سے نفرت بچوں کو ورثے میں ملی تھی خاندان میں اکثر سیاسی واقعات انقلابی تحریک کے سرکاروں کی زندگی اور طبقاتی جدوجہد کے موضوع پر بات چیت ہوتی یہی چیزیں گفتگو کا بنیادی موضوع تھیں۔ مارکس کے بچوں میں آزادی اور خود مختاری کے تصورات نیز غلامی اور جبر و استبداد کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات اوائل عمری سے ہی رچ بس گئے تھے

بون یونیورسٹی

مارکس کا ڈاکٹر آف فلاسفی کا سرٹیفکیٹ

کارل مارکس

انتخ۔ محمد اعظم

ان کے نام اور کام کو بقائے دوام حاصل ہوگا

ایف اینگلس

"دنیا کے مزدورو ایک ہو" کا نعرہ دینے والے کارل مارکس کا شمار ہر عہد کے عظیم علماء اور عوامی رہنماؤں میں ہوتا ہے وہ ایک عظیم مفکر اور سرگرم انقلابی رہنما تھے۔ تاریخ انہیں ایک ایسی ہستی کی شکل میں یاد کرتی ہے جس نے مزدور و محنت کش طبقہ اور جبر و استبداد کے شکار لوگوں کو جبر و استحصال سے نجات کی راہ دکھائی۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ استحصال کے نظام کو ختم کر دینے اور اس کی جگہ ایک اشتراکیتی سماج کے تعمیر کے سلسلہ میں مزدور طبقہ کے تاریخی کردار کی بابت ایک نظریاتی اساس فراہم کی۔ طبقاتی جدوجہد، اشتراکیتی انقلاب اور اشتراکیت کی بابت مارکس، ساتھ ہی اینگلس کی تعلیم، فطرت، سماج اور انسانی فکر کے ارتقاء کی سائنس بن چکی ہے۔

کارل مارکس ۵ مئی ۱۸۱۸ء کو پروشیا کے صوبہ رائن کے تریر قصبہ میں پیدا ہوئے ان کے والد ہنرخ مارکس تریر میں وکالت کیا کرتے اور مقامی بار کے منتخب صدر تھے وہ انتہائی تعلیم یافتہ اور آزاد خیال انسان تھے وہ ترقیاتی فلسفیانہ خیالات کے حامل تھے اور روشن خیالی اور انسان دوستی کے تصورات پر یقین رکھتے تھے۔

ہنرخ مارکس ۱۸۳۸ء میں جگر کے موروثی عارضہ میں وفات پاگئے اس وقت کارل مارکس کی عمر ۲۰ سال تھی۔

کارل مارکس کی ماں ہنریتے پریس برگ نے اپنے آپکو مکمل طور پر امور خانہ داری اور اپنے ۹ بچوں کی پرورش و پرداخت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ کارل کا بچپن پر مسرت ماحول میں گذرا وہ اپنے چھوٹے چھوٹے دوستوں، بھائیوں بہنوں میں سب سے زیادہ شریر اور خوش مزاج تھے وہ کھیلوں اور شرارتوں کے نت نئے طریقے ایجاد کیا کرتے تھے وہ عجیب و غریب کہانیاں گڑھا کرتے تھے جنہیں ان کے ساتھی انتہائی توجہ کے ساتھ سنا کرتے تھے۔

۱۸۳۰ء میں کارل نے تریر جمنازیم میں داخلہ لیا۔ اس جمنازیم کی سنگی دیواریں طلباء کو روشن خیالی اور انسانی دوستی کے تصورات میں دلچسپی لینے سے باز نہیں رکھ سکیں کیونکہ یہاں کے ہیڈ ماسٹر اور دیگر اساتذہ آزاد خیالی اور ترقی پسندی پر یقین رکھتے تھے

بحیثیت طالب علم مارکس نے پڑھائی لکھائی میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ اسکول چھوڑتے وقت انہوں نے ایک مضمون پیشہ کے انتخاب کی بابت ایک نوجوان کے خیالات لکھا۔ اس مضمون سے ان کے اعلیٰ خیالات اور ان کی ثروت مندی عیاں ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا تھا "تاریخ ان لوگوں کو ہی عظیم ترین انسانوں کے نام سے یاد کرتی ہے جنہوں نے سبھوں کی رفاہ و بہبود کے لیے اپنے عمل کے ذریعہ شرافت کا مظاہرہ کیا۔ تجربہ شاہد ہے کہ سب سے زیادہ مسرور اور مطمئن وہ شخص ہے جس نے سب سے زیادہ لوگوں کو مسرت و شادمانی عطا کی ہو۔"

شاہی امتحانی کمیشن نے مارکس کے ڈپلومہ میں یہ لکھا: "مارکس بے حد ذہین ہے اور انہوں نے قدیم زبانوں، جرمن زبان اور تاریخ میں، علم ریاضی میں اور فرانسیسی زبان میں قابل تعریف محنت کا مظاہرہ پیش کیا۔ اس کمیشن نے انہیں گریجویٹ کی ڈگری عطا کی۔ کمیشن کو امید ہے کہ وہ ان کی ذہانت سے بجا طور پر وابستہ سازگار توقعات کو ضرور پورا کریں گے۔"

اکتوبر ۱۸۳۵ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مارکس کو تریر چھوڑنا پڑا وہ ایک دخانی جہاز پر سوار ہوئے اور رائن میں سفر کرتے ہوئے بون پہونچے یہاں انہوں نے بون یونیورسٹی کے شعبہ قانون میں داخلہ لیا۔ بون میں ایک سال گذارنے کے بعد مارکس نے برلن یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اور وہاں قانون کی تعلیم حاصل کی۔

۱۸۳۶ء میں برلن کے لیے روانہ ہونے سے قبل ایک پروشی کاؤنسلر لڈوگ وان ویسٹ فالن کی بیٹی جینی وان ویسٹ فالن کے ساتھ مارکس کی شادی طے کردی گئی۔ مارکس اور جینی بچپن کے دوست تھے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ رفاقت اور محبت کے مضبوط رشتہ میں بدل گئی جس نے انہیں تادم حیات ایک دوسرے سے وابستہ رکھا۔

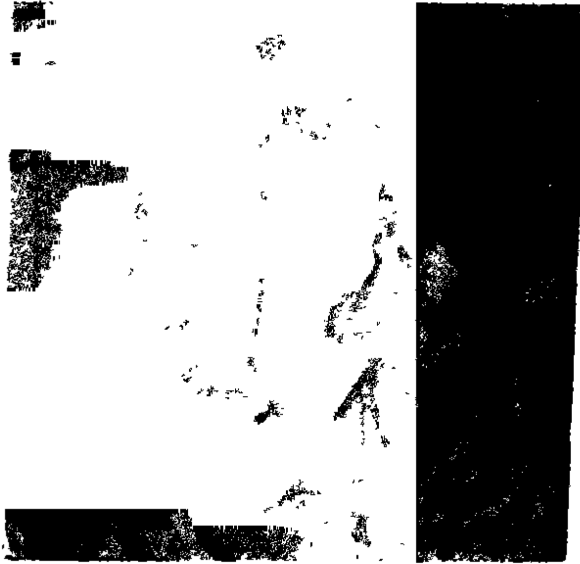
پروشیا کی راجدھانی برلن میں مارکس کو ملک کی سیاسی زندگی کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ جنکرز (بڑے زمینداروں) کی بالادستی محنت کش لوگوں کی بدحالی و غربت اور شاہی نظام کی دوسری خرابیاں وہاں بہت زیادہ نمایاں تھیں۔ پروشیائی حکومت ترقی اور آزادی کی تمام امنگوں کو کچل ڈالنے کے درپے تھی جرمنی کے قومی اتحاد کی وکالت کرنے والوں نے قید و بند کا خطرہ ہر وقت موجود تھا

برلن میں مارکس اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ یہاں انہوں نے اپنی توجہ ادب، قانون، نظریۂ فن، غیر ملکی زبان، فلسفہ اور تاریخ کی طرف مرکوز کردی۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے والد کو ایک خط میں لکھا تھا کہ فلسفہ کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔

سنہ ۱۸۱۸ء سے سنہ ۱۸۳۱ء تک فریڈرک ہیگل برلن یونیورسٹی میں لیکچرار تھے۔ انہوں نے جدلیاتی طریقہ کو فروغ دینے میں زبردست کردار ادا کیا وہ تمام مظاہر کی توجیہہ، ان کے ظہور، ارتقاء اور معدومیت کے نقطہ نظر سے کرتے تھے لیکن ان کا فلسفہ عینیت کا فلسفہ تھا۔ گرچہ مارکس ہیگل کے خیالات سے پوری طرح اتفاق نہیں کرتے تھے تاہم وہ ہیگل اور ان کے شاگردوں کے قائم کردہ ڈوکتور کلب میں شامل ہوگئے اس کلب کے گرچہ آپ بہت کم عمر ممبر تھے لیکن یہاں ایک عالم اور رجعت پرست فلسفہ کے زبردست ناقد کی حیثیت سے انہوں نے کافی شہرت حاصل کی۔

۱۵ اپریل سنہ ۱۸۴۱ء کو جینا کی یونیورسٹی نے مارکس کو قانون کے ڈاکٹر کی ڈگری عطا کی۔ مارکس نے اپنا مقالہ اسی یونیورسٹی میں داخل کیا تھا۔ مارکس نے جو تحقیقی مقالہ پیش کیا تھا اس کا موضوع تھا: "فطرت کا دیموقرطیسی فلسفہ (پانچویں صدی قبل مسیح کے یونانی فلسفی ڈیموکریٹس کا فلسفہ) اور فلسفہ لذتیت (یونانی فلسفی اپی کیورس کا فلسفہ جو انسانی زندگی کا واحد مقصد لذت و عیش و عشرت قرار دیتا ہے) کے درمیان فرق"۔

پی ایچ ڈی کرنے کے بعد مارکس کو اس بات کی امید تھی کہ وہ ایک لیکچرر کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کریں گے۔ اپنی سائنسی تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری رکھیں گے اور ایک ایسا رسالہ نکالیں گے جس میں حریت کا پرچار کیا جائے گا لیکن ان کی یہ توقعات پوری نہیں ہوسکیں کیونکہ پروشیائی حکومت مخالفانہ جذبات کے فروغ سے چوکنا ہوگئی اس نے ترقی پسند اخبارات پر پابندی عائد کردی



ہنرخ ہینے مارکس اور ان کی اہلیہ کے ساتھ
(ایک ڈرائنگ پر مبنی)



ٹریئر کا وہ مکان جہاں مارکس پیدا ہوئے تھے

اور سنسرشپ کو سخت کردیا۔ ایسے حالات میں مارکس نے درس و تدریس کا پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔

طلبا کو درس دینے کے امکانات سے محروم ہونے کے بعد مارکس نے پروشیائی حکومت کو درس دینا شروع کردیا اور انقلابی جدوجہد کی راہ پر گامزن ہوگئے۔ ۱۸۴۲ء کے شروع میں کولون میں حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے رائن صوبہ کے بورژوا عناصر نے ایک رسالہ "رائنیشے سائٹنگ فور پولیٹک ہاندل انڈ گیوربے" جاری کیا اس رسالہ کی ادارت کے لئے کارل کو مدعو کیا گیا۔ کارل مارکس نے اس ذمہ داری کو قبول کیا اس جریدے میں شائع ہونے والے پہلے ہی مضمون نے ایک انقلابی قلم کار کے روپ میں مارکس کی ذہانت اور جذبۂ جہاد کو اجاگر کردیا۔ ایسے مضمون "لکڑی کی چوری سے متعلق قانون پر مباحثہ" میں مارکس نے استحصال کے شکار طبقوں کو کچلنے کے آلے کے روپ میں جاگیردارانہ شاہی ریاست کے طبقاتی کردار کی وضاحت کی جانب اولین قدم اٹھائے اس مضمون میں انہوں نے طبقاتی مراعات پر، نوکرشاہی کے ظلم و ستم اور اس رجعت پرست نظریہ پر بے باکی کے ساتھ تنقید کی جس کا چلن پروشیا میں عام تھا اور جسے پروشیائی حکام اور بڑے زمینداروں کی ناانصافیوں کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

مارکس کی ادارت میں یہ اخبار تیزی سے ترقی کرنے لگا لیکن پروشیا کے حکام نے اس پر سخت سنسرشپ عائد کردی آخر میں اس اخبار کے حصص کے مالکوں نے مخالفانہ موقف سے دست بردار ہونے اور حکومت کی اطاعت قبول کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اس کی اشاعت جاری رہے۔

لیکن اس اخبار کے ذریعہ انقلابی جمہوری تصورات کی تشہیر کے مواقع سے محروم ہوجانے کے بعد مارکس نے اس اخبار سے استعفیٰ دیدیا۔

اخبار سے الگ ہونے کے بعد مارکس اپنے آبائی وطن میں سیاسی جدوجہد میں حصہ لینے کے آخری موقعہ سے بھی محروم ہوگئے۔ اب انقلابی سرگرمیوں کے سلسلہ کو جاری رکھنے کی ساری توقعات پیرس سے وابستہ تھیں لیکن ترک وطن سے قبل مارکس کروئسناخ گئے جہاں اس وقت جینی وان ویسٹ فالن اور ان کی ماں مقیم تھیں ۱۸۴۲ء میں جینی کے والد کے انتقال کے بعد وہ لوگ وہاں منتقل ہوگئے تھے وہیں جینی اور کارل کی شادی ہوگئی۔

کروئسناخ میں قیام کے دوران مارکس زبردست تحقیقی کام میں مصروف ہوگئے، ہیگل کے فلسفۂ قانون پر تنقیدی تلاش میں ریاست کے بارے

ٹریر کا جمنازیم (اسکول)

زیتنگ کا پہلا شمارہ

ہیگل کے خیالات کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ انسان کی تاریخ اور ارتقا کے سلسلہ عمل کے ادراک کی کلید ریاست میں نہیں بلکہ شہری سماج میں یعنی مادی تعلقات کے دائرہ میں تلاش کرنا چاہئے۔ مادیت کی شاہراہ پر مارکس کے سفر میں اس نتیجہ کو ایک اہم مرحلہ کی حیثیت حاصل ہے۔

اکتوبر ۱۸۴۳ء میں کارل اور جینی سیاسی تارکین وطن کی پر صعوبت زندگی کے ایک طویل سلسلہ کے آغاز کے لئے پیرس پہونچ گئے۔ ۱۸۳۰ء سے شروع ہونے والی دہائی کے دوران پیرس یورپ کا سیاسی اور ثقافتی مرکز بن چکا تھا یہاں انقلاب گویا پیرس کی دہلیز پر دستک دے رہا تھا۔ ۱۸۴۰ء سے شروع ہونے والی دہائی کے اوائل میں ہی مارکس نے محنت کش عوام کے مفادات کے پرجوش حامی کا رول ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ پیرس میں انہوں نے پرولتاریہ کے وسیع النظر ارکان پر مشتمل خفیہ انجمنوں سے روابط پیدا کئے۔ فروری ۱۸۴۴ء میں پیرس سے مارکس کے زیر ادارت ایک جریدہ "ڈوئچ فرانسوزیشے یاربوشر" کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس جریدے میں شائع ہونے والے مارکس کے مضامین اور مراسلات اس بات کے مظہر ہیں کہ انہوں نے عینیت سے آگے بڑھ کر مادیت کو اور انقلابی جمہوریت سے آگے بڑھ کر کمیونزم کو اپنا مطمح نظر بنا لیا تھا۔ یہاں بھی فرانسیسی حکومت نے "یاربوشر" کے ایڈیشن کے ایک حصہ کو ضبط کر لیا۔

کارل مارکس کو اپنی عظیم جدوجہد میں ایک سچے دوست اور رفیق کی حیثیت سے فریڈرک اینگلس کی رفاقت و معاونت حاصل ہوئی۔ دونوں کی پہلی ملاقات کولون میں ۱۸۴۲ء میں اس وقت ہوئی جب اینگلس انگلینڈ جاتے ہوئے "رائنیشے سائٹنگ" کے دفتر گئے تھے۔ ان کی دوسری ملاقات اگست ۱۸۴۴ء میں پیرس میں مارکس کے چھوٹے سے فلیٹ میں ہوئی۔ مارکس اینگلس کے فلسفیانہ ذہن، ان کی بے خوفی، بے لوثی اور ذہنی یکسوئی سے بے حد متاثر ہوئے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو ایک انقلابی پرولتاری مجاہد کے لئے ضروری ہیں۔ ان دونوں کے خیالات کی یکسانیت نے ان کی باہمی دوستی کو مزید مستحکم بنا دیا۔ انہوں نے اپنے نظریاتی مطالعہ کو آگے بڑھانے اور انقلابی جدوجہد میں ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کرنے کا فیصلہ کیا۔ مارکس فلسفیانہ تحقیق میں زیادہ تجربہ کار تھے اور اینگلس سیاسی معیشت میں۔ اس دوستی اور اشتراک عمل کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو تقریباً چار دہائیوں تک جاری رہا۔

مارکس اور اینگلس کی پہلی مشترکہ تصنیف "خاندان مقدسہ یا تنقیدی تنقید پر تنقیدی نظر۔ برونو باؤر اور اس کے ساتھیوں کو جواب" تھی۔ اس کتاب کے سلسلہ میں مارکس نے یوں لکھا ہے: "تنقید نے زنجیر سے مصنوعی پھول توڑے ہیں تاکہ وہ (انسان) زنجیر کو اتار پھینکنے میں کامیاب ہو سکے اور زندہ پھولوں کو بھی چن لے۔" اس کتاب میں انہوں نے پرولتاریہ کو ایک ایسا طبقہ قرار دیا جو سرمایہ داروں کے استبداد اور استحصال کو ختم کر کے نجات حاصل کر سکتا ہے اور جسے لازمی طور پر نجات حاصل کرنی چاہئے۔ "خاندان مقدسہ" میں انہوں نے ایک ایسے انقلابی سماجی نظریہ کی وضاحت کی جو سماجی ارتقا کے ادراک میں ایک انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

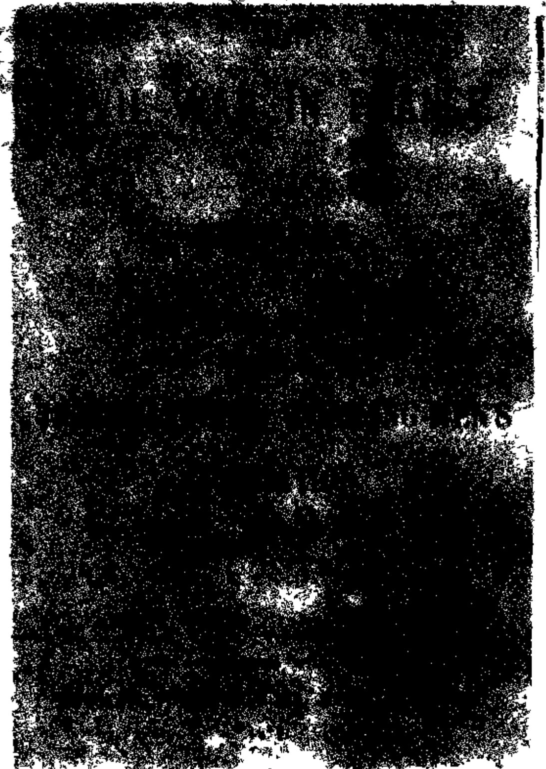
پروشیا کی حکومت بیرون ملک مارکس کی سرگرمی پر کڑی نظر رکھے ہوئی تھی۔ مارکس کی تحریروں اور خاص طور پر سائیلیشیا کی بغاوت کی حمایت میں ان کے تحریر کردہ مضامین کی بنیاد پر پروشیا اور فرانس کی حکومتوں نے ایک نیا قدم اٹھایا اور مارکس کو ۲۴ گھنٹے کے اندر فرانس چھوڑ دینے کا حکم دیا چنانچہ وہ بلجیم کا رخت سفر باندھنے کے لئے مجبور ہو گئے لیکن پولیس کی دہشت گردی انقلابی جدوجہد کو جاری رکھنے سے متعلق مارکس کے عزم صمیم کو کمزور نہ کر سکی یہاں بھی یعنی بلجیم کی حکومت نے بھی اس انقلابی رہنما کے ساتھ انتہائی سرد مہری کا سلوک کیا۔ پولیس نے مارکس کو ملک کی موجودہ پالیسیوں سے متعلقہ مواد شائع کرنے سے منع کر دیا۔ اس طرح انہیں ایک صحافی کی حیثیت سے روزی روٹی کمانے کے موقعہ سے محروم کر دیا گیا۔ مارکس کے خاندان کو جلد ہی مادی محرومی کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایک ایسا خطرہ تھا جو مستقبل میں بھی ان کے سروں پر اکثر و بیشتر منڈلاتا رہا۔ اینگلس کی پرجوش مساعی کی بدولت ہی مارکس اپنا کام بدستور جاری رکھ سکے انہوں نے دوستوں اور جان پہچان کے لوگوں سے چندہ کر کے مارکس کی مالی اعانت کی۔ اس رقم میں انہوں نے اپنی کتاب "انگلینڈ میں مزدور طبقہ کی حالت" کی رائلٹی کی پہلی قسط بھی شامل کر دی۔

پروشیا کے دباؤ پر بلجیم کی حکومت نے بھی مارکس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ مارکس نے مجبوراً اپنی پروشیا کی شہریت ختم کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی بھی کسی ملک کی شہریت حاصل کرنے کے لئے درخواست نہیں دی۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک ایک عظیم طاقت یعنی عالمی انقلابی تحریک کے شہری بنے رہے۔

اسی دوران ان کے خاندان کے ارکان کی تعداد بھی بڑھی۔ پیرس میں پہلی بیٹی جینی اور بروسیلز میں دوسری بیٹی لارا پیدا ہوئی اور دسمبر ۱۸۴۶ء میں



پیرس ٹاؤن ہال کے سامنے چوک میں کمیون کے قیام کا اعلان
(ایک پینٹنگ پر مبنی)



فرانس میں خانہ جنگی کا سرورق

کے آخر میں ایک بیٹا پیدا ہوکر پیدا ہوا۔

انگلینڈ کے سماجی معاشی حالات اور طبقاتی جدوجہد کا تفصیل سے مطالعہ کرنے کے لیے مارکس ۱۸۴۵ء میں انگلینڈ گئے اور وہاں انگلس کے ساتھ کئی ہفتے گزارے۔ پھر بروسیلز واپس آنے کے بعد مارکس اور انگلس نے فلسفہ کے موضوع پر ایک نئی کتاب کی تصنیف کا کام شروع کیا۔ ۱۸۴۵-۴۶ء میں ان لوگوں نے جرمن نظریہ، کتاب کی تصنیف کی۔ اس کتاب میں پہلی بار تاریخ کے مادی تصور اور سماجی ترقی کے نظریہ کے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی گئی۔ یہ جدلیاتی مادیت اور سائنسی کمیونزم کی ایک اہم تصنیف تھی۔

فرانس کے ایک بورژوا مصنف جوزف پرودھوں نے ایک کتاب بنام "معاشی تضادات کا نظام یا غربت کا فلسفہ" لکھی جس میں اس نے اس بات پر زور دیا کہ سرمایہ داری کی معاشی بنیاد یعنی وسائل و ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت نیز سرمایہ دارانہ تعلقات پیداوار کو اور اس طرح اجرتی محنت کے نظام کو برقرار رکھا جائے۔ اس کے جواب میں مارکس نے ۱۸۴۷ء میں اپنی شاندار نظریاتی تصنیف "فلسفہ کا افلاس" تحریر کیا۔ اس کتاب میں سائنسی کمیونزم کے نظریہ، تاریخ کی مادی تعبیر اور طبقاتی جدوجہد کے مربوط اصول اور سوشلسٹ انقلاب کے نظریہ کو پہلی بار مطبوعہ شکل میں پیش کیا گیا۔

۱۸۳۶ء میں جلاوطن انصاف پسند لوگوں نے ایک لیگ قائم کی تھی جس کی کمیٹیاں پیرس، جرمن کے متعدد شہروں میں سوئٹزرلینڈ میں قائم کی گئی تھی۔ اس لیگ کے حلقوں نے ۱۸۴۷ء میں مارکس اور انگلس کو اس لیگ میں شامل ہونے کی دعوت دی یہ دونوں لیگ میں شامل ہو گئے۔ جون ۱۸۴۷ء میں لندن میں منعقد ایک کانفرنس میں اس لیگ کا نام کمیونسٹ لیگ رکھا گیا۔ اس لیگ کے پرولتاری مقاصد کا یوں اعلان کیا گیا۔ بورژوا اقتدار کا تختہ الٹنا، پرولتاری کی حکمرانی، طبقاتی نظام پر مبنی قدیم بورژوا سماج کا خاتمہ اور طبقات و نجی ملکیت کے بغیر ایک نئے سماج کا قیام۔ اس لیگ کی درخواست پر لیگ کی دوسری نشست میں، جو لندن میں ہوئی، کارل مارکس اور انگلس نے ایک کمیونسٹ منشور تیار کیا، جس کا انقلابی تحریکوں پر کافی گہرا اثر پڑا۔

کمیونزم کے لیے جدوجہد کے مقصد کے ساتھ ان کی گہری وفاداری، محنت کش عوام کے حالات سے ان کی زبردست واقفیت اور ان کی مزدوروں سے ان کی عمیق دلچسپی اور فکر مندی نے مارکس کو ترقی یافتہ مزدوروں کا محبوب

بتا دیا اور وہ انہیں فادر مارکس کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔

کمیونسٹ منشور کی اشاعت کے زمانے میں یورپ انقلاب کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ مارکس کی پیش گوئی کے مطابق سب سے پہلے فرانسیسی مرغ کی گونج دار بانگ گونجی۔ اس طرح انقلاب کی شروعات فرانس سے ہوئی۔ ۲۲ تا ۲۴ فروری ۱۸۴۸ء کو فرانس میں ری پبلک یعنی عوامی جمہوریہ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ انقلاب کے وقت مارکس بروسیلز میں تھے۔ فرانس کی عوامی حکومت نے انہیں فرانس آنے کی دعوت دی۔ مارکس پیرس کے لئے روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک بلجیم کی حکومت نے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر ملک چھوڑنے کا حکم دیا لیکن اس کے فوراً بعد انہیں اور ان کی بیوی کو بلجیم کی پولیس نے گرفتار کرکے تفتیشی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا۔ ان پر آوارہ گردی کا الزام لگایا گیا تھا لیکن ان کی گرفتاری پر یہاں کے جمہوریت پسند عوام نے کئی بار احتجاجی مظاہرے کئے آخرکار حکومت نے ان دونوں کو رہا کر دیا اور انہیں اپنا ذاتی سامان لئے بغیر بروسیلز چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔

۵ مارچ ۱۸۴۸ء کو کارل مارکس اپنے اہل و عیال کے ساتھ پیرس پہونچے اس دوران جرمنی میں بھی انقلاب اپنے عروج پر پہونچ چکا تھا مارکس کے بعد انگلس بھی اسی دوران پیرس پہونچ چکے تھے اور ان دونوں نے مل کر جرمن انقلاب میں کمیونسٹ لیگ کے سیاسی پروگرام، جرمنی میں کمیونسٹ پارٹی کے مطالبات کی صورت گری کی جس میں جرمنی کو ایک واحد ناقابل تقسیم جمہوریہ قرار دینے، عوام کے لئے رائے دہی کے عام حق کے ذریعہ سیاسی نظام کو جمہوری رنگ دینے، مفت عام تعلیم کی ترویج عمل میں لانے اور دیگر مطالبات درج تھے۔ جرمن کے جمہوری عوام نے ان مطالبات کی بھرپور تائید کی۔

اس کے بعد مارکس اور انگلس ۱۶ اپریل ۱۸۴۸ء کو فرانس سے کولون پہونچے یہ ایک بڑا صنعتی مرکز تھا اور یہاں مارکس کو نیورائینشے سائٹنگ کی ادارت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ مارکس یکم جون ۱۸۴۸ء سے ۱۹ مئی ۱۸۴۹ء تک اس اخبار کے ایڈیٹر رہے اس اخبار میں مارکس نے اپنے مضامین میں بورژوائی خیالات اور جدوجہد کی شدید مخالفت کی اور اپنا انقلابی نظریہ پیش کیا کہ مزدور طبقہ اور استبداد و استحصال کے شکار تمام لوگوں کو سماج کی تشکیل نو کے لئے جدوجہد کا تاریخی اعتبار سے ناقابل تنسیخ حق حاصل ہے اپنے ایک اداریہ میں انہوں نے کہا: اگر تاج کی طرف سے جوابی انقلاب برپا کیا جاتا ہے تو عوام کو بھی ایک انقلاب کی شکل میں اس کا جواب دینے



مارکس اور انگلس نیورائینشے زائٹنگ کے چھاپہ خانہ میں
(ایک پینٹنگ پر مبنی)



بروسیلز کا قید خانہ جہاں مارچ ۱۸۴۸ء میں مارکس کو قید کیا گیا تھا۔

کا حق حاصل ہے۔ کسانوں کے مسائل کے حل کی بابت انہوں نے کسانوں کی جاگیرداروں کے پنجے سے رہائی، دیہی علاقوں میں سماجی تعلقات کی ازسرنو انقلابی تشکیل اور کی زمینوں کو بے زمین اور غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔

لیکن پیرس کی بغاوت عارضی ثابت ہوئی وہاں پھر رجعت پرست برسر اقتدار آئے یہی صورت حال جرمنی میں بھی رونما ہوئی۔

اسی دوران پروشیا کے جاگیردار رجعت پرستوں نے فروری ۱۸۴۹ء کو مارکس اور اینگلس کو عوام کی اہانت کے الزام میں گرفتار کرکے عدالت میں پیش کیا اس کے ساتھ ہی مارکس پر ٹیکس نہ ادا کرنے اور بغاوت کے لئے لوگوں کو اکسانے کے الزامات بھی عائد کئے گئے۔ عدالت کے سامنے اپنے بیانات میں مارکس نے یہ ثابت کردکھایا کہ حقیقی مجرم خود شاہی حکومت ہے۔ حکومت نے پارلیامنٹ کو اور قومی اسمبلی کو تباہ کردیا ہے وہ محنت کش عوام کے جمہوری حقوق کو پامال کررہی ہے اور قانون کے بجائے جبر و دباؤ کا سہارا لے رہی ہے مارکس کے بیانات نے جیوری کو بے حد متاثر اور اس نے انہیں مجرم ماننے سے انکار کردیا آخرکار انہیں ۹ فروری ۱۸۴۹ء کو رہا کردیا گیا۔ رہائی پانے کے بعد مارکس پھر اپنے اخبار کے کام میں مشغول ہوگئے۔ اس بار انہوں نے کئی مضامین شائع کئے جن میں انہوں نے انقلاب کی عارضی شکست کے اسباب کی وضاحت کی۔ ساتھ ہی مستقبل کی روش کا خاکہ بھی پیش کیا لیکن جرمنی کی بورژوا حکومت مارکس کی موجودگی برداشت نہ کرسکی۔ اور ۱۶ مئی ۱۸۴۹ء کو انہیں جرمنی سے جلاوطن کردیا گیا۔ مارکس وہاں سے سیدھا پیرس آئے لیکن یہاں بھی حالات سازگار ثابت نہیں ہوئے۔ فرانس میں رجعت پسند افراد پھر برسر اقتدار آگئے اور اسی کی وجہ سے وہ یہاں قیام نہ کرسکے۔ فرانسیسی حکومت نے انہیں ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر پیرس چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

اس کے بعد وہ انگلینڈ کے لئے روانہ ہوئے اور برطانیہ میں انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی گزاری۔ یہاں مارکس کو لندن کی ۲۸ ڈین اسٹریٹ میں واقع ایک مکان میں سر چھپانے کو جگہ ملی لیکن یہاں بھی بے روزگاری اور غربت نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا اور انہیں اور ان کے اہل و عیال کو کئی بار اپنی رہائش گاہ تبدیل کرنی پڑی۔ اور بالآخر انہیں سوہو کے ڈین اسٹریٹ میں واقع ایک تنگ و تاریک فلیٹ میں آباد ہونا پڑا۔

گزشتہ صدی کی پانچویں اور چھٹی دہائی کے عرصہ میں جمہوری تحریکوں کی احیاء نے مارکس کو عملی سرگرمیوں پر پھر مشغول کردیا۔ اس عرصہ میں یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں انقلابی تحریکیں رونما ہونے لگیں۔ ان تحریکوں کو ۱۸۵۷ء-۵۸ء کے معاشی بحران سے مزید تقویت حاصل ہوئی۔ اس بحران کے نتیجہ میں پیداوار میں زبردست کمی ہوئی اور اس صورت حال کا سب سے زیادہ اثر مزدور طبقہ پر پڑا ہر جگہ بے روزگاری عام ہوگئی۔ معاشی بحران سے متعلق اپنے مضامین میں مارکس نے اس بات کی نشاندہی کی کہ بورژوا ماہرین معاشیات اسے حل کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے انہوں نے کہا کہ سرمایہ دارانہ نظام کا وجود جب تک برقرار رہے گا اس طرح کے بحران اس کے بطن سے بدستور جنم لیتے رہیں گے۔

اسی دوران یعنی ۲۸ ستمبر ۱۸۶۴ء کو پہلا بین الاقوامی مزدوروں کا ایسوسی ایشن لندن میں قائم کیا گیا۔ مارکس اس تنظیم کے روح رواں تھے اس کی پہلی نشست میں آپ نے تقریر کی تھی اس کے لئے بہت ساری قرار دادیں، اعلانات اور منشور انہوں نے ترتیب کئے تھے اس نشست میں جو قرار دادیں منظور کی گئی تھیں ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

• سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنا مزدور طبقہ کا سب سے بڑا فرض بن چکا ہے۔"

• کامیابی کا ایک عنصر یعنی تعداد ان کے پاس ہے لیکن تعداد کا وزن توازن میں ہی محسوس ہوتا ہے بشرطیکہ یہ تنظیم کے ساتھ متحد ہو اور علم سے رہنمائی حاصل کرتی ہو۔"

• اجرتی محنت ایک عبوری اور فرسودہ شکل ہے جو لازمی طور پر اس وقت معدوم ہوجائے گی جب مشترکہ محنت راضی بہ رضا، آمادہ و تیار ذہن اور مسرور دل کے ساتھ میدان میں اترے گی۔"

• بڑے پیمانہ پر اور جدید سائنس کے اصولوں کے عین مطابق پیداوار کا سلسلہ مالکان کے ایک طبقہ کے وجود کے بغیر بھی جاری رکھا جاسکتا ہے

• محنت کے وسائل کو خود محنت کش انسان پر بالادستی کے حصول کا ذریعہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

مارکس حکمراں طبقات کی پالیسی کے خلاف مزدور طبقہ کی جدوجہد کو نمایاں اہمیت دیتے تھے لیکن ۱۸۷۱ء میں پیرس کمیون کے زوال کے بعد یورپ میں اس تنظیم کو قائم رکھا نہیں جاسکا اسی لئے ۱۸۷۶ء میں اسے برخاست

کے ہیگ کانگریس کے بعد مارکس نے انٹرنیشنل کو نیویارک میں منتقل کر دیا پہلا انٹرنیشنل تو اپنا تاریخی کردار ادا کر چکا تھا اور اب دوسرے انٹرنیشنل نے اس دنیا کے تمام ملکوں میں مزدوروں کی تحریک کی ترقی اور فروغ میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا اور ہر ملک میں محنت کش طبقوں میں سوشلسٹ تنظیمیں قائم کیں۔

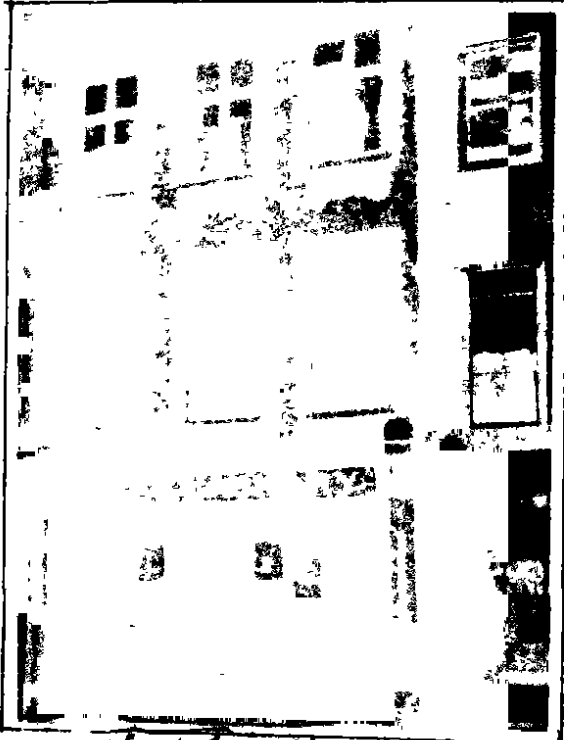
اس دوران مسلسل محنت اور کام کا جو بوجھ ان کی صحت پر پڑا اثر پڑا انٹرنیشنل کے کام میں وہ دن رات مشغول رہے دوسری طرف وہ اپنی کتاب "سرمایہ" کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے اپنی زندگی کی آخری دہائی میں انہوں نے روس میں انقلابی تحریک کا، نیز روس کی معاشی و سیاسی ترقی، اس کی تاریخ اور ثقافت کا غائر مطالعہ کیا اور اپنے مشاہدات کا لب لباب ایک مسودہ ۱۸۶۱ء کی اصلاح اور روس میں مابعد اصلاح کی ترقی پر تبصرہ میں پیش کیا۔ ۱۸۷۳ء میں گرتی ہوئی صحت سے مجبور ہو کر مارکس نے باضابطہ علاج کا سلسلہ شروع کیا اپنی بیوی اور اینگلس کے اصرار پر انہوں نے کئی بار کارلووی ویری کے معدنی چشمے سے استفادہ بھی کیا۔ لیکن پھر ۱۸۷۸ء میں ان کی جسمانی تکالیف کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا

۲ دسمبر ۱۸۸۱ء کو مارکس کو بہت ہی شدید صدمہ پہونچا۔ کیونکہ ان کی اہلیہ جینی کا انتقال ہو گیا۔ اینگلس نے ان کے جنازے پر جو الفاظ کہے تھے وہ اس خاتون کی زندگی کی معنویت کو اجاگر کرتے ہیں۔ اینگلس نے کہا تھا۔ "اس زندگی نے جو انتہائی واضح اور تنقیدی ذہن کا، اتنی ولولہ انگیز توانائی اور اپنی ذات سے اتنی بے اعتنائی کا ثبوت فراہم کرتی ہے انقلابی تحریک کے لئے کیا کچھ کیا ہے وہ نہ تو سامنے آیا ہے اور نہ ہی اخبارات میں اس کی تشہیر ہوئی ہے انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہے جو ان کے ساتھ رہتے تھے اگر کوئی خاتون ایسی تھیں جو دوسروں کو خوش دیکھ کر ہی خوش رہتی تھیں تو بلاشبہ وہ یہی خاتون تھیں"!

بعد کے مہینوں میں ڈاکٹروں کے مشورہ پر مارکس نے معتدل آب و ہوا والے کسی ایسے مقام کی تلاش شروع کی جہاں وہ اپنی صحت کو بحال کر سکیں چنانچہ وہ الجیریا گئے اور کچھ دنوں تک جنوبی فرانس میں بھی قیام کیا لیکن جب وہ لندن واپس آئے تو ان کی حالت ایک بار پھر بگڑ گئی

۱۱ جنوری ۱۸۸۳ء کو ان کی سب سے بڑی بیٹی کی اچانک موت نے ان کی گرتی ہوئی صحت پر ایک اور ضرب کاری لگائی۔ اور ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو کارل مارکس اپنی آرام کرسی پر ہمیشہ کے لئے سو گئے۔

کارل مارکس کی شخصیت آج بھی ہمارے عہد کے انقلابی لہروں کا منبع اور سرچشمہ ہے ایک صدی کے گزر جانے کے بعد بھی مارکسزم کی افادیت اور اہمیت آج بھی جوں کی توں برقرار ہے۔ تاریخ نے مارکس کی ایک لافانی یادگار تعمیر کی ہے اور یہ ہے اشتراکیت کا عالمی نظام، جو ان کے تصورات کا عملی پیکر ہے ●



لندن کا وہ مکان جو ۱۸۵۶ء سے ۱۸۵۷ء تک مارکس کی رہائش گاہ رہا



مارکس اور اینگلس مزدوروں کے درمیان

وقت کے دھارے کو بدلنا ہوگا

اکرام سہیل

ساتھیو! وقت کے دھارے کو بدلنے کے لئے
آج پھر تم کو اسی شان سے اٹھنا ہوگا
اپنی محنت کا صلہ آج بھی چھن جاتا ہے
رہزنوں، چوروں، لٹیروں کی بن آئی ہے یہاں
زندگی کیسی غریبوں کی بِتائے جاتے ہیں
جیسے افلاس کی اُڑی ہوئی لاشیں بے جاں
ساتھیو! وقت کے دھارے کو بدلنے کے لئے
آج پھر تم کو اسی شان سے اٹھنا ہوگا
یہ ہے بازار جہاں علم و ہنر بکتا ہے
عصمتیں بکتی ہیں، ناموس چمن بکتی ہے
ننھے معصوم نہالوں کا بھی سودا ہے روا
دل کے بازار میں آوازِ سخن بکتی ہے
ساتھیو! وقت کے دھارے کو بدلنے کے لئے
آج پھر تم کو اسی شان سے اٹھنا ہوگا
تم نے طوفانوں کے رُخ پھیر دیئے ہیں اکثر
تم نے موڑی ہے کلائی کئی زرداروں کی
تم نے توڑا ہے غلامی کا جوا طاقت سے
تم نے ٹھوکر سے اڑائی ہے کلاہِ شاہی



مارکس، ہیگ کانفرنس میں تقریر کر رہے ہیں
(ایک پینٹنگ پر مبنی)

ساتھیو! وقت کے دھارے کو بدلنے کے لئے
آج پھر تم کو اسی شان سے اٹھنا ہوگا
تم نے حق کہہ کے سرِ دار بغاوت کی ہے
تم نے دشمن کے قدم روکے ہیں میدانوں میں
تم نے قائم کئے ہیں عظمتِ انساں کے ستوں
تم نے پیدا کیا ہے حوصلہ انسانوں میں
ساتھیو! وقت کے دھارے کو بدلنے کے لئے
آج پھر تم کو اسی شان سے اٹھنا ہوگا

قصّے اور واقعات

جو تلمیحات و محاورے اور ضرب الامثال بن گئے

ڈاکٹر ادریس احمد

علم کلام میں تلمیحات، محاورے، ضرب الامثال اور اصطلاحات کا استعمال ہر زبان میں انسانی تہذیب کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے یہ ہر زبان کے لئے بیش قیمت سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور زبان و بیان کو خوبصورت اور موثر انداز بخشتے ہیں۔ زبان کی ترقی کے ساتھ ساتھ نئے نئے محاورے اور تلمیحات کا اضافہ ہوتا رہتا ہے دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانیں تلمیحات کے خزانہ سے سرشار ہیں۔ ان سے اس زبان کی بتدریج ترقی، اس قوم کے مذہبی عقائد ان کی معاشرتی و ملی زندگی، تہذیب و تمدن حتیٰ کہ ان کا تمام ماضی نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے اور جس طرح قوموں کے تہوار ان کو زندہ رکھنے کے لئے کافی حد تک مددگار ثابت ہوتے ہیں اسی طرح تلمیحات و محاورات اس قوم کی عظمت و شوکت کی نشان ہوتی ہیں۔

امریکہ کا مشہور انشاء پرداز "آسیورن" لکھتا ہے کہ تلمیحات و محاورات ہماری قوم کے نشان ہیں جو ہمیں اپنے آباء و اجداد کے خیالات، اوہام، رسم و رواج اور واقعات و حالات کا پتہ دیتے ہیں۔

تلمیح اصطلاح میں اس صنعت کا نام ہے جس سے نظم و نثر میں اشارے کے طور پر کسی افسانے قصہ یا واقعہ کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ بغیر اس کی تفصیل جانے کلام کا لطف حاصل نہ ہو جیسے حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری،

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ جب تک حسن یوسف، دم عیسیٰ اور ید بیضا کی تشریح ذہن میں نہ ہو، شعر کا صحیح لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔

محاورے و ضرب الامثال کے لئے لازم نہیں کہ کسی خاص واقعہ پر مبنی ہوں مگر اکثر و بیشتر ان کی بنا کسی نہ کسی واقعہ پر ہی ہوتی ہے یا پھر کوئی فرضی واقعہ یا داستان ان سے منسوب کر دی جاتی ہے

اردو فارسی، عربی میں محاورے و تلمیحات کثرت سے ملتے ہیں۔ تاریخی واقعات قرآنی آیات، احادیث، داستانیں، مذہبی عقائد، عام فرضی قصّے اور افسانے ان کا مبدا و ماخذ رہی ہیں۔

ذیل میں چند تلمیحات، ضرب الامثال و محاورات کی تاریخ و اصلیت بیان کی جا رہی ہے جو کسی نہ کسی واقعہ کے نتیجہ میں ظہور میں آئی ہیں۔

ہنوز دلی دور است ۔ یہ مثل ایسے موقعوں پر بولی جاتی ہے جب حصول مقصد میں کافی دیر ہو، یا مشکل درپیش ہو۔ اس کی اصل اور بنیاد کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں۔

(ا) غیاث الدین تغلق باطن میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے عداوت رکھتا تھا۔ بنگال کی مہم سے واپسی کے وقت اس نے حضرت سے کہلا بھیجا تھا کہ میرے پہنچنے سے پہلے آپ دہلی خالی کر دیں حضرت نے یہ سن کر کا صرف اتنا کہا کہ "بابا ہنوز دلی دور است"! چنانچہ ایسا ہی ہوا اور غیاث الدین تغلق کو دہلی میں قدم رکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ دہلی کے قریب افغان پور میں قصر تغلق میں دب کر مر گیا۔

(ب) ایک دوسری روایت یہ بھی مشہور ہے کہ جہانگیر نے ایک مرتبہ نورجہاں کے پاس جو دلی میں تھی کوئی پیغام فوری طور پر بھیجنا چاہا ایک قاصد تیز رفتار اور جذبۂ وفاداری و جاں نثاری سے سرشار نے اس کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا کہ میں ایک ہی روز میں لاہور سے دلی پہنچ کر جہاں پناہ کا پیغام پہنچا دوں گا اور دوسرے دن جواب لا کر پیش کر دوں گا۔ چنانچہ تیز رفتار گھوڑے پر روانہ ہو کر شام تک دلی کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں ایک سرائے میں ایک بڑھیا سے اس نے معلوم کیا: "مائی یہاں سے دلی کتنی دور ہے"؟ بڑھیا نے جواب دیا "نوج دلی دور"۔ نوج کے معنی دلی کی زبان میں "خدا نہ کرے"! کے ہیں۔ قاصد یہ سمجھا کہ اس نے کہا ہے "ہنوز دلی دور" اس صدمے سے وہ اسی وقت چکرا کر گر پڑا اور جاں بحق ہو گیا۔

جہانگیر نے جب یہ سنا تو اس کو بہت رنج ہوا اس نے قاصد جاں نثار کی شاندار قبر بنوادی جو کہا جاتا ہے کہ دلی کے پانچ کوس کے فاصلہ پر اب بھی موجود ہے۔ قدر فرماتے ہیں ؎

دیتا ہے روز حشر کی رندوں کو دھمکیاں
واعظ زبان روک ابھی دلی دور ہے

احدی۔ اردو میں احدی کاہل اور سست آدمی کو کہا جاتا ہے۔ اصل لفظ احدی ہے اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ اکبر کے ایک قسم کے منصب دار اس لقب سے موسوم تھے یہ لوگ باقاعدہ فوج میں تو شامل نہ ہوتے تھے مگر ان کو گھر بیٹھے تنخواہ ملتی تھی اور ان کا کام سرکش اور نادہند زمینداروں سے لگان وصول کرنا تھا۔ یہ لوگ جہاں جاتے، لگان کی رقم وصول کرکے ہی اٹھتے حتیٰ کہ ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ کاہل اور سست ہو گئے۔ امیر کا شعر ہے ؎

ہل نہیں سکتے ہیں مسند سے ذرا بھی منعم
احدیوں میں نہ گنے جائیں یہ آرام پسند

تاناشاہ، تاناشاہی۔ تلنگی زبان میں تانا بچہ کو کہتے ہیں۔ دکن کے بادشاہ ابوالحسن کی عادتیں بھی بچوں کی سی تھیں اس لئے وہ تاناشاہ کے نام سے مشہور ہے کنایتہً ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بہت سخت مزاج اور آمرانہ رویہ رکھتا ہو تاناشاہی ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جہاں آمریت ہو اور بادشاہ رعایا سے غافل ہو۔ ابوالحسن تاناشاہ اورنگ زیب کا ہم عصر تھا یہ اتنا نازک مزاج تھا کہ اس نے کبھی پان نہیں کھایا اور نہ کبھی عطر لگایا۔ دوسرے لوگ پان کھاکر اور عطر لگاکر اس کے سامنے بیٹھ جاتے اور وہ خوشبو سے لطف اندوز ہوتا تھا دکن کی فتح کے بعد جب اورنگ زیب نے اس کو قید کرلیا اور اس سے پوچھا کہ وہ اپنے قتل کے لئے کون سا طریقہ پسند کرتا ہے تاناشاہ نے جواب دیا کہ میری موت کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ کوئی شخص میرے قریب سے میلے اور کثیف کپڑوں میں گذر جائے۔ چنانچہ اس کے پاس ایک میلی کچیلی گوجری بھیجی گئی تو اس کا دماغ پھٹ گیا اور وہ فوراً ہی مرگیا۔ ؎

تاناشاہ کیا، یار پر نازک مزاجی ختم ہے
عطر صندل کا جو سونگھا درد سر ہونے لگا

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ مفہوم ظاہر ہے۔ لنکا کا راجہ راون جب سیتا جی کو زبردستی لے گیا تو رام چندر جی نے لنکا پر چڑھائی کی تاکہ سیتا جی کو راون کی قید سے چھڑائیں۔ زمانۂ جنگ میں راون کے بھائی وبھیشن نے راجہ رام چندر جی کی بہت مدد کی۔ وبھیشن کو یہ وردان ملا ہوا تھا کہ اس سے کوئی غلط کام سرزد نہ ہوگا اسی وجہ سے راون سے اس کا جھگڑا رہتا تھا اور اس نے ان کو تمام مراعات سے محروم کردیا تھا وبھیشن اڑ کر کیلاش گئے اور شیواجی کی ہدایت پر واپس آکر رام چندر جی کا ساتھ دیا اور وہ تمام راز رام چندر جی کو بتلائے جن کے بغیر لنکا فتح کرنا دشوار تھا راون کی شکست اور موت کے بعد لنکا کی حکومت رام چندر جی نے وبھیشن کے حوالے کردی تھی اسی سلسلہ میں یہ مثل مشہور ہے۔

جان بل اور چچا سام۔ اخباروں اور کارٹونوں میں عام طور پر امریکہ کو چچا سام اور انگریزوں کو جان بل کے فرضی نام سے ظاہر کیا جاتا ہے کہتے ہیں ایک انگریز عالم نے ۱۷۱۲ء میں ایک کتاب لکھی تھی اس میں ایک فرضی شخص جان بل میں اہل انگلستان کی تمام خوبیاں خصلتیں دکھائی تھیں یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ انگریزوں کو جان بل کہا جانے لگا۔

چچا سام (انکل سام) امریکہ کا کارٹونی نام ہے کیونکہ یونائیٹڈ اسٹیٹس اور انکل سام دونوں کا مخفف U.S ہے اسی لئے مزاحیہ کارٹونوں میں عام طور پر امریکہ کو انکل سام لکھا جاتا ہے امریکہ کا یہ نام پڑنے سے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ ۱۸۱۲ء میں امریکہ نے ایک شخص البرٹ انڈرسن (ELBERT ANDERSON) کو فوج کی رسد رسانی کا ٹھیکہ دیا تھا۔ اور ایک دوسرے شخص سیموئل ولسن کو نگراں مقرر کیا تھا۔ سیموئل بہت مسخرا آدمی تھا تمام لوگ مذاق میں انکل سام کہا کرتے تھے۔ ٹھیکہ دار مذکور جب رسد کا صندوق معائنہ کے لئے پیش کرتا تو سیموئل کی عادت تھی کہ بجائے پورا نام نام لکھنے کے E.A.U.S لکھ کر اپنے دستخط کردیا کرتا تھا۔ E.A سے مراد البرٹ انڈرسن اور U.S سے یونائیٹڈ اسٹیٹس تھا جب کوئی سیموئل سے U.S کا مطلب پوچھتا تو وہ مذاق میں کہہ دیتا، انکل سام رفتہ رفتہ یہ مذاق اتنا عام ہوا کہ اخبارات میں بھی پھیل گیا اور امریکہ کا کارٹونی نام انکل سام پڑ گیا۔

تیس مار خاں۔ بزدل اور ڈرپوک آدمی اگر بہادری و دلاوری کا دعویٰ کرے تو اسے طنزاً تیس مار خاں کہتے ہیں۔

کہتے ہیں ایک سپاہی زادہ بہت دنوں سے بیکار تھا جب ساری پونجی ختم ہو گئی تو تلاش معاش پر مجبور ہوا چلتے وقت بیوی نے تیس لڈو بنا کر دیئے

یہ لڈو کھانے رات کے وقت بنائے تو ان کو کوٹتے وقت ایک زہریلا سانپ بھی کٹ گیا تھا جو اتفاق سے اوکھلی میں بیٹھا ہوا تھا وہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ لڈو زہریلے ہیں۔

کئی میل چلنے کے بعد سپاہی زادہ کو بھوک محسوس ہوئی تو اس نے سایہ میں بیٹھ کر لڈوؤں کی پوٹلی کھولی اتفاق سے اسی وقت کہیں سے تیس ڈاکو آ نکلے انہوں نے سپاہی سے لڈو چھین لیے اور ایک ایک بانٹ لیا اور وہیں بیٹھ کر کھا گئے لڈوؤں کا کھانا تھا کہ وہیں سب لوٹ پوٹ گئے سپاہی زادے نے جب یہ ماجرا دیکھا تو سب کے ناک کان کاٹ لیے اور رومال میں باندھ کر آگے روانہ ہو گیا جب وہ ایک شہر میں پہونچا تو وہاں کے دستور کے مطابق اس کو راجہ کے سامنے پیش کیا گیا اس نے فخریہ طور پر اپنے باپ دادا کے کارنامے بیان کرکے ڈاکوؤں کو قتل کرنے کی فرضی داستان سنائی اور ثبوت کے طور پر ناک کان پیش کیے وہ ڈاکو بہت سے قافلوں کو لوٹ چکے تھے اور ان کی گرفتاری پر بڑا انعام تھا۔ راجہ نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوا اور سپاہی زادہ کو انعام و اکرام دے کر فوج میں رکھ لیا اور ساری ریاست میں وہ تیس مار خاں کے نام سے مشہور ہوا۔

ٹیڑھی کھیر:۔ مشکل کام کو ٹیڑھی کھیر کہتے ہیں۔ ایک نابینا سے کسی نے پوچھا۔ حافظ جی! کھیر کھاؤ گے؟ اس نے کبھی کھیر نہیں کھائی تھی۔ اس لیے پوچھا۔

بھائی کھیر کیسی ہوتی ہے؟ جواب ملا سفید بگلے کی طرح ہوتی ہے۔ حافظ جی نے پھر پوچھا۔ بگلا کیسا ہوتا ہے؟ اس نے اپنے ہاتھ کو ٹیڑھا کرکے بتایا۔ ایسا ہوتا ہے حافظ جی نے ٹٹول کر محسوس کیا۔ اور کہا

نہیں بھائی! یہ تو بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ ہم سے نہیں کھائی جائے گی۔

حسنِ یوسف: حضرت یوسف علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے حسنِ سیرت [illegible] بے پناہ حسنِ صورت بھی عطا کیا تھا۔ عزیز مصر کی بیوی زلیخا خود بھی حسین تھی مگر حسنِ یوسف پر شیدا و فریفتہ تھی اور کسی طرح عشق

سے دستبردار ہونے کو آمادہ نہ تھی جب زیادہ چرچا ہوا تو شاہی خاندان کی عورتوں نے بھی لعن و تشنیع شروع کر دی کہ زلیخا کتنی بے حیا ہے کہ ایک کم حیثیت غلام کے عشق میں گرفتار ہو گئی جب زلیخا نے یہ سنا تو انتقام کی ٹھانی اور سب کو دعوت دی جب سب دسترخوان پر بیٹھ گئیں تو زلیخا نے ان کے ہاتھ میں پھل کاٹنے کی ایک ایک چھری دے دی جب وہ ترنج کاٹنے لگیں تو زلیخا نے یوسف کو بھی وہاں بلا لیا۔ جمال یوسفی دیکھ کر تمام عورتیں مبہوت رہ گئیں اور چھریوں سے ترنج کاٹنے کے بجائے انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور کہنے لگیں کون کہتا ہے یہ انسان ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے زلیخا بولی یہی وہ غلام ہے جس کے عشق کے لیے تم مجھے مطعون کر رہی ہو۔ ؎

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

دمِ عیسیٰ: دمِ عیسیٰ کی تلمیح حضرت عیسیٰ کے ایک معجزے کی طرف اشارہ کرتی ہے خدا تعالیٰ نے ان کو بہت سے معجزے عطا فرمائے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ کے پھونک مارنے سے مٹی کے جانوروں تک میں جان پڑ جاتی تھی ایک بار قوم کی ضد پر اور اصرار پر آپ نے مٹی کا ایک چمگادڑ بنایا تھا اور پھونک مار کر اسے زندگی بخشی تھی اسی وجہ سے اس مرغ عیسیٰ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ "قم باذن اللہ" کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ ؎

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی میں حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

یدِ بیضا اور عصائے موسیٰ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزے عطا کئے ہوئے ہیں یدِ بیضا اور عصائے موسیٰ بہت مشہور ہیں۔ حضرت موسیٰ کے پاس بکریاں ہانکنے کی ایک لکڑی تھی جب وہ زمین پر ڈال دیتے تھے تو وہ خدا کے حکم سے ایک مہیب اژدہا بن جاتی تھی اور جب ہاتھ میں پکڑ لیتے تھے تو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتی تھی۔

یدِ بیضا کے معنی روشن اور منور ہاتھ کے ہیں حضرت موسیٰ جب اپنی بغل سے مس کرکے ہاتھ باہر نکالتے تو ان کی ہتھیلی آفتاب کی مانند چمکنے لگتی تھی حضرت موسیٰ کے زمانۂ طفولیت میں فرعون نے ایک بار امتحان لیا تھا ایک طشت میں کھجوریں اور دوسرے طشت میں دہکتے ہوئے انگارے بالکل ان کے سامنے رکھ دیئے گئے۔

حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے دکھا کر اپنے معجزے دکھائے تھے جس کی وجہ سے زبان میں لکنت پیدا ہو گئی اور ہتھیلی پر سفید داغ پڑ گیا اسی سفید داغ کو اللہ تعالیٰ نے ید بیضا کے معجزے میں تبدیل کر دیا تھا۔ ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام ضامن۔ کہا جاتا ہے کہ آٹھویں امام حضرت علی رضا کے زمانے میں خلیفۂ وقت مامون رشید نے کربلائے معلیٰ جانے پر سخت پابندی لگا دی تھی لیکن ایسے لوگوں کے لئے جو زیارت کے مشتاق ہوتے امام علی رضا کفیل و ضامن ہو جاتے تھے اسی نسبت سے آپکو امام ضامن کہا جانے لگا نیز مسلمان عورتوں کا عقیدہ ہو گیا کہ جب کوئی سفر پر روانہ ہو یا شادی بیاہ کی رسم کے لئے جا رہا ہو تو امام صاحب کے نام سے روپیہ وغیرہ یا کوئی اور سکہ بازو پر باندھتے ہیں تاکہ مراد کو پہونچے چنانچہ مقصد پورا ہو جانے پر اس روپئے کو سیدوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

قارون کا خزانہ کہا جاتا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ کا چچا زاد بھائی تھا اس کو علم کیمیا سے واقفیت تھی جس کے ذریعہ اس نے بڑا خزانہ تیار کر لیا تھا۔ اس خزانے کی کنجیاں چالیس خچروں پر لادی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰ نے اسے زکوٰۃ دینے کی تلقین کی لیکن اس نے ایک نہ سنی بلکہ حضرت موسیٰ کو بہتان لگا کر تکلیف پہونچانی چاہی پھر رنا کر فرد کھانے کے لئے اپنا سارا خزانہ لے کر حضرت موسیٰ کے سامنے سے اکڑتا ہوا گزرا چنانچہ خدا کے حکم سے زمین شق ہو گئی اور قارون اپنے خزانے کے ساتھ زمین میں دھنستا چلا گیا۔

رستم۔ ایران کا نامی پہلوان تھا اس کا لقب تہمتن تھا یہ زال کا بیٹا اور سام کا پوتا تھا۔ اس کا بیٹا سہراب بھی مشہور پہلوان تھا جس کو رستم نے دھوکے میں قتل کر دیا۔ بعد میں اس کے سوتیلے بھائی شغاد نے اس کو دھوکے سے جان لی فردوسی کا شاہنامہ رستم کی بہادری کی داستانوں سے بھرا ہوا ہے کیونکہ رستم کے باپ زال کا نام دستان بھی ہے اس لئے رستم کو رستم دستان بھی کہا جاتا ہے۔

من و سلویٰ، دعوت پر ترقہ؟ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ سمندر پار کر کے تیہ کی وادی میں پہونچے تو بنی اسرائیل نے کھانے کے طلبگار ہوئے تب خدا نے ان کی جانب من

و سلویٰ بھیجا۔ من سفید اولوں کی مانند دانوں کی طرح شبنم کی صورت میں آسمان سے گرتی ہوئی ایک چیز تھی جو نہایت شیریں حلوے کی مانند تھی۔ سلویٰ بٹیروں کی مانند پرندے تھے جو کہ غذا کے طور پر تیز ہوا کے جھونکوں میں آ کر زمین پر اترتے ادھر ادھر پھیلا جاتے تھے۔ بنی اسرائیل ان کو پکڑتے اور بھون کر کھاتے۔ لیکن بنی اسرائیل نے شکایت کی کہ وہ ایک ہی طرح کے غذا کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں پھر انہوں نے من و سلویٰ کو جمع کرنا شروع کر دیا چنانچہ یہ نعمتیں نازل ہونی بند ہو گئیں۔

نمرود، آتشِ نمرود، گلزارِ ابراہیم، آذر خلیل اللہ، مائدۂ خلیل

حضرت ابراہیم خدا کے بلند مرتبہ پیغمبروں میں سے تھے خلیل اللہ ان کا لقب تھا عام طور پر ان کے والد کا نام آذر بتایا جاتا ہے کچھ مورخین کا خیال ہے کہ آذر ان کے چچا کا نام تھا آذر مہا بت تراش تھا حضرت ابراہیم خدا پرست تھے اور خدا کو ایک مانتے تھے چنانچہ آپ نے بت پرستی کی مخالفت کی اس مخالفت کے نتیجہ میں حاکم وقت نمرود نے انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈلوا دیا۔ خدا کے حکم سے وہ آگ گلزار بن گئی اور ان کو کوئی نقصان نہ پہونچا۔ ؎

نارِ نمرود کو کیا گلزار
دوست کو یوں بچا لیا تو نے

خدا نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کر دیں حضرت ابراہیم اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو خدا کی راہ میں ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن جب انہوں نے ذبح کیا تو خدا کے حکم سے ان کی چھری کے نیچے حضرت اسماعیل کے بجائے ایک دنبہ ذبح ہوا اور اسی طرح عید قرباں کا تہوار قائم ہوا۔ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے حضرت سارہ سے حضرت اسحاق اور حضرت ہاجرہ سے حضرت اسماعیل۔ حضرت اسحٰق کی نسل بنی اسرائیل کے نام سے کنعان و مصر میں پھیلی اور حضرت اسماعیل کی نسل عرب میں پھیلی حضرت محمد صلی اللہ علیہ بھی حضرت ابراہیم کی نسل ہی میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم بڑے مہمان نواز تھے اسی بنا پر مائدۂ خلیل مشہور ہے۔ حضرت ابراہیم کا لقب خلیل اللہ تھا

پروفیسر لی لیکلان

قدیم مصر پر جنوبی ملکوں کے اثرات

مصر سے متعلق ماہرین اکثر یہ کہتے ہیں کہ مصر دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے اور دریائے نیل ایک افریقی ندی ہے۔ ان ماہرین نے بحیرہ روم کی تہذیب اور بائیبل کے مطالعے سے مصر کے بارے میں جاننے کی کوشش کی ہے۔ انہیں یہی معلوم تھا کہ مصر کے ایشیائی اور شامیوں سے تعلقات تھے لیکن گزشتہ چند برسوں سے نیوبیا اور سوڈان جیسے جنوبی ملکوں کی اہمیت اور ان کے اثرات کو قبول کیا جانے لگا ہے۔

شمال مشرقی افریقی ملکوں کی طرف سے بنائی گئی بہت سی چیزیں مصر کی قدیم تہذیب سے کافی حد تک ملتی جلتی ہیں۔ دریائے نیل کے آس پاس ملنے والی چٹان بحر اوقیانوس سے لیکر بحر احمر تک پھیلی ہوئی تہذیب و تمدن سے مشابہت رکھتی ہیں۔

نیوبیا کا پہلی بار ۱۹۳۹ء میں مطالعہ شروع کیا گیا۔ یہ بات باعث افسوس ہے کہ اسوان پر باندھ بنائے جانے کے سبب نیوبیا کا بیشتر حصہ اس وقت زیر آب ہے۔ نیوبیا کی اوپر کی طرف سوڈان ہے اب ہمیں یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ وہاں مصر کے لوگوں نے اپنی ایک بہت بڑی مملکت بنائی تھی اور انہوں نے ساحل کے نزدیک کافی عمارتیں بھی تعمیر کی تھیں۔

تھوس سوئم اور رامسس دوئم دونوں کا نیوبیا کے فاتح کے طور پر احترام کیا جاتا ہے اور ابو سمبل کے مشہور مناور کا ایک علاقے پر جادو جیسا اثر پڑا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی بڑی بڑی عمارتوں کو خاص جنوب کی طرف رکھا جاتا تھا۔ یہ وہ سمت تھی جدھر سے مصر کو کوئی خطرہ ہو سکتا تھا اور سمت میں طاقت کا [illegible] ہو کر بہت اہمیت رکھتا تھا۔

بعد میں [illegible] تک تہذیب کو پھیلایا یہ خاص طور پر مقامی روایات پر مبنی تھی۔ حالانکہ اس میں استعمال کیا گیا بیشتر سامان مصر کا ہی تھا۔ اس تہذیب کا سلسلہ [illegible] ۱۷۵۰ قبل مسیح سے لے کر

۱۳۳۰ء تک میرانگ مملکت نیل ندی کے وسطی علاقہ کی ایک بڑی طاقت بنی رہی خرطوم سے لے کر چاڈ تک اور اس سے بھی آگے تک مغربی افریقہ تک اسے ایک بڑی طاقت تسلیم کیا جاتا تھا۔

رامسس کی حکمرانی سے ۱۲۰ برس قبل ابو سمبل کے مناور کی تعمیر سے پہلے امین ہوتیپ سوئم کے زمانے میں دو مندر موجود تھے۔ صولیب اور سڈے ونگہ میں بھی امین ہوتیپ سوئم کے مشہور مندر تھے۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۸ء ۲۰ سال تک مائیکل جیو جونی اور مس فرانسس نے ان مناور کے سلسلے میں تحقیقات کا کام کیا۔ تحقیق و جستجو کے نتیجے میں جامع اور مفصل رپورٹ تیار کی گئی جو اب تک شائع نہیں ہو سکی ہے اس دستاویز سے ہمیں کافی معلومات حاصل ہوتی ہے علاوہ ازیں اس قدیم مملکت کے بارے میں بھی ہمارے پاس ۲۵۰۰ ق م پرانی دستاویزات ہیں۔ بعض دستاویزات کا تعلق دیگر ملکوں سے ہے۔ ان دستاویزات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ لگ بھگ ۹۰۰ ق م میں مصر کی راجدھانی نپاسٹیس تھی۔ صولیب کا مندر ۱۴۰۰ ق م کے زمانے کا ہے اس طرح ان دستاویزات سے تاریخ کی متعدد عجیب و غریب باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

صولیب کے مندر میں ایک بہت بڑا ہال بھی ہے شمال کی جانب ایشیائیوں کی کچھ شکلیں بنی ہوئی ہیں ان کی مدد سے امن ہوتیپ سوئم کے دور کی مغربی ایشیائی لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے جنوبی جانب افریقیوں کی شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ ایشیائی اور کالے لوگوں کی ان شکلوں میں ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں یہ شکلیں دنیا میں مصر کی طاقت اور قوت کی علامت مانی جاتی ہیں۔

اپنے متعدد وسائل کی وجہ سے مصر نہ صرف زیادہ طاقتور بن گیا بلکہ امیر بھی ہو گیا۔ نئی مملکت کی ترقی اور پیش قدمی مختلف کانوں میں سونا ہاتھ لگنے سے ہی ممکن ہو سکی ہے اس کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ سونے کے بیش بہا ظروف سے ہی ہمیں اس علاقے کے وسائل اور تہذیب کا پتہ چلتا ہے۔ مصر پر متعدد غیر ملکی [illegible]

بقیہ:- کارل مارکس اور ہندوستان

مطلق العنان حکومت قائم کرنے میں کامیابی ہی. مارکس یورپی حکمرانوں اور مقامی استحصال پسندوں کے سخت خلاف تھے. انہوں نے زمینداروں، تحصیل داروں اور ٹھیکیداروں کے، جو غریب کاشت کاروں کا استحصال کرتے تھے، ظالمانہ طرز عمل پر نکتہ چینی کی۔

ہندوستان کے مستقبل کی پیشن گوئی۔ مارکس نے ہندوستانی تواریخ اور ہندوستانی ثقافت کی انوکھی نوعیت کو زیر غور رکھا ان کی تحریروں کے سرسری مطالعہ سے کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اور یورپ میں زندگی کے چند دیگر پہلوؤں کا موازنہ کیا تو اس وقت انہوں نے ایشیا کو، یورپ کا مشرق کو مغرب کا ہم وزن بتایا. لیکن غائر تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں یہ بات معلوم ہوگی کہ مارکس نے ہندوستانی تاریخ کو عالمی تاریخ کی جزو لاینفک قرار دیا. انہوں نے ان طریقہ کار کو ہی اپنے تجزیہ کا نشانہ بنایا جو ہندوستان کے دیگر ملکوں کے ساتھ ابھرتے اور بڑھتے ہوئے رشتہ کی عکاسی کرتے ہیں. مارکس کو عالمی تواریخ کی ترقی کے طریقہ کار اور مقامی و علاقائی تواریخ کے عالمی تواریخ کے ساتھ ضم ہونے کے طریقہ کار سے دلچسپی تھی. مغربی تاریخ نویسوں نے مغرب اور مشرق کے درمیان فرق کو ایک حقیقت کی طرح تسلیم کرلیا تھا آج بھی بہت سارے مغربی تاریخ داں اور سیاست داں کے یہی خیالات ہیں اور اسی طرح وہ سب عالم جدید کی ترقی کی خصوصیات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس دوران ۱۹ ویں صدی کے وسط میں کارل مارکس نے مغرب اور مشرق دونوں کی علاقائی تواریخ کے ڈھانچہ کو توڑنا شروع کیا اور اس کے نتیجہ میں مغرب اور مشرق کے درمیان تاریخی فرق آہستہ آہستہ مٹتا گیا مارکس نے ہندوستان کو عالمی تواریخ کا ایک اہم جزو قرار دیا ●

سب گنہگار ہے خدا کی قسم
عشق داخل اگر گناہ میں ہے
—— شاکر کلکتوی

بھی اپنا تسلط ڈالا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلح افواج کی ہیئت بھی بدل گئی۔ یہ تبدیلی لانے میں ایشیا اور افریقہ نے اہم کردار ادا کیا۔ ۱۲۰۰ سے ۱۴۰۰ ق م کی مدت کے دوران مصر کی تعمیرات میں [illegible] کا اندراج ہے۔ ترجمے بیشتر [illegible] کثیر تعداد میں [illegible] اشیاء پا لئے گئے. مختلف نشیب و فراز کی دوڑ پر یہ حکومت ختم ہوگئی. اس واقعے کے سبب مصر کو چار سو برس سے جو وقار اور مرتبہ حاصل تھا اسے کافی ٹھیس پہنچی اس کے بعد تھیوپیا والے جنوب کی سمت میں پیچھے چلے گئے۔ بعد ازاں لگ بھگ ۱۵ ، ق م میں انہوں نے دریائے نیل سمیت مصر پر پھر سے فتح و کامرانی حاصل کی۔

میروٹیک زبان کی لغت اور اس کی شکل ابھی تک ایک راز بنی ہوئی ہے لیکن آج ہمارے پاس اس دور کی تقریباً ایک ہزار کتابیں موجود ہیں ان کتابوں کی مدد سے اس دور کے بارے میں کافی معلومات اور جانکاری حاصل ہوتی ہے

میں نے یہ مطالعہ پندرہ برس قبل شروع کیا تھا اور یہ آج بھی میرے لئے ایک راز بنا ہوا ہے ابھی تک اس زبان کے بارے میں بہت سے مفروضے قائم کر چکا ہوں ایک مرتبہ کتاب کا ایک سبق درج کر لینے کے بعد میں اپنے کمپیوٹر سے یہ سوال معلوم کرتا ہوں کہ زبان کے کون کون سے الفاظ وقفے وقفے سے بار بار استعمال ہونے والے الفاظ سے ملتے ہیں اس طرح میں نے بڑے بڑے شہروں کے اشاعتی اداروں خصوصی عہدیداروں وغیرہ کی ایک طویل فہرست مرتب کر لی ہے. میں نے بہت سے دیوی دیوتاؤں کا بھی پتہ لگانے میں کامیابی حاصل کی ہے میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ ان کے علاج کے کیا طور طریقے تھے۔

ہم جس چیز کی تلاش میں ہیں وہ کچھ اس طرح ہے کہ میروٹک عبارت کی تعریف میروٹک زبان کے علاوہ مصری اور یونانی زبانوں میں بھی کی گئی ہوگی یہ ہمارے لسانی مسائل کا ایک انوکھا حل ہوگا. ہمیں امید ہے کہ نوبیا میں سوڈان میں یا ممکنہ طور پر مصر میں وہ سامان مل جائے گا جس کی ہمیں تلاش ہے لیکن ہمیں اس مقصد کے حصول کے لئے اس علاقے میں کھدائی جاری رکھنی ہوگی ●

کوئی پوچھے تو ایک بات کہوں
عشق تو فی نفسہ بے گناہ نہیں
—— فراق گورکھپوری



کل ہند نابیناؤں کی رفاہ، کے ہفتہ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو،
نابینا فنڈ میں عطیہ دیتے ہوئے۔

AGHREBI BENGAL
15th April

Regd. No. WB/CC-52
Vol.30 No. 8/9
PRICE-12 Paise

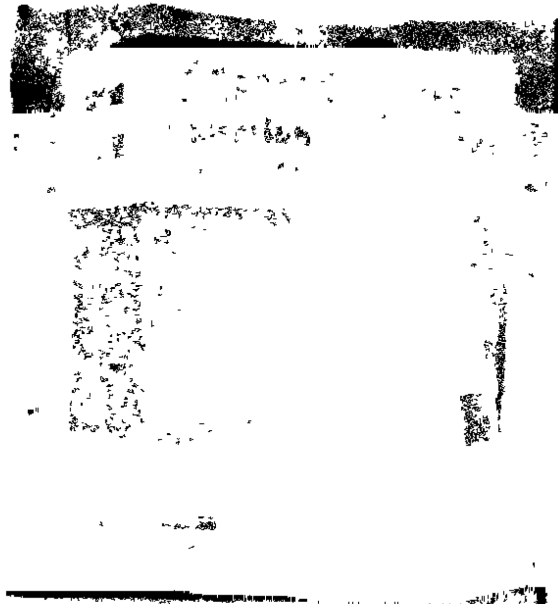


کمیونسٹ پارٹی کے مینی فیسٹو کے پہلے
ایڈیشن کا سرورق

لندن کے ہائی گیٹ قبرستان میں کارل ما
کی یادگار



لینن ، ، نومبر ۱۹۱۸ء کو کارل مارکس اور
اینگلس کی یادگار کی نقاب کشائی کر رہے ہیں

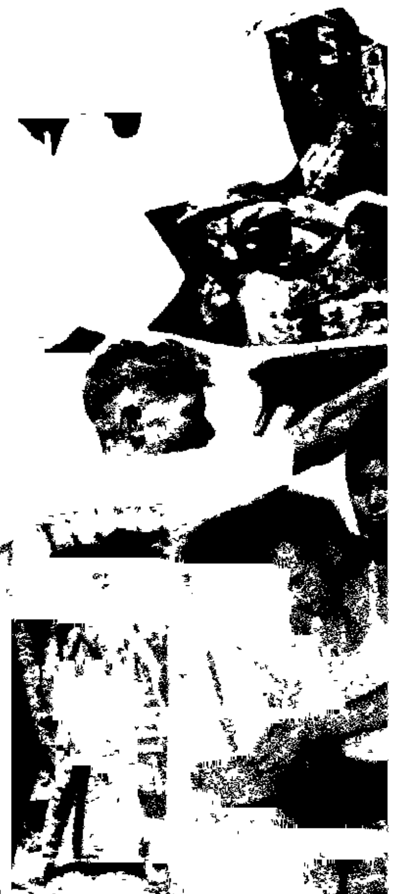


Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal
and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

مغربی بنگال

یکم رمئی ۱۹۸۳ء

18-6-83



نہ سرمایہ داروں کی نخوت
نہ حکام کا جور بے جا رہے
زمانہ وہ جلد آنے والا ہے جس
کسی کا نہ محنت پہ دعویٰ رہے

پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

شرح خریداری

قیمت :- ۱۲ پیسے فی پرچہ

سالانہ ۳ روپے

مدیر اعلیٰ :- پریتین بھٹاچاریہ

مدیر :- دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون :- محمد اعظم

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۳- آراین مکھرجی روڈ ۔ کلکتہ ۱ ۰۰۰ ۷

جلد نمبر ۳۰ • یکم مئی ۱۹۸۳ء • شمارہ نمبر ۹



شری بی ، ڈی ، پانڈے گورنر مغربی بنگال ۲ اپریل ۱۹۸۳ء کو کتا کشیور ، کلیانی صنعتی مرکز میں ، ویسٹ بنگال فائیلامنٹس اینڈ لیمپس لمیٹڈ کی ایک یونٹ کا افتتاح کرنے کے بعد پلانٹ کا معائنہ کرتے ہوئے ۔

(از: ایس کے شاستری)



ایک روشن روایت

ہر سال تاریخی واقعات کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر سال یکم مئی کو "یوم مئی" یا محنت کشوں کے یوم تعطیل کی طرح منایا جاتا ہے۔ یوم مئی کی اہمیت اس کی پرولتاری خصوصیت ہے، یوم مئی ساری دنیا کے محنت کشوں کے استحکام کی نمائندگی کرتا ہے۔

گزشتہ صدی میں جب اس دنیا کی کسی بھی جگہ میں مزدوروں کو غلامی سے آزادی نہیں ملی تھی اینگلس نے یوم مئی کی اہمیت کی یوں وضاحت کی تھی۔

"اور آج کا منظر ساری دنیا کے سرمایہ داروں اور زمین داروں کی آنکھوں کو کھول دیگا اور انہیں یہ حقیقت نظر آئے گی کہ آج سارے دنیا کے مزدور ایک ہو چکے ہیں۔"

آج سے تقریباً سو سال قبل سب سے پہلے ممالک متحدہ امریکہ میں مزدوروں نے جدوجہد شروع کی ان کی مانگ یہ تھی کہ کام کرنے کے لئے آٹھ گھنٹے کا دن مقرر کیا جائے۔ شکاگو میں لاکھوں مزدوروں نے پُرامن جلوس نکالے اور مظاہرے کئے لیکن وہاں اس وقت کی حکومت نے انہیں کچل ڈالا۔ پولیس نے انہیں بندوق کا نشانہ بنایا۔ مزدوروں کا قتل عام کیا اسی لئے آج اس دن کو ساری دنیا کے لاکھوں لاکھ مزدور لال جھنڈے لہراتے ہیں اور اس المناک واقعہ کی یاد دلاتے ہیں، لاکھوں لاکھ محنت کشوں کے اتحاد کا گیت گاتے ہیں کیونکہ طبقاتی جدوجہد میں وہ ایک دوسرے کی امیدوں، خوابوں اور مسرت کے شرکت دار ہیں۔

جب کہ مغرب کے بڑے بڑے سرمایہ دارانہ ملکوں میں مزدور طبقاتی ظلم کی صورت حال سے دوچار ہیں۔ سوشلسٹ ملکوں کے مزدوروں نے عظیم اکتوبر (نومبر) سوشلسٹ انقلاب کے رونما ہوتے ہی ظلم اور غربت کے دور کو بہت ہی پیچھے چھوڑ دیا۔ ۱۸۸۶ء سے جب امریکہ میں مزدور انصاف کی مانگ پر مالکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے، ۱۸۹۰ء تک، جب امریکہ اور یورپ میں یوم مئی کو معاشی، سماجی تبدیلی کے لئے استحکام کی تقریب کے طور پر منانے کا سلسلہ شروع ہوا ۱۹۱۸ء تک جب روس کے محنت کشوں نے ظالم اور استبدادی حکومت کا خاتمہ کر دیا، تو ساری دنیا میں محنت کش لوگوں کے جوش و خروش کی ابھرتی ہوئی لہروں کو دنیا کے لوگوں نے دیکھا ایشیا اور افریقہ میں بہت سارے لوگ جو آبادیاتی استحصال کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے تمام محکوم ملکوں میں محنت کش لوگ اپنے اپنے ملک کی قومی آزادی تحریک میں اول صف پر رہے اور ملک کی آزادی کے لئے تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ فاتح اشتراکیت کی سرزمین سے نازی ظلم کے خلاف ان کی زندگی اور موت کی جدوجہد سے اور آخر میں ان کی عظیم کامیابیوں سے ان میں قوت تحریک پیدا ہوئی جس نے ساری دنیا کے لوگوں کی قسمت بدل دی مشرقی یورپ میں کیریبین میں اور مشرق بعید میں نئی نئی سوشلسٹ ریاستیں قائم ہونے لگی اور یہ اس تبدیلی کا مہر تصدیق ہے۔

روس میں یوم مئی سب سے پہلے اعلانیہ طور پر ۱۹۱۸ء میں منایا گیا یہ تو ایک شاندار اور اچھے مستقبل کے لئے اور سماجی ترقی اور ترقی کے حالات میں آزاد زندگی کے لئے محنت کشوں کی مسلسل اور شدید جدوجہد کی شاندار فتح کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس نے تاریخ کے دھارے کو بدل دیا اور یہ بات استحصال کرنے والوں اور استحصال کے شکار لوگوں کے درمیان رونما ہونے والے سلسلہ وار تنازعات سے واضح ہو جاتی ہے یوم مئی کی روس انقلاب سے پہلے کیا خصوصیت تھی سماجی تبدیلی کے نقطۂ نظر سے روس میں سماج پر اس کا کیا اثر پڑا ان تمام باتوں کی وضاحت مارکسم گورکی نے اپنی مشہور کتاب 'ماں' میں کی ہے اس کتاب میں گورکی نے یوم مئی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے لینن نے اس کتاب کو "بروقت کتاب" کہا ہے۔

محنت کش طبقہ کے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سب اپنی زندگی کو بھی آزادی کے ساتھ سنوارنے کے لئے خود کو زمانہ قدیم کی خرافات، رسم و رواج کی زنجیروں سے آزاد کریں۔ اس تفریق کی وجہ سے آج لوگوں کو کارخانہ اور ملوں میں ایندھن کی طرح اور جنگ کے محاذوں میں چارہ

کی طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔

اب وقت بدل چکا ہے لیکن اب بھی طبقاتی غلامی سے آزادی کے لیے جدوجہد امن کی جدوجہد کے ساتھ منسلک ہو گئی ہے ہندوستان میں محنت کش طبقے کے لوگ [illegible] سے پوری طرح واقف ہیں کہ ان کی جدوجہد اور ان کی کامرانیاں سماجی، معاشی تبدیلی لانے کے لیے کثیرالاقوامی اداروں کے نئی نوآبادیوں میں داخلہ کی مزاحمت اور جنگ کے خدشہ کو دور کرنے میں بہت معاون ثابت ہوں گی۔

نیوکلیائی خطرہ بھی سر پر منڈلا رہا ہے اس کی وجہ سے سمندر کے ساحلی علاقوں میں واقع ملکوں کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ ایسی حالات میں ہم خاموش نہیں رہ سکتے تمام قوموں کے محنت کش لوگوں کو بھی اس خطرہ کا احساس ہے اسی لیے آج کے دن مزدور اور محنت کش لوگ ہی ایک نئی دنیا، جہاں اس کے سورج کے نیچے کسی بھی خطہ پر برائی اپنا سایہ نہ ڈال سکے گی کی تعمیر اور مستقل امن کی سچائی کے کام کے لیے خود کو ازسرنو طور پر وقف کر دیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے زندگی میں۔ سماجی یا روحانی۔ تمام قدریں پیدا کی ہیں، ان تخلیقات کی حفاظت کے لیے ایک ساتھ متحدہ طور پر اٹھ کھڑا ہونا ہوگا یوم مئی تو صرف لال جھنڈے کا مظاہرہ نہیں ہے بلکہ ان بچوں کی مسکراہٹ ہے جو ہندوستان کے دیہی علاقوں میں مئی پھولوں کی طرح نشوونما پا رہے ہیں سوشلزم کے آبائی وطن اور اکتوبر کے اپنے اپنے پھول ہیں جو بہار کی آمد کا انتظار کرتے ہیں۔ ان دونوں علاقوں کے لوگوں کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کے محنت کش عوام اپنے بچوں کے لیے ایک بہتر کل کا انتظام کر سکتے ہیں لیکن وہ سب نیوکلیائی دور کی برائیوں کے خلاف اور امن کے قیام کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں۔ یوم مئی کے لہراتے ہوئے لال جھنڈے انسان کی امید دل کے علم بردار ہیں۔ اس سے زیادہ پاک اور خوبصورت کوئی اور شئے نہیں ہو سکتی۔

ہمیں ہیں بے سر و ساماں ہمیں سوال بدست
ہمیں نے سیم و زر و مال و زر نکالے ہیں!

——— مصطفیٰ زیدی

بقیہ: یوم مئی کی عظمت

نظام کو ابھرتے دیکھا۔

استعمال پسند نظاموں میں طبقاتی جدوجہد تو جاری ہے، نیوکلیائی دور میں جس کی شروعات اس وقت ہوئی جب امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکے تھے۔ محنت کش لوگوں نے امن کے لیے تخفیف افواج و اسلحہ جات کے لیے اور امن کے نیوکلیائی ہتھیاروں سے پاک علاقوں کے لیے عزم صمیم کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی۔ روس اور ہندوستان دونوں ہی ملکوں کے لوگوں نے امن اور خیر سگالی اور بھائی چارگی کے لیے مشترکہ طور پر بہت ساری جنگ میں کامیابی حاصل کی بین الاقوامی بحرانوں کے موقعہ پر یہ دونوں ممالک ایک دوسرے سے کاندھے ملا کر کھڑے ہوئے ہیں اور ان دونوں نے ترقی اور تعمیر کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔

اشتراکیت سماج، جیسے کہ سوویت سماج نے بین الاقوامیت کی انسانی قدروں، تمام ملکوں کے محنت کش لوگوں کے استحکام کی قدروں کی پرورش و پرداخت کی اور انہیں فروغ دیا اس سماج نے دیگر ملکوں میں نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ کے نام و نشان کو مٹانے کے لیے ان کی کوششوں کی تائید کی۔ جو لوگ تخلیق کرتے ہیں انہیں امن کے سوا کسی اور چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مزدور خواہ وہ ہندوستان کے ہوں یا سوویت یونین کے یا دنیا کے کسی بھی ملک کے، تمام قدروں کے خالق ہیں اسی وجہ سے وہ اپنے من میں ایسی دنیا کا خواب لیے ہوئے ہیں جو اسلحہ جات اور جنگ کی بنیادوں سے بھوک اور استحصال سے پاک ہو یہ تو استحصال کرنے والے ہی ہوتے ہیں جنھیں جنگ کی صنعت اور معاشی فریب سے کافی فائدہ پہونچا ہے۔ وہ جنگ کی نفسیاتی فضا تیار کرنے کے لیے جنگ کا منصوبہ مرتب کرتے ہیں اور جنگ کی تیاری شروع کر دیتے ہیں تاکہ ان کے نفع کا بازار گرم رہے تمام ملکوں کے مزدور دھوکہ بازی، سازش اور عیاری کے نظام کو ہمیشہ کے لیے چکنا چور کرنے اور تمام نیک قدروں کی برتری کا احیا کرنے کے لیے اپنے عزم صمیم میں متحدہ طور پر کھڑے ہیں یہ قدریں تمام محنت کشوں کی زندگی میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کرتی ہیں اور تمام محنت کشوں کے لیے یوم مئی ازسرنو عہد کرنے کا دن ہے۔

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت اور عوام کے درمیان رشتہ کو موثر طور پر برقرار رکھتا ہے

پروبھاش پھودیکار، وزیر ریاست، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور

شری پروبھاش چندر پھودیکار، وزیر ریاست، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور نے ۱۲ اپریل ۱۹۸۳ء کو مغربی بنگال قانون ساز اسمبلی میں ۸۴-۱۹۸۳ء سال کے لئے اپنے شعبہ کا بجٹ پیش کیا اس موقع پر انہوں نے تقریر کی جس کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

میرا شعبہ حکومت اور عوام کے درمیان رشتہ کو برقرار رکھتا ہے
اس شعبہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حکومت کے پروگراموں اور سرگرمیوں سے لوگوں کو واقف کرائے اور لوگوں کے رد عمل کی بنیاد پر حکومت کے پروگرام مرتب کرنے میں مدد کرے اس شعبہ کی سرگرمیاں جاری رکھی گئیں اور اس کے ساتھ ہی اس مقصد کو پیش نظر رکھا گیا کہ تمام شعبوں کے لوگوں کے تعاون اور اعتماد حاصل کئے جائیں

حکومت کے اغراض و مقاصد کی اشاعت کے لئے تمام واسطوں میں اشتہار کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہوتا ہے ہم نے بار بار اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہم اشتہارات کی تقسیم کی پالیسی کے سلسلہ میں جمہوری اصول پر کاربند رہیں گے تمام اقسام کے اخباروں کو اشتہارات دیئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں ان کے سیاسی خیالات کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ اس کے علاوہ ہم لوگوں نے اس پالیسی کو اپنایا ہے کہ اضلاع کے چھوٹے چھوٹے اخباروں کو زیادہ سے زیادہ اشتہارات دیئے جائیں۔

برسر اقتدار آنے کے بعد ہی ہم لوگوں نے اس بات پر زور دیا کہ دیہی اطلاعات نظام کو بہتر بنایا جائے اس لئے منصوبہ کے تحت بہت سارے پروگرام مرتب کئے گئے چھٹے پنج سالہ منصوبہ کے تحت ۸۳-۱۹۸۲ء میں پانچ سب ڈویژنل مراکز اطلاعات کھولے گئے یہ اقدام ہماری پالیسی کے مطابق ہی کیا گیا کیوں کہ ہماری پالیسی یہی ہے کہ تمام سب ڈویژنوں میں مراکز اطلاعات قائم کئے جائیں آئندہ سال اس طرح کے اور چار مراکز کھولے جائیں گے اس کے بعد یہ پروجیکٹ مکمل ہو جائے گا۔ دارجلنگ، جلپائی گوڑی کے چائے باغات کے علاقوں کے لئے تین مراکز اطلاعات اور آسنسول، رانی گنج کوئلہ کان کے علاقوں میں دو مراکز اطلاعات کھولنے کی منظوری دی جا چکی ہے ان تمام مرکزوں میں کشتی فلم یونٹیں شامل ہوں گی۔ مختلف سماجی اور ثقافتی تنظیموں کے درمیان ٹیلی ویژن سٹ تقسیم کرنے کے ایک پروجیکٹ کو روبہ عمل لایا گیا۔

ہمارے نمائشی سیکشن نے اس ریاست کے اندر اور باہر بہت ساری اچھی نمائشوں کا انتظام کیا ان نمائشوں کا کثیر تعداد میں لوگوں نے معائنہ کیا اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ بائیں محاذ حکومت کی سرگرمیوں میں لوگ دلچسپی لیتے ہیں۔

اس ریاست میں سرکاری کام کاج میں بنگلہ اور ضلع دارجلنگ میں نیپالی زبان استعمال کرنے کے سلسلہ میں کوششیں جاری ہیں۔ بنگلہ اور نیپالی میں ٹائپسٹوں کی تربیت کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں یہی اقدامات کئے جا رہے ہیں کہ ہر بلاک دفتر میں ایک بنگلہ ٹائپ رائٹر کا انتظام کیا جائے۔ دارجلنگ میں ایک نیپالی چھاپہ خانہ قائم کیا گیا ہے اس میں کاریگروں کی نئی بھرتی کا کام جاری ہے ۸۴-۱۹۸۳ء سے چالو ہو جائے گا۔

اس شعبہ کو روزانہ بنگلہ اخبار بسومتی کے انتظامیہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے فی الحال اس اخبار کی روزانہ تعداد اشاعت ۵۶- کے لگ بھگ ہے۔ پائیکر ایوارڈ کی تکمیل پر اس اخبار کو مزید مالی بوجھ برداشت کرنا پڑا۔ لیکن اب آہستہ آہستہ اس کے نقصانات میں کمی ہوتی جا رہی ہے اس کے ساتھ ہی اخبار کی قیمت میں کچھ زیادہ اضافہ بھی نہیں کیا گیا یہ اخبار اب خود کفالت کی راہ پر گامزن ہے۔

نشرو اشاعت کے میدان میں بھی ہمارے شعبہ نے اچھی خاصی ترقی کی ہے اس شعبہ سے چھ زبانوں میں رسالے شائع کئے جاتے ہیں ان میں بنگلہ میں پیم بنگو شامل ہے اب زیادہ سے زیادہ لوگ ان رسالوں کا مطالعہ کرتے ہیں ان رسالوں میں شائع ہونے والے مضامین اور ان کی ادارت کو بھی سراہتے ہیں

ماضی میں ہم لوگوں نے عزت مآب ممبروں کو مغربی بنگال میں فلم صنعت کے بحران سے آگاہ کیا تھا اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے ہم لوگوں نے اس عرصہ کے کئی اقدامات کئے جیسے رنگین فلم تجربہ گاہ کا قیام، آرٹ فلم تھیٹروں کا قیام، فلم بنانے کے لئے عطیات، براہ راست حکومت کے ذریعہ فلموں کی تیاری۔ بڑی تعداد میں دستاویزی فلمیں تیار کرنا وغیرہ۔ یہ تمام پروجیکٹ جاری رہیں گے۔ فلم صنعت تو بہت سارے مسائل سے دوچار ہے۔ لیکن ان میں سب سے اہم مسئلہ فلموں کی نمائش ہے بہت ساری بنگلہ فلمیں جن میں ہماری تیار کردہ فلمیں بھی شامل ہیں، اب بھی نمائش کی منتظر ہیں۔ ان فلموں کی نمائش کا انتظام ابھی تک نہیں کیا جا سکا کیوں کہ فلموں کی تقسیم اور نمائش کا انتظام مکمل طور پر چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ نیز سینما گھروں کی کمی نے بھی اس مسئلہ کو اور بھی سنگین بنا دیا یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکے گا جب تک کہ ریاستی حکومت کے زیر انتظام چند سینما نہ ہوں سینما کے مالکان بھی بنگلہ فلموں کی نمائش سے ہچکچاتے ہیں اس لئے میرے شعبہ نے قومی فلم ترقیاتی کارپوریشن اور کاروباری بینک کے ساتھ مل کر نئے سینما گھروں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا ہے ۸۳-۸۴ء میں اس مقصد کے لئے ۵ لاکھ روپئے کے اخراجات کی تجویز پیش کی گئی۔ اس سلسلہ میں بھی پوری کوششیں کی جا رہی ہیں کہ ہماری فلموں کی تقسیم کے لئے حکومت خود اپنی ایک تنظیم قائم کرے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس کام کو رنگین فلم تجربہ گاہ کارپوریشن کی ذمہ داری میں دیدیا جائے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس نئے انتظامات کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ کیوں کہ سرکاری قوانین اور ضوابط کے تحت فلموں کی تقسیم جیسے پیچیدہ کام کا براہ کو شعبہ کے تحت انجام دینے میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔

فلم تیار کرنے کے سلسلے میں بھی یہ بات قابل ذکر ہے کہ پورے وقت کی فیچر فلم چوکھو (آنکھ) کو دہلی میں حال میں منعقدہ بین الاقوامی فلم فیسٹول میں انعام ملا۔ اس فلم کی نمائش کے لئے ہمیں برلن، کینس اور دیگر جگہوں سے دعوت نامے موصول ہو رہے ہیں یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چدھو (کراس روڈ) کو گزشتہ سال وینس فلم فیسٹول میں انعام ملا اسی طرح ہماری ایک اور فلم آروہن (عروج) کو زیکوسلو ویکیہ میں کارلووی واری فیسٹول میں انعام ملا۔ لندن فیسٹول میں بھی اس فلم کی نمائش کے لئے ہمیں دعوت دی گئی ہے ۸۲-۸۳ء میں تین فیچر فلم، چار نیوز ریل اور لو چھوٹی دستاویزی فلمیں تیار کرنے کے لئے عطیات دیئے گئے ۸۳-۸۴ء میں فلموں کی تیاری کے لئے ۱۷ لاکھ روپے بطور عطیہ اور تیار کرنے کی قیمت دینے کی منظوری دی گئی ایک اسکیم یہ بھی ہے کہ مختلف اضلاع میں فلم فیسٹول کا انتظام کیا جائے اس مقصد کے لئے ۸۳-۸۴ء میں ایک لاکھ روپئے بطور اخراجات کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

یہ شعبہ صحت مند رجحانات کے فروغ اور ارتقار کے لئے بہت ساری اسکیموں کو بر سر عمل لا رہا ہے مقصد یہ ہے کہ ثقافت کے میدان میں عام لوگوں کی تمنائیں پوری ہوں۔ جاترا، تھیٹر، موسیقی، ادب، فائن آرٹس، لوک ثقافت وغیرہ کے میدانوں کے مشہور لوگوں کے مشورہ سے ثقافتی اسکیموں کو بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔ گزشتہ سال موسیقی اور فائن آرٹس کے میدان میں قابل تعریف خدمات انجام دینے والے ۹۹ افراد کو عطیات دیئے گئے

ابھرتے ہوئے نوجوان ادیبوں کی جن کی کاروباری پبلیشرس عام طور پر تائید نہیں کرتے تخلیقات کی اشاعت کے لئے، حکومت کی طرف سے عطیات دینے کی منظوری دی گئی ۸۲-۸۳ء میں اس طرح کے ایک سو ادیبوں کو عطیات دیئے گئے آئندہ سال بھی یہ اسکیم جاری رہے گی۔ منشی پریم چند کی تخلیقات کا بنگلہ ترجمہ چار جلدوں میں شائع کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ پہلی جلد تو مکمل ہو چکی ہے اور بہت ہی جلد اسے شائع کر دیا جائے گا اسی طرح قاضی نذر الاسلام اور دیگر شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کو شائع کرنے کی ایک اور اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے حق اشاعت کی مشکلات کی وجہ سے ان کی تخلیقات کو ۸۳-۸۴ء میں شائع نہیں کیا جا سکا۔

ڈرامہ، موسیقی اور آرٹ سے وابستہ بہت سارے اداروں اور افراد کو عطیات دیئے گئے۔ مصوری اور سنگ تراشی میں بہترین کام انجام دینے کے لئے سالانہ ابنندر ایوارڈ دیا جاتا ہے کچھ عرصہ قبل حکومت نے آنجہانی جیمنی رائے کی پینٹنگس کو خرید لیا اور ان کے گھر میں ہی ایک آرٹ گیلری قائم کی گئی۔ گزشتہ سال آرٹسٹ گوپال گھوش کی بھی

چند پینٹنگس خریدی گئیں اور انہیں اس آرٹ گیلری میں رکھ دیا گیا۔ کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں ایک آرٹ گیلری تعمیر کی جا رہی ہے اس میں یہ تمام پینٹنگس رکھی جائیں گی۔ اس گیلری کے نمائشی کمرہ میں آرٹ نمائشوں کا انتظام کیا جائیگا ۱۹۸۲ء میں جاترا اور ڈرامہ کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دینے کی وجہ سے بہت سارے انعامات دیئے گئے۔ تھیٹر کے ۱۴ اہل ورکروں کو ماہانہ وظائف دیئے جا رہے ہیں۔

قبائلی ثقافت کے فروغ کے لئے سوری اور جھاڑ گرام میں دو مراکز کھولے گئے ہیں عنقریب مستقبل میں دو اور مراکز، ایک علی پور دوار دوسرا پرولیا میں کھولنے کی تجویز زیر غور ہے۔

دارجلنگ میں نیپالی اکیڈمی قائم کی گئی ہے اس اکیڈمی کی سرپرستی میں نیپالی زبان اور ثقافت کی ترقی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے جا رہے ہیں سالانہ بھانو بھکت انعام دیا جاتا ہے۔

موسیقی میں بحث و مباحثہ کرنے اور تحقیق کرنے کے لئے کلکتہ میں ایک موسیقی اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔ باغ بازار اور جودھپور پارک میں جدید تھیٹر گھر تعمیر کرنے کا کام جاری ہے ان میں جدید سہولتیں فراہم ہوں گی۔

مغربی بنگال کے مختلف اضلاع اور سب ڈویژن شہروں میں رنبدرا بھونوں کو حکومت کے زیر انتظام لانے کے لئے اسمبلی نے ایک قانون پاس کیا تھا اس کے تحت حکومت نے اب تک کل آٹھ رنبدرا بھونوں کو اپنے اختیار میں لے لیا گیا۔ ان بھونوں کی ترقی کے لئے مالی امداد فراہم کی جا رہی ہے آئندہ سال میں امداد دی جائے گی۔

عوامی ہال کی تعمیر کے لئے اس شعبہ کی اسکیم کے تحت بہت سارے اداروں کو عوام کے استعمال کے لئے ہال کی تعمیر کے سلسلہ میں مالی امداد فراہم کی جاتی ہیں۔ اس اسکیم کے تحت سنہ ۸۳-۸۲ء میں پانچ اداروں کو مالی امداد فراہم کی گئی۔

اختتام میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے مسائل پیچیدہ ہیں اور طرح طرح کے ہیں ہماری مالی صلاحیت بہت ہی محدود ہے اس کے باوجود ہم اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ عوام کی فلاح اور بہبود کے لئے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھیں اور حکومت کے مقاصد کو صحیح تناظر میں جلد از جلد تمام لوگوں کے سامنے پیش کریں ہم اپنی منزل کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کام میں عوام کا تعاون ان کی تائید ہماری رہنمائی کریں گی ●

بقیہ:۔ مغربی بنگال اردو اکیڈمی

افتتاحی تقریب کے بعد فنکار گروپ کی طرف سے کمال احمد کا لکھا ہوا ڈرامہ "شیشے کا گھر" اور یونیورسل لیٹل تھیٹر کے زیر انتظام ساگر سرحدی کا ڈرامہ "بھوکے بھجن نہ ہوئے گوپالا" پیش کیا گیا۔

تقریبات کے دوسرے اور آخری دن کا آغاز صبح ساڑھے ۱۰ بجے اسٹیٹ یوتھ سنٹر، مولا علی میں پروفیسر اعزاز افضل کی صدارت میں ایک سیمینار سے ہوا جس کا افتتاح پروفیسر ایے ڈبلیو محمود نے اپنی اثر انگیز تقریر سے کیا۔ سیمینار کے دو دور رکھے۔ نقابت کے فرائض علقمہ شبلی نے انجام دیئے۔ سیمینار میں جن قلم کاروں نے حصہ لیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں ــــــــ ڈاکٹر ظفر اوگانوی، شری شانتی رنجن بھٹاچاریہ، پروفیسر عبد الروف، جناب ظ انصاری جناب لطف الرحمٰن، جناب منظر امام، جناب ابراہیم ہوش، ڈاکٹر جاوید نہال جناب عنوان چشتی اور جناب مظفر حنفی۔ سیمینار کے بعد پارک سرکس میدان کی شاداب اور کھلی فضا میں کل ہند مشاعرہ ہوا۔ مشاعرے سے پہلے صحافت کورس میں کامیاب ہونے والے طلبا و طالبات کو اسناد تقسیم کئے گئے۔ اس کے علاوہ ادبی و ثقافتی مقابلے میں اول دوم اور سوم آنے والے طلبا و طالبات کو انعامات دیئے گئے۔ تقسیم انعامات اور اسناد کے بعد تقریباً ۸ بجے باضابطہ مشاعرے کی کارروائی شروع کی گئی۔ مشاعرے کی صدارت جناب سالک لکھنوی نے کی اور نقابت کے فرائض جناب منور رانا نے انجام دیئے۔ مشاعرے میں ملک کے طول و عرض سے ممتاز شعراء حضرات نے حصہ لیا جن کے نام گرامی حسب ذیل ہیں۔

مقامی شعراء:۔ جناب رضا مظہری، جناب رئیس الدین فریدی جناب ابراہیم ہوش، پروفیسر اثر صدیقی، جناب قیصر شمیم، جناب علقمہ شبلی، پروفیسر نصر غزالی، جناب احسان دربھنگوی، جناب عین رشید، جناب اسد الزماں اسد، جناب کنول سیالکوٹی، جناب غلام حسین ایاز، جناب ناظم سلطان پوری جناب شمیم انور، جناب فاروق شفق، جناب بشیر احمد تنبر، جناب اکرم عظیم آبادی جناب شہود عالم آفاقی، جناب وحید عرشی، جناب رونق نعیم، جناب معصوم شرقی، جناب رئیس آنولوی، جناب منور رانا وغیرہ۔

بیرونی شعراء:۔ جناب نارش پرتاپ گڑھی (یاقی صدیقی) جناب بشیر بدر، جناب مظہر امام، جناب مظفر حنفی، جناب عنوان چشتی، جناب لطف الرحمٰن، جناب وفا ملک پوری، جناب علیم صبا نویدی، اور جناب ساغر اعظمی۔ مشاعرہ رات کے تقریباً ۱۲ بجے کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔●

• جاں نثار اختر •

آخری وار

آخری وار آج باقی ہے
گرم ہے اب بھی آتش و آہن
وہی زنداں وہی ہے دار و رسن
ظلمتیں آج بھی ہیں سایہ فگن
تخت باقی ہے تاج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

مفلسی، بھوک، قحط، ناداری
رشوتیں، لوٹ، چور بازاری
قتل، غارت، فساد، خونخواری
بربریت مزاج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

جنگ کے دیوتا ہوئے ہیں بہم
کارخانوں میں ڈھل رہے ہیں بم
ہیروشیما کی سرزمیں کی قسم
وحشیانہ مزاج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

گونج اٹھی عوام کی للکار
اب چمکنے نہ پائے گی تلوار
ساتھیو! بڑھ کے اک کدال کا وار
سخت جاں سامراج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے



یوم مئی کی عظمت

ہندوستان میں مئی کے مہینہ میں گرمی ہوتی ہے لیکن ایک طرح سے اسے بہار کا موسم کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس مہینہ کی پہلی تاریخ کو ساری دنیا کے مزدور اور محنت کش لوگ بین الاقوامی استحکام کا تہوار مناتے ہیں۔ پھر اس مہینہ میں ہندوستان کی دارالسلطنت میں گل مہر کے درختوں کی سبز شاخوں پر خوبصورت پھول لہلہاتے ہیں۔ مئی کے مہینہ کے بڑے بڑے اور لال لال پھول گرم و تیز ہوا میں زندگی اور اس کی پیش قدمی کی علمبرداری کرتے ہیں۔

وہاں بھی جہاں گل لالہ نہیں ہوتے مزدوروں کی انقلابی لہروں میں سرخ پھریرے ہوا میں لہراتے ہیں۔ یہ جھنڈے اور گرجدار نعرے مزدوروں کے خوابوں اور ان خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کے لئے ان کی عملی جدوجہد کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ خواب یہ جدوجہد تو مزدوروں کی بیداری کی تاریخ ہے۔

اس تاریخی بیداری نے، جس نے گزشتہ صدی کی آخری دو دہائیوں میں طبقاتی ظلم اور استحصال کے شکار لوگوں کی نجات کے لئے زبردست تحریک کی شکل اختیار کر لی اور ساری دنیا میں استحصال کرنے والوں اور استحصال پسند نظام کی بنیاد ہلا کر رکھ دی۔ اس تحریک کی لہریں ساری جغرافیائی اور سیاسی سرحدوں کو پار کر گئیں۔ اس دنیا کے محنت کش لوگوں نے اپنی قسمت کو بدلنے کے لئے اپنی متحدہ کوششوں کے ذریعہ انسانی تہذیب کے مناظر کو بدل دیا۔

محنت کشوں کے استحکام کا تصور تو صنعتی دور کا تحفہ ہے کیونکہ اس دور نے بنیادی محنت کش طاقت یعنی پرولتاریت، کو جنم دیا اور یہی طاقت صنعت کے پہیئے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے لیے انسانی وقار اور جمہوری حقوق کے لئے جدوجہد میں اپنے طوق، کے علاوہ کچھ اور کھونا نہیں ہے۔

مزدوروں کی پہلی بنیادی مانگ جس کے لئے ان لوگوں نے متحدہ طور پر اقدامات کئے۔ آٹھ گھنٹے کام کرنے کے دن کے لئے تھی اس سے محنت کشوں کی ایک نئی قسم کی بنیادی خوبی عیاں ہو جاتی ہے۔ جاگیرداریت کے دلوں کے غریب اور مصیبت زدہ محنت کشوں کی بیداری سے یہ بیداری مختلف تھی۔ آج مزدور اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ وہی پیداوار کی بنیادی طاقت ہیں۔ اور سماجی انصاف کے لئے ان کی جدوجہد میں ان کے اتحاد پر مبنی اقدامات بہت زبردست ہتھیار ہے۔

۱۸۸۶ء میں مئی مہینہ کی پہلی تاریخ کو شکاگو (امریکہ) نے مزدوروں کے جن کی محنت نے امریکہ کی صنعتی طاقت کی تعمیر کی، متحدہ اقدامات کا منظر دیکھا۔ مزدوروں کے جھنڈے کو ان لوگوں نے خون سے لت پت کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں مزدوروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ سب اپنی فلاح و بہبود کے لئے معمولی سی معمولی مانگ کریں۔ ۱۸۹۰ء کے بعد سے امریکہ اور یورپ میں، یہ دن مزدوروں کے استحکام کا تہوار بن گیا۔ جیسے ہی مزدوروں کے اتحاد کی لہر نے بین الاقوامی سرحدوں کو پار کیا، زیادہ سے زیادہ تعداد میں مزدور اور محنت کش لوگ اس تہوار میں شامل ہونے لگے۔ اور جہاں انہوں نے اپنی مانگ کی فہرست پیش کی۔ ہندوستان میں پہلی بار انگریزوں کے دور حکومت میں یوم مئی کو یوم مزدور کی طرح منایا گیا۔ روس میں، جہاں ۱۹۱۷ء میں پہلا اشتراکی انقلاب رونما ہوا، عظیم پرولتاری مصنف میکسم گورکی اپنی مشہور کتاب 'ماں' میں پہلے یوم مئی کے مظاہروں کا تفصیل سے ذکر کیا۔

یوم مئی پر اینگلس نے یوں اظہار خیال کیا تھا۔ "اور آج کا منظر تمام ملکوں کے زمینداروں اور سرمایہ داروں کی آنکھیں کھول دیگا اور وہ سب یہ دیکھیں گے کہ تمام ملکوں کے محنت کش طبقے کے لوگ ایک ہیں اور متحد ہیں" یہ تو ۱۸۹۰ء کی بات تھی جب آٹھ گھنٹے کے کام کرنے کے دن کے لئے جدوجہد شروع کی گئی تھی اس کے بعد سے بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں اور فتح حاصل ہوئی تاریخ نے محنت کشوں کی پہلی ریاست سوویت یونین کو نمودار ہوتے اور پھر دوسری عالمی جنگ کے بعد مختلف ملکوں کے لوگوں پر مشتمل

(باقی صفحہ پر)



یوم مئی محنت کش عوام کی عصبیت کا دن

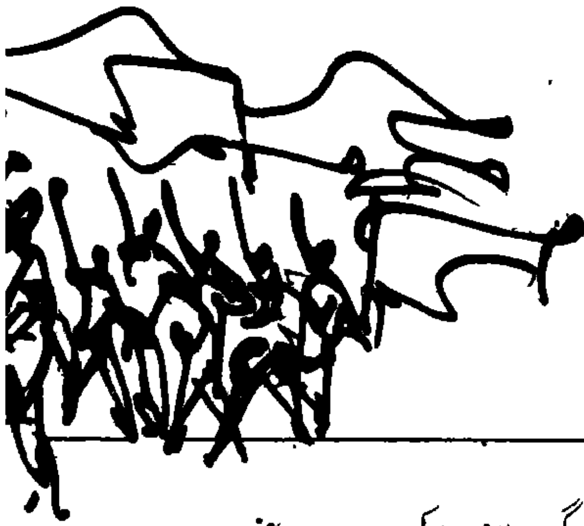
دنیا بھر کے محنت کش عوام یکم مئی کو مزدور طبقہ کی قومی عصبیت کے دن سے منسوب کرتے ہیں جو عام طور سے یوم مئی کے نام سے مشہور ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یکم مئی محنت کش عوام کے لیے جشن و تقریبات منانے کا دن ہے ہر سال اس خاص دن میں مزدور عوام جلسہ جلوس کا اہتمام کرتے ہیں اور دنیا میں استحصال سے پاک ایک ایسے سماج قائم کرنے کے عزم کی تجدید کرتے ہیں جہاں صرف امن وامان ہو، سکون ہو۔

محنت کش عوام ۱۸۹۰ء سے ہی یوم مئی کو مزدور طبقہ کی بین الاقوامی عصبیت کا دن مناتے آرہے ہیں۔ ایک پُرعزم جدوجہد اور دلدوز سانحہ سے ہی اس دن کا آغاز ہوا جسے آگے چل کر ایک یادگار کے طور پر چھٹی کا دن قرار دیا گیا۔

۱۹ ویں صدی کی آخری نصف میں ہی اس سلسلہ میں یہ منظر سامنے آیا۔ امریکہ میں سرمایہ داروں کی اجارہ داری قائم تھی اور وہ مزدوروں کا استحصال کر رہے تھے مزدوروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر انہیں ۱۲-۱۴ گھنٹے مسلسل کام کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ امریکہ کے بڑے سرمایہ دار تمام دنیا میں استحصال کرنے کی راہ ہموار کر رہے تھے ان لوگوں نے اپنے مقاصد کی حصولیابی کے لئے گھناؤنے سے گھناؤنے جرم کئے حتیٰ کہ انہوں نے کارخانہ میں ہڑتال کا خاتمہ کرنے اور مزدوروں کو قتل کرنے کے لئے ایک کمپنی ("پنکارٹن ایجنسی") قائم کی ۱۸۸۶ء میں جنوبی مغرب ریلوے کی مشہور ہڑتال کے موقع پر مذکورہ ریلوے کے بدنام مالک مسٹر جے گولڈ نے [illegible] اعلان کیا کہ وہ ۵۰ فیصد مزدوروں کو بقیہ ۵۰ فیصد کے قتل کے لئے تنخواہ پر رکھ سکتے ہیں۔ ان دونوں مزدور طبقوں کو انسان دشمن اور ظالم مالکوں کی انتہا پسند جماعتوں کے خلاف، جن کی مزدوروں پر اجارہ داری قائم تھی جدوجہد کرنا پڑا انتہائی مزدوری تھا

۲۰ اگست ۱۸۶۶ء میں ۶۰ ٹریڈ یونینوں کے نمائندے بالٹی مور میں ملاقات کر کے نیشنل لیبر یونین کی تشکیل کی۔ میٹنگ میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ امریکہ کے مزدور طبقے کو سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے فوراً قانون بنایا جائے جس کے تحت کام کے لئے آٹھ گھنٹے مقرر کئے جائیں۔ مزدور طبقہ اس وقت تک اپنی پُرعزم جدوجہد جاری رکھے گا جب تک کہ ان کا تاریخی مقصد پورا نہ ہو جائے۔ اس فیصلے سے ایک والہانہ تحریک نے جنم لیا اور مزدوروں نے مظاہرہ شروع کر دیا مالکان بھی انتقام اور تشدد پر اتر آئے ۱۸۸۵ء میں دس جانباز مزدوروں کو اسی جدوجہد میں شامل ہونے کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا مزدور طبقہ کی یہ تحریک اور تیز ہو گئی اور تیزی سے ملک بھر میں پھیل گئی۔

۷ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں امریکہ اور کناڈا کے ٹریڈز اور لیبر یونینز کی منظم کردہ فیڈریشن نے ایک قرارداد منظور کی جس میں اعلان کیا گیا کہ منظم مزدوروں کو دن بھر میں آٹھ گھنٹے کام کرنے کے مطالبے کو منوانے کے لئے یکم مئی ۱۸۸۶ء سے ملک بھر میں وسیع پیمانے پر تحریک چلانی پڑے گی۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء میں مزدوروں کی ملک گیر ہڑتال نے پورے امریکہ کو متاثر کیا۔ شکاگو اس تحریک کا مرکز تھا۔ پانچ لاکھ سے زیادہ مزدوروں نے ملک گیر ہڑتال میں حصہ لیا مزدور طبقے کے اتحاد باہمی کی قوت نے مالکوں کے اندر دہشت اور کھلبلی پیدا کر دی انہوں نے محسوس کیا کہ اگر حکومت مزدور طبقے کو کچلنے میں ان کی مدد کے لئے آگے نہیں بڑھتی تو وہ حالات سے نمٹنے میں بری طرح ناکام ہو جائیں گے مالکوں کے اکسانے پر پولیس میک کیرنک ہارویسٹر کے ہڑتالیوں پر ٹوٹ پڑی اور ان میں سے چھ مزدوروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ فوری طور پر "ہے مارکیٹ" میں ۴ مئی ۱۸۸۶ء کو احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ پولیس کے کرائے کے آدمی نے سڑک پر بم پھینکا پھر کیا تھا پولیس نے فوراً پوری قوت کے ساتھ جلوس پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر تک مزدوروں اور پولیس والوں کے درمیان جنگ ہوئی نتیجہ میں چار مزدور مارے گئے شکاگو کی خونریزی کے بعد مزدوروں کے تمام سرگرم لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا





اسرار الحق مجاز

محنت سے یہ مانا چور ہیں ہم
آرام سے کوسوں دور ہیں ہم
پر لڑنے پر مجبور ہیں ہم

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

گو آفت و غم کے مارے ہیں
ہم خاک نہیں ہیں تارے ہیں
اس جگ کے راج دلارے ہیں

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

بننے کی تمنا رکھتے ہیں
مٹنے کا کلیجہ رکھتے ہیں
سرکش ہیں سر اونچا رکھتے ہیں

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہر چند کہ ہیں ادبار میں ہم
کہتے ہیں کھلے بازار میں ہم
ہیں سب سے بڑے سنسار میں ہم

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

جس سمت بڑھا دیتے ہیں قدم
جھک جاتے ہیں شاہوں کے پرچم
ساونت ہیں ہم، بلونت ہیں ہم

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

گو جان پہ لاکھوں بار بنی
کر گزرے مگر جو جی میں ٹھنی
ہم دل کے کھرے باتوں کے دھنی

مزدور ہیں ہم مزدور ہیں ہم

ہم کیا ہیں کبھی دکھلا دیں گے
ہم نظم کہن کو ڈھا دیں گے
ہم ارض و سما کو ہلا دیں گے

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہم جسم میں طاقت رکھتے ہیں
سینوں میں حرارت رکھتے ہیں
ہم عزم بغاوت رکھتے ہیں

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

جس روز بغاوت کر دیں گے
دنیا میں قیامت کر دیں گے
خوابوں کو حقیقت کر دیں گے

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

ہم قبضہ کریں گے دفتر پر
ہم وار کریں گے قیصر پر
ہم ٹوٹ پڑیں گے لشکر پر

مزدور ہیں ہم، مزدور ہیں ہم

منشی پریم چند

مدن گوپال

حال ہی میں ہندوستان کے عظیم مصنفوں میں منشی پریم چند کو ممتاز حیثیت حاصل ہے وہ اردو اور ہندی کے عظیم مصنف تھے وہ بنارس سے تقریباً چھ کیلومیٹر دور لمہی گاؤں میں پیدا ہوئے ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا اور پریم چند ان کا قلمی نام تھا ان کے والد محکمہ ڈاک کے کلرک تھے۔ ابھی وہ اسکول کے طالب علم ہی تھے کہ ان کے والد اور سوتیلی ماں نے ایک بدصورت لڑکی سے ان کی شادی کر دی اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ان کے والد کی وفات ہوگئی گھر میں کچھ بھی نہ تھا اور انہیں بیوی، سوتیلی ماں اور ایک سوتیلے بھائی کی کفالت کرنا تھی چنانچہ انہیں طالب علمی کے زمانے میں ہی روزی بھی کمانا پڑی عزت کے باعث وکیل بننے کا خواب پورا نہ ہوسکا۔ چنار کے عیسائی مشن اسکول میں انہیں مدرس کی نوکری ملی بعد میں یہ نوکری چھوڑ کر وہ سرکاری نوکر ہوگئے۔ ۲۰ برس کی سرکاری ملازمت کے دوران وہ سب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز اور سکنڈ ماسٹر کے عہدے تک پہونچے۔ جلیاں والا باغ کے قتل عام کے خلاف احتجاج کے طور پر اور گاندھی جی کی طرف سے عدم تعاون کی اپیل پر ۱۹۲۱ء میں انہوں نے سرکاری ملازمت چھوڑ دی۔ اس وقت تک وہ ایک عظیم مصنف کی حیثیت سے ابھر چکے تھے۔

پریم چند کی ادبی زندگی اس صدی کے آغاز میں شروع ہوئی ان کا سب سے پہلا مسلسل اردو ناول "اسرار معبد" کی پہلی قسط ۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی اس کے ۳۳ برس بعد ٹھیک اسی تاریخ کو ان کی وفات ہوئی وہ رتن ناتھ سرشار کے فسانہ آزاد اور کھتری کی "چندر کانتا سنتتی" سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے ادب میں نام کمانے کی ٹھانی۔ وہ مختلف موضوعات پر مضامین بھی لکھتے تھے لیکن ان کو اصل دلچسپی ناول نگاری سے تھی وہ تقریباً ایک درجن ناولیں چھوڑ کر فوت ہوئے جن میں سے کچھ کو اس دور کے ہندوستانی ادب کا سنگ میل قرار دیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ ۲۹۰ سے زائد افسانے بھی تھے ان کے مداحوں میں اکثر بحث چھڑ جاتی ہے کہ وہ ناول نگاری کی حیثیت سے زیادہ اہم تھے یا افسانہ نگاری کی حیثیت سے۔ دراصل دونوں ہی میں انہوں نے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے ناول نگاری سے ابتدا کی لیکن سب سے پہلے افسانہ نگاری میں پختگی حاصل کی۔

ان کا پہلا اہم ناول "سیوا سدن" (یا بازار حسن) ۱۹۱۷ء میں لکھا گیا لیکن ان کا افسانہ "بڑے گھر کی بیٹی" دسمبر ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا جس نے افسانہ نگار کی حیثیت سے انہیں مسلمہ حیثیت دی ان کے افسانوں کے مجموعہ "مان سرودر" کی آٹھ جلدیں شائع ہوئیں۔ پریم چند کے اردو اور ہندی افسانوں میں کچھ ایسی نئی بات تھی کہ پریم پچیسی پڑھنے کے بعد سر محمد اقبال نے انہیں لکھا "یہ کتاب لکھ کر آپ نے اردو ادب میں ایک اہم اضافہ کیا ہے حق اخلاقی قدروں کے بارے میں آپ نے افسانے لکھے ہیں وہ جدید ادب کا ایک لازمی حصہ ہیں۔

ماہرین نے یہ معلوم کرنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ بنیادی طور سے پریم چند اردو کے مصنف تھے یا ہندی کے جس وقت انہوں نے لکھنا شروع کیا تھا اس وقت اردو سرکاری زبان تھی اور اس کے کئی جریدے نکلتے تھے ہندی کی صحافت نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی چنانچہ یہ بات قرین از قیاس ہے کہ انہوں نے اردو میں لکھنا شروع کیا ہوگا۔ پریم چند کی اہمیت دراصل اس وجہ سے ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی اردو ہندی ادب میں عوام کی زندگی سے متعلق سماجی مقاصد کو شامل کیا۔ اگست ۱۹۱۰ء کے "ادیب" میں انہوں نے اردو ناول کی اس وقت کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ وہ عوام کی زندگی سے الگ اور بے تعلق تھا انہوں نے یہ بھی بتایا کہ کس طرح

اس خامی کو دور کیا جا سکتا ہے جو بات اردو ادب کے لئے درست تھی وہ ہندی ادب کے لئے بھی صحیح تھی۔ ان کے ناول "پریم آشرم" کا مقصد جاگیر داری کی بیڑیوں کو توڑنا تھا۔ "رنگ بھومی" میں دیہی علاقوں پر صنعت کاری کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ "کرم بھومی" میں چھوت چھات اور مندروں میں داخلے کے مسائل کو لیا گیا ہے۔ "گودان" میں غریب کاشت کاروں کی مصیبتوں کا ذکر کیا گیا ہے ۱۹۳۲ء کے دوران بنارسی داس چترویدی کے نام اپنے خط میں ہندی کے کئی سرکردہ مصنفوں کا نام لیتے ہوئے لکھا تھا کہ ان میں سے کسی نے عوام کے کسی بھی حصے کے مسائل پر نہیں لکھا ہے۔ اگر سے اس طرف کچھ قدم بڑھایا لیکن پھر وہ بھٹک گئے میں نے کاشت کاروں کا موضوع اپنایا ہے اب بھی سماج کے کئی ایسے طبقے ہیں جنہیں کسی نے اپنا موضوع نہیں بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک ادب کو زندگی کا ذریعہ نہیں سمجھا ہے میری زندگی اقتصادی طور پر بالکل ناکام رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔"

پریم چند نچلے متوسط طبقے کے فرد تھے اور ان میں وہ تمام خامیاں موجود تھیں جو اس طبقے کا خاصہ ہیں ہم انہیں کبھی کسی مکان کی تعمیر میں یا کوئی پریس قائم کرنے کی کوشش میں مصروف پاتے ہیں اور کبھی نوکرشاہی اور برطانوی حکومت سے مختلف قسم کی مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ مثلاً اپنی کتابوں کے نصاب میں شمولیت یا اپنے جریدوں کے لئے اشتہارات کا حصول وغیرہ۔ اس سب کا مقصد اپنی اور اپنے کنبے کی کفالت تھا انہوں نے پریس چلانے کے لئے جریدے نکالے تھے لیکن اس میں خسارہ ہوا جسے پورا کرنے کے لئے وہ بمبئی کی فلم لائن میں گئے، تاہم ہمیشہ وہ عوام کی مصیبتوں، پریشانیوں اور خوشیوں کی تصویر کھینچنے کی کوشش کرتے رہے یہ بات اس دور کی کسی بھی ادیب میں نہ تھی۔ چنانچہ ان کی تخلیقات کا تقریباً تمام ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور لوگوں نے انہیں خوب پسند کیا۔ پریم چند کو ہندی سے بھی بڑا لگاؤ تھا ۱۹۰۰ء میں انہوں نے ہندی کا خصوصی امتحان پاس کیا ہے ان کا پہلا اردو ناول "ہم خرما و ہم ثواب" کا کچھ ہی عرصہ بعد ایک ہندی ترجمہ شائع ہوا —— اس کے بعد دوسرا ناول "جلوہ ایثار (وردان)" میں وہ ہندی کے پرزور حامی کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں ملک کی آزادی کی جدوجہد کا جذبہ نمایاں تھا۔ انہوں نے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی۔ وہاں انہوں نے لال بال پال کی زیر قیادت انتہا پسند گروپ کی حمایت کی ان کے گھر میں خودی رام بوس کی تصویر لگی رہتی تھی۔

ودیا نند کے بھی مداح تھے۔ —— پریم چند اردو کے پہلے ادیب تھے جنہوں نے قومی آزادی کے مقصد کو اردو میں سمویا ان کے پانچ افسانوں کا مجموعہ "سوز وطن" حکام کے عتاب کا شکار ہوا۔ ہمیر پور کے انگریز کلکٹر نے تمام کاپیوں پر قبضہ کر کے انہیں تلف کر دیا اس واقعہ کے بعد انہوں نے "پریم چند" کا قلمی نام اختیار کیا اس سے قبل ان کا قلمی نام "نواب رائے" تھا ۱۹۲۱ء میں انہوں نے سرکاری ملازمت سے استعفی دیدیا مگر ناولوں اور افسانوں کے ذریعہ اقتدار پر حملے جاری رکھے ان کا مجموعہ "سمر یاترا" ضبط کر لیا گیا اور ان کے جریدے "ہنس" کے لئے متعدد بار ضمانت طلب کی گئی۔

اس صدی کے آغاز سے ہی آزادی کی خواہش ہماری زندگی کا ایک پہلو تھی۔ دوسرا پہلو تھی دیگر شعبوں میں ملک کی ترقی اس کے لئے سودیشی مال چھوٹی صنعتوں، تعلیم کم عمر بیواؤں کی دوبارہ شادی وغیرہ کے فروغ کی ضرورت تھی۔ جب سوتیلی ماں کے برے برتاؤ کے باعث پریم چند کی پہلی بیوی نے انہیں چھوڑ دیا تو انہوں نے ایک کم عمر بیوا کے ساتھ شادی کی یہ اس زمانہ میں ایک انتہائی دلیرانہ قدم تھا۔ ●

بقیہ :- یوم مئی محنت کش ....

اور ان میں سے چار مایہ ناز لیڈروں کو جھوٹے مقدمے کے تحت پھانسی دیدی گئی مزدوروں کی مسلسل جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کی وجہ سے دنیا کے محنت کش عوام اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور تمام ملک میں کام کے لئے آٹھ گھنٹے مقرر کر دیئے گئے

دسمبر ۱۸۸۸ء میں امریکہ کے فیڈریشن آف لیبر نے سینٹ لوئس میں ہونے والی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ یکم مئی ۱۸۹۰ء کو تمام امریکہ میں یوم مئی کے نام سے منسوب کیا جائے گا۔ اس فیصلہ کے کچھ دن بعد ۱۴ جولائی ۱۸۸۹ء کو سکنڈ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی پیرس کانگریس اور اینگلس کی موجودگی میں (مارکس کا انتقال ہو چکا تھا) یہ بات طے پائی کہ یوم مئی کو دنیا بھر میں بین الاقوامی مزدوروں طبقے کی عصبیت کے دن سے منسوب کیا جائے گا اسی دن سے یوم مئی مزدوروں اور محنت کشوں کے لئے چھٹی کا دن مانا جاتا ہے نیز اس دن کو استحصال سے پاک اور پرامن سماج قائم کرنے کے عہد کی تجدید کا دن بھی تصور کیا جاتا ہے ●

مغربی بنگال اُردو اکیڈمی کی دو روزہ رنگارنگ تقریبات

• تقسیم انعامات و اسناد • ڈرامہ • سمینار اور مشاعرہ •

گزشتہ ۲۳ اور ۲۴ اپریل کو مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی جانب سے دو روزہ تقریبات منائی گئیں پہلے دن یعنی ۲۳ اپریل کی شام کو پارک سرکس میدان میں گورنر مغربی بنگال بی ڈی پانڈے نے جلسہ کا افتتاح کیا دوسرے اور آخری دن صبح کے ساڑھے دس بجے اسٹیٹ یوتھ سنٹر، مولا علی میں مغربی بنگال کی اردو شاعری پر سمینار ہوا اور اسی دن شام کو پارک سرکس میدان کی کھلی فضا میں کل ہند مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔

مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی دو روزہ تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے گورنر مغربی بنگال بی ڈی پانڈے نے اپنی تقریر میں بتایا کہ حکومت مغربی بنگال کا یہ اقدام قابل ستائش ہے کہ اس نے ریاست میں اردو کی ترقی و ترویج کے لیے اکیڈمی کی تشکیل کی۔ انہوں نے اکیڈمی کی سرگرمیوں اور کارگزاریوں کو سراہتے ہوئے اور خاص طور سے کتابت کورس کے لیے اکیڈمی کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ خطاطی اردو، فارسی اور عربی کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے دنیا کی دیگر زبانیں محروم ہیں۔ اس فن کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے انہوں نے اکیڈمی کو مشورہ دیا کہ وہ خطاطی کی تربیت بھی دے نیز دوسرے انعامات کی طرح خطاط کو بھی ایوارڈ سے نوازے اس نیک مقصد کے لیے وہ گورنر کے خصوصی فنڈ سے رقم فراہم کریں گے۔ تقریر کے بعد شری پانڈے نے اکیڈمی کی طرف سے ڈاکٹر ظ انصاری کو "پرویز شاہدی ایوارڈ" اور پروفیسر اعزاز افضل کو مولانا ملیح آبادی ایوارڈ پیش کیے جو دس دس ہزار روپے کے تھے اس موقع پر گورنر نے بنگلہ دیش کے پروفیسر ہارون رشید کی کتاب "سرگزشت آصف" کی رسم اجرا بھی ادا کی۔

ڈاکٹر ظ انصاری اور پروفیسر اعزاز افضل نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی نے اپنی تقریر میں ڈاکٹر ظ انصاری اور پروفیسر اعزاز افضل کو ایوارڈ کے مستحق قرار دیا اور انہیں ایوارڈ ملنے پر مبارک باد دی۔

مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے نئے چیرمین جناب محمد امین (سابق وزیر ٹرانسپورٹ) نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ حکومت نہ تو کسی زبان کو بنا سکتی ہے اور نہ ختم کر سکتی ہے عوام ہی کسی زبان کو بناتے ہیں اور اسے ترقی دیتے ہیں حکومت اور عوام کے ربط باہمی سے اس کی ترقی میں ضرور مدد ملتی ہے۔ اکیڈمی، حکومت اور عوام کے تال میل سے ہی اس ریاست میں اردو کو فروغ دیا جا سکتا ہے انہوں نے اکیڈمی پر کی جانے والی بامعنی تنقید کا خیر مقدم کیا اور امید ظاہر کی کہ اردو اکیڈمی عوام کے تعاون سے اردو کے فروغ میں اہم رول ادا کرے گی۔

اس تقریر کے بعد صدر جلسہ جناب ہاشم عبدالحلیم نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ہم نے محض دکھاوے کے لیے اردو اکیڈمی کی تشکیل نہیں کی ہے بلکہ اردو کی ترقی و ترویج کے لیے ٹھوس خدمات انجام دینا چاہتے ہیں۔ قومی یکجہتی کے لیے ہر زبان و کلچر کے ساتھ یکساں سلوک اور اس کا تحفظ ضروری ہے اور مغربی بنگال میں اسی مقصد کے تحت اردو اکیڈمی قائم کی گئی ہے اردو ہمارا قومی ورثہ ہے جس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے جب تک ہندوستان زندہ ہے اردو بھی زندہ رہے گی۔

تقریب کے آغاز میں اردو اکیڈمی کے سکریٹری جناب محمد فخرالدین نے گورنر مغربی بنگال اور دیگر مہمان حضرات کی گل پوشی کی اور جناب محمد خورشید انور نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ آخر میں جناب علقمہ شبلی نے اکیڈمی کی جانب سے حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ (باقی صفحہ پر)



طوفان زدہ گاسے گھاٹ



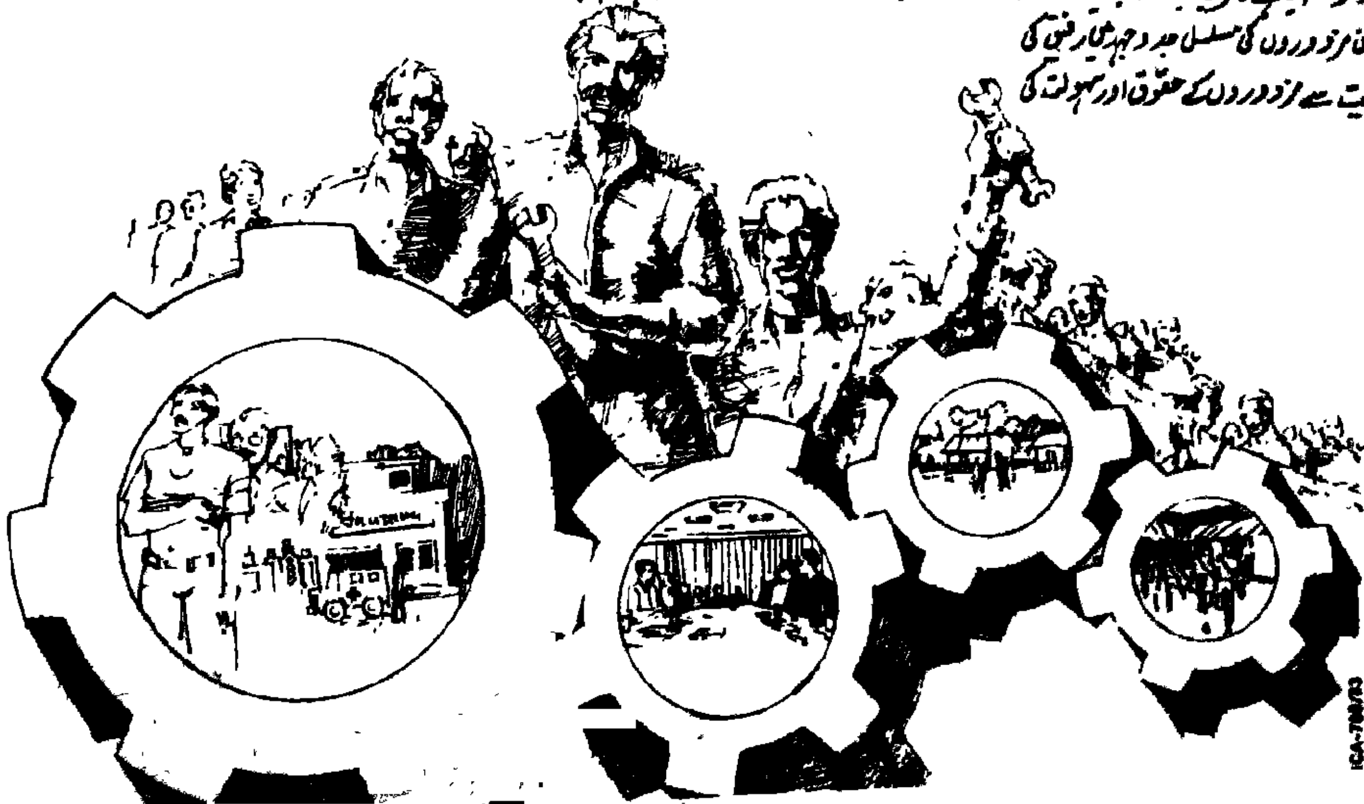
MAGHREBI BENGAL
1st MAY 1983

Regd. No. WB/CC-82
Vol.30 No.9
PRICE-12 Paise

یوم مئی کے تاریخی موقع پر
مغربی بنگال کے مزدور طبقہ کی
جد وجہد کو ہمارا سلام

آج مئی ۱۹۸۳ء کا پہلا دن ہے مزدور طبقہ کے خون سے رنگا تاریخی دن ہے اس موقع پر ہم مغربی بنگال میں مزدوروں کی جد و جہد کو سلام کرتے ہیں مغربی بنگال کے بیدار مزدوروں نے ہماری آزادی کی قومی تحریک کے دنوں میں بڑی بڑی جد و جہد میں حصہ لیا جمہوری تحریک اور مزدور طبقات کے بجا مطالبات کو منوانے کی تحریک کے ہر میدان میں مغربی بنگال کے سیاسی طور پر باشعور مزدوروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے ان مزدوروں کی مسلسل جد و جہد میں رفیق کی حیثیت سے مزدوروں کے حقوق اور سہولت کی حفاظت کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے مزدوروں کی ہڑتال کے حق میں پولیس کی مداخلت بند کردی گئی ہے چائے، جوٹ، انجینئرنگ، پرنٹنگ اور چرم سازی کی صنعتوں میں اجرتوں میں اضافہ کے لئے مزدوروں کی حمایت کی جا رہی ہے مزدوروں کے تنازعات کے تصفیے کے لئے دو رخی اور سہ رخی گفتگو جاری ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مغربی بنگال کی صنعتوں میں ہڑتال تالابندی اور لے آف کے واقعات بہت کم ہوگئے ہیں۔ ریاست میں ہر جگہ پرامن صنعتی تعلقات قائم کئے گئے ہیں اس تاریخی یوم مئی کے موقع پر بائیں محاذ کی حکومت مغربی بنگال کے مزدوروں کے حقوق و مراعات کے تحفظ، ان کے جمہوری حقوق کی نگہبانی کی اس جد و جہد کو ہمیشہ ہمیشہ جاری رکھنے کے عہد کی تجدید کرتی ہے۔

حکومت مغربی بنگال



Editor: D. N. [illegible] Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal
[illegible] IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

ٹیگور نمبر

مغربی بنگال

کلکتہ

۱۵ مئی سنہ ۱۹۸۳ء

مغربی بنگال کلکتہ

ٹیگور نمبر

اس شمارے میں

ترجمہ نگار: تارا پرشاد داس





نذرِ ٹیگور

وَلادَت : ۲۵ بیساکھ سنہ ۱۲۶۸ بنگلہ سال
(۷ مئی سنہ ۱۸۶۱ء)

وَفات : ۲۲ ساون سنہ ۱۳۴۸ بنگلہ سال
۷ اگست سنہ ۱۹۴۱ء

زیارت گاہِ ہند

اے میرے دل! پاکیزہ زیارت گاہ میں آہستہ سے جاگ
ہند کی عظیم امنڈتی ہوئی آبادی کے سمندر کے ساحل پر
یہاں کھڑا ہو کر دونوں بازو بڑھا کر انسان کی شکل میں نظر آنے والے
دیوتا کو نمسکار کرتا ہوں
آزاد اور کھلے ہوئے سنگیت میں حقیقی مسرتِ قلب سے انسان کی
مناجات پڑھتا ہوں
یہ دیکھو دھیان میں ڈوبا ہوا، گمبھیر پہاڑ، ندی کی تسبیح ہاتھ میں
لئے پھیلا ہوا میدان
یہاں برابر دیکھتے رہو پاکیزہ دھرتی کو
ہند کی عظیم امنڈتی ہوئی آبادی کی شکل میں سمندر کے ساحل پر
کوئی نہیں جانتا کہ کس کی پکار پر اتنے آدمیوں کی دھارا
کہاں سے ایک سرچشمہ بن کر پھوٹ پڑی اور بھارت ساگر میں کھو گئی
یہاں آریہ، یہاں غیر آریہ، یہاں دراوڑ اور چینی
شک، ہون، دل، پٹھان اور مغل ایک جسم میں سما گئے۔
یہاں کسی زمانے میں اونکار کی عظیم لگاتار دھن
دل کے تار میں اتحاد کے منتر سے گونجی تھی
ریاضت کے بل سے ایک (وحدت) کی آگ میں انیکتا (کثرت) کی آہوت دیکر
ہم تفرقے بھول گئے، ایک عظیم دل کو بیدار کیا
آؤ اے آریئے، آؤ اے غیر آریئے، ہندو مسلمان
آؤ آؤ آج تم اے اہلِ فرنگ، آؤ آؤ اے عیسائی!
آؤ اے برہمن پاکیزگیِ قلب کے ساتھ، سب کے ہاتھ پکڑ کر
آؤ اے پست اقوام کے لوگو، دور کرو اپنی توہین کا بوجھ
ماں کی آغوشِ محبت میں آؤ، جلد آؤ منگل ابھی بھرا نہیں گیا
سب کے چھوئے ہوئے پاک تیرتھ کے جل سے
ہند کی عظیم امنڈتی ہوئی آبادی کے سمندر کے ساحل پر

رابندرناتھ ٹیگور (گیتانجلی)
ترجمہ :- فراق گورکھپوری •





بنگلہ ادب میں مختصر کہانیوں کا افتتاح رابندرناتھ ٹیگور نے کیا۔ ۱۸۹۱ء سے ان کی چھوٹی کہانیاں بنگلہ ہفتہ وار رسالہ "ہیتو بادی" کے ادبی ضمیمہ میں شائع ہونے لگیں۔ اس وقت فرانسیسی انقلاب کے بعد یورپ کی سماجی زندگی میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ وہاں کے عام لوگ سماج سے اپنے حقوق۔ کام کرنے کے، زندہ رہنے کے حقوق۔ طلب کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ان تمام لوگوں کو رابندرناتھ ٹیگور کی چھوٹی کہانیوں میں جگہیں ملیں۔ بیسویں صدی کے شروع میں سارے یورپ میں عام بے چینی پھیل گئی۔ نئی ثقافت اور نئی کہانیوں کا دور شروع ہوا۔ سرمایہ داروں کے خلاف عام لوگوں کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام کا قلع قمع کرنے، سماجی زندگی میں تبدیلی لانے اور طبقاتی نظام کو ختم کرنے کے لئے وہاں کے مزدور سرمایہ داروں سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ نیز اس جدوجہد کے دوران مزدوروں کے خیالات نے سرمایہ دارانہ رومان کو بھی چکنا چور کر دیا۔ اب مزدور خود کو رومانی ہیرو اور ہیروئن سے بہتر سمجھنے لگے یعنی Men and women are better than heroes and heroins

۱۹۰۰ء کی سماجی اور ثقافتی زندگی میں یہی بنیادی تبدیلی رونما ہوئی۔ اس لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رابندرناتھ نے تاریخی ہیرو اور رزمیہ کی جگہ موجودہ سماج کو اور عام لوگوں کو اپنی کہانیوں اور افسانوں میں جگہیں دیں۔ اس زمانہ میں دنیا کے مختلف ملکوں میں اور خاص طور پر یورپی ممالک میں کل کارخانوں میں، کھیتوں میں، گاؤں اور شہروں میں طرح طرح کے مسائل رونما ہونے لگے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک نیا جذبہ بھی رونما ہوا اور وہ یہ کہ لوگ اب تنہا نہیں رہنا چاہتے۔ لوگ ایک دوسرے کی مدد اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہتے۔ گویا جان پہچان کی، سوجھ بوجھ کی ایک نئی دنیا نمودار ہوئی۔ ایک نئی تاریخ شروع ہوئی۔ ساری دنیا میں نئی روشنی پھیلنے لگی۔ اس وقت کے اخباروں اور رسالوں میں سماج اور سماج کے لوگوں کے دکھ درد، خوشی شادمانی اور کامیابی کامرانیوں کی کہانیاں شائع ہونے لگیں۔ اس وقت مصنفین اپنی کہانیاں اور افسانے اخباروں میں شائع کراتے یا یوں کہئے کہ وہ اخباروں کے لئے ہی لکھتے۔ شروع شروع میں اخباروں اور رسالوں میں خبریں اور ادبی مضامین شائع ہوا کرتے پھر بعد میں قارئین کی دلچسپی کے لئے طنز و مزاح کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا لیکن اس کے بعد مدیروں نے یہ بات دیکھی کہ لوگوں کی تشنگی کچھ حد تک باقی رہ گئی اسے دور کرنے کے لئے انہوں نے اخباروں اور رسالوں میں چھوٹی کہانیاں شائع کرنا شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں اخباروں اور رسالوں کی اشاعت بھی کم ہوتی لیکن اس وقت ادبا، لوگوں کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنی کہانیوں میں اجاگر کرتے اور آہستہ آہستہ یہ قطرے سمندر بن گئے۔ اب چھوٹی کہانیوں کا دور شروع ہوا اور ملک ملک میں ادیبوں اور مصنفوں نے چھوٹی کہانیاں لکھنی شروع کیں۔ جوہان سے گولوا اور ریچی بلاسک اخباروں میں چھوٹی کہانیاں لکھیں، اسی طرح چے کوف نے اور گوگل اور یودین نوک، اخباروں میں اور اسٹیونسن نے سٹرنڈ نے کویلاؤ اور سٹرنڈ سے وزیر ٹیگور کہانیاں لکھیں۔ رابندرناتھ نے گنگا کی لہروں کی طرح اپنے نئے نئے خیالات کو اپنی چھوٹی کہانیوں میں اجاگر کیا۔ ان کی چھوٹی کہانیاں ہیتو بادی، سادھونا، سوبوز پوترو، رسالوں میں شائع ہوئیں۔

رابندر ناتھ ٹیگور ہی مختصر کہانیوں کے نہ صرف موجد تھے بلکہ انہوں نے ایسی کہانیوں کی پرورش و پرداخت بھی کی۔ انہوں نے نظموں، گیتوں، ڈراموں اور ناولوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی کہانیاں بھی لکھنی شروع کیں۔ انہوں نے چھوٹی کہانیوں کو مساوی اہمیت دی۔ ساری دنیا میں رابندر ناتھ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ بلا شک و شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں دنیا کے مشہور کہانی نویسوں جیسے موپاساں، ایلن پو، چیخوف وغیرہ کے ساتھ مساوی جگہ دی جا سکتی ہے۔

رابندر ناتھ نے تیس سال کی عمر سے کہانیاں لکھنا شروع کیں۔ اس وقت ملک کی حالت بھی پریشان کن تھی۔ سارے ملک میں سیاسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ ظالم انگریز حکمراں ہندوستانیوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس وقت رابندر ناتھ ٹیگور بھی بہت ہی پریشان اور بے چین رہا کرتے تھے اور انہوں نے شہری زندگی سے دور جا کر پدما ندی کے کنارہ سہارا لیا۔ لیکن یہاں کے مناظر قدرت، ماحول اور یہاں کے لوگوں کے دکھ درد نے ان کے دل میں ایک نیا خیال اجاگر کیا۔ زمینداری کی دیکھ بھال کے لئے انہیں مشرقی بنگال کے گاؤں میں جانا پڑتا۔ یہاں کے قدرتی مناظر اور یہاں کی آب و ہوا انہیں کافی پسند آئی۔ نیز یہاں انہیں دیہات کے غریب لوگوں کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ شاعر نے یہ بات دیکھی کہ بنگال کے دیہی علاقوں میں استحصال کے شکار غریب نادار لوگوں کا ایک طبقہ خون چوس رہا ہے۔ ان تمام باتوں نے ان کے شاعرانہ تخیل کو ایک نئے جذبہ سے بیدار کیا اور انہوں نے ایک نظم "اے بار پھیراؤ مورے" (اس بار لوٹا دو مجھے) لکھی جس میں انہوں نے بھگوان دیوتا سے درخواست کی وہ اتنا ظلم و ستم کا منظر نہیں دیکھ سکتے اس لئے اس بار انہیں واپس بھیج دیا جائے۔ جگ جگ سے ظلم و ستم اور استحصال کا سلسلہ جاری ہے۔ خاموشی سے وہ اسے برداشت نہ کر سکے اور احتجاج کرتے ہوئے قلم اٹھایا:

ان سب نادان، حیران، مرجھائے ہوئے گونگے چہروں کو
زبان دینی ہوگی، ان سب تھکے، سوکھے اور لوٹے ہوئے
سینوں میں
امید کی جھنکار پیدا کرنی ہوگی۔ پکار کر کہنا ہوگا
ایک لمحہ کے لئے سر جھکا کر سب اکٹھے کھڑے ہو جاؤ، دیکھو تو
جس کے ڈر سے تم ڈرے ہوئے ہو وہ ظالم تم سے بھی
زیادہ ڈرپوک ہے
جوں ہی تم جاگو گے وہ دوڑ کر بھاگے گا
جوں ہی کھڑے ہو جاؤ گے تم اس کے سامنے۔ وہ کترا جائے گا
راستہ کے کتے کی طرح سکڑ کر ڈر سے

دیہی علاقہ کے عام لوگوں کی زندگی کی طرف رابندر ناتھ کی توجہ مرکوز تھی۔ اب انہیں ذہنی تنازعہ کا سامنا کرنا پڑا۔ اب وہ اس فکر میں ڈوب گئے کہ عوام اور سماج کے درمیان حائل خلیج کو کیسے پاٹا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر تنازعات نہ ہوتے تو وہ عظیم شاعر بن نہ سکتے۔

اسی بنیاد پر رابندر ناتھ کی چھوٹی کہانیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اسی لئے ان کی چھوٹی کہانیوں میں ہم سماج کے غیر نامور، نامعروف اور نچلے درجہ کے لوگوں کی تصویریں دیکھتے ہیں۔ ان سے قبل مدھوسدن نے بنگلا ادب پروردش میں ہیرو اور ہیروئن کی تصویریں کھینچی ہیں۔ بنکم چندر کے ناولوں میں محلات کی اور امرا کی تصویریں ہیں۔ دیگر کرداروں میں جن لوگوں کو دکھایا گیا ہے وہ رتبہ اور حیثیت کے لحاظ سے کچھ اونچے ہی کے تھے۔ ہم لوگوں نے رابندر ناتھ کی چھوٹی کہانیوں میں عام لوگوں کو دیکھا۔ اس سے قبل ایسے غریب اور عام لوگوں کو نہ تاریخ میں اور نہ ادبی شاہکار میں کوئی جگہ دی گئی۔ یہ سب ہمارے خوابوں کے برعکس تھے لیکن رابندر ناتھ نے ان کے کردار کو، ان کے مسائل کو، ان کی غربت اور پسماندگی کو، ان کے پیار اور محبت کو اپنی کہانیوں میں اجاگر کیا۔ اس سلسلہ میں رابندر ناتھ یوں رقم طراز ہیں۔

"میری کہانیوں میں حقائق کی کمی نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا انہیں لکھا۔ یہ میرے تصور کی تصویریں نہیں ہے یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ کہانیوں میں میں نے جو کچھ لکھا اس کے پیچھے کارفرما ہے میرا تجربہ میں نے خود دیکھا..... سوچ کر دیکھئے آپ سمجھ سکیں گے کہ جو کہانیاں میں نے لکھی ہیں ان میں بنگالی سماج کی عملی زندگی کی تصویریں ہیں اس سے پہلے کسی نے بھی اپنی کہانیوں میں ایسی تصویریں نمایاں نہیں کیں۔"

مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ میری کہانیوں میں بنگال کے متوسط خاندان کی تصویریں نہیں ملتیں۔ مجھے ان لوگوں کو جواب دینے کا موقع ملا ہے میں نے "چھینوا" دیہی زندگی کی تصویروں کو عیاں کیا۔ میرے خیال میں مجھ سے قبل اتنے وسیع پیمانے پر کسی اور نے بنگلہ ادب میں دیہی زندگی کی تصویروں کی مسلسل اشاعت نہیں کی۔ اس وقت متوسط طبقہ کے آدمیوں کی کمی نہیں تھی لیکن انہوں نے پرتاب سنگھ یا پرتاب ادیتو کی کہانیاں یا تاریخی ہیرو کی کہانیاں لکھیں۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں شاہی شان و شوکت کے گیت گائے۔ مجھے خدشہ لاحق ہے کہ میری کہانیوں کا مجموعہ گولپو گچھو کو لوگ بورژوائی ادیب غیر ادبی قرار دیں گے۔" اس وقت اس مجموعہ کے سلسلہ میں تنقید کا زبردست طوفان اٹھا۔ اس سے رابندر ناتھ کو تکلیف پہنچی لیکن گولپو گچھو کو غیر ادبی کہنے کی بات تو دور رہی سارے عالم کے ادیبوں کی یہ جاوداں بن گئی اور عالمی ادب کے اثاثے میں اس نے اضافہ کیا۔

رابندر ناتھ نے تقریباً چالیس برسوں تک چھوٹی کہانیاں لکھیں اس عرصہ کو تین دور میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلا دور تو ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۱ء تک تھا اس عرصہ میں انہوں نے رسالے ہتوباری، جس کے ایڈیٹر فلسفی کرشنا بھٹا چاریہ تھے اور سادھونا جس کے مدیر شری سدھیندر ناتھ ٹھاکر تھے، میں بہت ساری چھوٹی کہانیاں لکھیں جب انہوں نے اپنے مجموعہ کلام سونار تھالی، چترا اور چیتالی شائع کئے تو ساتھ ساتھ انہوں نے اسی دوران بہت ساری چھوٹی کہانیاں لکھیں نیز ان کے خطوط کے مجموعہ چھِنّو پترا ولی، میں اس وقت کی لکھی بہت سی کہانیوں کی تصویریں نمایاں ہوتی ہیں۔ ان کے دوسرے دور کا آغاز ۱۹۱۴ء سے ہوا۔ اسی دور میں ان کی بہت ساری کہانیاں سبوز پترا جس کے مدیر شری پرمود چودھری تھے، میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے ان کی کہانی نویسی کی رفتار کچھ سست ہوگئی ان کی زندگی کے آخری دور کی کئی ایک چھوٹی کہانیوں کو تیسرے دور کی کہانیاں کہی جاسکتی ہیں۔ پہلے دور میں انہوں نے قدرتی ماحول اور انسان کے درمیان جو رشتہ ہے اسے اپنے اشعار میں ابھارا اور اسی رشتہ کی بنیاد پر عام لوگوں کی زندگی کی بابت چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیں۔ آخری دور کی کہانیوں میں سنجیدگی کی جھلک ملتی ہے انہوں نے عام زندگی اور شہری زندگی پر تجرباتی کہانیاں لکھیں نیز ان کی نظم بلاکا میں بھی روزمرہ کی زندگی کی جھلک ملتی ہے۔

پہلے دور کی کہانیوں میں عام سماجی اور گھریلو مسائل ہیں۔ قدرتی مناظر قدرتی ماحول کی زندگی، خاص طور پر دیہی زندگی۔ اس کی جدوجہد، مشکلات، پیار محبت۔ کی کہانیاں ہیں۔ اس دور کی دینا پوتنا، جوگسور پرجوگو، ہیمنتی، وغیرہ کہانیوں میں سماج کی برائیوں کو، خاص طور پر جہیز کی لعنت کو انہوں نے ابھارا ہے اور سماج کے منصفوں کا جو اخلاقی فرض ہے اس کی بھی انہوں نے نشاندہی کی ہے ان کی کہانیوں کا مطالعہ کرتے کرتے مجھے ٹالسٹائی کے ریزریکشن (RESURRECTION) کا ایک حصہ یاد آجاتا ہے۔ گھریلو کہانیوں میں ساستی (سزا) کی کہانی قابل ذکر ہے۔ اس کہانی میں انہوں نے سماج کی ناانصافی اور بے رحمی کی شکار دیہات کی نئی دلہن چندرا کی پدما ندی کے کنارے پھانسی کے پھندے کے واقعہ کو بہت ہی خوبصورتی سے اور پرخلوص طریقہ سے بیان کیا ہے اس طرح ان کی عالمی شہرت کی حامل کہانی "کابلی والا" میں بیٹی کے لئے صرف باپ کی محبت کا ہی اظہار نہیں ہے بلکہ یہ کہانی تو ملک، ذات پات، مذہب سبھوں کو پار کرتے ہوئے دنیا کی ایک بہترین کہانی بن گئی اس کہانی کے طرز تحریر اور حقیقت اندازی کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف رابندر ناتھ ہی ایسی کہانیاں لکھ سکتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گھریلو واقعات کو ان کی کہانیوں میں جگہیں ملیں۔

محبت اور انسانی زندگی، اس سے رونما ہونے والے تنازعات اور پیچیدگیاں، محبت کی مختلف شکلیں، دیہی زندگی اور اس کے مسائل ان تمام باتوں کو رابندر ناتھ نے اپنی کہانیوں میں پیش کیا۔ بہت ہی صاف اور واضح طور پر اور شوکت کے ساتھ ان مسائل کو سلجھا دیا یہ بات واقعی قابل تعریف ہے ان کی کہانیوں میں کہیں تو دیہی لڑکی سادگی کا اور کہیں ذہانت کا نمونہ ہوتی ہے کہیں تو خشک اور پیچیدہ حالات کی ٹھنڈی برسات ہوتی ہے تو کہیں پریم کی پیاسی روحیں پریم کے جھولے میں جھول رہی ہیں۔ رابندر ناتھ کی ایک رات، تھلتی سماپتی، درشتی دان، موددھو بورتی، ما لوداں، مان بھون جون، ادھا لیک، سیشیر راتیر وغیرہ کہانیاں سماجی محبت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ ایک چھوٹی سی کہانی میں محرومی اور مایوسی کو کس طرح ابھارا جاسکتا ہے اس کی مثال ہم ان کی چھوٹی کہانی موددھو بورتی میں دیکھ سکتے ہیں اس کہانی میں لادلر نیارون، اپنی بیوی ہورو سندری کی بیماری پر شیولد بالا، نام کی ایک کم سن لڑکی سے شادی کرتا ہے لیکن اس لڑکی کو ناخوشی اور ناشفقی سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور آخر میں قبل از وقت وہ مرجاتی ہے اس کے بعد سابق شوہر اور بیوی پھر ایک ساتھ رہنے لگے لیکن اس درمیانی لڑکی کو کیا ہم فراموش کرسکتے ہیں؟ اس کہانی کے آخر میں رابندر ناتھ نے خود یوں جواب دیا۔ "پہلے جو شکلیں پاس پاس سوتیں اب پھر وہی پاس پاس سونے لگیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان ایک مرحوم لڑکی بھی سوئی ہوئی ہے اسے کوئی بھی فراموش نہیں کرسکا"۔ چھوٹی کہانی کی ایسی خوبصورتی صرف چیکوف کی کہانیوں میں ملتی ہے اسی طرح ان کی کہانی کھاتہ، میں پیار محبت کا ذکر نہیں ہے لیکن استحصال اور تشدد کا ذکر ہے اور ان کی شکار لڑکی رو ما اپنی تکالیف کو ظاہر نہ کرسکی۔ رابندر ناتھ نے روما کی تکالیف کا بہت ہی اچھی تصویر کھینچی ہے۔

رابندر ناتھ کی کہانیوں میں شاعرانہ تصور نمایاں طور پر ظاہر ہوا ہے انہوں نے محبت کی الجھنوں کو شاعرانہ روپ میں اپنی کہانیوں میں اجاگر کیا ہے۔ جہاں یہ کہانی کی ہیروئن گھونگٹ میں اپنے چہرہ کو چھپائے رکھتی وہ ذات کی کولین تھی اور شوہر کی موت پر جب اسے ستی ہونے کے لئے لے جایا گیا تو وہاں چند ترقی پسند نوجوانوں نے اسے جلنے سے بچالیا لیکن چتا کی آگ میں اس کے چہرہ کا کچھ حصہ جھلس گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ گھونگٹ ڈالے رہتی اس کے بعد پھر اس کی شادی راجیب سے ہوئی لیکن وہ اب بھی گھونگٹ میں رہنا پسند کرتی۔ راجیب نے بھی کبھی اس کی گھونگٹ اٹھانے کی ہمت نہیں کی لیکن ایک رات کو جب مہامایہ بے خبر سو رہی تھی تو راجیب نے اس کی گھونگٹ کھولا اور اسے اس کے چہرہ پر چتا کے جلنے کا داغ ملا اتنے میں مہامایہ کی نیند ٹوٹ گئی لیکن اسی وقت وہ اس کے گھر سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی۔

<

پہلے دور کی کہانیوں میں شاید سب سے بہترین کہانی نوسٹو نیڑ (ٹوٹا گھر) ہے
معنوی اعتبار سے اور تکنیک کے لحاظ سے بھی بہترین کہانی ہے عقل مندی اور دل کی قربت کا اتنا خوبصورت ملاپ اور کہیں دیکھا نہیں گیا۔

گھر سنسار کی چار دیواری میں سماج کی مخالفت کرتے ہوئے امل اور چارو کی محبت کی جو کہانی رابندرناتھ نے لکھی شاید ہی کوئی بنگالی اسے اچھی طرح پڑھ سکے کیونکہ وہ سب ایسے ماحول سے آشنا نہ تھے اس لئے اس دور میں اس کہانی پر بہت ساری تنقیدیں ہوئیں۔ چارو اور بھوپتی کی شادی کی زندگی برباد ہو جاتی ہے اس کی وجہ بھوپتی کی بے اعتنائی اور لاپرواہی ہے چارو کی زندگی میں ایک خلا پیدا ہو گیا لیکن اسے امل کی محبت نے پر کر دیا۔ پریم کی متوالی چارو کتنے دنوں تک سوکھ کر کانٹا بن گئی تھی لیکن اب وہ پھر سے سرسبز و شاداب بن گئی اس کی وجہ صرف امل کی محبت ہے لیکن جب امل کی شادی دوسری لڑکی سے ہو جاتی ہے تو اس وقت چارو کی ایک عجیب کیفیت رونما ہوتی۔ اور اس کے دل کی باتیں زبان سے ظاہر ہونے لگتی ہیں اس کہانی کی تکنیک جتنی بہترین ہے اس کا اختتام بھی اتنی ہی لاثانی ہے۔ رابندرناتھ کہیں بھی اس میں مخصوص نمائش کی کوشش نہیں کی چارو اور بھوپتی کی دل جلنی کی وجہ سے اس کہانی کو المیہ کی سرحد تک پہونچانے کے بعد ختم کر دیا گیا۔ تقریباً ایک ہی طرح کے موضوع پر سرت چندر کی گرہ داہو (گھر کا جلنا) کی کہانی ہے لیکن تکنیک کے لحاظ سے رابندرناتھ کی کہانی برتر ہے اسی طرح ٹالسٹائی کے آنا کارینا ناول میں تقریباً ایک ہی طرح کے واقعات ہیں لیکن رابندرناتھ کی نوسٹونی اس سے کہیں بہتر ہے۔

(۳۰)

رابندرناتھ کے پہلے دور کی کہانیوں میں ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں فطرت اور انسان دونوں کو ابھارا گیا ہے پدما ندی کے کنارے سیلا داہ اور سجاد پور میں جو حسین قدرتی مناظر ہیں ان ہی کے درمیان انہوں نے کرداروں کو پیش کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگل کے پھولوں کے جھڑے پتوں کو انہوں نے پھر سے سرسبز بنا ڈالا۔ سوبھا، کہانی کی سوبھا، چھوٹی کہانی، کے فوٹک، ادتھی تی، کہانی کے تارہ پو ردو، اپورو، کہانی کے نل کو ٹھکو، صرف قدرتی مناظر کے جزو نہ تھے بلکہ انسانی سماج اور سنسار کے بھی اہم ارکین تھے بسنسار کے روایتی قانون میں کچھ تبدیلی رونما نہیں ہوئی اس کے لئے ان کرداروں کو سنسار سے جدوجہد کرنی پڑی۔ قدرتی ماحول میں رہنے والے سیدھے سادے دیہی لوگوں اور اس وقت کے انسانی سماج میں کیا فرق تھا اس کو رابندرناتھ نے اپنی کہانیوں میں تفصیل سے ذکر کیا۔ وہ

غریب لوگوں کی تکالیف اور مشکلات کو، ان کے دکھ درد اور اس ظالم سنسار کی صورت حال کے درمیان کسی قسم کا انضباط قائم نہ کر سکے۔ ورڈس ورتھ کی رتھ (RUTH) تو صرف فطرت کی بیٹی تھی لیکن رابندرناتھ کی سوبھا نہ صرف فطرت کی بیٹی تھی بلکہ فطرت اس کی تیمار دار بھی تھی۔ سوبھا گونگی تھی اس کی زبان بند ہو چکی تھی اسے بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا لیکن فطرت اس کی کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ فطرت اس سے باتیں کرتی اسے باتیں سناتی۔ ندی کے پانی کی کل کلاہٹ، لوگوں کے بولنے کی آواز، ماہی گیروں کے گیت، چڑیوں کی چہچہاہٹ، پیڑ پتیوں کی جھرجھراہٹ سمندر کی لہروں کی طرح خاموش لڑکی کے پاس پہونچ جاتی۔ فطرت اس کے دکھ درد کو سمجھتی لیکن جب وہ سنسار میں داخل ہوئی کوئی اس کی باتوں کو سمجھ نہ سکا۔ سنسار میں ہمدردی نہیں ملی چھوٹو گولپو کے فوٹک کو موت نے نجات دلائی اور اتوتھی کے تارا پود کو اس سنسار سے دور بھاگ جانا پڑا۔ ورڈس ورتھ نے فطرت پر بھروسہ کرکے فلسفہ فرار کا سہارا لیا تھا لیکن رابندرناتھ نے اپنی کہانیوں میں ایسی باتوں کی پرچار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کرداروں کے لئے سنسار کے لوگوں سے اور سماج سے ہمدردی، تحمل اور پیار محبت مانگی ہے اور یہیں موجود رابندرناتھ ٹیگور کی عظمت نمودار ہوتی ہے۔

عالم غیب کو بھی رابندرناتھ اپنی کہانیوں میں لے آئے کھودتی تو پاشان منشی تھے، موتی بارامیں انہوں نے حقیقت اور عالم غیب کے درمیان رشتہ کو اجاگر کیا یہ سب صرف بھوتوں کی ہی کہانی نہیں ہے۔ بنیادی تصور نے ان کہانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ایسی کہانیوں میں کامیابی بہت ہی مشکل امر ہے اور رابندرناتھ کے بعد اس قسم کی کہانیوں میں کسی اور کو کامیابی نہیں ملی۔ مافوقیت کے آرٹ اور تکنیک کو انگریزی شاعر کولرج نے اپنی نظموں میں استعمال کیا لیکن ان کے بھوت یا تو گھنے جنگلوں میں رہتے یا متوسط طبقہ کے قلعہ کے اندر۔ لیکن بھوت اور موجودہ دور کو ایک ساتھ پیش کرنا واحد رابندرناتھ ہی کا کارنامہ ہے۔ یوں تو بھوت کی بابت نفسیاتی تشریح یوں کی گئی۔

The spot in the brain that will show itself out

یعنی بھوت دماغ کی الجھنوں کی اشاعت ہے۔ رابندرناتھ نے اس نظریہ کو قبول کیا ۵ ۹ نہایت سیدھے سادے لیکن تعجب خیز طریقہ سے مافوقیت کو، یا سیدھے الفاظ میں یوں کہیئے کہ جادو منتر سے بھوت پریتوں کو ہمارے آس پاس کے گھروں میں لے آئے۔ شہری ہندو ہو کہ ہندو ہو یا دیہا کی رائے میں تو رابندرناتھ

کی ایسی کہانیاں تو گویا امتحان تھیں جس میں وہ کامیاب ہوتے تھے۔ کہانی میں پہلی بیوی پر ظلم کرنے اور اس کے ساتھ نا انصافی کرنے کی وجہ سے شوہر کے دل میں تلاطم برپا ہوا جو حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کی پہلی بیوی مرنے سے پہلے یہ پوچھتی ہے۔ "وہ کون ہے، وہ کون ہے، وہ کون ہے جناب؟" شوہر کے دل میں اس سوال نے ایک گہرا زخم کیا اور نقش چھوڑ دیا۔ جیتی تو و مرتیو (زندگی اور موت) کہانی میں گہرائی نہ ہونے کے سبب سنسار کے گھریلو معاملہ کے سلسلہ میں خود غرضی پر زبردست چوٹ کی گئی۔ کنکال (جیسانی ڈھانچہ) کہانی تو ایک مردہ عورت کی زبانی سنتے ہیں گرچہ یہ مردہ کی باتیں ہیں لیکن ان باتوں میں جو حقائق پوشیدہ ہیں ان سے پڑھنے والے کافی مستفید ہوتے ہیں۔ ہوتی ہارا (ہیرے کا کھو جانا) کہانی کو پڑھنے کے بعد ایک عجیب احساس ہوتا ہے کہ ہم جاگتے ہوئے ہیں یا خواب دیکھ رہے تھے اس کہانی میں بیوی کے مرنے کے بعد شوہر کی تکالیف کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ کھودی تو پاشان، (بھوکا پتھر) اس طرز پر لکھی گئی بہت ہی انوکھی کہانی ہے۔ حقیقت سے یہ کہانی شروع ہوتی لیکن اس کے بعد قارئین کو بادشاہوں کے دور میں لے جایا جاتا ہے۔ انہوں نے جن لڑکے اور لڑکیوں کی تصویریں پیش کیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ اس کہانی کا مقصد اور انداز بیان بہت ہی نرالا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اس کہانی کے برابر دوسری کہانی نہیں ملتی۔ دُراشا (وہ تمنا جو پوری نہ ہو) کہانی بھی اسی طرح کی ایک عظیم کہانی ہے۔

۴

عام طور پر "میگھ ورودر" (بادل اور سورج) "دُربدھی" (ناعقلمندی) "راج ٹیکے"، وغیرہ کہانیوں کو رابندر ناتھ کی سیاسی کہانیوں میں شمار کیا جاتا ہے ان کہانیوں میں اس دور کی سیاست کی صاف جھلک ملتی ہے اس لئے ان کہانیوں پر مختلف انداز سے غور کرنا چاہئے کہانی کے لحاظ سے تو یہ سب بہت دلچسپ ہیں۔ لیکن ان میں قومی کردار اور ملک کی صورت حال ایک دوسرے سے اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ انہیں سمجھنے کے لئے غائر غور و خوض کی ضرورت ہے۔ دربدھی، کہانی داروغہ کے ظلم کی کہانی ہے اس کے ساتھ ہی اس کہانی میں استحصال کے شکار لوگوں کے دکھ درد کی تصویریں بھی پیش کی گئی ہیں اس کے ساتھ ہی بزدل ظالموں کے ہاتھوں سے عوام کی رہائی کو بھی عیاں کیا گیا ہے اس کہانی میں متوسط طبقے کے لوگوں کی بھی ایک تصویر پیش کی گئی ہے یعنی ان لوگوں کو غصہ بھی جلد آتا ہے

اور وہ سب بہت جلد مصالحت کر لیتے ہیں۔ لیکن مصالحت کی کوشش کرنے پر مصالحت تو نہیں بھی ہو سکتی۔

سرمایہ دارانہ نظام میں عام لوگوں کی زندگی کتنی تکلیف دہ ہوتی، اس کی تفصیل "میگھ ورودر" (بادل اور سورج) اور "چھنو پترا" (خطوط کا مجموعہ) میں ملتی ہے لیکن ان کہانیوں کی ابتدا کیسے ہوئی اس سلسلہ میں رابندر ناتھ نے یوں لکھا: "آج صبح کے وقت گری بالا نام کی ایک روشن صورت سنجیدہ لڑکی میرے خوابوں کی دنیا میں آکر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ صرف پانچ سطریں میں نے لکھی تھیں اور ان پانچ سطروں میں میں نے صرف یہی باتیں لکھیں کہ کل بارش ہوئی۔ آج بارش کے ختم ہو جانے پر چنچل بادل اور چلچلاتی دھوپ کے درمیان ایک دوسرے کو شکار کرنے کے لئے ایک جدوجہد شروع ہوئی ہے۔" میگھ ورودر کی کہانی ذرا لمبی ہے رابندر ناتھ کے ناول گورا میں ملک اور ملک کے لوگوں کی جو تصویریں پیش کی گئی ہیں ان کی شروعات اس چھوٹی سی کہانی میگھ ورودر میں ہوئی ہے یہ کہانی ۱۸۹۴ء میں لکھی گئی اس وقت ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی جسے انگریز سپاہیوں کی بغاوت کہتے ہیں، کا پرتو تقریباً مٹ چکا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی سماج میں احتجاج کا ایک نیا رجحان نمودار ہوا۔ انگریز حکمرانوں نے ہندوستانی عوام پر اپنے ظلم و ستم کا بازار گرم رکھا تھا۔ انہیں تو ہندوستانیوں کی رتی بھر پروا نہیں تھی۔ استحصال اور لوٹ کھسوٹ کے کام میں وہ مشغول رہتے اس وقت صحیح طور پر یہ کہا جا سکتا کہ ملک کے لوگوں سے کہیں زیادہ ملک کے مویشی آزاد تھے لیکن سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس وقت عوام میں ایک بے بسی چھا گئی تھی اس وقت قومی سربراہی کا خیال پیدا ہوا لیکن افسوس کہ کانگریس کے سیاسی لیڈر عوام کے ساتھ اپنے تعلقات اور ربط و ضبط مستحکم نہیں بنا سکے اس وقت کے زمیندار اور جاگیردار گھرانے کے لوگوں نے اپنی فلاح و بہبود کے لئے اپنے مقصد کی برآوری کے لئے خود کو انگریزوں کے حوالہ کر دیا اور انگریزی حکومت کی اطاعت کرنے کو اپنا فرض بنا لیا لیکن عام لوگ اور محنت کش لوگ تو ایسا کر نہ سکے اس وقت چند نوجوانوں نے انفرادی طور پر (مجموعی طور پر نہیں) ملک کو آزاد کر لینے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ نوجوان پڑھے لکھے تھے اور مغربی ثقافت سے روشناس تھے۔ مذکورہ بالا کہانی کا ہیرو سوکشی، بہت ہی تعلیم یافتہ تھا ذہین اور ہوشیار بھی تھا لیکن وہ سماج کے کام آ نہ سکا وہ خود پسندی میں مبتلا تھا۔ نشہ خودی میں مست رہتا، کمزور تھا، ناتواں تھا اور اس وقت کے پڑھے لکھے بنگالی نوجوانوں کا نمائندہ تھا۔ لیکن رابندر ناتھ نے اس کردار کو بھی

آہستہ آہستہ ابھارا ہے۔ یہ نوجوان سماج پر، عام لوگوں پر ڈھائے جانے والے ظلم کے خلاف بیدار ہوتا ہے، اٹھتا ہے، جد و جہد کرتا ہے، جیل میں گیا اور آخر میں خود کو قربان کر دیا لیکن یہ تن تنہا تھا۔ انہوں نے عوام کو ساتھ لئے بغیر تن تنہا جد و جہد کی اور مادرِ وطن کے لئے خود کو قربان کر دیا۔ اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ قوم کی عزت و وقار کی خاطر ایسے احتجاج کی ضرورت تھی۔ اس قسم کی احتجاج کی ایک بڑی شکل گورا ناول میں دیکھی گئی۔ اس ناول کا ہیرو قانون کا امتحان پاس کرتا ہے لیکن ملک کے لوگوں پر انگریزوں کے ظلم و ستم کو دیکھتے دیکھتے آزردہ انگریزوں کے خلاف ہو جاتا ہے اور انگریزوں پر حملہ کرنے کی بات سوچتا رہتا ہے۔ ملک کے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے اس نے تخریب پسندی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اس طرح یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کچھ حد تک ایک تنظیم قائم ہوئی۔ یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ جب ربندرا ناتھ نے سوشی کے متعلق لکھنا شروع کیا تو انہوں نے اسے سیاسی کردار کا روپ نہیں دیا لیکن آہستہ آہستہ اسے سیاست کے میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے باوجود ربندرا ناتھ نے بہت ہی اچھی تکنیک کے ذریعہ جیل سے رہائی پانے والے ہیرو کو ایک چھوٹی سی لڑکی کے پاس بھیج کر کہانی کو ختم کر دیا۔ کہانی میں ہیرو کی سیاسی زندگی سے ہم کچھ نتائج نہ اخذ کر سکے۔ ملک یا عوام کا کیا ہوا اس کی بابت کچھ نہیں کہا گیا۔ اس کے باوجود اس کہانی میں ذاتی واقعات کی کچھ تصویریں بھی پیش کی گئی ہیں۔ سوشی اور گیری بالا کے درمیان فرق کو اجاگر کیا گیا۔ نامکمل ہونے کے باوجود ہم گورا ناول میں اس کہانی کا عکس دیکھتے ہیں۔ گورا شروع ۱۹۰۵ء تک دیش کی آزادی کی جد و جہد سے الگ تھلگ رہا اور تن تنہا انقلابی قدم اٹھایا۔ اس سلسلے میں ربندرا ناتھ نے یوں لکھا ہے: "میں تو اکیلا ہوں۔ میں نہیں ہوں، میرا ایک چھوٹا سا جسم ہے اسی طرح میرا ایک بڑا جسم ہے میرے ملک کی مٹی، پانی، آسمان یہ سب میرے جسم کے حصے ہیں ان کی سزا میری سزا ہے میرے دیش کے تمام لوگوں کے سکھ دکھ میرے سکھ دکھ ہیں۔" لیکن یہ احساس ربندرا ناتھ کی کہانی میں نہیں ملتی۔ بلکہ تخریب پسندی کو چوٹ پہنچائی گئی۔ یہاں سیاسی ناانصافی بھی کی گئی لیکن بعد کے عرصہ میں پرواسی رسالہ میں شائع ہونے والے نامنظور اور سنسکار کہانیوں میں آزادی کے سنگرام میں غناستی برتر (ای حب الوطنی) کو نمودار کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی وہ مثبت ہدایت دے نہ سکے۔

دوسرے دور میں ربندرا ناتھ نے سبوز پترا (سبز خط) میں استری پترا (بیوی کے خطوط)، پیلا نمبر (پہلا نمبر)، ہالدار گوشٹی (ہالدار خاندان)

وغیرہ دس کہانیاں لکھیں۔ اس دور کی کہانیوں میں انہوں نے شہری زندگی کو اجاگر کیا۔ گاؤں کی زندگی سے دور رہ کر ان کے سوچ وچار کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا۔ انہوں نے لوگوں کے نفسیاتی مسائل کو اپنی کہانیوں میں ابھارنے کی کوششیں کیں۔ ہالدار گوشٹی کہانی کے ہیرو بنواری لال میں نظریاتی کے ساتھ حقیقت پسندی کے تضاد کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کہانی میں وجودیت کے باوجود خوبصورتی ہے وہ ربندرا ناتھ کو اس سنسار سے بہت دور خوابوں کی دنیا میں لے گئی۔

اس دور کی کہانیوں میں ربندرا ناتھ نے عورت اور اس کی شخصیت کو نمایاں کیا ہے۔ اس وقت تو ایک طرف جاگیردارانہ نظام روبہ زوال ہو رہا تھا تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام نمودار ہو رہا تھا۔ اس وقت کی صورتِ حال نے ربندرا ناتھ کو بہت متاثر کیا۔ جوگا جوگ ناول میں کمود نے اپنے احساسات کا ایسے لفظوں سے اظہار کیا جنہیں بچے نہیں سمجھ سکتے تھے "میں ان لوگوں کی بڑی بہو ہوں۔ یہ بیکار سی بات ہے اگر میں نہ جاگ اٹھوں۔" بنگلہ ادب میں اس سے قبل اتنی بے باکی سے کسی عورت کی زبان سے ایسی باتیں نہیں سنی گئیں۔ استری پترا کہانی میں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ صرف ایک عورت نے تن تنہا احتجاج کیا، نہیں! ساری عورتوں نے بغاوت کی۔ چند نقادوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک کہانی ہے اور ایک اشتہار نما کہانی ہے اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن نقاد کی باتوں سے میں اتفاق نہیں کرتا۔ انقلاب کی باتوں کو تو زور سے کہنا چاہئے۔ اس وقت سارے یورپ میں عورتوں کی آزادی کے لئے چیخ و پکار ہونے لگی۔ ابسن کے ڈول ہاؤس کی ہیروئن نورا کے کیریکٹر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس ملک میں ربندرا ناتھ ٹیگور نے ٹھیک اسی ڈھنگ پر استری پترا کی منجھلی بہو کی بغاوت کو پیش کیا۔ ایک بڑے خاندان کی بہو کا وقار کی خاطر گھر سے باہر نکل جانا! بڑی عجیب بات ہے اور ایسی باتیں کہیں بھی دیکھی نہیں گئیں اسی لئے موازنہ بھی نہیں کیا جا سکتا جس جگ میں ربندرا ناتھ نے یہ پیش کیا تھا اس جگ میں کسی نے بھی ایسا کرنے کی ہمت نہیں کی۔ یہ باتیں تو آج رونما ہو رہی ہیں۔ نورا کی بغاوت سے کہیں زیادہ منجھلی بہو کی بغاوت قابلِ فخر ہے۔ اس بغاوت کی وجہ غلط فہمی نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کے جھگڑے نہیں بلکہ ایک نیا تصور ہے عورتوں کی آزادی سماج کے ظلم و ستم سے آزادی۔ منجھلی بہو کے خط کے آخری حصہ میں درج ہے "تم لوگوں کے کوچے سے اب میں نہیں ڈرتی۔"

یہاں ہم ربندرا ناتھ کی انفرادیت کو دیکھتے ہیں۔ وقت کی ضرورت کو وہ تسلیم کرتے ہیں سماج کی برائیوں کے خلاف وہ احتجاج کرتے ہیں۔ ان باتوں کا

(باقی صفحہ [illegible] پر)



رُوحِ روشن کا پرتو

از:- موکلیش بسواس

ربندرا ناتھ !
ہوں میں بھی اک روشن خیال
لیکن تصور میں میرے
تمہاری موت اک المیہ ہے
مسائل میں الجھے ہوئے اس جہاں میں
موت برحق ہے
تسلیم کرتے ہوئے اس حقیقت کو
وقت کے دھاروں میں ہم
بہہ جاتے ہیں
سجا سجایا سنسار
روک نہیں سکتا وقت کی رفتار کو

جمالیاتی ذوق سے سرشار
جلے ہو، جھلسے ہو
ڈوبے ہو
امرت کی بالائی میں
لیکن نہیں ملی تمہیں حسب خواہ دنیا
ہو سکتا ہے کہ
ابھی، تمہارے جنم دن کے موقعہ پر
عوام کی بلند خیالی
سفید بگلے کی طرح
تمہاری روح کی پہنائیوں میں
اڑ رہی ہے

ربندرا ناتھ !
جنگ و جدل بھی تم نے دیکھی
ڈرے نہیں موت سے کبھی تم،
نہیں مانگی تم نے
خونی ذلت کے عوض
عزت کے زیور
تخت و تاج، جائداد و جاگیر
طلب نہیں کی تم نے

ربندرا ناتھ !
کرایا تھا تم نے سارے جہان سے
تعارف عظیم ہندوستان کا
عظیم ہندوستانیوں کا
سوائے اس کے نہ اور کچھ بھی
تمہارے خیال کے مطابق
اُس دن
آسمان ہوا تھا نیلا، پھر گہرا نیلا



لیکن تھی سرسبز ہماری دنیا
موج زن تھی دل میں ہمارے
ہمالہ کی روشنی
تمہارے تجسس سے
بیدار ہوئے تھے جو کھو پوری راجہ
توڑا تھا اس نے رسم تحریم کو

اور
رقص فرما ہوئی تھی صحن دکھن پر
بسنت کی گلابی پوربی ہوا
باوجود اس کے
وقت کے سینے کو چاک چاک کر کے
کھڑی ہے " سندھالی "
ابھی بھی ہمارے سروں پر
چھائے ہیں گہرے کالے بادل
طوفانی ہواؤں سے لمحہ لمحہ
کانپ اٹھتا ہے
اعتماد مصمم ،
دنیا کے تذبذب کا سینہ
بند ہیں دنیا کے اندھے غار میں
زندگی کی جمالیاتی خوشیاں

رابندرا ناتھ !
ہمارے خوابوں ، ہماری حقیقتوں کے امیں !
تمہارے نام کی قسمیں کھا کر
جادۂ ہستی میں سرگرم سفر ہیں ہم
ان گنت وہ جواں
تازہ دم بوڑھے
صحت مند مائیں
صبح کی روشنی سے منور بچے

کلیوں جیسے نکھرتے بچے
نغمہ زن جھرنوں کے سُر تال ،
گیتوں کی لے کے ساتھ
نکل آتے ہیں ، لوگوں کے
زندگی کے سچائی اور امن کے
جلوس میں

رابندرا ناتھ !
تمہارے جنم دن پر
پُربہار پچیس بیساکھ کے پیشِ نظر
لاموت زندگی کے متلاشی زندگی
ہے سنگرام ہمارے خوابوں کا
زندگی کے نا تمام گیتوں کو
پورا کرنا ہے ابھی بھی ہم کو

شاعرِ نور صفت !
تہذیب و علم کے اس عظیم مرحلہ پر
گہری خاموش تاریکی میں
ہم تم سے بس یہی طلب کرتے ہیں
سر پر آزاد آسماں ہو
غلامی سے آزاد دنیا کی ساری زمیں ہو
تارک الدنیا کی خاطر حسبِ خواہ
تیرتھ استھان ہو بھارت ہمارا
مگر شرم ہے
ستم رسیدہ ہے روحِ انساں
(بنگلہ سے آزاد ترجمہ)



فالگونی ناچ ناٹک

از:- سومندرناتھ رائے

رابندرناتھ ٹیگور کے ناچ۔ناٹک فالگونی، کی ابتدا میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سارے نوجوان ایک بوڑھے کا پیچھا کر رہے وہ اسے پکڑنا چاہتے ہیں لیکن جب بوڑھا خود کو ایک غار کی تاریکی میں چھپا لیتا ہے تو سب نوجوان ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے ہیں اب انہیں کیا کرنا چاہئے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس وقت ان کے سربراہ اور ان کے دوست چندر ہار، ـــ یہ دونوں ہمت نہیں ہارتے۔ غار کے اندر داخل ہو کر اس بوڑھے کو پکڑ لانے کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن یہ بوڑھا تھا کون؟ اس کی بابت شاعر ٹیگور یوں رقم طراز ہیں۔

" موت کے درمیان
وہ کسی کام کے لئے بیٹھا ہے
قدیم ترین اور عمر رسیدہ،
اس دنیا کا مکین ہے"

زندگی یقینی طور پر موت کی طرف جاتی ہے اس عزم کے ساتھ کہ موت پر اسے فتح حاصل ہوگی۔ لیکن موت کے غار میں گھس کر کوئی بھی باہر نہیں نکلتا۔ جو اس غار میں جاتے ہیں ہمیشہ کے لئے کھو جاتے ہیں اگر کوئی واپس آ جائے تو! زندگی کے درمیان اگر کوئی شخص اس بوڑھے کی موت کو اپنی گرفت میں لے لے تو! اگر بڑھاپے کی گتھیوں کو زندگی کے چراغ کی روشنی کے سامنے لا کر کھڑا کر دے تو! ہم کیا دیکھیں گے؟ یہی ناچ، ناٹک فالگونی کا موضوع ہے۔ موت پر فتح حاصل کرنے کے لئے مسلسل جد و جہد، نوجوانی کی جد و جہد، موت کو پرے ڈال کر زندگی کو محفوظ، مستحکم اور جینے کے قابل بنانے کے لئے موت سے ہمکنار بوڑھے سے نوجوانوں کی پنجہ کشی کی وجہ کیا ہے؟

شانتی نکیتن مضامین میں "امرتیو پترو" (امرت کا بیٹا) کے عنوان کے تحت ایک مضمون میں رابندرناتھ نے ان سوالوں کا جواب دیا۔

" موت کی تاریکی حقیقت نہیں ہے۔ سچائی اور حقیقت تو روشنی ہے یہ ہمیں صدیوں سے چکرلاتی ہے۔ ہماری طرف تاکتی جھانکتی رہتی ہے لیکن صدیوں سے لوگ اپنی ذہانت اور عقل مندی سے جہالت پر قابو پاتے آ رہے ہیں۔ صدیوں سے لوگ گناہ اور گندگیوں کو دور کر کے نئی خوبیاں اجاگر کرتے آ رہے ہیں۔ کثرت میں وحدت، ایک حقیقت ہے اور لوگ مختلف راستوں سے سچائی کو پا رہے ہیں!"

دوسری جگہ وہ یوں رقم طراز ہیں " انسان کو اس کی ضعیفی کی مصیبتوں سے بچانا ہے لیکن کیسے؟ کس طرح؟ کہاں؟ وہیں نجات ملے گی جہاں ابدی زندگی ہے بستارنے صرف ایک ہی نام "موت" کو پکڑ رکھا ہے وہ سبھوں کو توڑتے پھوڑتے موت کی طرف دھکیل دیتا ہے لیکن موت کی طرف سبھوں کو جانا ہے۔ یہ حقیقت ہے یہی سچائی ہے اگر سچائی واجب الوجود ہوتی ہے تو کوئی بھی نئی چیز رونما نہیں ہوتی اور پھر اس دن تک دنیا سڑ گل جاتی تب جوڑا (بڑھاپا) کا مورتی تو ہر جگہ نمودار

موت کی شہادت تو چاروں طرف ہے لیکن لوگ یہ کہتے آ رہے ہیں

سنو! سنو! تم لوگ سب امرت کے فرزند ہو، تم لوگ سب موت کے رشتہ دار نہیں ہو!" اسی لئے ناچ، ناٹک فالگونی، کے نوجوان یہ کہتے ہیں کہ " دلربا، یہ دنیا ہماری دلربا ہے۔ یہ خوبصورت دنیا ہماری معشوقہ ہے۔ وہ ہمارے پاس جو کچھ ہے طلب کرتی ہے ہمارے ہاتھوں کا لمس، ہمارے دلوں کے گیت!"

" لیتے وقت ہم مقروض بن گئے۔ پھر کھاڑ کیا۔ لیکن ڈرے نہیں۔ اب بھی نہیں ڈروں گا۔ اب یہاں رہنے کا کھیل، کھیلیں"۔ اب بوڑھی موت اور اس کے پیچھے جوانوں کے حملہ کی تصویر یوں ہے۔

" ہم لوگ تو کھیل کھیل رہے تھے لیکن کھیل کیا تھا، یہ بھول گئے ہم لوگ تو اسے پکڑنے نکلے تھے جو سب سے زیادہ ضعیف تھا۔ راستہ میں کبھوں

سے کہا تھا۔ ناقسہ، وہ نہایت خطرناک ہے اس کا مرض سرپر ہے جو مرد کھاتا ہے ایک منہ کھولے ایک دکار میں چیونٹی کو ہضم کر جاتا ہے وہ نوجوانوں کے جاندار کو نگل کر کھا جاتا ہے۔ اسے باؤل، چندر ہار ابھی تک واپس کیوں نہیں آیا؟

باؤل نے جواب دیا۔ وہ جہاں گیا ہے کیا آپ لوگوں کو اس کی بابت کچھ معلوم نہیں ہے۔

نوجوانوں نے پوچھا، کہاں گیا ہے؟

باؤل۔ وہ یہ کہہ کر یہاں سے گیا ہے کہ میں اسے جس بات سے سب ڈرتے ہیں زیر کرکے لے آؤں گا۔ ورنہ میری جوانی کا کیا مقصد؟ جو لوگ مرکرام ہوتے ہیں، موسم بہار کے نئے پتوں کو انہوں نے خطوط بھیجے ہیں وہ سب تو اعلان کر رہے ہیں۔ ہم لوگ راستہ کی پیچیدگیوں کا ذکر نہیں کرتے۔ نہ راستہ کے خرچ کا حساب رکھتے ہیں ہم لوگ دوڑتے ہوئے آتے، ہم لوگ کھیل کھیل کر نکلے۔

نوجوان ـــــ لیکن وہ کس طرف گیا۔

باؤل ـــــ بس غار کے اندر گیا

نوجوان ـــــ عجیب بات ہے وہاں تو گہری تاریکی ہے۔ ہم لوگوں سے کچھ کہے بغیر وہ چلا گیا۔ کیا وہ پھر واپس آئے گا۔ اگر چندر ہار چلا جائے تو ہمارے دل میں اور زندگی میں کیا باقی بچے گا۔ جاتے وقت کس نے ہم لوگوں سے کچھ کہا تھا؟

باؤل ـــــ ہاں! اس نے کہا تھا، میرا انتظار کرنا، میں پھر واپس آؤں گا۔ میں فتحیاب ہوکر واپس لوٹوں گا۔"

نوجوان ـــــ کس وقت اس نے کہا تھا؟

باؤل ـــــ بہت دیر ہوئی، رات کے پہلے پہر میں

نوجوان ـــــ ابھی تو شاید تین پہر گذر چکے ہیں۔ کتنی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے جسم سرسر کر رہا ہے۔ خواب دیکھ سا ہوں تین عورتیں اپنے بال کھولے رو رہی ہیں اور رو رہی ہیں لیکن وہ کسی کو بھی پکڑ کر اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکتی۔

نوجوان کو اندھے باؤل سے ہی موت کے غار کا پتہ ملتا ہے۔ باؤل اندھا ہے آنکھوں سے تو دیکھ نہیں سکتا لیکن وہ اپنے جسم، دماغ، روح اور احساس کے ذریعہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ ہماری معلومات اور ہمارے احساس و شعور سب اس نابینا باؤل کی طرح ہیں اور ہم علم کی راہ پر آگے بڑھتے جا رہے ہیں آنکھوں کی روشنی سے ہم وہ سب دیکھتے ہیں جو عیاں ہوتے ہیں جو عیاں نہیں ہوتے انہیں

ہم اندرونی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس طرح ہم اندرونی روشنی سے جہالت کی تاریکی کو دور کرتے ہیں جھوٹ کی تاریکی کو مار بھگاتے ہیں سچائی جسم کے سورج کی طرح عیاں اور روشن ہوتی جاتی ہے۔

باؤل خود اعتمادی اور خود بیداری کا گیت گاتا ہے۔

" ہوگی جیت، ہوگی جیت، ہوگی جیت اسے بہادر، جو نڈر ہوتا ہے اسے ابدی زندگی کی جیت ہوتی ہے۔ خوشی کے گیت. ہنستے والے گیت ہیں۔ محبت لافانی ہے۔ امن لازوال ہے۔ موت پر فتح حاصل کرنے کے بعد چندر ہار واپس آتا ہے اس کے سب نوجوان دوست اس سے پوچھتے ہیں جسے گرفتار کرنے گئے تھے کیا تم نے اسے گرفتار کیا؟" چندر ہار۔ "ہاں بھئی! میں نے اسے پکڑ لیا، اسے گرفتار کر لیا۔"

دوست ـــ "کیا اسے ہم نہیں دیکھ سکتے؟ کہاں ہے وہ؟" "تم نے کیا دیکھا؟" چندر ہار۔ "اسے تو میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اسے تو میں نے اپنے حواس خمسہ سے دیکھا تھا اگر میرا جسم میری آواز بن جاتا تو وہ کہہ سکتا۔

نوجوان ـ "ارے بھئی! کیسے تم نے گرفتار کیا؟ ہماری سمجھ میں تمہاری باتیں نہیں آتیں۔ دنیا کا سب سے قدیم بوڑھا تو رشی منی اگست کی طرح جوانی کے سمندر کو چوس کر پی جانا چاہتا ہے، یہ بوڑھا تو تاریکی کی طرح خطرناک ہے۔"

چندر ہار جب غار سے نکل کر باہر آتا ہے تو اس کے ساتھی اسے تعجب بھری نظروں سے دیکھتے ہیں سب اسے بھوت سمجھتے ہیں۔

نوجوان سب کہتے ہیں۔ "وہ دیکھو کون غار سے باہر نکلا۔ ارے بہت تعجب کی بات ہے۔ ارے یہ تو تم ہی ہو، ہاں ہاں، تم ہی ہو۔ ہم لوگوں کے سردار، لیکن بوڑھا کہاں گیا؟"

سردار۔ "کہیں نہیں، وہ تو خواب ہے"

نوجوان۔ "تب تم ہی برسوں برس تک جوان رہوگے۔"

چندر ہار۔ "ہم لوگ ہی ہمیشہ کے لئے ہیں۔"

" موت پر فتح پانے کے بعد غسل کرکے تازہ دم ہوکر آتی ہے، موت پر فتح پانے والی جوانی۔"

فالگون، گیت۔ ناٹک کا یہ اصل مرحلہ ہے۔





ٹیگور کا آخری سوال

از۔ شبشر کمار گھوش

رابندرناتھ ٹیگور کے اشعار کا بیاض تو ہے لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بیاض میں ان کے منتخب کلام نہیں ہیں یعنی ان کی زندگی کے آخری دور کے منتخبہ اشعار کے ساتھ ساتھ ان کے اور بھی بہت سارے اشعار ہیں جنہیں اس بیاض میں شامل نہیں کیا گیا ہے گرچہ یہ میدان بہت ہی تنگ ہے تاہم اس کے اندر بہت ہی حیرت انگیز اور بے کل مغنیہ موجود ہے۔

ٹیگور کی نظم "پہلے دن کا سورج" بے کل کر دینے والی نظموں میں سے ایک ہے اس کے پڑھنے سے کھلبلی پیدا ہوتی لیکن یہ ایک حقیقی نظم ہے انہوں نے اپنے بستر مرگ پر اس نظم کو لکھا یا یوں کہئے کہ وہ کہتے گئے اور ان کے بستر کے قریب بیٹھے لوگ لکھتے گئے پھر انہوں نے اس نظم کی زبانی نظر ثانی بھی کی ٹیگور کے مجموعہ کلام میں یہ نظم کچھ بے جوڑ سی نظر آتی ہے یہ ایک سوالیہ نظم ہے اور ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ان کی لمبی زندگی کی شام کے آخر میں بھی ہم ایک علامت استفہامیہ لگا دیں۔ ہمیں از سر نو جائزہ لینے کے لئے نہیں بلکہ از سر نو کھینچنے پر یہ نظم اور اس نظم کی بنیاد ہمیں مجبور کر دیتی ہے۔

اختصار کے ساتھ ان کی نظم "پہلے دن کا سورج" کا سیدھا سادا ترجمہ یہاں پیش کیا جا سکتا ہے۔

پہلے دن کے سورج نے
پوچھا
نئی صبح کے ظہور پر
تم کون ہو؟
کوئی جواب نہیں آیا
سال پر سال گزر گئے
دن کا آخری سورج
آخری سوال پوچھتا ہے
مغربی ساحل سمندر میں
ایک خاموش شام کو
کون ہو تم ؟
اسے جواب نہیں ملا

یہ ترجمہ سیدھا سادہ ہے لیکن اس میں گویا ایک بد بختی کو شامل کر دیا گیا ہے یعنی آخری سطر میں "اسے" کا ذکر ٹیگور کی طبع زاد نظم میں نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ ترجمہ میں زبردست غلطی کی گئی ہو۔

ظاہر ہے کہ متکلم یہ جاننا چاہتا ہے کہ تم کون ہو؟ ظاہر ہے کہ مکالمہ حکمت عملی کے پیش نظر یہاں کسی کا نہ ہونا ہی موضوع ہے۔ ابہام سے پُر اور معنی نظم میں "پہلے دن کا سورج" کو شروع میں ہی نئی زندگی کے ظہور کا سبب بتایا گیا۔ یہاں کون کس سے سوال کر رہا ہے؟ کیا سبب اور اثر کے درمیان رشتہ ایک سوال ہو سکتا ہے یا کیا اس پر سوال کیا جا سکتا ہے۔ علم الوجود کا خلیج آہستہ آہستہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ مکمل طور پر موضوعی ہونے کے باوجود نظم اندرونی خود کلامی ہے۔ خود کلامی ہے لیکن یک سری نہیں ہے جواب ہے یا، اور اسے جواب نہیں ملا۔ ان دونوں میں جو فرق ہے اسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا بنگلہ زبان میں یہ نقطہ الفاظ طلب نہیں۔ اور پایا نہیں، سے عیاں ہو جاتا ہے۔

پہلے سوال میں جو امکانات تھے وہ دوسرے سوال میں دب گئے ہیں یہ بڑی معنی خیز بات ہے کہ بنگلہ میں لکھی اس نظم کے اہم سوال "تم کون ہو" کے آخر میں سوالیہ نشان نہ تھا۔ شاید اس لئے کہ یہ اتنا اہم سوال نہیں تھا جسے ایک معین اور مخصوص جواب کا انتظار ہے بلکہ تو سرگوشی ہے جسے حلقہ ضمیر میں سنا جا سکتا ہے یا شاعر کے الفاظ میں یوں کہئے کہ یہاں "ہاں اور نا" میں تفریق ختم ہو گئی ہے اور ہم لوگ اب منطق اور زبان کی سرحدوں پر آ کھڑے ہوئے ہیں۔

ایک طرح سے تو یہ ایک سوال ہے لیکن ایسا سوال نہیں جو شخصیت کے آخری یا ماقبل آخری بحران کی طرح اس نظم کی حیثیت کا تعین کرتا ہے۔ ماقبل آخر اس لئے کہا گیا ہے کہ ہستی اور رد نما ہونے والی ہستی، خودی اور قدرت، شعور اور شعور خودی کی ابتدا کے درمیان صحیح رشتہ کی وضاحت نہیں کی گئی کیا اس نقاب کو اٹھا لیا گیا ہے یا نہیں، اس کی بابت ہم کچھ نہیں جانتے اور نہ ہم سے اس سلسلہ میں کچھ کہا گیا ہے۔

اس کے باوجود کون سوال پوچھتا ہے اور کس سے؟ کیا علم اور تخلیق کا علم بردار سورج ہی ہے جو پوچھتا ہے اور کیا یہ ہستی تو ہے جس سے پوچھا گیا ہے؟ لیکن ہستی تو، کیا جواب دے سکتی ہے یا یہ زمانہ شمار ہے جس سے پوچھا گیا ہے ایک سوال جب پوچھا جاتا ہے تو اس میں زمان کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اس میں دو کا ہونا ضروری ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں خود کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اسے تاریخی واقعہ نگاری اور سوانح حیات کے ڈھانچہ میں دیکھنا بھی غلط ہے ایسے خیالات اس نظم کے حقائق کو تباہ کر دیں گے۔ اپنے لئے لکھتے وقت شاعر تمام لوگوں کے لئے لکھتے ہیں یہ گمنام نظم تو ہر ایک کی نظم ہے۔ یہ ہوتے ہوئے نہیں قسمت ہے جو توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرتی ہے۔

یہاں ہماری توجہ کی مرکز تو نظم ہے جسے الفاظ میں لکھا گیا ہے نہ کہ شاعر اور اس کی شخصیت پر مبنی۔ شاید ہی کوئی بہترین نظم لکھی گئی اس کے باوجود ہم یہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ کون سوال کر رہا ہے اور کس سے، اس کے توقعات کیا ہیں، مدعا کیا ہے؟ ہم لوگوں نے تو لفظ اسے، یا وہ، کو تو مسترد کر دیا۔ ایک اور سوال بھی ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیا ہوتا ہے اور کہاں؟ زمان یا مکان کہاں ہے؟ وقت گزرتا جا رہا ہے اور اپنے پیچھے کچھ چھوڑتا بھی نہیں۔ کیا وقت تجربی ہے یا فلسفہ غایت سے اس کا رشتہ ہے؟ تجربہ کا مواد صفر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تجربہ کا جو نچوڑ ہے اس میں اور مستقیم یا تاریخ وار وقت میں کوئی رشتہ نہیں ہے اور یہ ایک پریشان کن تخیل ہے کیا اس نظم میں وقت کی ساخت نہیں ہے؟ صرف خلا ر کا اشارہ ہے اور ورڈزورتھ کے مطابق خلا ر تو مابعد الطبیعی شعور کے بہت ہی قریب ہے۔ کیا یہی، جس کا براہ راست ذکر نہیں کیا گیا ہے چیدا کاش یعنی دل کا آسمان ہے! جو ہستی کو، ساحل سمندر کو، پہلے اور آخری سورج کو، صبح اور شام کو، فطری طور پر سبھوں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، اور یہ تمام، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ایک واحد ذات کی مختلف شکلیں ہیں۔

نامعلوم انسان کی رزمیہ میں یادداشت کی ایک ہیبتناک کہانی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے بغیر سلسلہ جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن اس میں کوئی پیش بینی نہیں۔ توقعات نہیں ہیں۔ یہاں پیچھے دیکھنے کی بات ہے سامنے دیکھنے کی نہیں۔ جیسا کہ پولٹ نے مارسل پراؤسٹ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا۔ یہ جو تجزیہ ہے وہ موجودہ خودی نہیں، جو کھو گئی ہے اور ناقابل تلافی ہے بلکہ یہ تو ایک لازمی خودی ہے جو سال و زماں سے آزاد ہے جو بذات خود اپنا مرکز اور اپنا خالق ہے نظم خود اپنی اور اپنی خودی کا خالق ہے یہاں تکنیکی نقطہ یہ ہے کہ کیسے؟ یہ پریشان کن سوال ہے جس کا کوئی جواب نہیں، یا ہو سکتا ہے کہ اس کے بہت سہل جواب ہوں یا آسان لیکن ناقابل قبول۔

سطروں کے درمیان پڑھنے سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اس نظم میں مایوسی نہیں ہے بلکہ حیرت ہے جو یہ پوچھتی رہتی ہے، ہونے کا کیا ہوتا

ہے ؟ جناب ابوسعید الیونی کی، جن کے خیال میں اس نظم میں بہت ساری باتوں کے جوابات ہیں، معذرت کے ساتھ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں درحقیقت کوئی جواب نہیں ہے اور نہ کوئی جواب ہو سکتا ہے یہ ایک پہیلی نہیں ہے بلکہ ایک راز ہے جسے حل کرنے کی ہم کوششیں کر رہے ہیں۔ آخر میں راز اور حقیقت دونوں ایک ہو گئے۔ تاریخ اور بعید از تاریخ کے عرصہ ایک دوسرے سے پاتال کے آر پار سے کانا پھوسی کرتے ہیں، اور یہیں اس نظم کی جیت ہوتی ہے۔

جس عرصہ کا اس نظم میں ذکر ہے اس کے لئے ایک جواب شاید اتنی اہمیت کا حامل نہیں ہے اس نظم کو غور سے سننے کے بعد ہم اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا اہم سوال مکانکی طور پر دہرایا گیا ہے یا شدت میں باریک فرق نہیں ہے یعنی بذات خود خاموشی کی آواز میں کچھ فرق ہے۔ دہری نفی کے لئے ـــــ کوئی جواب نہیں آیا۔ اور اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں محدودیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس نظم میں ایک طرح کا ایجاب پوشیدہ ہے ایک جدید اسکالر بکاش چکرورتی کے خیال کے مطابق، دوسرا سوال ایک نئی ضرورت پیدا کرتا ہے۔ جو وہ پیدا کرتا ہے شاید وہ ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک شدید بحران کا احساس ہے ایک سیارہ کی زندگی کو خدشہ لاحق ہو گیا۔ بلا شبہ، یہ تو سوال ہے جسے دہرایا گیا، اور جو انسانی صورت حال کی تعریف کرتا ہے۔ سوال ہی جواب بن جاتا ہے نیستی کی جگہ ہستی کیوں ہے ؟ یہ بھی ایک طرح کا سوال ہے جس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔

یہ نظم نہ کسی نقصان کی، نہ ناکامیابی کی اور نہ بیگانگی کی روداد ہے بلکہ یہ ہستی کا ایک قدیم معمہ ہے۔ یہ تو ایک پر دار دیولی کی پہیلی ہے جس سے انسان کو کسی نہ کسی وقت دوچار ہونا پڑتا ہے یہاں لا ادریت کی شکست کا ذکر کرنا کافی نہیں ہوتا کیونکہ یہ نظم ایسے سیدھے سادے تضاد اور اقسام سے باہر نکل چکی ہے یہ نظم نفی کی سرحدوں پر ایک انسانی دستاویز ہے یہ ٹیگور کا ایک آخری تحفہ ہے اس نظم میں انسان کی حیرت کے، اس کی تنہائی کے، قدروں سے آزاد خلاء میں قدروں کے احساس کے وضع کا ذکر کیا گیا۔ ایسے مقابلہ کی گونج پر موت کا تسلط ہو نہیں سکتا۔

اس نظم سے ایک رابندرا ناتھ نمودار ہوتے ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے اور یہ ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے اپنے عزیز ہیں۔ اپنے

اس مختصر رزمیہ میں جب پہلے دن کا سورج آخری دن کے سورج سے ملتا ہے وہاں ہم زبان کی ایک کمیاب جدت دیکھتے ہیں ساتھ ہی ایک بنیادی تجربہ بھی ہمیں حاصل ہوتا ہے یہاں بلوغیت سے پر ٹیگور کی انسانی دوستی اور لافانیت ہے یہ تو حقیقت کی اجیارتو ہے دوسروں کو بیدار کرنے والی ہستی رونما ہو چکی ہے اور

ایک دوپہر کو، جب اسے تن تنہا چھوڑ دیا گیا،
وہ آئینوں میں دیکھتا رہا،
تکتا رہا، اور پوچھتا رہا،
پہیلی اپنے نام کی،
کون ؟ کون ؟

بقیہ:- صفحہ ۱۰ کا

ذکر انہوں نے استریر پوتر، کہانی میں اور کچھ حد تک "لوکا لیمز" کہانی میں الولا کی زبانی کیا۔ الولا نے اودولی کو چون اور سیتا نگسو مولک کو نیلے کاغذ پر ایک ہی طرح کے خط لکھے" میں جا رہی ہوں۔ مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا اگر کروگے تو میری نشانی بھی نہ پاؤ گے"۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس نے خود کو ستار کی رومانیت اور کشمکش میں پھنسا کر نہیں رکھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الولا یہ کہنا چاہتی ہے "میں دیوی نہیں ہوں میں ایک عام عورت ہوں"۔

چھوٹی کہانی لکھنے والے رابندرا ناتھ کی ذہانت کی روشن تصویریں سنگھی ریتن ساتھی! کہانی میں بالکل عیاں ہے۔ مذکورہ تینوں کہانیوں میں پرواز تخیل اور انداز بیان اتنا نرالا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک امتحان شروع کیا ہے اور اس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی ہے بنگلہ ادب کی چھوٹی کہانیوں کے بھاگیرتھ رابندرا ناتھ نہ صرف چھوٹی کہانیوں کے موجد تھے لیکن ان کا شمار دنیا کے بہترین کہانی نویسوں میں ہوتا ہے ان کا شاعرانہ مزاج کہانی نویسی میں ان کے معاون ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنے خوبصورت الفاظ سے بنگلہ ادب کو مزین کیا جو شاید ہی کوئی اور کر سکے۔ ●●

مصطفٰے اکبر

تناسخ

ٹیگور کی آتما سے

جب نئی رات میں کہیں پھول کھلے
بلبلیں چہکیں، ہوائیں مہکیں
دل ہوا زمزمہ پرداز ترا

جب کبھی نمناک ہوئی چشم بشر، تو رویا
جب کبھی چہرۂ آدم پہ ابھر آئیں لکیریں غم کی
درد میں ڈوب گیا ساز ترا

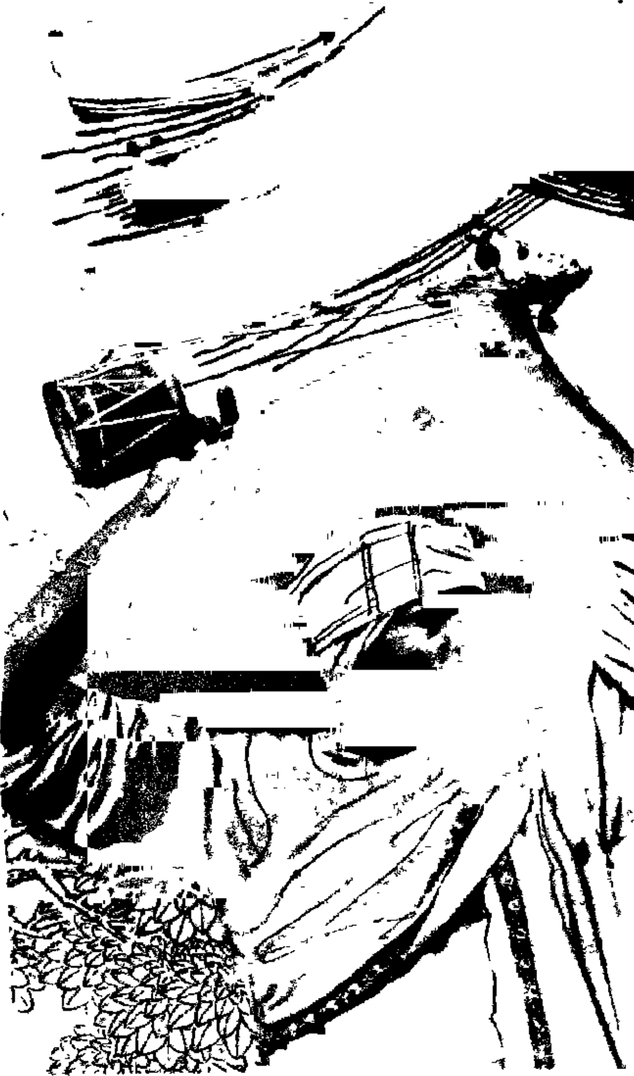
جب کبھی انساں پہ سیاست کے خداوندوں کے
قہرِ و غم اترے، قیامت ٹوٹی
جوش میں آیا ترا ذوقِ سخن
ہوئی سرگرمِ نوا شعلہ نوائی تیری

ابنِ آدم کے مقدر کو بدلنے کے لئے
کرۂ خاک پہ جب بھی کوئی رحمت کا فرشتہ اترا
دیدہ و دل نے ترے اس کو پکارا، —— تو نے
اس کی عظمت کے قصیدے گائے

جب کبھی پژمردہ ہوئی روحِ بشر
گل ہوا سینے میں قندیلِ اماں
زندگی لذّتِ احساس سے محروم ہوئی
روح افروز نئے نغمے الاپے تو نے
لذّتِ عشق سے معمور حسیں گیت بنے







آج جب ساز ترا ٹوٹ گیا
نغمہ بے راگ، صدائیں بے صوت
بلبلیں چپ ہیں، ہوائیں خاموش
فصلِ گل آتی ہے بے کیف گذر جاتی ہے

آج جب ساز ترا ٹوٹ گیا
شاطرِ وقت نے لمحہ کو غنیمت جانا
نعرۂ و عوز سیاست کو بہت تیز کیا
جس کے ملبوں کے تلے
دھڑکنیں ڈوب گئیں، سانسوں کی لے ٹوٹ گئی
روح کے نغموں نے دم توڑ دیا

شاعرِ عرش نشیں!
تیرے نغموں سے سجی دنیا میں
آج ویران ہے دل کی دنیا
ریزہ ریزہ ہے وجودِ انساں
چھن گئی شانِ بشریت ان سے
نہ کوئی خواب، نہ خواہش، نہ تمنائیں ہیں
زندگی خود پہ پشیمان ہے آج
جانے یہ جان کے کیا تجھ پہ گذرتی ہوگی
مجھ کو معلوم، تری روح تڑپتی ہوگی

لیکن اے شاعرِ فطرت، اے بہی خواہ بشر!
تو ہے مجبور مگر روح تو مجبور نہیں
تو ہے محبوس تو کیا، روح کے نغمے آزاد
کیا ہوا ٹوٹ گیا ساز ترا
میں ابھی ٹوٹا نہیں
سازِ دل، ساز گلو میرا سلامت ہے ابھی
وقت کے زخموں کو بھرنے کے لیے
بس کہ موزوں ہے ترے نغمۂ شیریں کا نزول ●



عورت

ٹیگور کی کہانیوں اور ناولوں میں

از ،۔ شریمتی الونشیلا داس گپتا ۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی کہانیوں اور ناولوں کے سلسلے میں بات چیت کرتے وقت ہمیں اس نقطے کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے کہ وہ بہت بڑے شاعر اہم ادیب و فنکار تھے۔ ان کے چند افسانے، چھوٹی کہانیاں اور ناول، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شاعر کے قلم سے لکھے گئے ہیں یعنی ان کا انداز تحریر شاعرانہ ہے اسی اپنے افسانوں اور ناولوں میں انہوں نے تفصیل سے عورتوں کی تصویر کھینچی ہیں ـــــ ایک ماں کی شکل میں اور دوسری معشوقہ اور بیوی کی شکل میں۔ انہوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں عورتوں کے ایسے کردار کو ابھارا جنہوں نے عورتوں کے تو سماج کی ناانصافی کے خلاف شکایتیں کیں، غم و غصہ کا اظہار کیا اور کہیں پر تو انقلاب برپا کر دیا۔ جب ہم ان کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا جو کردار انہوں نے پیش کیا وہ گویا جیتی جاگتی حقیقی کردار ہیں جو عورتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سماج کے کٹر پن کو بنیاد رابندر ناتھ نے اپنے ناولوں اور افسانوں اور کہانیوں میں بہت ہی اہم مسئلہ کو اجاگر کیا۔

جب رابندر ناتھ ٹیگور کی عمر سولہ سترہ سال کی تھی تو اس وقت ان کی پہلی یعنی کورونا ، ناول کی اخبار میں سلسلہ وار اشاعت ہوئی کمسنی میں ہے اس ناول میں سادگی ضرور ہے لیکن گہرائی نہیں ہے۔ یہ باتیں کورونا کے کردار اچھی طرح نمایاں نہیں ہوئیں اس کے بعد انہوں نے بھکارنی ، (بھیک مانگنے والی) ناول لکھا ان دونوں ناولوں میں ایک ہی طرح کی سماجی کہانیاں ان دونوں کہانیوں میں کردار کی سادگی اور سماج کے ظلم و ستم کی جھلک ہے۔ کنول ، امر سنگھ سے پیار کرتی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے کنول کی شادی ظالم شخص موہن لال سنگھ سے ہو گئی۔ ظالم شوہر اپنی من مانی کرتا لیکن آخر میں کی سادگی اسے شکست دیتی ہے اسی طرح گھاٹ کو تھا، کہانی میں بیوہ کسم محبت کی روداد کھلے عام بیان کرتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رابندر ناتھ ایک قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔

رابندر ناتھ کے گلپ گچھ (کہانیوں کا مجموعہ) کی کہانیاں انسان اور فطرت سے وابستہ ہیں۔ تیگ کہانی کی ہیروئن، کسم، کے کردار میں تضاد اور جدوجہد کی جھلک ملتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی سے بھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کر سکی۔ اسی وجہ سے جب ہنو نے اسکے گونگا ہونے کی وجہ سے اس سے منہ موڑ لیا اور اسے چھوڑ دیا تو اس وقت اس جدائی کو اس نے آسانی سے قبول کر لیا۔

سودھو لورمی (درمیان) کہانی میں رابندر ناتھ نے ایک انسانی نفسیات کا تجزیہ کیا ہے ان کی ماشتی (سزا) بھی اسی درجہ کی کہانی ہے اس کہانی میں چندرا، کے کردار کو بہت حد تک ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ زندگی کے آخری ایام کی اس میں تصویر پیش کی گئی ہے ایک بے مقصد زندگی کی تکالیف، درد و غم، مشکلات اور عزت کی تمام تصویریں اس کہانی میں پیش کی گئیں۔

تاریخی ناول دُور آشنا (نا امیدی) کی کہانی تو خاص طور پر قابل ذکر ہے اس کہانی میں تضاد اور تصادم کے ذریعہ جو تصویر نمایاں ہوئی وہ صحیح معنوں میں قابل ذکر ہے۔ دیدی، افسانہ میں ایک دیہی عورت کے نفسیاتی تجزیہ کے ذریعہ ٹیگور نے ایک ایک سیڑھی اوپر اٹھنے کی کوشش کی۔ ستو ستر کی زبان سے جب ہم یہ سنتے ہیں "اپنے شوہر کے منہ میں آگ" تب ایک نڈر اور بہادر خاتون کو پاتے ہیں جو ناانصافی کے خلاف کھڑی ہوتی ہے لیکن رابندر ناتھ اس خاتون

کو آہستہ آہستہ عملی میدان سے تصوراتی میدان میں لے آتے ہیں اس کے ساتھ ہی ہم سوشیلا کو ایک مخلص، مشفق اور مہربان عورت اور معشوقہ کی شکل میں بھی دیکھتے ہیں۔

"نوسٹیر" (نوشٹا گھر) میں رابندر ناتھ نے ایک نیا رخ پیش کیا اتنے دنوں تک انہوں نے سماج کی قدامت پسندی کو تسلیم کیا اور اسی کے مطابق اپنی کہانیاں لکھیں لیکن اب انہوں نے ایک آزاد اور مختلف راستہ اختیار کیا یہ بات غیر متوقع تھی لیکن ناگزیر تھی اس کہانی کے شروع میں ہمیں چارو لتا کی زندگی میں ایک خلا نظر آتا ہے، بے اطمینانی نظر آتی ہے۔ امل کی محبت میں چارو کو نجات کا راستہ ملا اور سماجی مسئلہ اور انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے۔

"چوکھا کر رانیر بالی" (ریت کا کرکری کا بازار) اور راجوشی ستی ناول، دونوں کم وبیش ایک ہی وقت میں لکھے گئے۔ دونوں کی کہانیاں تاریخی ہیں چوں کہ انہوں نے یہ دونوں ناولوں کو کمسنی میں یا یوں کہئے نوجوانی میں لکھا تھا اس لئے انہیں خالص ناول میں شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان دونوں ناولوں میں انہوں نے عالمگیر محبت اور انسانی ہمدردی کے دروازے کھول دیئے اس طرح رابندر ناتھ نے خود کو اب ایک نئے راستے پر گامزن کیا بعد کے ناولوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے "چوکھا کر رانیر بالی" میں بیتھا کا کردار ان کے آئندہ کے ناولوں میں نئی شخصیت اور نئے روپ میں نمودار ہوا ہے

"نوکا ڈوبی" (ناؤ ڈوبنا) میں ہندومت کو فروغ دیا گیا ہے۔ "نوئی ناک کھنو کے پاؤں پر کملا کا سر ٹھونکنا، گویا عورتوں کی بے کسی اور بے بسی کا اظہار ہے۔ عورتیں خود کو سماج کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتی ہیں یہاں سماج کی قدامت پسندی نمودار ہوتی ہے لیکن اس میں عورتوں کی خصوصیات کا تجزیہ تفصیل سے نہیں کیا گیا۔ نوکا ڈوبی کی کہانی ایک غلطی پر مبنی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ المیہ کے لئے اس غلطی کو نمودار کیا گیا اور عورتوں کے اعتماد پر آسی درجہ زور دیا گیا۔ کملا اندرونی تنازعات سے دوچار تھی لیکن وہ سرگرم عمل نہ تھی یعنی وہ بے شعور اور نادان تھی، سماج کی لہروں کے ساتھ بہہ گئی۔ احتجاج کرنے کی طاقت اس میں نہ تھی۔ اس میں نادانی اور بے شعوری کا جذبہ زیادہ تر مبہم نظر آتا ہے۔ لیکن اور بھی بہت سارے کردار ہیں جیسے "ہیمولینی" کے کردار میں خوبی اور سنجیدگی شروع سے آخر تک ایک ہی طرح کی ہیں۔ کملا کی ذہنی کشمکش اور اندرونی درد نے ایک طوفانی رات میں گویا بغاوت کردی تھی؟ ایسا میدان

جہاں ہوا نہیں، نہیں کہتے ہوئے طوفانی انداز سے بہہ رہی ہے۔ صرف ایک زبردست انکار کسی بات کا انکار... اس کی بابت کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن ہوا بہتی رہی، نہیں، نہیں کہتے ہوئے؟ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کملا کے اندرونی جذبات بغاوت پر آمادہ ہو گئے لیکن مواقع کی فراہمی کے باوجود کملا کے کردار میں تضاد کو پیش نہیں کیا گیا۔ نولی ناکھو، کے رحم وکرم پر خود کو چھوڑ دینے کے بعد نہ کملا نے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس کی اور نہ اس کے دل میں کسی قسم کا تنازعہ پیدا ہوا ،ہیمولینی، کے کردار میں بھی اس طرح کی شخصیت کا اظہار نہیں ہے لیکن رابندر ناتھ کی بعد کی کہانیوں میں نائک اور نائکہ کے کرداروں میں ہیمولینی کی جھلک پاتے ہیں۔ اسی طرح سوچوریتا، لابنز، رور کوونی، میں اہم کردار ہیمولینی جیسے ہی چولور نگو، ناول میں دامنی کے کردار میں قدامت پسندی کی کچھ کچھ جھلک ملتی ہے تاہم اس میں یہ بات نمایاں ہے کہ اس سنسار میں غلامی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں جو ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا وہ قدامت پسندی سے بالاتر ہے بہت سارے ناقدین اس کردار کو "قدرتی" نہیں سمجھتے۔ بعض ناقدوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس کردار کی تخلیق نہیں کی گئی بلکہ اسے قرض پر لایا گیا ہے۔ دامنی کے کردار کے ساتھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ DOLL'S HOUSE کی ہیروئن، نورا سے بہت مشابہت ہے۔

نوسٹو نیر گلپو، میں رابندر ناتھ نے جو حقائق رونما کئے اور جو جو باتیں دریافت کیں بعد کے برسوں میں "جو گیہر بالی" میں ان میں اور بھی وسعت پیدا ہو گئی ان میں پیچیدہ تنازعات کے کردار کو ابھارا گیا۔ چند نقاد کرشنو کانتو دل، کی ہیروئن روہنی، کے ساتھ "جو گیہر بالی" کی ہیروئن بی نودینی، کا مقابلہ کرتے ہیں اور دونوں کو ایک ہی سطح پر لاتے ہیں لیکن یہ ایسے نہیں ہیں۔ رابندر ناتھ کو وقت عورتوں کی حالت بنکم کے دور کی طرح اتنی مجبور اور کٹھن نہیں تھی اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ رابندر ناتھ بی نودینی کے کردار کو لے کر ایک قدم آگے کی طرف بڑھ گئے۔ بی نودینی، کی محبت کی برتری کو انہوں نے اجاگر کیا۔ انہوں نے عورتوں کی زندگی سے غفلت برتنے کی جگہ ان کی عزت کی۔ بی نودینی، کے کردار میں دو خوبیاں اجاگر کی گئی ہیں اور اس کے عاشق "بہاری" کی سمجھ میں یہ بات پہلی دفعہ آئی۔ "اس عورت کو جنگل میں پھینک کر رکھا نہیں جا سکتا۔ لیکن آگ ایک شکل میں گھر میں چراغ بن کر جلتی ہے تو دوسری شکل میں گھر کو جلا کر خاک کر ڈالتی ہے"۔ بی نودینی، ظاہری طور پر سج دھج کرنے والی نوجوان لڑکی تھی لیکن اس کے اندر ایک اور عورت بھی پوشیدہ تھی جو عبادت اور ریاضت میں دن گزارتی۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بی نودینی، کو دو روپ میں پیش کیا گیا

رتن کی دلی کیفیت کو رابندرا ناتھ سے قبل کسی شاعر یا ادیب
نے اجاگر [stain] بلند عورتوں کی زندگی کی صورت کیلئے، کامیاب کوشش کی تھی۔ کیلیے
شری وی ان بیاری گپتا اپنی انگریزی کتاب ہیروئن آف ٹیگور میں یوں اظہار کرتی ہیں۔

"While Binodini refused to marry Bihari, lest she should lower down his social prestige, Domini was bold enough to accept the offer of marriage from Sri Bilash. In utter disregard of social opinion she engaged herself in the uplift of muslim Tanners. The difference between Binodini and Domini measures the degree of Liberation and Universalism to which Robindra Nath moved between 1901 and 1905"

(بینودینی نے بہاری سے شادی کرنے سے اس لئے انکار کر دیا تھا اس شادی سے بہاری کی سماجی حیثیت و سطوت پر لوگ انگلیاں اٹھائیں گے اس کے برخلاف "دامنی" شری بلاش سے شادی کرنے کی تجویز کو قبول کر کے بڑی جرأت مندی کا ثبوت پیش کیا۔ سماجی رائے کی مخالفت کرتے ہوئے وہ چمڑے کے کام کرنے والے مسلمانوں کی بہتری اور فلاح و بہبود کے کام میں مشغول ہو گئی۔ بینودینی اور دامنی میں فرق سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رابندرا ناتھ سنہ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک کے درمیان حریت پسندی اور ہمہ گیر کل کے میدان میں کس حد تک آگے بڑھ سکے۔)

سماجی قدامت پسندی نے دامنی کے دل میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا آویزش پیدا نہیں کی۔ اس لئے اسے اپنی پہلی شادی کے لئے شری بلاش کو قبول کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا رد کا احساس نہیں ہوئی۔

چوکھیر بالی، کی بینودینی، لوتیہ اور جرأت کی علم بردار تھی گورا کی لولیتا کے کردار کو پیش کرنے میں ٹیگور ایک قدم اور آگے بڑھ گئے۔ یہاں لولیتا نے اپنی شخصیت کی بنا پر خود کو قابل شناخت بنا لیا۔ لولیتا ڈولی، کی ہلکی سی کے

بچوں میں جو آریا سماج ہی کی تھی گورا کی سوچریتا میں ان کی وضاحت کردی گئی۔ گورا کے سپرد گورا انتقاد میں گھرا ہوا تھا لیکن اس کشمکش میں بھی سوچریتا اس کی دلکشی اور دلچسپی کا باعث تھی۔ دوسری طرف ہارانبابو کی کم ظرفی کی وجہ سے سوچریتا اس سے نفرت کرتی تھی اور یہیں سے تنازعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ گورا کے خلوص اور حب الوطنی نے سوچریتا کو کھینچا۔ سوچریتا اکثر سوچتی ہے" وہ آدمی عام آدمیوں سے نہیں ہے۔ اسے دھکا دیکر ہٹانے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھتے" یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بھر آتیں۔ گورا کے عزم کو قدامت پسندی سمجھ کر اس کے راستے سے دور رہنا قدرتی بات ہوتی لیکن گورا کو اس نے بہت ہی نزدیک سے دیکھا اس کے لئے اس کے دل میں پیار آگیا گہرا ہوا اور روز بروز گورا کے لئے اس کی محبت بڑھتی ہی گئی۔ گورا نے جب اسے بلایا "تمہارے بغیر کام چل نہیں سکتا۔ تمہیں لینے کے لئے ہم سب آئے ہیں۔ اگر تم میری آنکھوں سے دور اور پوشیدہ رہوگی تو میری پوجا مکمل نہیں ہوسکے گی۔" اسی وقت سوچریتا نے گورا کی پکار پر خود کو اس کے کام کے لئے سپرد کردیا اور گورا کی زندگی کو منور کردیا۔

"گھر باہر کی سیاسی روداد (بلاش) میں جو تنازعات ہیں ان میں انسان کی نفسیاتی الجھنیں بھی رونما ہوئیں۔ بمالا، کی زبانی کہانی شروع ہوتی ہے اس کے بعد بمالا کی آہستہ آہستہ زندگی بہت ساری الجھنوں میں جکڑ جاتی ہے اس کی محبت بھی ناقابل حل مسئلہ بن جاتی ہے لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود بمالا آخری دم تک ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتی رہی۔ بمالا کا کردار قضا آویزش خودی سے جڑا ہوا تھا، رابندرا ناتھ کے کسی اور کردار میں یہ بات نہیں دیکھی جاتی ایک امیر و کبیر خاندان کے بیٹے نکھلیش کے ساتھ بمالا سودیشی تحریک میں شامل ہوگئی یہاں اس کی ملاقات سندیپ سے ہوتی ہے اور وہ اس کی طرف رجوع ہوتی ہے اب یہیں سے شروع ہوتی ہے نفسیاتی الجھن اور دلی جلن۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چوکھیر بالی، کی دلی جلن 'گھر باہر' میں آکر اور بھی بڑھ گئی۔

'جوگا جوگ' ناول میں سماج، انسانیت اور سیاست کی بابت رابندرا ناتھ کی بیداری بالکل نمایاں ہے ان کے مختلف مضامین میں نثر ہو یا نظم میں بھی یہی بات نظر آتی ہے۔ اس ناول کی ہیروئن کمودنی کی ذہنی نفسیاتی الجھنوں کو رابندرا ناتھ نے ابھارا ہے۔ جانے پہچانے، سوسائٹی کی کہانی میں ایسی ہی ضدوں اور الجھنوں کو نمایاں طور پر ابھارا ہے ٹھیک اسی طرح DOLL HOUSE کی ہیروئن نورا نے بھی کہا تھا۔

"I believe that before all else I am a human being ..... I must make up my mind which is right — Society or I."

"مجھے یقین ہے کہ دیگر باتوں کے علاوہ پہلے میں ایک انسان ہوں... مجھے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ صحیح کون ہے ــ سماج یا میں۔"

چوترنگو (چار سمتیں)، گھرے باہرے (گھر باہر) اور جوگا جوگ (میل جول) ان تینوں ناولوں میں رابندر ناتھ نے مختلف قسم کی عورتوں کو پیش کیا اور ان کی زندگی کی پیچیدگیوں، تنازعات اور سماجی رسومات کو ابھارا ان کی نظم "بلاکا" سے بھی یہی جذبات رونما ہوتے ہیں

مالدار گوشٹھی، ہونی مونتی، پوسٹوشی، استری پتر (بیوی کا خط)، بھائی پھوٹا سیشیر راتیر، اولوپر بیچیتو، تو لوپسنی، پولا عمرا اور پاترو پاتری، کہانیوں میں لوگوں کے عام مسائل کو ابھارا ہے اور بہت ہی ٹھوس تنظیم پیش کیا ہے۔ استری پتر (بیوی کا خط) کہانی میں اہم کردار ہے مرنال، اس کی شادی کی زندگی اس کے لیے بڑی پریشان کن ثابت ہوئی اسے خواہ مخواہ لعن طعن سننا پڑا، بے عزتی برداشت کرنی پڑی۔ اس سماج کے خلاف اس کے دل میں نفرت پیدا ہوگئی۔ نجات اور آزادی کا راستہ نہ پاکر اس نے سنسار کو چھوڑ دیا۔ اس سنسار کو چھوڑنے میں تو عورتوں کا غصہ، ان کا دکھ اور ان کی بغاوت۔

یہ تمام باتیں نظر آتی ہیں۔ لیکن ان کی آزادی کا راستہ کہیں نظر نہیں آتا۔

اپوری جیتو (نا قابل ختم) کہانی میں جس آزادی کا ذکر ہے وہ ذاتی آزادی ہے۔ تضاد خود کی مثال ہے تیشی سینی، کہانی میں جو مسائل پیش کئے گئے، وہ ابھی نہ سکے۔ یہ کہانی قدامت پسندی کی ایک تصویر ہے۔

سیشیر کودتیا (آخری نظم) تو رومانی کہانی ہے۔ امیت کی محبت سے لاونیہ کے دل میں روشنی اجاگر ہوئی تھی لیکن اس نے امیت کی محبت کو غیر منصفانہ کہہ کر سہارا نہیں دیا ہر ہر قدم پر وہ سوچ وچار کیا کرتی رابندر ناتھ کے ناولوں میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ ان میں عورتوں کے کرداروں میں یکسانیت نہیں پائی جاتی اور اسی وجہ سے پیچیدگیاں رونما ہوتی ہیں۔ لابنو کا کردار اس نقطہ نظر سے مختلف ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر بات پر پہلے سے ہوشیار رہتا۔ یہاں اس کا تضاد کم ہے۔ دو دو لون، (دو بہن) اور مالن چو، افسانوں میں محبت کی تصویر ملا پایا ہے لیکن یہاں بھی ایک قسم کی ہچکچاہٹ پائی جاتی ہے۔ یہاں تضاد کا کوئی امکان نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رابندر ناتھ جنسی خواہشات کو اجاگر نہ کرکے محبت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ عورتوں کی، ماں اور معشوقہ دونوں تصویروں کو ان دونوں کہانیوں میں اجاگر کیا گیا ہے۔

سیشیر کودتیا (آخری نظم) کہانی میں جو بات عیاں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شادی شدہ زندگی کے فرائض اور رومان دونوں کی مشابہت ناممکن ہے۔ اسی لیے آخر میں امیت کو کے ٹی۔ متر کے ساتھ اور لابنو کو سوبھن لال کے ساتھ شادی کی بندھنوں میں جکڑ دیا جاتا ہے

آزادی کی جدوجہد کی بنیاد پر چار ادھیائے، ناول لکھا گیا ہے۔ صورت حال کے پیش نظر اس ناول کے اہم کردار یعنی ایلا اور روتین، کی محبت ابھر کر سامنے آئی لیکن سماج کے قدامت پرست ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ بین سنگی بیور پڑی، کہانی میں سوہنی کا کردار دیگر کہانیوں اور افسانوں کی عورتوں کی کردار سے مختلف ہے یہاں بھی عورتوں نے قدامت پرستی کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ عورتوں کی فتح ہوئی۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی ہیروئن ایک جیسی نہیں ہے۔ لیکن پڑھنے والوں کا وہ سب دل موہ لیتی ہیں، ان کے بہت سارے ناولوں، کہانیوں اور افسانوں میں عورتوں کے خاموش احتجاج بھی رونما ہوئے۔

پندرہ روزہ
مغربی بنگال کلکتہ
ٹیگور نمبر
مدیرِ اعلیٰ :۔ پربیتی بھٹاچاریہ
مدیر :۔ دھریندرا ناتھ دت
مدیرِ معاون :۔ محمد اعظم
جلد ۳ • ۱۵ مئی ۱۹۸۳ء • شمارہ ۱۰
اس خصوصی نمبر کی قیمت
۲۵ پیسے فی پرچہ

اس بار مجھے لوٹا دو

از

ترجمہ

رابندرا ناتھ ٹیگور

وہ ہے استادہ سر جھکائے
بالکل گونگا ہے
مرجھائے چہرے پر اس کے
صرف لکھی ہوئی ہے کتنے صدیوں کی
دکھ درد کی پُر درد کہانی
کاندھے پہ اس کے بوجھ جتنا بھی
لاد دیا جائے
دھیرے دھیرے ڈھو لے چلتا ہے
جب تک کہ اس میں جان باقی ہے
اس کے بعد
وہ اس بوجھ کو دے جاتا ہے
نسل در نسل اپنی اولاد کو
نہیں کوستا اپنی تقدیر کو نہیں کرتا شکوہ دیوتاؤں کا
نہیں ٹھہراتا مجرم انسان کو، نہیں جانتا روٹھنا وہ
اناج کے صرف دانے کی خاطر وہ جانِ حزیں کو
نہ جانے کیا کر کے رکھ چھوڑتا
اس آن کو جب کوئی چھینتا ہے اسکی جان کو لگتی ہے چوٹ
جب کوئی زور و ظلم سے مغرور ہو کر
ستاتا ہے اسے





تب نہیں جانتا وہ، کس کے دروازے پر جاکر کھڑا ہو
انصاف کی امید لیئے
غریبوں کے بھگوان کو یاد کر کے
اک بار اس سے فریاد کر کے، ٹھنڈی سانس لے کر
چپ چاپ مر جاتا ہے
ان سب نادان، حیران، فسردہ جان، گونگے چہرے کو
زبان دینی ہوگی
ان سب تھکے ہارے اور اجڑے ہوئے سینوں میں
امیدوں کی ترنگ پیدا کرنی ہوگی، پکار کر کہنا ہوگا
ایک لمحہ کیلیئے سر اٹھا کر سب ایک ساتھ کھڑے ہو جاؤ
دیکھو تو!
جس کے ڈر سے تم ڈرے ہوئے ہو، وہ ظلم تم سے ڈرا ہوا ہے
جوں ہی تم جاگو گے وہ دوڑ کر بھاگ جائے گا
جوں ہی کھڑے ہو جاؤ گے تم روبرو اس کے، وہ کترا جائے گا
راستہ کے کتے کی طرح سکڑ کر ڈر سے
دیوتا اس سے برہم ہیں، خلاف اس کے ہے زمانہ کوئی نہیں ہے اسکا مونس
صرف منہ سے بڑبڑاتا ہے، وہ جانتا ہے اپنی کمزوری
دل ہی دل میں
اے شاعر! اب چلے آؤ، اگر تم میں حوصلہ ہے
تو اسی کو ساتھ لے لو اور آج سے دے ڈالو
بڑا دکھ ہے، بڑا درد ہے، سامنے مصائب کی اک دنیا ہے
بہت غریب، سونی، بہت معمولی، بندھی ہوئی تاریکیوں سے بھری ہوئی
اناج چاہیئے، زندگی چاہیئے، روشنی چاہیئے اور چاہیئے کھلی ہوا
چاہیئے طاقت، چاہیئے تندرستی، (چاہیئے) خوشی سے جگمگاتی ہوئی لمبی عمر
چاہیئے ہمت و حوصلہ سے پھیلی ہوئی چھاتی، اس غریبی کے بیچ
اے شاعر!
اک بار لے آؤ جنت سے ایمان و اعتقاد کی دولت
اس بار مجھے لوٹا دو، مجھے لے جاؤ سنسار کے کنارے

(آزاد ترجمہ)

رابندرا سنگیت اور ناچ

از: شریمتی سمیتا پاچکرورتی



رابندرناتھ کو دنیا عالمگیر شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے لیکن بنگال کے لوگ انہیں رابندرا سنگیت کے بانی کی حیثیت سے یاد رکھتے ہیں اور ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ رابندرناتھ نے بچپن ہی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ گانے بجانے کا شوق تو انہیں بچپن ہی سے تھا اسی لئے بچپن ہی سے انہیں سنگیت کی تعلیم دی جانے لگی۔ انہوں نے بچپن سے لے کر زندگی کے آخری دم تک بہت سارے اشعار لکھے، نظمیں لکھیں، گیت لکھے اور گیتوں کو سُر تال سے سجایا۔ کبھی کبھی انہوں نے اپنی بہت سی نظموں کو دھن میں لا کر گیتوں میں تبدیل کر دیا۔ ایک اندازہ کے مطابق رابندرناتھ نے تقریباً ڈھائی ہزار گیت لکھے اس کے علاوہ انہوں نے بہت ساری کہانیاں افسانے ناول، ڈرامے اور مضامین لکھے۔

بنگال کے لوگ رابندرناتھ کے گیتوں کو کافی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی کوئی بھی محفل ایسی نہیں ہوتی جہاں رابندرناتھ کے گیت گائے نہیں جاتے۔ ان کے گیت دل کو موہ لیتے ہیں جس محفل میں ان کے گیت گائے جاتے ہیں وہاں لوگ بہت ہی خاموشی کے ساتھ سنتے ہیں ان پر گویا رقت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کے گیتوں کے راگ، بشر، زبان اور بحروں میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں کہ سننے والوں کا احساس بیدار ہو جاتا ہے ان کی موسیقی الہامی معلوم ہوتی ہے اسی لئے رابندرناتھ شاعر عام ہونے کے ساتھ ساتھ بنگال کے لوگوں کے لئے گیتوں کے راجہ تھے۔

رابندرناتھ نے شعر و شاعری کا دور تو بچپن ہی سے شروع ہوتا ہے لیکن جب وہ اپنی زندگی کی پانچویں دہائی پار کر چکے تو اس وقت انہیں نوبل پرائز ملا۔ اس کے بعد بنگال اور ہندوستان کے ساتھ ساتھ ساری دنیا نے شاعر کی حیثیت سے انہیں تسلیم کر لیا۔ لیکن جہاں تک ان کے گیتوں کا تعلق ہے ان کے جیتے جی ان کے گیت مقبول عام نہ ہو سکے اس سلسلہ میں انہوں نے دلی افسوس کا بھی اظہار کیا لیکن وہ دور اندیش تھے اور انہیں اپنے گیتوں اور بنگال کے لوگوں پر پورا بھروسہ تھا انہوں نے کہا تھا کہ آج نہیں تو کل بنگالیوں کو میرے گیت گانے ہوں گے۔ میرا گیت بنگال کے کونے کونے تک پھیل جائے گا۔ اتنے اعتماد کے ساتھ انہوں نے یہ باتیں کہیں، کیوں؟ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ کہ ان کے گیت بنگال کے لوگوں کے دلی احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں اور بنگالیوں کے دلوں پر ان کے گیتوں کا اثر لازمی ہے رابندرناتھ کی موت کے بعد ہمیں اس بات کا ثبوت ملا ان کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ آج بنگال کے ہر گھر میں ان کے گیتوں کا چرچا ہوتا ہے بنگال میں ان کے گیتوں کے بغیر کوئی تقریب مکمل نہیں ہوتی۔

اب آیئے، گیت کے بعد کچھ سنگیت یعنی رابندرا سنگیت کا بھی ذکر کریں۔ رابندرناتھ کے دور میں ساستری سنگیت کا بول بالا تھا۔ ساستری سنگیت سے مراد راجہ اور نوابوں کے دربار کا سنگیت۔ ان کے درباروں میں بڑے بڑے سنگیت کار

اور گویئے تھے جو ساشتری سنگیت کا چرچا کرتے رہتے تھے۔ غریبوں کو اور عام لوگوں کو ایسے درباروں میں جگہ نہیں ملتی۔ کسی غریب سنگیت کار یا گویئے کی ایسے درباروں تک رسائی بھی نہیں ہوتی۔ ربیندرناتھ ٹیگور عام لوگوں کے اور خاص طور پر غریبوں کے ہمدرد تھے۔ اپنی زمینداری کے علاقوں میں انہوں نے دیہی زندگی میں بہتری لانے کے لئے بہت سارے اقدامات بھی کئے۔ انہوں نے عام لوگوں کی شادمانی کے لئے ساشتری سنگیت کی تال، سُر اور دُھن کو سہل کر کے ایک نئے سنگیت یعنی ربیندر سنگیت کی تشکیل کی تاکہ عام لوگ آسانی سے اس سنگیت کو سمجھ سکیں اور اس سے فیضیاب ہو سکیں اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے راج دربار سے سنگیت کو لاکر بنگالیوں کے آنگن میں چھوڑ دیا۔

اب آیئے، ناچ رنگ کی کچھ باتیں کریں۔ رابندرناتھ کے وقت میں بنگالی گھرانے کی اور خاص طور پر متوسط طبقہ کے خاندان کی لڑکیاں گھروں کی چار دیواری میں بند رہتی تھیں۔ ناچ گیت سے وہ محروم رہتیں کیوں کہ ناچ رنگ کا ان کے گھروں میں رواج نہ تھا۔ اس وقت قدامت پسندی کا رواج تھا لوگ لکیر کے فقیر تھے لیکن ایسے وقت میں ربیندرناتھ ایسے لڑکیوں کو شانتی نکیتن کی کھلی اور آزاد فضا میں لے آئے۔ انہیں گانا سکھایا، ناچ سکھایا اور شانتی نکیتن اور کلکتہ میں ان کے لئے گیت اور رقص کی تقریبات بھی منعقد کیں اس وقت کے قدامت پسند سماج نے بہت احتجاج کیا اس سلسلہ میں ربیندرناتھ نے بہت سمجھداری اور دور اندیشی سے کام لیا۔ انہوں نے لوگوں کے ساتھ کھلے دل و دماغ سے بات چیت کی اور ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ لوگ ربیندرناتھ سے اچھی طرح واقف تھے۔ شاعر ہونے کے ناطے ان کی اپنی ایک شخصیت تھی لوگوں نے ان کی باتیں تسلیم کرلیں اس طرح شانتی نکیتن میں ایک نیا دور شروع ہوا۔ یہاں بنگال کی عورتوں کی ثقافتی زندگی رونما ہوئی۔ بنگال کے متوسط خاندان کی لڑکیوں نے شانتی نکیتن میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ، گیت ناچ اور ڈراموں میں حصہ لینا شروع کر دیا اور اس طرح سبھوں کا دل جیت لیا۔ اس کامیابی میں لڑکیوں کے خلوص اور لیاقت کا جتنا ہاتھ ہے پس پردہ ربیندرناتھ کی تعلیم اور دور اندیشی بھی کارفرما تھی۔ اس کے بعد انہوں نے شانتی نکیتن میں عورتوں کی تعلیم کے سلسلہ میں نہایت ہی اہم فیصلے کئے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ربیندرناتھ کی یہ خواہش تھی کہ لوگ ان کی تحریروں اور تخلیقات کا مطالعہ کریں۔ اور ان کے ذریعہ اپنی لیاقتوں کو ابھاریں فن کار اور مصور بھی اپنے فن کو جلا بخشیں جس طرح عورتوں نے ربیندرناتھ کی تخلیقات کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور انہیں سمجھنا شروع کر دیا اسی طرح شانتی نکیتن کی ثقافتی زندگی میں سبھوں کو عورتوں کے کردار کو تسلیم کرنا پڑا۔

ہماری ثقافتی زندگی میں ربیندرناتھ کتنے انقلاب لائے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے سنگیت کو عام کیا ان کی مصوری سے لوگ واقف ہو گئے گرچہ سبھوں پر ان کی مصوری کی اہمیت نمایاں نہ ہو سکی کیوں کہ اس کی گہرائی کو سمجھنے کے لئے وقت کی ضرورت تھی۔

ادب میں جہاں انہوں نے سماج کے اعلیٰ طبقہ کی باتیں کہیں وہاں انہوں نے سماج کے دیگر طبقوں کا بھی ذکر کیا خاص طور پر انہوں نے اپنی کہانیوں میں عام لوگوں کی، غریب، پسماندہ اور استحصال کے شکار لوگوں کی زندگی کی تصویریں کھینچی ہیں ان کے خطوط اور تحریروں میں بھی عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا بار بار ذکر ملتا ہے ان کے ناٹکوں نے، علامتی ہونے کے باوجود عام لوگوں کی فتح کے گیت گائے ہیں۔ انہوں نے سیدھے سادھے طریقے سے لیکن جرأت مندی کے ساتھ اپنے گیتوں کو، اپنی تحریروں کو اپنے آرٹ اور فن کو لوگوں کے پاس پہونچایا۔ اسی طرح ربیندر ناچ کے سلسلہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کتھا کلی، بھارت ناٹم اور منی پوری ناچ کی تکنیک کے غائر مطالعہ کرنے کے بعد ان میں کچھ تبدیلی کر کے اپنے ناچ کا کچھ طرز و انداز شامل کر دیا اس طرح رابندر ناچ میں ہم ناچ کا ایک نیا ڈھنگ دیکھتے ہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ربیندرناتھ نے اپنے گیتوں اور ناچ کے درمیان ایک رابطہ پیدا کر دیا ہے۔ ربیندر سنگیت اور ربیندر ناچ دونوں ہی سامعین اور ناظرین کے دل کو موہ لینے کا کمال رکھتے ہیں۔

ہم سب یہ جانتے ہیں کہ ربیندرناتھ ٹیگور ایک زمیندار اور امیر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی خاندانی امارت سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچایا ان کی تخلیقات ان کی نظمیں، گیت، سنگیت، رقص مقبول عام ہو گئے۔ عوام کی ثقافتی فلاح و بہبود کے لئے انہوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں امیر و کبیر خاندان کے چشم و چراغ ہونے کے باوجود انہوں نے سادگی کو اپنایا۔ ان کی سادگی لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور انہیں روشناس کراتی ہے کہ یہی ربیندرناتھ ٹیگور ہیں، سادہ لوح شاعر۔ ●

ٹیگور کی تخلیقات اور تاریخ

از [illegible]



رابندر ناتھ روایتی طور پر تاریخ داں نہیں تھے تاہم ان کے تاریخی شعور اور ان کی تاریخ سے آگاہی نے اس دور کے ممتاز تاریخ دانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا رابندر ناتھ نے بچپن سے وید، اپنشاد، رامائن، مہابھارت اور ہندوستانی زندگی کے نصب العین کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ اپنے والد محترم دیبندر ناتھ سے بہت متاثر تھے۔ جو بنگالی علوم و فنون کی احیا نو کے بانی مانے جاتے تھے۔ لہٰذا قومی جذبات کی گرمی اور ہندوستانی روایات سے آگاہی ان کی زندگی اور ان کے تعقل میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔

رابندر ناتھ نے ہماری قومی زندگی میں علاقائی تاریخ کو رائج کیا انہوں نے صرف بنگلہ زبان و ادب میں ہی انقلاب رونما نہیں کیا بلکہ ہماری زندگی اور احساسات میں بھی ایک انقلابی تصادم برپا کیا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی ذہانت کے پھول انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتدا سے ہی پھوٹنے شروع ہو گئے تھے اس دور میں قومیت اور قومی تاریخ کے نظریات نے انگریزی تہذیب و تمدن کے تعلق سے کافی تقویت پائی۔ ہم نے نئے جوش سے اپنے ملک اور اس کی تاریخ سے پیار کرنا سیکھا جس کا عکس ہمارے ادب پر پڑا گرچہ قدیم و وسطی دور کے بنگلہ ادب نے اپنے وقت کے سماج اور لوگوں کو موضوع شعر و ادب بنایا تاہم تاریخی شعور کے جدید حلقۂ خیال سے یہ کوسوں دور تھا۔ تاریخ سے دلچسپی اور اس پر غور و فکر کرنے کا عمل تاریخ کے یورپی فلسفہ کی مدد سے ۱۹ ویں صدی کی ابتدا سے ہی شروع ہو گیا تھا یہیں سے بنگلہ ادب میں تاریخی شعور پنپتا ہے۔ رابندر ادب میں یہی تاریخی شعور مختلف شکلوں میں دکھائی دیتا ہے۔ ٹیگور کی تخلیق کا ایک اہم موضوع انسانی روح ہے تاریخ کے باب میں ہمیں روح کرب زدہ و اذیت کوش نظر آتی ہے مگر یہی رابندر ناتھ ٹیگور کی تخلیق میں ان کے آرٹ اور فلسفہ کی آمیزش سے خوبصورت روپ میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔ یہی نوع انسان کی یہ مخصوص تاریخ ہمیں صرف شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور کے یہاں نمایاں طور پر ملتی ہے اس کے علاوہ تاریخ کے کسی باب میں نہیں۔

ٹیگور نے اپنے تخلیقی ادب کے لیے تاریخی شعور و آگاہی کو موضوع کے طور پر چنا یہ شعور ان کی ذہانت سے نکھر سنور کر ایک نئے روپ میں نمودار ہوا قدیم ہندوستانی زندگی سے دلچسپی اور اس سے بے لوث لگاؤ کا پرتو خاص طور پر ان کی شاعری اور ناٹکوں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ٹیگور کے کثیر التعداد افسانوں میں بھی لوگوں کے زندگی کے پہلوؤں کو تاریخی طور پر اجاگر کیا گیا۔ عصری تاریخ کے پس پردہ لکھے گئے ناولوں میں ان کی سیاسی نظریے کی جھلک ملتی ہے۔

انسانی تاریخ میں اظہار کی شگفتگی کا سلسلہ ازل سے ہے دنیا کی تاریکی اور تابناکی پے در پے انسانی ذہن پر ضرب لگاتی ہے جس سے حساس روح میں درد اور راحت کے نغمے گونج اٹھتے ہیں قوت اظہار کی بنا پر ادب میں کئی صورتوں میں اس ارتعاش کی جھلک ملتی ہے احساسات کی رنگارنگی اور اس کے طریقۂ اظہار نے دامن ادب میں گل کاری کی ہے تخلیقی ادب کے نئے رجحان نے وقت و مقام کے تغیر میں پنپنے والی انسانی قدروں کی تبدیلیوں کے مطابق موضوع و مواد کا انتخاب کیا ٹیگور بنگلہ ادب میں ایسے ہی ادب کے معمار ہیں۔ جہاں نئے شعور و فکر کے انتخاب، نظریئے کی فراہمی اور خود ٹیگور کے مختلف انداز بیان نے نئی سوچ فکر کے لیے راہیں ہموار کردیں۔

تاریخ کا خود اپنی تصور لا تیغک طور پر ٹیگور کی تخلیق اور ان کے خیال سے مختلف ہے وجہ یہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں جن موضوع اور مواد سے فائدہ اٹھایا گیا، وہ کسی صورت میں روایتی نہیں ہیں۔ مزید براں یہ ان کی ذہانت کی مرصع کاری سے مختلف رنگ و لذت کے ساتھ ایک نئے روپ میں نمودار ہوتے ہیں۔

ادب کا معیار کم و بیش مواد اور نفس موضوع پر ہے جیسے اپنے احساسات و تصورات کی رنگینیوں سے ایک فن کار کو سچا ناطر دری ہوتا ہے یہ تفریات و خیالات کے منفرد اظہار کے لیے فنکارانہ تخلیق میں نفس موضوع کو بنیادی طور پر دخل ہے لیکن جو چیزیں فن کار کو سب سے زیادہ اپنی طرف کھینچتی ہے وہ ہے انسان کا دل اور انسانی کردار کی پُراسرار دولت۔ دورِ حاضر کے قارئین کے لئے ادب میں غم، خوشی، بے قراری اور جذبات کی نمائندگی کرنے کے لیے تاریخ کے ماحول کی ضرورت پڑتی ہے۔

ادب میں تاریخ کے مقام کا ذکر کرتے ہوئے رابندر ناتھ نے تاریخی معلومات کے استعمال کی بابت کہا اس سلسلہ میں وہ یوں رقم طراز ہیں۔

"جب میں نے بدھ مت کی کہانیوں اور دیگر تاریخی کہانیوں کا مطالعہ کیا تو میری آنکھوں کے سامنے ایک نمایاں تصویر ابھر آئی اور میرے دل و دماغ میں تخلیقی ہیجان برپا ہوا۔ یکایک بہت سارے چشموں سے کتھا کہانی کے قصے بہنے لگے۔ کتھا کہانی کی خوبصورتی نے رابندر ناتھ کے دل کو خوشی سے بھر دیا۔ اس کی وجہ تاریخ نہیں رابندر ناتھ کی داخلی کیفیت اور روحانیت تھی۔"

انھوں نے سَو سے زائد چھوٹی کہانیاں اور افسانے لکھے جن میں دو تین افسانے ایسے ہیں جہاں تاریخ کی پردہ پوشی کی گئی رابندر ناتھ کی کہانیوں میں تاریخ کی جھلک ملتی ہے اس سلسلے میں وہ یوں رقم طراز ہیں۔

"۔۔۔ جب میں بنگال کی پیچ و خم کھاتی ہوئی ندیوں کے ساتھ ساتھ بنگال کی سیر کر رہا تھا تو اس وقت میں نے زندگی کی دھڑکنیں سنیں میرا دل لذت غم و خوشی سے لبریز ہو گیا اور اسی وقت میں نے داخلی طور پر مضافاتی بنگال کی تصویریں کھینچیں۔ اب تک کسی نے بھی ایسا نہیں کیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق کار تنہائی میں کام کرتا ہے شاعر کے دماغ میں سیاسی تاریخ کی کا سیدھی اور آڑی لکیریں ابھرتی ہیں لیکن اس کی تخلیقات میں انسانی غم و خوشی کی تاریخ ہوتی ہے جو دیگر تاریخوں کو پس پشت ڈال دیتی ہے وہ روزمرہ کی زندگی کے ساتھ دھان کے کھیتوں، دیہی میلوں میں اور کبھی مغل سلطنت میں بھی جاتا ہے کبھی کبھی انگریزوں کے دورِ حکومت میں وہ سیدھی سادی انسانی محبت کا ذکر کرتا ہے جیسا کہ ان کے گولپو گوچھو (کہانیوں کا مجموعہ) سے ظاہر ہے۔

تاریخ سے آگاہی اور اس کا یہ شعور ادب میں نفس موضوع کے اعتبار سے بالکل اچھوتا اور طبع زاد ہے ہم تاریخی ناول میں حکمرانوں اور بادشاہوں کی بہادری، شان و شوکت اور اہم واقعاتی مناظر دیکھتے ہیں لیکن ہمیں ٹیگور کے افسانوں اور ناولوں کے پس منظر ایسی تاریخ کی جھلک نہیں ملتی ہم اگر ان کی نگارشات میں تاریخ کی تلاش کریں تو ہمیں مایوسی ہوگی۔

ایک تخلیق کار ہونے کے ناطے رابندر ناتھ نے اوپانیشد میں یوں رقم طراز ہیں۔

"۔۔۔ بچوں کی محبت روح کے لئے سود مند ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ روح ایک خالق کی طرح خود کو ظاہر کر سکتی ہے وہ وسائل جہاں تخلیق کے لئے مسائل حل ہوں گے! تاریخ ہو سکتی ہے یا سماجی ماحول لیکن روح کبھی بھی ان چیزوں سے نہیں بنائی جاتی۔ ان وسائل کو استعمال میں لا کر ہی وہ خود کو خالق بنا لیتی ہے۔"

ٹیگور نے اپنے مضامین میں بڑی دیدہ ریزی سے ہندوستان کی قومی تاریخ کی لازمی وحدت کے لئے اس کی نوعیت، تنوع اور سعی عمل پر بحث کی ہے انھوں نے ہمارے موجودہ حالات اور زمانہ قدیم کی تاریخ کے مابین پیدا ہونے والی تفریق پر اپنے خیالات کا نمایاں طور پر اظہار کیا۔ ان کی تخلیقات میں ہندوستانی تاریخ کا استعمال بالکل دوسرے معنوں میں کیا گیا یہاں انھوں نے ایک تخلیق کار کی حیثیت سے داخلیت اور روحانیت کا اظہار کیا ہے ممکن ہے کہ کوئی بھی تاریخ داں ٹیگور کی لکھی گئی باتوں سے اتفاق نہ کرے۔

تم جو کچھ بھی لکھنا چاہتے ہو
وہ سچائی ہوگی
دنیا میں رونما ہونے والے تمام واقعات
سچے اور معتبر نہیں ہوتے
ذہن تمہارا، جو ہے رام کا جنم استھان
ہے اجودھیا سے کہیں زیادہ معتبر (اے دوست!)

شاعر کا ذہن تاریخ کا جنم بھوم ہے، یہاں تخلیقی حقیقت تاریخی حقیقت سے کہیں زیادہ مستحکم اور معتبر ہے اس لئے ٹیگور کی شاعری، ڈرامہ، ناول اور افسانوں میں تاریخ کا پرتو رسمی انداز میں نہیں ملتا۔ تاریخی مواد ذہن کی آمیزش سے ایک نئے روپ میں نمودار ہوتا ہے۔ جو موضوع / مواد اتنا لطیف

ہے کہ اس پر تاریخ اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ادب کا بنیادی موضوع انسانی روح کا تجزیہ کرنا اور اس کی تشریح کرنا ہے۔ ایک آرٹسٹ کو معلومات کے دباؤ کے تحت رہنا نہیں چاہئے۔ آرٹسٹ ہی معلومات کی کمی کو تخیل پُر کردیتا ہے ایک شخص کو یہ جاننا چاہئے کہ ایک آدمی اپنے روزمرہ کی سرگرمیوں کے بوجھ تلے درحقیقت کیا سوچتا ہے، کیا تصور کرتا ہے اس کے لئے آرٹسٹ کو آزادی کی اشد ضرورت ہے کبھی کبھی تاریخی معلومات ادب میں خشک معلوم ہوتی ہیں۔ تاریخی کہانیاں اور افسانے لکھنے والوں کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ جمالیاتی ذوق کو، نہ کہ تاریخ کو، اجاگر کیا جائے۔ تخلیقی تحریروں میں نسخ شدہ تاریخی معلومات کو استعمال کیا گیا ہے لیکن تاریخ کے نئے نقطۂ آغاز کی دریافت کے ساتھ ادب کی جمالیاتی قدروں میں کمی نہیں ہوتی ٹیگور کی رائے میں — "اگر ہم نے نظموں میں غلط باتوں کا مطالعہ کیا ہے تو ہم تاریخ پڑھ کر اس کی تصحیح کر سکتے ہیں لیکن ایسے اس شخص کی بدنصیبی کہئے جو صرف نظم کا مطالعہ کرتا ہے اور تاریخ سے کوسوں دور رہتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ بدنصیب وہ لوگ ہیں جو تاریخ کا مطالعہ تو کرتے ہیں لیکن انہیں نظم پڑھنے کے لئے کبھی بھی وقت نہیں ملتا۔"

اپنے مضمون "ادب کی تلاش" میں ٹیگور نے ان باتوں کی وضاحت کی ہے کہ تاریخی تحریریں صرف اس وقت ادب کی شکل اختیار کرتی ہیں جب یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ تاریخ تو موقع ہے، مقصد نہیں۔ اگر تاریخ کا حصہ غلط بھی ثابت ہو جائے تب بھی تحریر کو بے معنی نہیں کہا جا سکتا۔

ہندوستان کی تاریخ کے تقریباً تمام ادوار کو ٹیگور کی نظموں ناٹکوں، ناولوں اور کہانیوں میں جگہیں ملی ہیں لیکن قدیم ہندوستان اور بدھ مت کے دور کی کہانیوں کو بہت ہی بہترین طریقہ سے اجاگر کیا گیا ہے اس رومانی شاعر کو کالی داس کے دور سے ایک خصوصی محبت تھی۔ تاپوریان میں زندگی کی تاریخی مستندی کے سلسلے میں شک وشبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے دور کو اجاگر کیا جو مسرتوں سے پُر تھا۔

ظاہر ہے کہ رابندر ناتھ کی مختلف تخلیقات میں تاریخی امور کو مختلف شکلوں میں اجاگر کیا گیا ہے جس طرح شاعری میں تاریخ کو استعمال کیا گیا ہے اسی طرح ناولوں اور کہانیوں میں نہیں کیا گیا کیونکہ ادبی طرز ذرا مختلف ہوتا ہے ناٹکوں میں مختلف تصویریں پیش کرنے کے لئے تاریخ کا استعمال کیا گیا ہے وقت کے وقفہ کے ساتھ ساتھ موضوعات کی نوعیت کے انتخاب میں بھی تبدیلی ہوتی گئی۔ ایک بار انہوں نے بدھ مت کی کہانیوں پر نظمیں لکھیں وجہ یہ کہ وہ برسوں تک ان کہانیوں کے تاثرات کو محسوس کرتے رہے جیسے جیسے تخیل کا ارتقاء ہوتا گیا انہوں نے بعد کے عرصہ میں ان کہانیوں کو ناٹکوں اور رقص ناٹکوں میں استعمال کرنا شروع کردیا لوگوں کی فلاح وبہبود اور آزادی کا شاندار پیغام ان کی تصانیف میں روشن ہوتا گیا ہے اور تاریخ کا پس منظر کم ہوتا گیا۔ انہوں نے پہلے بنکم چندر کی پیروی کرتے ہوئے معمولی تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھ کر ناول لکھنا شروع کیا لیکن بہت ہی جلد اس قسم کے صرف دو ناول لکھنے کے بعد اس راستے کو چھوڑ دیا۔ مختلف لوگوں سے متاثر ہونے اور خاص خاص کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد انہوں نے کہانیوں پر مبنی نظمیں لکھیں اس کے بعد ان کے تخلیقی دھارے بدلتے گئے۔ بچپن میں قومی فضا سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے قدیم ہندوستان کی شان وشوکت پر بہت ساری نظمیں لکھیں، گیت لکھے بچپن کی یادداشت سے متاثر ہو کر انہوں نے پھر تاریخی پس منظر میں کہانی لکھنی شروع کی اور اس طرح انہوں نے بہت شاندار کہانیاں جن میں کھودی تو پاشان (بھوکا پتھر) شامل ہے، لکھیں۔ اس سے قبل انہوں نے دو الگ الگ کہانیاں لکھیں تھیں۔ پھر ان دونوں کو ٹیگور نے یکجا کرکے ایک ناٹک کا روپ دیا۔ ایسا کرتے وقت انہوں نے انسانی روح کی لا ینفک ہم آہنگی کو پیش نظر رکھا۔ عصری تاریخ کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے اپنے استدلال اور یقین کلی پر مبنی اپنے خیالات کو پیش کیا۔ "گھورے بائرے" (گھر اور باہر) اور "چار ادھائے" (چار باب) اس قسم کی تحریر کی مثالیں ہیں۔ ان تمام کہانیوں میں رابندر ناتھ نے تاریخ کی شان وشوکت کو پرے رکھا، تاریخ ثانوی حیثیت کی حامل بن گئی اور شاعر کا تصور ہمیشہ کے لئے جگمگاتا رہا۔



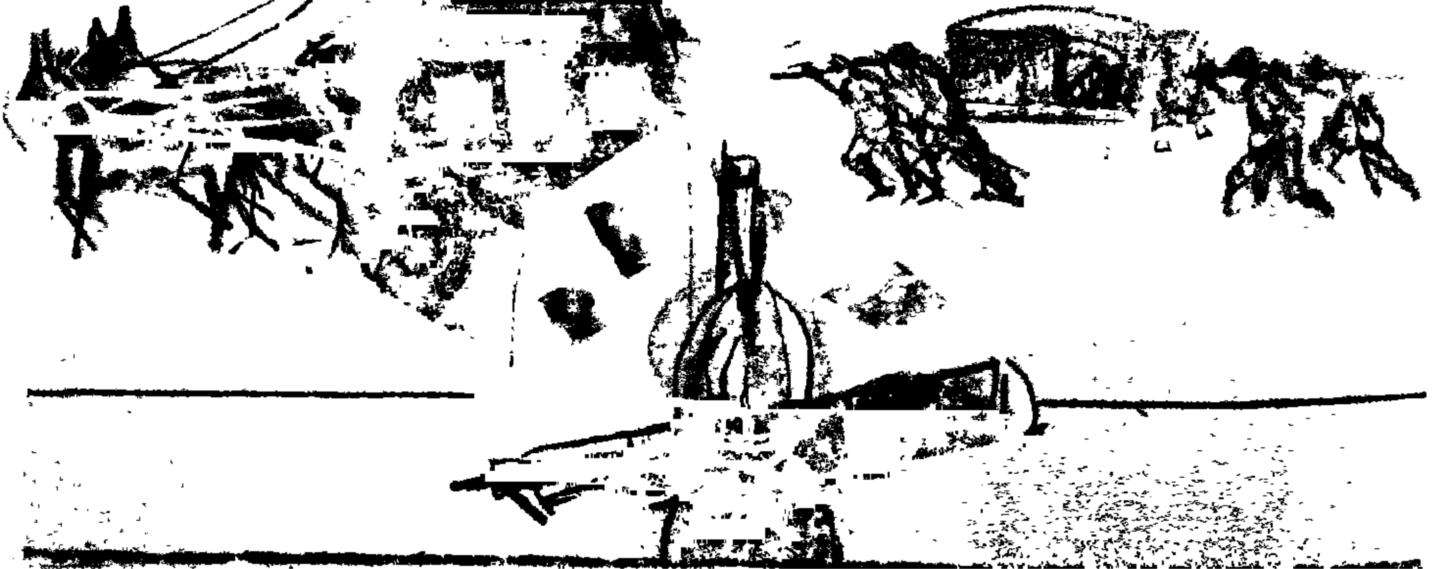
ربندرا ناتھ ٹیگور
مختصر سوانح حیات

از:- ایم۔ اے۔ نسیم

جمالیاتی ذوق کے نقطۂ نظر سے ربندرا ناتھ ٹیگور لاثانی تھے۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت کے جوہر ہر فن و ادب کے میدان میں جلوہ گر نظر آتے ہیں ربندرا ناتھ بہت بڑے قوم پرست اور محب الوطن تھے، مایۂ ناز ادیب، شہرۂ آفاق شاعر، عظیم مدبر، مفکر اور فلسفی بھی تھے۔ موسیقی میں انہیں گہرا دخل بھی حاصل تھا۔ نیز وہ ایک مصور بھی تھے۔

ربندرا ناتھ ٹیگور جیسی عظیم شخصیت کی وسعت اور رفعت کا احاطہ کرنا مشکل ہے تاہم ان کی زندگی کے اہم اہم واقعات اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

۷ مئی ۱۸۶۱ء (مطابق ۲۵ بیساکھ ۱۲۶۸ بنگلہ سال) کو کلکتہ میں ۶ دوارکا ناتھ ٹیگور لین میں واقع مہارشی بھون میں رات کے آخری پہر کو ربندرا ناتھ ٹیگور پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مہارشی دیندرا ناتھ ٹیگور تھا اور والدہ کا نام شریمتی سارودا دیوی ربندرا ناتھ کے کل ۱۴ بھائی بہن تھے اور خود مہارشی کی آٹھویں اولاد تھے۔



[illegible] تا [illegible]۔ رویندرا ناتھ کا پہلے اورینٹل سیمنری اسکول میں پھر نارمل اسکول [illegible] اس کے بعد بنگال اکیڈمی اسکول میں داخل کرایا گیا لیکن کسی بھی اسکول میں ان کا دل نہیں لگا، کیونکہ اس وقت کے نظام تعلیم سے ان کا دل اکتا سا گیا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں کلکتہ میں ڈینگو بخار وبائی صورت میں پھیل گیا۔ اس لئے وہ اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر کلکتہ کے نزدیک پانی ہاٹی میں گنگا کے کنارے واقع اپنے مکان میں کچھ دنوں کے لئے رہنے لگے۔ اس طرح رویندرا ناتھ کو پہلی بار بنگال کے دیہی علاقے کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ۱۸۷۳ء میں وہ اپنے والد کے ساتھ پہلی بار شانتی نکیتن گئے اور وہاں چند دنوں تک قیام کیا۔ یہیں انہوں نے پہلا ڈرامہ "پرتھوی راج کی شکست" لکھا، اس کے بعد انہوں نے اپنے والد کے ساتھ شمالی ہندوستان کا سفر کیا۔ یہاں ہمالہ کے دامن میں واقع ڈلہوزی میں دو مہینے گذارے۔ تیرہ سال کی عمر میں یعنی ۱۸۷۴ء میں ان کا ان کے بھائیوں کے ساتھ سینٹ زیویرس اسکول، کلکتہ میں داخلہ کرایا گیا لیکن اس اسکول سے بھی ان کا دل اکتا گیا۔ آخرکار ان کے والد نے گھر میں ان کی تعلیم کا انتظام کیا۔ اس دوران انہوں نے اپنے پرائیویٹ ٹیچر گیان چندر بھٹاچاریہ کے تحت سنسکرت ناٹک "کمار سمبھوے" کا اور انگریزی ڈرامہ "میک بیتھ" کا بنگلہ میں منظوم ترجمہ کیا۔ انہوں نے تیرہ سال کی عمر میں اپنی پہلی نظم "ابھی لاش" لکھی جسے بچوں کے رسالہ میں شائع کیا گیا۔ ۱۱ر فروری ۱۸۷۵ء کو انہوں نے ہندو میلہ کی تقریب میں اپنی نظم ترنم کے ساتھ پڑھی جسے سامعین نے کافی سراہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے "پراکرتیر کھید (فطرت کا غم)" اور "بن پھول" نظمیں لکھیں۔ یہ نظمیں قسط وار ماہانہ رسالوں میں شائع ہوئیں۔ ۱۸۷۷ء میں دلّی دربار میں رانی وکٹوریہ کو ہندوستان کی مہارانی قرار دینے کی تجویز کی رویندرا ناتھ نے سخت تنقید کی اور اس سلسلہ میں ایک تنقیدی نظم "اے بھارت، تیرے ذرہ ذرہ کی بدنامی" ہندو میلہ میں پڑھی۔

۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۰ء۔ رویندرا ناتھ، اپنے بھائی ستیندرا ناتھ کے ساتھ ۲۰ر ستمبر ۱۸۷۸ء کو انگلینڈ گئے وہاں برائیٹن کے ایک اسکول میں رویندرا ناتھ کا داخلہ کرا دیا گیا۔ اس طرح انہیں انگریزی سماج کو بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران انہوں نے لاطینی زبان سیکھی۔ انگلینڈ سے انہوں نے انگریزوں کی تہذیب اور ثقافت کی بابت خطوط لکھے۔ یہ خطوط کلکتہ کے "بھارتی" رسالہ میں "یورپ کی سیر کرنے والے ایک بنگالی نوجوان کے خطوط" کے زیر عنوان شائع ہوئے۔ ۱۱ر فروری ۱۸۸۰ء کو رویندرا ناتھ انگلینڈ سے ہندوستان واپس آئے۔ کلکتہ میں ۱۹ر اپریل ۱۸۸۱ء کو بیتھون سوسائٹی کے زیر اہتمام میڈیکل کالج میں "سنگیت اور دھن" کے موضوع پر انہوں نے تقریر کی۔ یہ انکی پہلی عوامی تقریر تھی۔ اسی دوران ان کی گیتوں کا مجموعہ "سندھیا سنگیت" (شام کے گیت) شائع ہوا۔ ۱۸۸۳ء کو جیسور کے "بینی مادھب رائے چودھری" کی بیٹی شریمتی مرنالنی دیوی سے رویندرا ناتھ کی شادی ہوئی۔ ۱۸۸۴ء میں رویندرا ناتھ برہمو سماج کے ادبی رسالہ کے مدیر بنے۔

۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۷ء۔ ۸ر مارچ ۱۸۸۸ء کو بولپور کے نزدیک شانتی نکیتن کے لئے ان کے والد مہارشی نے ایک وقف نامہ تیار کیا۔ ۲۱ر اکتوبر ۱۸۸۸ء کو شانتی نکیتن آشرم قائم کیا گیا۔ اس کے بعد کے عرصہ میں یعنی ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۷ء تک رویندرا ناتھ ٹیگور کو اپنی آبائی زمینداری کی دیکھ بھال کرنے کے لئے مشرقی بنگال کے سیلائی داہ، کالی گرام، شہزاد پور اور دیگر جگہوں کا دورہ کرنا پڑا اور وہاں قیام کرنا پڑا۔ چند دنوں تک تو انہوں نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ سیلائی داہ کے بوٹ ہاؤس (کشتی) میں قیام کیا۔ اس عرصہ میں انہوں نے راجہ رانی اور وسرجن جیسے ڈرامے لکھے اور "دینا پاونا" (قرض)، "پوسٹ ماسٹر"، "گرہنی (بیوی)" وغیرہ مختصر کہانیاں لکھیں، نیز ایک بڑی نظم "سونار تری" اور ایک رقص ڈرامہ "چترانگدہ" بھی لکھا۔ نومبر ۱۸۹۲ء کو راجشاہی ایسوسی ایشن میں "شکشار ہیر پھیر" (تعلیم میں پیچیدگیاں) موضوع پر ایک مقالہ پڑھا۔ اس مقالہ میں انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ذریعہ تعلیم مادری زبان ہونی چاہیئے۔

۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۷ء کے عرصہ میں انہوں نے مشرقی اور شمالی بنگال کا دورہ کیا۔ بنکم چندر کی ایک ادبی نشست میں ایک مقالہ بنام "انگریزوں کی چال" پڑھا جس میں انہوں نے ہندو مسلمان کے اتحاد پر زور دیا۔ کلکتہ میں سرکاری سیڈیشن بل، کی ٹاؤن ہال میں ایک خفیہ نشست میں انہوں نے پرزور مخالفت کی۔

۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۷ء ۱۸۹۸ء میں رابندرا ناتھ بھارتی رسالہ کے مدیر بنے۔ یہ رسالہ شانتی نکیتن سے شائع ہونے لگا اس عرصہ میں کلکتہ میں طاعون پھیل گیا جس کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کو لیکر شانتی نکیتن چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے شانتی نکیتن، سکول کا افتتاح کیا۔ اس وقت اس اسکول میں صرف پانچ طلبار تھے۔ رابندرا ناتھ نے اپنے ایک بیان میں انگریز سامراجیوں کے خلاف جنوبی افریقہ کے باشندوں کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کی۔ ۱۹۰۲ء میں کلکتہ میں انکی بیوی شریمتی مرنالنی دیوی کا انتقال ہوگیا۔ ۱۹۰۳ء کو رابندرا ناتھ انگلینڈ گئے اور وہاں بھارت کی سیر اور مذہب کی بابت تقریریں کیں۔ ۱۹ جنوری ۱۹۰۵ء کو کلکتہ میں ان کے والد مہارشی دیبندرا ناتھ ٹیگور کا انتقال ہوگیا۔ کلکتہ میں ۷ اگست کو ٹاؤن ہال میں انگریزوں کو بائیکاٹ کرنے کی تحریک کی حمایت میں پرزور مقالہ پڑھا۔ ۱۹۰۷ء میں شری اروبندو گھوش کی گرفتاری پر انہوں نے "اروبندو گھوش کو سلام" ایک نظم لکھی۔

۱۹۰۸ء تا ۱۹۱۷ء ۱۹۰۸ء میں مظفر پور میں بم پھینکنے کے کیس میں شری کھودی رام کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور انہیں پھانسی دیدی گئی۔ اس موقعہ پر رابندرا ناتھ نے ایک مقالہ لکھا جس میں انہوں نے تمام انقلابیوں کی تعریف کی۔ ۱۹۰۹ء میں انہوں نے گیتانجلی کے گیت لکھے۔ یہ کتاب ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۱۱ء میں شانتی نکیتن میں آنند کمار سوامی اور رجیت کمار چکرورتی کے تعاون سے رابندرا ناتھ نے گیتانجلی کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۱۱ء ہندوستان کی راجدھانی کلکتہ سے دہلی منتقل ہوگئی۔ ۱۹۱۲ء میں انگریزوں کی حکومت نے ایک خفیہ سرکلر کے ذریعہ شانتی نکیتن کو سرکاری ملازمین کے بچوں کی تعلیم کے لیے نہایت ہی ناموزوں ادارہ قرار دیا۔ ۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کو رابندرا ناتھ انگلستان کے لیے روانہ ہو گئے۔ [illegible] گیتانجلی [illegible] پڑھ کر سنایا۔ سامعین نے انہیں خوب سراہا۔ لندن میں انڈیا سوسائٹی نے گیتانجلی کا انگریزی ترجمہ کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس کتاب کا دیباچہ شاعر ییٹس نے لکھا تھا۔ ۱۳ نومبر ۱۹۱۳ء کو رابندرا ناتھ کی ان کی کتاب گیتانجلی پر نوبل پرائز ملا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۳ء کو کلکتہ یونیورسٹی نے رابندرا ناتھ کو ڈی۔ لٹ کی ڈگری عطا کی۔ پھر ۱۹۱۵ء سے رابندرا ناتھ اپنی زمینداری کے علاقوں میں دیہی ترقیاتی کام شروع کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں آپ نے جاپان اور امریکہ کا دورہ کیا۔ جاپان کے چین پر حملہ کرنے کی شدید مذمت کی۔ سبوز پترو (سبز رسالہ) رسالہ میں پہلی بار آپ کی عام بول چال کی زبان میں مختصر کہانیاں شائع ہونے لگیں مسز اینی بیسنٹ کی نظربندی اور ہندوستان کے سیاسی کارکنندگان کی گرفتاری کے خلاف آپ نے صدائے احتجاج بلند کی۔

۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۷ء - ۱۹۱۸ء میں رابندرا ناتھ نے شانتی نکیتن کو ایک بین الاقوامی درسگاہ میں تبدیل کرنے کے لئے اقدامات کئے۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں معصوم اور نہتے لوگوں پر جنرل ڈائر کے حکم سے فائرنگ کی گئی نتیجتاً سیکڑوں لوگ ہلاک ہوگئے۔ اس ظلم کی پرزور مذمت کرتے ہوئے رابندرا ناتھ نے برطانوی حکومت کا عطا کردہ سر کا خطاب واپس کردیا۔ روماں رولاں کی درخواست پر تمام محکوم قوموں کی آزادی کے پروانہ پر دستخط کئے۔ اسی عرصے میں یورپ اور امریکہ کا دورہ کیا اور وہاں ادبی نشستوں میں مقالات پڑھے۔ امریکہ میں ہیلن کیلر سے ملاقات کی۔ ۶ فروری ۱۹۲۲ء کو شانتی نکیتن میں دیہی تعلیم کا ایک ادارہ قائم کیا۔

۹ جنوری ۱۹۲۳ء کو ستیندرا ناتھ ٹیگور کا انتقال ہوگیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۳ء کو کراچی کے تھیوسوفیکل سوسائٹی ہال میں انہوں نے تقریر کی۔ ۲۹ مارچ ۱۹۲۴ء کو چین، رنگون، کوالالمپور، سنگاپور، ہانگ کانگ اور جاپان کا دورہ کیا۔ وہاں مختلف شہروں میں تقریریں کیں۔ پیکنگ کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ ایشیائی ثقافتی اتحاد کے پجاری ہیں۔ ٹوکیو میں انقلابی رہنما راش بہاری بوس سے ملاقات کی ۲۳ جولائی ۱۹۲۷ء کو ڈھاکہ میں بنگال کی عورتوں کی بابت بنگال کے گورنر نے نازیبا باتیں کیں تھیں، اس کے خلاف ٹیگور نے انہیں ایک احتجاجی خط لکھا۔

۲۲ ستمبر ۱۹۲۶ء کو یورپ کے بہت سارے ممالک امریکہ اور جنوبی امریکہ کے دورہ پر ٹیگور روانہ ہوگئے۔ ارجنٹینا میں صدر ڈاکٹر اریگوین سے ملاقات کی۔ ۸ مارچ ۱۹۲۵ء کو رانچی میں جوتندرناتھ ٹیگور کا انتقال ہوگیا۔ ۲۵ جولائی کو سارے ملک میں تحریک آزادی کی حمایت میں ایک مقالہ لکھا اور اسے شائع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں شاعر نے اٹلی کا دورہ کیا اور فاشسزم کے شکار لوگوں سے ملاقات کی ۱۱-۱۴ ستمبر ۱۹۲۶ء کو برلن سے فاشسزم کے خلاف ایک خط لکھا جو انگلینڈ کے مانچسٹر گارجین اخبار میں شائع ہوا۔ ۲۹ نومبر کو مصر کا دورہ کیا۔ ۳۰ فروری ۱۹۲۷ء کو ہندوستان میں حکومت کے ظلم کے خلاف کھلا خط لکھا۔ ۱۲ جولائی ۱۹۲۷ء کو جنوبی مشرقی ایشیا کے ملکوں کے دورہ کے لئے روانہ ہوئے اور ۲۷ اکتوبر کو کلکتہ واپس آ گئے۔

۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۴ء

۲۸ مئی ۱۹۲۸ء کو پانڈیچری میں شری اوبندر گھوش سے ملاقات کی۔ ۱۹۲۹ء میں کناڈا گئے۔ وہاں قومی تعلیمی کاؤنسل کی تقریب میں تقریر کی۔ ۲۶ مارچ ۱۹۳۰ء کو اکسفورڈ ہیبرٹ لکچر دینے کے لئے انگلینڈ روانہ ہوئے وہاں انہوں نے انسان کا مذہب موضوع پر تقریر کی۔ جرمنی میں شاعر کی مصوری کی نمائش کی گئی۔ وہیں انہوں نے انگریزی میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا CHILD، ۱۱ ستمبر ۱۹۳۰ء کو سوویت روس گئے اور ۱۴ دنوں تک وہاں کے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ ۱۴ ستمبر کو ماسکو کے نزدیک پائنیر کمیون میں "جن گن من" گیت گا کر سنایا۔ یہاں ایک ٹریڈ یونین سمیتی نے انہیں استقبالیہ دیا جس میں مقامی شاعروں نے ان کی نظموں کو بنگلہ اور پھر روسی زبان میں پڑھ کر سنایا۔ روس سے جرمنی پھر امریکہ اور لندن ہوتے ہوئے کلکتہ واپس آئے۔ ۳۱ جنوری کو دارجلنگ میں قاضی نذر الاسلام سے ملاقات کی ۲۶ ستمبر کو کلکتہ میں مونومنٹ میدان میں ایک احتجاجی جلسہ میں ہجلی جیل میں قیدیوں پر ظلم و ستم کے خلاف پرزور احتجاج کیا۔ ۸ جنوری ۱۹۳۲ء کو گاندھی جی کی گرفتاری پر برطانیہ کے وزیر اعظم کو خط لکھا۔ ۱۱ اپریل ۱۹۳۲ء کو ایران اور عراق کا دورہ کیا۔ شیراز (ایران) میں حافظ اور سعدی کے مقبرہ پر پھول چڑھائے اور اس کے بعد واپس آئے۔ ۱۳ اپریل کو مغربی ملکوں کو ہندوستان کی بابت حقائق پیش کرنے کے لئے انفارمیشن سنٹر

سے

کھولنے کی تجویز پیش کی۔ دسمبر میں حیدرآباد کے نظام سے ملاقات کی۔ نظام نے ۱۹۳۴ء میں وشو بھارتی کو ایک لاکھ روپیہ بطور عطیہ دیا۔ ۹ جنوری کو شانتی نکیتن میں سروجنی نائیڈو سے ملاقات کی۔ ۱۹ جولائی کو کلکتہ میں گاندھی جی سے ملاقات کی۔ اسی مہینے چین کے تان یون سان شانتی نکیتن آئے اور وہاں چینی بھون کھولنے کی تجویز کی جسے شاعر نے تسلیم کر لیا ۸ فروری ۱۹۳۵ء کو بنارس یونیورسٹی سے انہیں ڈاکٹر کی ڈگری ملی ۱۹۳۶ء میں نہرو کی درخواست پر شہری آزادی کے ہندوستانی قومی کاؤنسل یونین کے صدر بنے۔ ۴ مارچ ۱۹۳۷ء کو فاشسزم کے خلاف لیگ کے صدر بنے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۳۷ء کو جنگل مزدوروں کی حمایت کے لئے عوام سے اپیل کی ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء کو کلکتہ ٹاؤن ہال کے ایک جلسہ میں شاعر نے انڈمان میں قیدیوں پر ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا۔

۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۱ء ۔ ۳۱ جنوری کو نہرو کے ہاتھوں شانتی نکیتن میں ہندی بھون کا افتتاح ہوا۔ شاعر نے زیکوسلواکیہ پر ہٹلر کے حملہ کی شدید مذمت کی۔ شانتی نکیتن میں سبھاس چندر بوس اور نہرو سے ٹیگور نے بات چیت کی۔ ۸ مئی ۱۹۳۹ء کو دنیا اور ہندوستان کی سیاسی حالت کی بابت امریکہ کے صدر روز ولٹ کو خط لکھا۔ ۱۹ اگست ۱۹۴۰ء کو اکسفورڈ یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹر کی ڈگری عطا کی۔ ۱۴ اپریل ۱۹۴۱ء سبھیتا سنکٹ (تہذیبی بحران) نامی ایک مقالہ لکھا۔ ۲۵ مئی کو تریپورہ کے راجہ نے بھارت بھاسکر کا خطاب عطا کیا۔ ۲۵ جولائی ۱۹۴۱ء کو علاج کے لئے انہیں شانتی نکیتن سے کلکتہ لایا گیا۔ ۳۰ جولائی کو انہوں نے اپنی آخری نظم (شیش لیکھا) لکھی ۷ اگست ۱۹۴۱ء (۲۲ ساون ۱۳۴۸ بنگلہ سال) کو دوپہر کے ۱۲ بجکر ۳ منٹ پر رابندرناتھ ٹیگور نے دائمی اجل کو لبیک کہا۔ ۸۰ سال ۳ مہینہ کی عمر میں ان کی موت واقع ہوئی۔







رابندرناتھ ٹیگور

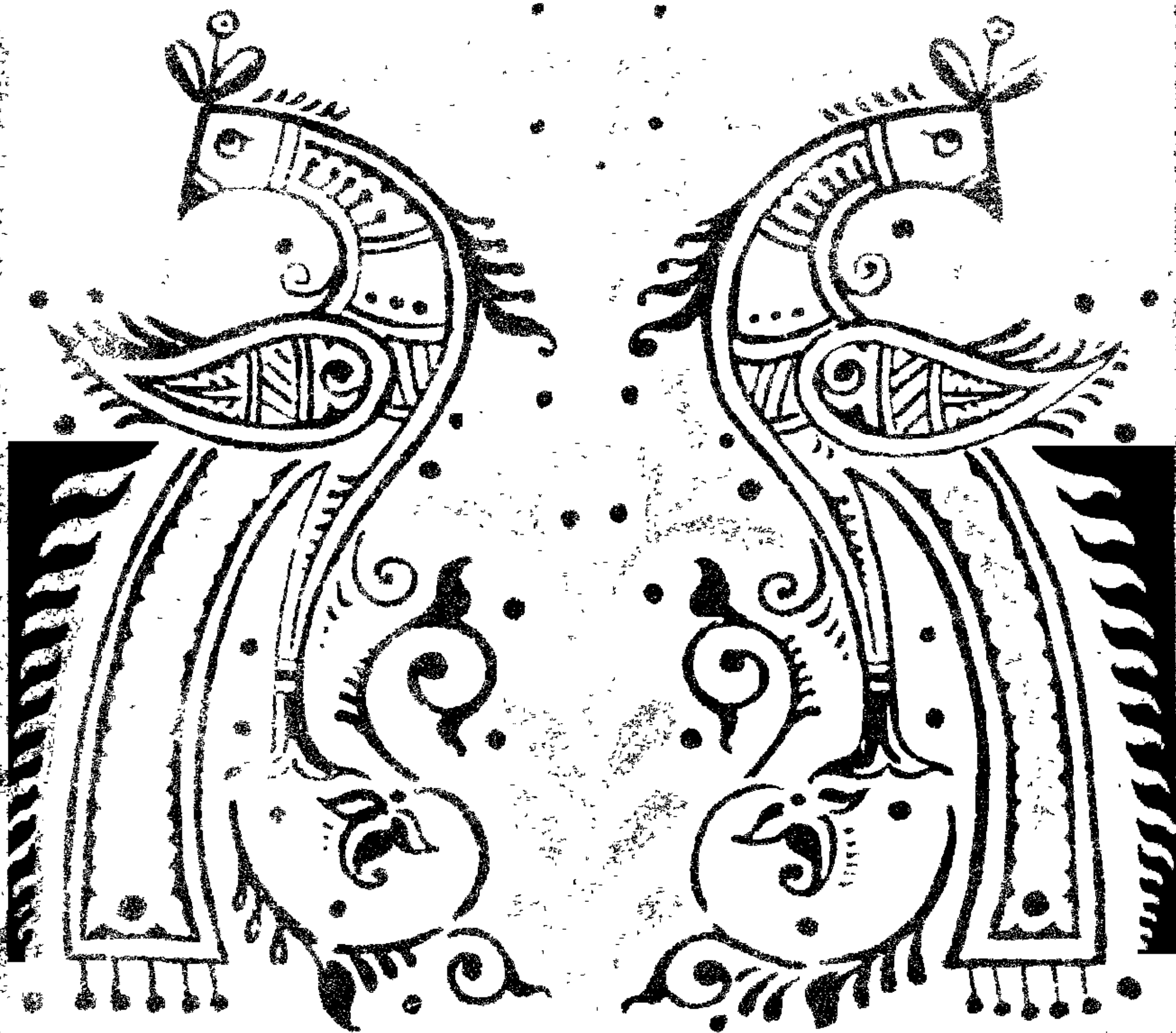
کس بزدل کو تو ڈراتا ہے

کس بزدل کو تو ڈراتا ہے؟
یہ تاریکی جو سامنے ہے میرے،
باطل ہے سب، جھوٹ ہے!
میرا اعتماد کیا رائیگاں ثابت ہوگا
تو نے اگر مجھے نیچے گرا دیا
تو سمجھ لے کہ اپنا ہی کام تو نے بڑھا لیا
خود تجھے نیچے اترنا ہوگا، اگر مجھے نیچے گرا دیا
تجھے میرا امتحان مقصود ہے
بس کھیل کیا ہی ہے
وہ جو تیرے ہاتھ کو نہیں دیکھتے
اور صرف تیرے ہاتھ کی سزا دیکھتے ہیں
خوف سے ان ہی کی جان کانپتی ہے
جو تیری سزا کو نہیں دیکھتے، اور دیکھتے ہیں صرف
تیرے محبوبانہ ہاتھ کو
حقیقت کو وہی پہچانتے ہیں
کس بزدل کو تو ڈراتا ہے
یہ تاریکی تیری، سب باطل ہے۔

(ترجمہ :۔ نظم پروباھینی)

زندگی

[illegible]



مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ ۔ پربتین بھٹاچاریہ

مدیر ۔ دھیریندرا ناتھ دت

مدیر معاون ۔ محمد اعظم

جلد نمبر ۳۰ • یکم جون ۱۹۸۳ء • شمارہ نمبر ۱۱

شرح خریداری

قیمت ۔ ۱۲ پیسے فی پرچہ

سالانہ ۳ روپئے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آر این مکھرجی روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



شری بی ڈی پانڈے، گورنر مغربی بنگال حال ہی میں راج بھون کے سبزہ زار میں ریڈ کراس ہفتہ، کی افتتاحی تقریب میں ریڈ کراس کے لئے عطیہ قبول کرتے ہوئے۔

مخدوم محی الدین

ہم دونوں

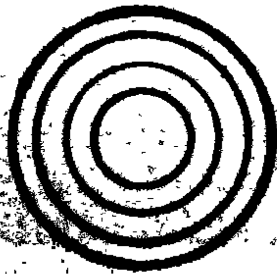
(کماری اندرا دھن راج گیر جی کی نظم BOTH OF US ___ کا آزاد ترجمہ)

رات ہے، باتیں ہیں، سرگوشی ہے
تو ہے، میں ہوں
اپنے گوندھے ہوئے غم کے بندھن
شب کے سنّاٹے میں
جاگ اٹھتے ہیں، تڑپ جاتے ہیں چلّاتے ہیں
دامِ افسون و طلسمات میں پھنس جاتا ہے دل
جسم اور جان کو کھا جاتا ہے غم
نیشِ غم اور دلِ زار میں پیکار چلی جاتی ہے
گرم گرم آنسو ڈھلک جاتے ہیں رخساروں پر
زندگی یادوں کا مینار بنا لیتی ہے
جو اُڑاتا ہے جہاں میں ابدیت کا مذاق
دیکھتے دیکھتے چپ چاپ بکھر جاتی ہے تاروں بھری رات
چاند چھپ جاتا ہے

رات ہے، باتیں ہیں، سرگوشی ہے
تو ہے، میں ہوں

ان پرندوں کی طرح سرگوشی
جو دبی سانس میں گاتے ہیں بچھڑنے کے لئے
گیت ــــ تاروں بھری راتوں میں جسے ہم نے چُنا
دھیمی آواز میں سرگوشی کے انداز میں گایا ہوا گیت
ہاتھ تھرائے، جدائی کی گھڑی آ پہنچی
ہاتھ میں لے لئے میں نے ترے ہاتھ
تاکہ ان ہاتھوں کو پہچانوں
ان ہاتھوں سے محبت کر لوں
جسم اور جان کے رشتوں سے بکھر جانے تک
جاوداں شعلۂ جوّالہ کی اک چنگاری
میں نے لے لی ہے ترے ہونٹوں سے
میں جہاں بھی رہوں، جس جا بھی رہوں
اپنی آنکھیں تو افق زاروں پہ ملتی ہی رہیں گی کہیں دور
اور دل چپکے سے مل جائیں گے دل ہی دل میں
میرے سیلابِ تخیل میں تری یاد اے دوست
اس طرح تیرے گی
صبح دم تیرتا پھرتا ہے کسی جھیل میں جیسے کوئی ہنس
ان ہواؤں میں ترے گیت
وہ بکھرے ہوئے گیت
گونج اٹھیں گے مرے کانوں میں

میرے ہمدم
میرے دوست!



مغربی بنگال میں تعلیم عامہ

ابتدائی تعلیم

عالمی ابتدائی (پرائمری) تعلیم کے نشانہ تک پہونچنے کے لئے ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے بچوں کو اسکولوں میں لانے کے لئے مغربی بنگال میں ایک وسیع پروگرام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ چھٹے پنج سالہ منصوبہ کے آخر تک یعنی سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء تک ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے تقریباً ۵۲ر۱۸ لاکھ بچوں کو ابتدائی تعلیم کے لئے سہولیتیں فراہم کی جائیں۔ اس نشانہ تک پہونچنے کے لئے سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں، نیز سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۱۲۰۰ نئے پرائمری اسکول کھولنے کی منظوری دی گئی اب تجویز ہے کہ سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں مزید ۱۳۰۰ نئے پرائمری اسکول کھولے جائیں۔ ایک اندازہ کے مطابق سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء کے آخر تک پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم طلبار کی تعداد ۸۵ لاکھ سے زیادہ ہوگی یعنی ۶-۱۱ سال کے تقریباً ۹۵ فیصد بچے پرائمری اسکول میں زیر تعلیم رہینگے۔ مذکورہ بالا نشانہ تک پہونچنے کے لئے بچوں کی ہمت افزائی کرنے کے لئے متعدد اسکیموں کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔

نصاب کی کتابوں کی مفت تقسیم:- پرائمری اسکولوں میں کلاس I سے کلاس IV تک کے تمام بچوں اور بچیوں کو نصاب کی کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء کے تعلیمی سال کے دوران ۴۹ نصابی کتابوں کی تقریباً ۱۵ر۲ کروڑ کاپیاں مختلف زبانوں میں شائع کی جارہی ہیں اور تقسیم کی جارہی ہیں۔ بنگلہ اور نیپالی زبان کے اسکولوں میں کلاس I سے کلاس IV کے طلبار کو درس کی کتابیں مفت تقسیم کی جارہی ہیں اردو اور ہندی اسکولوں میں کلاس I اور II کے طلبار کو درسی کی کتابیں اور سنتھالی طلبار کو، کلاس I کے لئے آل چیکی رسم الخط میں نصاب کی کتابیں مفت سپلائی کی جارہی ہیں۔ اس اسکیم کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کی مدد لی جارہی ہے۔ اس اسکیم کے لئے اس ریاستی بجٹ سے تقریباً ۳ کروڑ روپئے خرچ کئے جارہے ہیں۔ شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی طالبات کو اسکول کی پوشاک مفت تقسیم کرنے کی اسکیم کو بھی روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ گزشتہ تین برسوں میں پرائمری اسکول کے بچوں اور بچیوں کے لئے کھیل کود اور اسپورٹس کے سلسلہ میں اسکیم کو عالیہ برس میں روبہ عمل لایا گیا۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ اسکیم آئندہ بھی جاری رہے گی اس پروگرام سے دیہی علاقوں میں بچوں، والدین اور اساتذہ کے دل و دماغ میں ایک نئی بیداری پیدا کی ہے اور تعلیم کے میدان میں یکسانیت میں کچھ حد تک کمی لاکر طلبا کے لئے ایک خوشگوار فضا قائم کی گئی ہے

اسکولوں میں دوپہر کا ٹفن

ساری ریاست میں شہری اور مضافاتی علاقوں کے طلبار کو دوپہر کا ٹفن دکھانا سپلائی کرنے کے پروگرام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے اس ریاستی منصوبہ اسکیم کے تحت ۲۱ر۲۶ لاکھ طلبار کو ٹفن سپلائی کیا جارہا ہے۔ صرف ریاستی حکومت کی مالی امداد سے اس اسکیم کو روبہ عمل لایا جارہا ہے اس کے علاوہ سی لے آر ای کی امداد سے مزید سات لاکھ بچوں کو، اور کلکتہ شہر میں ۲ لاکھ بچوں کو دوپہر کا ٹفن سپلائی کیا جارہا ہے اس ریاست میں سیلاب اور دیگر آفات ناگہانی سے پرائمری اسکولوں کی عمارتوں کو کافی نقصان پہونچا اس لئے گزشتہ چند برسوں سے ایسے اسکولوں کی عمارتوں کی از سر نو تعمیر اور مرمت کے پروگرام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے یہ پروگرام ابھی بھی جاری ہے اور اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے تقریباً ۹ر۵۲ کروڑ روپئے کی منظوری دی گئی۔

پرائمری تعلیم کا مغربی بنگال بورڈ اور ضلع پرائمری اسکول کاؤنسلس

مغربی بنگال پرائمری تعلیم (پرائمری اسکول کاؤنسلوں کے انتخاب کے لئے، رائے دہندگی کا دستور، رائے دہندگان کی فہرستوں کی تیاری اور اشاعت) رولس سنہ ۱۹۸۱ء، مغربی بنگال پرائمری تعلیم (پرائمری اسکول کاؤنسلوں میں انتخاب

بنانا) قوانین ۱۹۸۱ء، پرائمری تعلیم کا مغربی بنگال بورڈ (رائے دہندگی کا دستور، رائے دہندگان کی فہرستوں کی تیاری اور اشاعت) رولس ۱۹۸۱ء اور مغربی بنگال پرائمری تعلیم (پرائمری تعلیم کے مغربی بنگال بورڈ کے لئے انتخاب کرانا) قوانین ۱۹۸۲ء کو کلکتہ گزٹ میں شائع کر دیا گیا ہے۔ ان قوانین کی اشاعت کے بعد اب مغربی بنگال پرائمری تعلیم ایکٹ کو روبہ عمل لایا جا سکتا ہے۔ اس بات کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے ضلعوں میں پرائمری اسکول کاؤنسلوں میں اور ریاستی سطح پر پرائمری تعلیم کے بورڈ کے لئے انتخابات کرائے جائیں۔

نظام امتحان

ششماہی اور سالانہ امتحانات کے پرانے نظام کو ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ مسلسل وقفہ وقفہ کے بعد طلبار کی لیاقت کا تخمینہ کرنے کی اسکیم کو رائج کیا گیا ہے۔ اساتذہ کی اس سلسلہ میں ہدایت کے لئے حسب ضرورت رہنما کتاب شائع کی گئی ہے۔ نصاب کمیٹی (جسے حکومت مغربی بنگال نے قائم کیا تھا) کی سفارشات کے مطابق کلاس VIII تک کسی بھی طالب علم کو ایک ہی کلاس میں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک رکھا نہیں جا سکتا۔ حکومت نے اس پالیسی کو اپنایا۔

جونیر بنیادی تربیت اداروں میں اساتذہ کی تربیت کے لئے ایک نیا نصاب رائج کیا گیا ہے۔

مدرسہ تعلیم

حکومت مغربی بنگال نے سارے ہندوستان میں مغربی بنگال میں مدرسہ تعلیمی نظام میں اصلاح و تجدید کرنے کی ایک مثال قائم کی ہے۔ فی الحال مدرسوں میں تمام طلبار کو مفت تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں فراہم ہیں۔ مدرسہ تعلیم کے میدان میں اس تعلیم کو طلبار کے لئے بامعنی اور بامقصد بنانے کے لئے نصاب میں تبدیلی کی گئی ہے اور اس طرح موجودہ مطالبات کے پیش نظر اقدامات کئے گئے ہیں۔

ثانوی تعلیم

اگرچہ گزشتہ پانچ برسوں میں ثانوی تعلیم کے میدان میں خاطر خواہ ترقی ہوئی ہے حکومت اس بات سے آگاہ ہے کہ اس میدان میں اب بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ثانوی اسکولوں میں زیر تعلیم طلبار کی موجودہ تعداد کم و بیش ۳۰ لاکھ ہے ایک اسکول میں بچوں کو پڑھانے کے لئے جتنی جگہوں کی ضرورت ہوتی ہیں ان تمام طلبار کی تعلیم کے لئے متعلقہ اسکولوں میں اتنی ہی جگہیں نہیں ہیں حکومت اس بات کی حتی الامکان کوشش کرے گی کہ سکنڈری اور ہائر سکنڈری اسکولوں کی دس ہزار کی موجودہ تعداد میں اضافہ کیا جائے اور اس طرح ان اسکولوں کے مسائل کو حل کیا جائے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۱۲۱ دو کلاس کے جونیر ہائی اسکول کو چار کلاس کے جونیر ہائی اسکولوں میں اور ۱۴۲ جونیر ہائی اسکولوں کو ہائی اسکول میں تبدیل کر دیا گیا ہے امید کی جاتی ہے کہ اس طریقہ کار کو آئندہ سال بھی جاری رکھا جائے گا۔

ہائر سکنڈری تعلیم

اعلیٰ ثانوی تعلیم دینے کے لئے اس ریاست میں تقریباً ایک ہزار ادارے ہیں حکومت آئندہ مالی سال میں مزید اسکولوں اور اداروں میں اعلیٰ ثانوی تعلیم کا سلسلہ اور نصاب رائج کرنے کے سوال پر غور کرے گی۔

جونیر تکنیکی تعلیم

اس ریاست میں بیالیس جونیر تکنیکی اسکول ہیں۔ ان اسکولوں میں داخلہ کے لئے کلاس VIII کے امتحان میں کامیاب ہونا ضروری ہے۔ ہر سال ان اسکولوں سے کم و بیش ۵۰۰ طلبار کامیاب ہوتے ہیں ان اسکولوں میں تعلیم کی بہتری کے لئے چند اسکیمیں حکومت کے زیر غور ہیں۔

جسمانی لحاظ سے معذور طلباء کی تعلیم

جسمانی لحاظ سے معذور طلبار کی تعلیم کے لئے فی الحال ۲۰ اسکول ہیں۔ ان میں ۸ اسکول حکومت کی سرپرستی میں ہیں اور باقی ۱۲ اسکولوں کو حکومت نے تسلیم کر لیا ہے۔ معذور طلبار کے لئے تعلیمی سہولتوں کی توسیع پر حکومت نے زور دیا ہے۔ بشیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب طبقوں کے درمیان تعلیم کے فروغ کے لئے شعبہ تعلیم چند خصوصی اقدامات کر رہا ہے۔

ریاستی تعلیمی ریسرچ و تربیتی کاؤنسل

ریاستی حکومت نے بھی مرکزی حکومت کے قومی کاؤنسل برائے تعلیمی

تحقیق اور تربیت کی طرح یہاں بھی ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اساتذہ کی تربیت، لائبریری تعلیم د[illegible] لئے نصاب تیار کرنے میں یہ ادارہ بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے نیز اس [illegible] کے پیش نظر کہ یہ ادارہ اور بھی بہتر طور سے کام کر سکے، متعدد اہم فیصلے بھی کئے گئے۔

لائبریری خدمات

علم کی پیاس بجھانے کے لئے کتاب بہت ہی اہم ذریعہ ہے اور یہی تعلیمی لوگوں کے دلوں میں اس پیاس کو اجاگر کرتی ہے۔ علم کا خزانہ گھر جسے ہم لائبریری کہتے ہیں ایسی کتابوں کے مجموعہ کا نام ہے اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت ۱۹۷۷ء سے لائبریریوں کی توسیع اور ترقی کے سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے اس سلسلہ میں کام شروع کر دیا گیا ہے اور مضافاتی آبادی کے درمیان علم حاصل کرنے کے لئے ایک نئی فضا اور ذہنیت تیار کی گئی ہے اس بات کی کوشش کی جا رہی ہیں کہ پس ماندہ لائبریریوں میں نئی روح پھونک دی جائے۔

لائبریریوں کی ترقی کا ایک اہم پہلو ان کے انتظامیہ کا نظام ہے اس نظام کو اور بھی بہتر بنانے کے لئے مغربی بنگال عوامی لائبریری (ترمیم) ایکٹ ۱۹۸۲ء پاس کیا گیا۔ اس نئے ایکٹ نے لائبریری ایکٹ ۱۹۷۹ء کی بہت سی خامیوں کو دور کر دیا۔ دوسری طرف ریاستی سطح پر لائبریری خدمات کی ایک الگ نظامت قائم کی گئی تاکہ ترقیاتی سرگرمیاں اور منصوبہ بند کوششیں جاری رکھی جا سکیں۔ نیز اس ایکٹ کے تحت ۱۲ مقامی لائبریری اتھورٹیز اس ریاست کے ۱۶ میں سے ۱۲ اضلاع میں قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ضلع سطح پر اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں حکومت کے زیر اہتمام علاقائی / مضافاتی / ابتدائی یونٹ لائبریریوں کی تعداد ۱،۷۷۶ تھی۔ سب ڈویژنل / شہری لائبریریوں کی تعداد ۹۳ اور ضلع لائبریریوں کی تعداد ۱۶ تھی اس ریاست میں سرکاری لائبریریوں کی تعداد ۲۰ ہے ۸۲-۱۹۸۱ء میں مزید ۲ شہری لائبریریاں اور ۵۰ مضافاتی / ابتدائی یونٹ لائبریریاں قائم کرنے کی منظوری دی گئی ہے۔

۸۳-۱۹۸۲ء میں ہم نے موجودہ لائبریریوں کو مستحکم بنانے کی کوششیں کیں۔ ان کی تعداد میں اضافہ کرنے کی جگہ ان کی سرگرمیوں کو یکجا کیا جا رہا ہے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اس ریاست میں مانگ کے مقابلہ میں لائبریریوں کی تعداد بہت ہی کم ہے تاہم یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک لائبریری جس کے پاس کتابوں کا کافی اسٹاک ہو اور جس کا انتظامیہ بھی بہتر ہو ایک وسیع علاقہ کی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے علاقائی ترقیات کی بنیاد پر ۸۴-۱۹۸۳ء میں بھی ہر تسلیم شدہ لائبریری کو منظم کرنے اور مستحکم بنانے کے لئے کوششیں جاری رہیں گی۔

مالی وسائل کی کمی کے باوجود ریاستی حکومت لائبریری خدمات جیسے اہم شعبہ کی توسیع و ترقی اور لائبریری کے ملازمین کی رفاہ و بہبود کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے لائبریری کے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے لائبریری کے ان ملازمین کے لئے جو ریٹائر کرنے والے ہیں، ہم لوگوں نے سماجی تحفظ کے اقدامات کے لئے کوششیں کی ہیں۔ ہر ضلع کی لائبریری میں بہتر کارگزاری کے لئے ضلع لائبریری افسران کے عہدے تیار کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ہم لوگوں نے اس بات کی طرف دھیان دیا ہے کہ لائبریریاں درحقیقت علم کا خزانہ بن جائیں نہ کہ کتابوں کے رکھنے کا گودام، ہم لوگوں نے حکومت کے خرچ پر ایک کتاب شائع کی ہے جس میں مختلف موضوعات پر اچھی اچھی اطلاعاتی اور ادبی کتابوں کا ذکر ہے ہر لائبریری کے لئے کتابوں کی یہ فہرست بہت ہی گراں قدر اثاثہ اور رہنما ہے۔

اس شاخ کے لئے بجٹ میں زیادہ سے زیادہ گنجائش رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہیں۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں لائبریری شاخ کے لئے بجٹ میں ۵ء۲ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ لیکن ۸۴-۱۹۸۳ء کے بجٹ میں اس مد کے تحت ۳ کروڑ روپئے رکھے گئے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محدود وسائل کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

غیر رسمی تعلیم

جہالت کی لعنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے مغربی بنگال کی موجودہ ریاستی حکومت نے غیر رسمی تعلیمی نظام کو کافی اہمیت دی ہے۔ ۹ تا ۱۴ سال کے بچے تعلیم کے اس نظام سے مستفید ہو سکتے ہیں اس ریاست میں اس قسم کے تقریباً ڈھائی ہزار مراکز ہیں جہاں سماج کے غریب طبقہ کے پانچ لاکھ سے زیادہ بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے ان بچوں کے لئے خصوصی نصاب رائج کرنے کی بات زیر غور ہے اس بات کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں ان مراکز سے ایسے طلبا کو نصاب کی کتابیں مفت فراہم کی جائیں ایک تجویز یہ ہے کہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں اس طرح کے تقریباً ۲۵۰۰ مراکز کھولے جائیں

سماعی و بصری تعلیم

مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں ۱۶ سماعی و بصری تعلیمی مراکز ہیں۔ نظامت تعلیم انہیں امداد فراہم کرتی ہے ایسے مراکز مختلف رضا کار تنظیموں کے زیر انتظام ہیں۔ نظامت تعلیم کے تحت ایک سماعی و بصری تعلیمی شاخ ہے عملی تعلیم کی اشاعت کے لئے اس تعلیمی شاخ کی توسیع اور ترقی کی اشد ضرورت ہے لیکن مالی بندشوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں ترقیاتی اقدامات کئے نہ جا سکے موجودہ مالی سال میں اس شاخ کی توسیع اور ترقی کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔

رہائشی مراکز

یہاں ریاست کے محتاج اور یتیم بچوں کے لئے ۵۰ مراکز (موسس) ہیں۔ جنہیں ریاستی حکومت امداد فراہم کرتی ہے لیکن جنہیں رضا کار ادارے چلاتے ہیں۔ گیارہ رہائشی مراکز ریاستی حکومت کے زیر انتظام ہیں کل ۸۲۷۵ بچے ان ۶۱ رہائشی مراکز میں پناہ گزیں ہیں سنہ ۱۹۷۸ء تک بچوں کے لئے فی کس عطیہ مہینے میں صرف ۳۵ روپئے تھے ہماری تمام دشواریوں کے باوجود ہم نے اس عطیہ کو ۳۵ روپئے سے بڑھا کر ۵۵ روپئے کر دیا۔ مزید براں فی کس بچے کو ۱۵ روپئے دوسرے معاونتی اخراجات کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ باوجود اس کے ہمیں یہ معلوم ہے کہ ان مراکز کو اپنے کام میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس کے حل کے لئے کافی رقم کی فوری ضرورت ہے ہم اس وقت سنگین دور سے گزر رہے ہیں لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ہم اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے کی سکت رکھتے ہیں

کالج کی تعلیم

مطالعہ کے لئے نئے موضوعات کی شمولیت اور اس کی توسیع کے علاوہ سات کالجوں کے لئے جو زیادہ تر پسماندہ علاقوں اور ضلع دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں واقع ہیں منظور کر لیا گیا ہے اور پہلی بار کلکتہ کے ایک کالج میں صحافت کے لئے ڈگری کورس کا اہتمام کیا گیا۔ مغربی بنگال کالج (تنخواہ کی ادائیگی) ایکٹ سنہ ۱۹۷۸ء کے تحت ایک غیر سرکاری کالج کو اپنی آمدنی کی ۷۵ فیصد رقوم کو ریاستی حکومت کے پاس جمع کرا دینی چاہیئے تا کہ وہ اپنے ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے سرکاری امداد کے مستحق ہو سکے باقی ۲۵ فیصد آمدنی غیر تنخواہ مدوں کے اخراجات کے لئے رکھے جا سکتے ہیں۔ ہائر سکنڈری سطح پر XI اور XII کلاسوں کے طلباء کے لئے تعلیم مفت فراہم کرنے اور کیمیاوی اشیاء، کاغذ، کاپیوں، چھپائی وغیرہ کی قیمتوں میں اضافہ ہونے کی وجہ سے اخراجات کا از سر نو اندازہ لگایا گیا۔ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں موجودہ غیر سرکاری کالجوں کی ترقی کے لئے سالانہ منصوبہ میں ۔۔۱ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے جلپائی گوڑی میں ایک نیا قانون کالج قائم کرنے کے لئے منظوری دی گئی ہے۔

سرکاری کالج

درگاپور سرکاری کالج میں سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء سے آراضیات میں پوسٹ گراجویٹ کورس چالو کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء سے اس کالج میں حیاتیاتی سائنس کا کورس بھی رائج کر دیا گیا ہے۔

ہلدیہ، مدناپور، میں سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں آرٹس اور سائنس دونوں میں ایک سرکاری کالج قائم کرنے کی منظوری دی گئی ہے اور اس کالج کے لئے عمارت کی تعمیر کے لئے بھی انتظامیہ نے منظوری دیدی ہے سالٹ لیک (بدھان نگر) کلکتہ میں آرٹس اور سائنس کے ایک سرکاری کالج قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

یونیورسٹی تعلیم

اعلیٰ تعلیم کے میدان میں یونیورسٹیوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں کے کام کاج میں بہتری اور ترقی پر اور نئے اداروں کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔ نیز ان اداروں میں نئے نئے موضوعات کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے مدناپور میں ودیا ساگر کالج کے لئے جو قطعات آراضی حاصل کئے گئے ہیں ان کی حد بندی کا کام شروع کر دیا گیا ہے اس مجوزہ یونیورسٹی کے انتظامیہ اور تعلیمی شعبوں کے لئے عمارتیں تعمیر کرنے کے لئے ۱۴ لاکھ روپئے فراہم کئے گئے ہیں ممبروں کے انتخاب اور تعلیمی نصاب کے لئے یونیورسٹی اقدامات کر رہی ہے۔

یونیورسٹیاں بہت ساری ترقیاتی اسکیموں کو بر سر عمل لائیں گی۔ اس سلسلہ میں انہیں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی منظوری کا انتظار ہے۔ یو جی سی کی ٹیمیں اس ریاست کی مختلف یونیورسٹیوں کا دورہ کر رہی ہیں اور

ن بات کی امید کی جاتی ہے کہ چھٹا منصوبہ ... تیار کیا جائے گا۔
ریاستی حکومت نے ... اساتذہ کو ریٹائرمنٹ
علات اور ایسے اساتذہ کو ترقی کے امکانات کی گنجائش رکھی ہے

بالغوں کی تعلیم

فی الحال مغربی بنگال میں کلکتہ کے علاوہ دیگر ۱۵ ضلعوں کے ۹۰ کوں میں ۳۰ دیہی باضابطہ خواندگی پروجیکٹ ہیں جنہیں ریاستی حکومت اد فراہم کرتی ہے نیز یہاں اس طرح کے ۱۵ اور پراجیکٹ جو مرکزی حکومت زیر انتظام ہیں ان ۱۵ پراجیکٹوں میں سے ۱۵ پروجیکٹ ریاستی حکومت کے ت سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء سے چالو کر دیئے گئے ہیں سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں مرکزی پروجیکٹ کے لئے ۱ لاکھ روپئے اور ریاستی پروجیکٹ کے لئے ۴۷ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے ہیں مالی دشواریوں کی وجہ سے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں نئے ریاستی پروجیکٹوں کو اس سکیم کے تحت جب تک ... فراہم نہیں کی جا سکیں

ریاستی حکومت کے پالیکٹ پروجیکٹ، غیر رسمی تعلیم کا ... کے فنڈ خواندگی پروجیکٹ، بالغوں کا ... اسکول، جامع علاقہ ترقیاتی پروجیکٹ وغیرہ جیسے بالغوں کی تعلیم پروگرام کے تحت اب تک ریاستی حکومت ... ۸۱۲۷۴ روپئے خرچ کئے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں مرکزی پروجیکٹوں میں بنیادی کورس کے بعد مابعد خواندگی پروگرام کو روبہ عمل لایا گیا۔

بالغوں کی تعلیم کے ریاستی پروگرام کے تحت سنہ ۱۹۸۰ء سے دسمبر سنہ ۱۹۸۱ء تک تقریباً ۹ لاکھ افراد کو اور دسمبر سنہ ۱۹۸۲ء تک تقریباً ۳ لاکھ افراد کو تعلیم و تربیت کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

شرامک ودیا پیٹھ کلکتہ نے دسمبر سنہ ۱۹۸۲ء سے کام کرنا شروع کر دیا ہے یہ ادارہ کلکتہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کے صنعتی شہری مزدوروں کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ بالغوں کی تعلیم کے میدان میں چند رضاکار ادارے بھی کام کر رہے ہیں ان اداروں کو مالی سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں حکومت ہند سے درخواست کی گئی ہے۔

ایک تجویز یہ ہے کہ سنہ ۸۴-۱۹۸۳ء میں مرکزی اسکیم کے تحت ۵۰ نئے مراکز اور ریاستی اسکیم کے تحت ... ۵۰ مراکز کھولے جائیں اور ان میں ... ۷۵,۰۰۰ نوآموزوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں جن بڑی بڑی اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا ان کا خاکہ درج ذیل ہے۔

(الف) انجینئرنگ اور ٹکنولوجیکل کالج

(۱) بی۔ ای۔ کالج ہوڑہ میں سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء سے کمپیوٹر سائنس اور ٹکنولوجی میں چار سالہ ڈگری کورس کی تعلیم کا سلسلہ جاری کر دیا گیا اور اس کورس کے لئے ۲۰ طلباء کی گنجائش رکھی گئی ہے اس نئے کورس کے لئے تجربہ گاہوں کے قیام کے سلسلے میں حسب ضرورت آلات خریدنے کے لئے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۴۰۰ لاکھ روپئے کی منظوری دی گئی۔

(۲) جلپائی گوڑی انجینئرنگ کالج کے لئے اس کالج کے طلباء کے لئے ہاسٹل میں برقی تنصیبات کی خصوصی مرمت کے لئے ۱ لاکھ روپئے کی منظوری دی گئی۔

(۳) چمڑے کی ٹکنولوجی کے کالج کے لئے ایک نئے بلاک کی تعمیر کا کام مکمل ہونے کو ہے اس کالج کے بہتر بنانے کے لئے یو این ڈی پی اسکیم کو اقوام متحدہ کے حکام نے تسلیم کر لیا ہے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اکتوبر سنہ ۱۹۸۳ء سے اس کو ترقیاتی اسکیم پر کام شروع کر دیا جائے گا۔

(۴) کامن ویلتھ کاؤنسل برائے ٹکنیکی تعلیم کی مشرقی علاقائی کمیٹی نے سالٹ لیک کلکتہ میں ایک نئے انجینئرنگ کالج قائم کرنے کی ریاستی حکومت کی اسکیم کو منظور کر لیا ہے اگر فنڈ دستیاب ہوا تو امید کی جاتی ہے کہ مالی رواں سے اس پروجیکٹ پر کام شروع کر دیا جائے گا۔

(ب) پالی ٹکنکس

(۱) سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء سے آسنسول پالی ٹکنک میں میٹالرجی (خام دھاتوں کے صاف کرنے کا طریقہ) کا نیا ڈپلومہ کورس رائج کر دیا گیا ہے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں میٹالرجی میں لکچرر کے ایک پوسٹ کی منظوری دی گئی ہے۔ آر۔ ای کالج درگاپور کے میٹالرجی کے طلباء کے لئے تجربہ گاہوں کے کلاسوں کے سلسلے میں انتظامات کئے گئے ہیں۔

(۲) پرولیا پالی ٹکنک کے تیسرے ہاسٹل کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے پانی کی سپلائی اسکیم کا کام جاری ہے

(۳) دارجلنگ پالی ٹکنک، کرسیونگ کے احاطے کے اندر واقع زمین پر عمارتوں کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے مئی سنہ ۱۹۸۳ء سے ... پالی ٹکنک کو ان

عمارتوں میں منتقل کردیا جائے گا۔

(۴)۔ ماہی گیری شعبہ کے تعاون کے ساتھ کوشانی پالی ٹکنک میں ماہی گیری ٹکنولوجی میں ایک ڈپلومہ کورس شروع کرنے کی ایک تجویز مرتب کی گئی ہے کوشانی میں پالی ٹکنک کی بڑی عمارت کی تعمیر کا کام مکمل ہوگیا ہے لیکن اس عمارت میں پانی اور بجلی کی سپلائی وغیرہ کا کام ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے۔ فنڈ کی کمی کی وجہ سے کام شروع نہیں کیا گیا۔

(۵)۔ رائے گنج میں نئی پالی ٹکنک کے لئے عمارت کی تعمیر کا کام مکمل ہوگیا ہے فنڈ کی فراہمی کے پیش نظر اس پالی ٹکنک کے لئے اسٹاف کی منظوری کی تجویز زیر غور ہے۔

ایشیائی مطالعات کے لئے نیتاجی انسٹی ٹیوٹ

جنوری ۱۹۸۱ء میں ریاستی حکومت نے ایشیائی مطالعات کے لئے نیتاجی انسٹی ٹیوٹ قائم کیا تھا اس ادارہ نے دسمبر ۱۹۸۱ء سے کام کرنا شروع کردیا اس ادارہ کے لئے انتظامی اور تعلیمی عہدوں میں نئی بھرتی کی تجویز کو آخری شکل دی گئی ہے ایشیائی سماجوں کی زندگی اور ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کے کام کو فروغ دینے کے لئے ایک پروگرام مرتب کیا گیا ہے۔ سماجی اور سیاسی تواریخ، بین الاقوامی تعلقات، معاشی تعاون وغیرہ کو اہل اور ماہرین کے زیر انتظام دے دیا گیا ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ نے جنوری ۱۹۸۲ء میں جنوبی مشرقی ایشیا میں بدلتے ہوئے سیاسی معاشی اور سفارتی منظر پر ایک بین الاقوامی سیمنار کا انتظام کیا اس انسٹی ٹیوٹ کی ریسرچ رپورٹ اور سیمنار کی روداد بہت جلد شائع کردی جائے گی۔

ادبی لوگوں کو پنشن

صحافیوں اور ادیبوں کو جن کی عمر ۵۵ سال سے زیادہ ہوگئی ہے اور جن کے ذرائع معاش ناکافی ہیں ادبی پنشن دینے کے لئے ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۱۴ء۳ لاکھ روپے کی منظوری دی گئی۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۲۱۰ سے زیادہ افراد کو پنشن دیا گیا فی کس فی ماہ ۱۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے تک پنشن دیا گیا۔

کتابوں کا بورڈ

مغربی بنگال ریاستی بورڈ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ سطحوں پر بنگلہ میں مختلف موضوعات پر نصاب کی کتابوں کی تیاری تقسیم اور فروخت کا انتظام وہ کرے ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۱۴ نئی کتابیں شائع کی گئیں۔ ۲۰ کتابیں زیر اشاعت ہیں۔ ۳۰ کتابوں کے مسودے چھپائی کے لئے تیار ہیں۔

سائنس اور ریاضیات پر دو سہ ماہی رسالے شائع کئے جارہے ہیں اس بورڈ نے راکھال داس بنرجی کی رچناولی کی اور جتیندر ناتھ باگچی کی تصانیف کی اشاعت کا کام شروع کردیا ہے۔

تعلیمی انعامات

۱۹۸۲ء میں رابندرا میموریل، بنکم چندر میموریل اور ودیا ساگر میموریل انعامات عطا کئے گئے۔ موجودہ مالی سال میں بھی ایسے انعام دینے کے لئے حسب ضروری اقدامات کئے گئے ہیں شرت چندر میموریل انعام دینے کی ایک تجویز زیر غور ہے۔

مغربی بنگال اردو اکیڈمی کو خود اختیار ادارہ بنا دیا گیا ہے اسی طرح اکیڈمی بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔

رابندر رچناولی

رابندر رچناولی کا دوسرا حجم بھی شائع ہو چکا ہے۔ لیکن چند انتظامی دشواریوں کی وجہ سے ۸۳-۱۹۸۲ء میں مزید دو حجموں کو شائع نہیں کیا جا سکا بہرحال اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ تیسرے حجم کی اشاعت کا کام بہت ہی جلد مکمل ہوجائے گا۔

(مغربی بنگال ریاستی اسمبلی میں اپریل ۱۹۸۳ء کو ۸۴-۱۹۸۳ء کے لئے تعلیم کی بابت شری نرمل بوس، وزیر اعلیٰ تعلیم، شری کانتی بسواس، وزیر ابتدائی اور ثانوی تعلیم شری محمد عبدالباری، وزیر ریاست، برائے ابتدائی اور مدرسہ تعلیم اور شریمتی چھایا بیرا، وزیر ریاست، برائے سماجی تعلیم، غیر رسمی تعلیم اور لائبریری خدمات، نے بجٹ تقریریں کی تھیں۔ مذکورہ بالا مضمون ان کی تقریروں سے اقتباس ہے)

بلقیس شاہین

امراؤ جان ادا ایک شاہکار

انسان مدنی الطبع ہے وہ آپس میں ملنا جلنا پسند کرتا ہے یہاں تک کہ وہ جماعت میں جینا اور مرنا پسند کرتا ہے اسی لئے ایک انسان کو دوسرے انسان سے دلچسپی ہے۔ یہ دلچسپی ہر دور اور ہر مقام پر پائی جاتی ہے ادب کی بنیاد اسی دلچسپی پر قائم ہے۔

ناول، ادب کی ایک شاخ ہے جو ہماری زندگی کی مختلف گتھیوں کو سلجھانے میں مدد دیتی ہے ناول ایک صنف نثر ہے جس میں نفسیاتی دلچسپی، ڈرامائی تصادم اور پیچیدگی قرین قیاس کردار نگاری کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ واقفیت کا اثر پیدا ہو۔

امراؤ جان ادا ہی اردو کا ایک ایسا ناول ہے جو اس تعریف پر ہر طرح پورا اترتا ہے امراؤ جان ادا اردو ناول نگاری کا سنگ بنیاد ہے اور ہمیشہ مانی جائے گی۔ امراؤ جان ادا محض رسوا کا ہی شاہکار نہیں اردو میں فنی ناول نویسی کا شاہکار ہے۔ یہ ایک فنی چیز ہے اور مرزا رسوا کی فنکاری کا بہترین نمونہ ہے اس میں بظاہر کوئی دلچسپ بات دکھائی نہیں دیتی نہ کوئی سنسنی خیز واقعہ ہے اور نہ کوئی جاسوسی تلاش ہے۔ ایک طوائف کا سیدھا سادا حال ہے جو اس نے خود بیان کیا ہے۔

امراؤ جان کا پلاٹ نہایت درجہ سڈول اور خوبصورت ہے یہ ایک اردو کا پہلا ناول ہے جس میں پلاٹ کی تعمیر ہے اس ناول کا فارم (PICAREGUE) قسم کا ہے اور منظم و سادہ پلاٹ کی بہترین مثال ہے یعنی بس ایک مخصوص فرد امراؤ جان کو لے کر اس کی زندگی کے حالات گزرتے ہوئے زمانے اور بدلتے ہوئے ماحول کے ساتھ ساتھ دکھائے گئے ہیں۔ ساخت کے لحاظ سے امراؤ جان ادا پہلے تمام کارناموں پر فوقیت رکھتا ہے سارا ناول تنظیم باقاعدگی توازن حسن تشکیل کے اعتبار سے لاجواب ہے۔ واقعات میں ترتیب اور ربط اور ارتقا ہے وہ ایک فطری انداز لئے ہوئے ہیں۔ اردو شناختی کے احساس سے قطعی مبرا ہے۔ مجموعی حیثیت سے فنی ضبط اور احتیاط امراؤ جان ادا کی بہت نمایاں اور قابل تعریف خصوصیت ہے جہاں تک موضوع کا تعلق ہے امراؤ جان بظاہر ایک طوائف کی زندگی کا مرقع ہے اس کی خلوت نشینی، عالی دماغی اور اس کا سچا ادبی ذوق مشاعرے ہی میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلع ۔

کس کو سنائیں حال دل زار اے ادا
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی سرگزشت ضرور غیر معمولی اور دلچسپ ہوگی۔ امراؤ جان ایک طوائف تھی اب تائب ہو چکی ہے شعر و سخن کا ذوق رکھتی ہے۔ خود شاعرہ ہے۔ بچپن متوسط گھرانے میں گزرا۔ یہاں اس کا نام امراؤ جان نہیں کچھ اور ہے۔ دلاور خاں کی اس کے باپ سے دشمنی تھی۔ اسکے اس معصوم کو چہار دیواری سے نکال کر ایسی دنیا میں پھینک دیا جہاں دوزخ دہکتے ہیں اور فردوس خاموش ہیں۔

امراؤ جان کا موضوع زوال ہے زوال خاص معاشرت کا ہے رسوا اسی زوال کی تصویر دکھانا چاہتے ہیں زوال پذیر معاشرت کا مطالعہ کرنے کے لئے خانم کے نگار خانے سے بہتر کوئی اور منظر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ خاندان میں یہ بھیا نظر نہ آتے۔ لوابین کے ایوانوں میں چند جھلکیاں دکھائی دے سکتی تھیں مگر تصویر نا تمام رہتی اسکے لئے رسوا نے خانم کا مکان تلاش کیا۔

اس زمانہ میں خاص و عام کی تفریح کا کوئی ایسا نظام ایجاد نہ ہوا تھا جو ہمارے دور کی تفریح گاہوں میں اپنی معراج کو پہنچ چکا ہے لکھنؤ میں اس ضرورت کی کفیل یہی طوائفیں تھیں جن کے نگار خانوں میں احباب جمع ہوتے ادبی موضوعات پر بحثیں ہوتی تھیں شعر و سخن کے کمال دکھائے جاتے ... وصول کی جاتی۔ جام و مینا کے دور بھی چلتے۔ یہاں موسیقی کے علاوہ عرق و بخور منقلی اور

تھا۔ یہی تعلیم و تربیت کی تحصیل پر خاص زور دیا جاتا۔ طوائفیں شستہ زبان بولتیں، لب و لہجہ کی نزاکتوں میں طاق ہوتیں۔ ان لوگوں کے مرتبہ، منزلت اور مذاق پہچانتیں۔ نوابوں کے بچوں کی تربیت میں ان کا بڑا ہاتھ ہوتا۔ اگرچہ وہ محترم نہ تھیں مگر معتوب ہونے کے باعث انہیں شریف خواتین اور بیگمات حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھیں۔

اس دور کے انسانی اعمال چند رسموں کی پابندی تک محدود تھے بیشتر رسموں میں مجرا ایک ضروری جز کی حیثیت رکھتا تھا اسی لئے طوائفیں اور ڈومنیاں شریف خواتین کی محفلوں کی جان دایان بن گئی تھیں عزاداری جو ایک مذہبی فریضہ تھا اور جس میں حد درجہ متانت اور سنجیدگی لازم تھی اس میں بھی طوائفوں نے سوز و خوانی کے کمال سے فائدہ اٹھا کر دخل حاصل کر لیا اس طرح دنیا ہی نہیں آخرت بھی ان کے ہاتھ میں چلی گئی۔ زوال کے اثر سے ان طوائفوں کی صحبت سے مولوی، رند، امیر و غریب کسی کو عار نہ تھا۔ گویا طوائفیں ایک فصیح محاورہ تھیں جسے ہر شخص استعمال کر سکتا تھا۔ وہ ایک ایسی تلمیح تھیں جس نے قومی روایتوں میں ایک مقام حاصل کر لیا ہو بیسر دشکار میں سجی محفلوں میں، مذہبی رسومات میں ان کا ہونا ضروری تھا۔ یہ اس زمانے کا مکتب، اس زمانہ کا میکدہ اور محفل تھیں۔ خانم کے یہاں ہمیں اس کی سچی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ پڑھانے کے لئے مولوی، موسیقی سکھانے کے لئے بہترین استاد ہیں۔ ان کے ماحول کی جزئیات، اور ان کی بود و باش کو دیکھ کر ہم آسانی سے اس زمانے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کردار نگاری کے سلسلہ میں بھی رسوا کی ہوشیاری کم نہیں چاہیے۔ تخلیق قوت کچھ کم معلوم ہوا امراؤ جان ادا کا ہر کردار نہایت صاف نمایاں اور سڈول ہے۔ سب سے اہم کردار امراؤ کا ہے۔ تکنیک کے لحاظ سے یہ اردو میں کردار نگاری کی بہترین مثال ہے قسمت نے اسے طوائف تو بنا دیا لیکن فطری طور پر وہ طوائف نہیں وہ ادبی ذوق رکھتی ہے اور سیر حیات انسانی ہے وہ اپنی اس سلسلے کی دلچسپی یوں بیان کرتی ہے۔

مجھے تو اور کسی سے کام نہیں لوگوں کے چہرے دیکھنے کا شوق ہے خصوصاً میلے، تماشوں میں، خوش، ناخوش، مفلس، تنگ دست نا عاقل، عقلمند شریف، رذیل، سنجیدہ کنجوس کے چہروں سے یہ راز کھل جاتا ہے۔

پھر دوسرا کردار خانم کا ہے جس میں جمال کم اور جلال زیادہ ہے۔ وہ زمانے کی نبض سے واقف ہے مگر اس کا درد محسوس نہیں کرتی بلکہ اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ بلا کی زبردست قوت ارادی ہے۔ چند روایتی باتوں پر اعتقاد رکھتی ہے مگر اس اعتقاد میں جان نہیں وہ چند روایتی باتوں کو دہرا کر گناہوں کی تلافی کرتی ہے۔

ناول کا سب سے زندہ کردار بسم اللہ جان کا ہے خانم کی یہ تیز، خود غرض اور خوددار لڑکی نہایت کمال کے ساتھ پیش کی گئی ہے اس میں ایک خاص قسم کی بے مروتی اور معشوقانہ بے رحمی ہے ناول کے سب سے زوردار حصے وہی ہیں جہاں بسم اللہ اپنی پوری فطرت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ جب بسم اللہ ضعیف عالم فاضل چاہنے والے مولوی صاحب سے اپنی نیند رہا کو ڈانٹنے کا بدلہ لیتی ہے کہ قبا اتروا کر پیڑ پر چڑھنے کا حکم دیتی ہے وہ بھی بہت گہرا اثر رکھتا ہے پھر ایک دفعہ مولوی صاحب بسم اللہ کے پاس آتے ہیں اس کا حال سنئے۔

بسم اللہ (مولوی صاحب کو دیکھ کر) آٹھ دن سے کہاں تھے؟

مولوی صاحب۔ کیا کہوں ایسی تپ شدید لاحق ہو گئی تھی کہ بچنا محال تھا مگر تمہارا دیدار دیکھنا تھا اس لئے جانبر ہو گیا۔

بسم اللہ۔ واللہ اچھا ہوتا۔

مولوی صاحب۔ میرے مرنے سے آپ کو کیا نفع ہوتا۔

بسم اللہ۔ جی آپ کے عرس میں ہر سال جایا کرتے۔ گاتے، ناچتے لوگوں کو رجھاتے اور آپ کا نام روشن کرتے۔

اس ناول میں ہر قسم اور ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لوگ ہیں۔ رسوا انہیں بے لوثی سے دکھلاتے ہیں۔ آدمیوں کے بارے میں اس کا زاویہ نگاہ وہی ہے جو امراؤ جان کا ہے یعنی ہر بُرے آدمی بالکل بُرے نہیں ہوتے چنانچہ ان نوابوں میں جو ہر اعتبار سے ناکارہ ہوتے ہیں چند خوبیاں مل جاتی ہیں۔ نواب جعفر علی خاں اور نواب چھبن ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے دام میں گرفتار ہے رسوا ان خاکوں کے چہرے اس انداز سے دکھاتے ہیں تا محسوس طور پر مزاح میں بانکپن اور قاعدہ ابھر آتا ہے یوں تو عام طور پر ان خاکوں میں طنز ہے مگر جہاں بھی مولوی صاحبان کے خاکے ہیں وہاں اس رمز یہ طنز میں قیامت کا نکھار پیدا ہوتا ہے۔

ناول کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار بڑی حد تک اچھے مکالموں پر ہوتا ہے۔ مکالموں کے ذریعہ ہم کردار کو پہچانتے ہیں اور اس کی روح تک پہنچتے ہیں۔

میں زندگی کا دکھائے گئے ہیں ان کے ذریعے کردار کو زندہ کر لیتے ہیں مشکلات میں نہ صرف دکھاتے ہیں اور ان کے ذریعہ ماحول کو روشن کر دیتے ہیں گویا اداکی بیانات اور مکالموں کے درمیان نہایت لطیف توازن ہے۔

رسوا کے نزدیک منظر نگاری ایک خاص اہمیت رکھتی ہے وہ کہانی کے حصوں کو آراستہ کرنے چیزوں کو حقیقت کا رنگ دینے یا ناظر کے دماغ کو تازہ کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوتی۔ بلکہ اندرون میں کسی خاص فضا کو جگانے کے لئے کہیں کہیں استعارے کے طور پر لگائی گئی ہے کان پور کے بنگلے کا منظر ملاحظہ ہو۔

نہر کے کنارے باغ تھا باغ کی قطع بالکل انگریزی تھی۔ تھوڑی دیر میں چاند نکل آیا چاندنی پھیل گئی تالاب کے پانی پر مہتاب کا عکس عجیب کیفیت دکھا رہا تھا۔

جس وقت امراؤ جان گھر سے نکلتی ہے دلاور اسے بہلی میں ڈال کر روانہ ہوتا ہے اس وقت کا منظر یہ ہے۔

چاروں طرف اندھیرا تھا جاڑے کے دن تھے سناٹے کی ہوا چل رہی تھی میری بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی دم نکلا جا رہا تھا پھر دوسرے منظر جیسے عیش باغ کا میلہ جہاں جوان بچے بوڑھے اپنی زندگی کا نظارہ کرتے ہیں وہ منظر جہاں متوسط اور ادنی متوسط گھرانے کی تصویر نظر آتی ہے رسوا ان کا پھوہڑ پن، روایت پرستی گھر کی چار دیواری میں حکومت کا تصور اس صفائی سے دکھاتے ہیں کہ ان کتا فتوں میں جو پاکیزگی ہے اس پاکیزگی کو ہم آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں۔

امراؤ کی زندگی ایک نرم دریا کی طرح بہتی چلی جاتی ہے اس میں کوئی انقلاب نظر نہیں آتا نہ اسے کوئی منزل دکھائی دیتی ہے نہ وہ اپنے آپ سے فرار ہوتی ہے خودکشی اور خانقاہ کے علاوہ بھی کچھ مقامات ہیں اور امراؤ جان ان مقامات پر کہیں کہیں دکھائی دیتی ہے۔ (بشکریہ بہار کی خبریں)

سرکاری خبریں

کلمپونگ میں ادرک کی کاشت

ادرک کلمپونگ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کا ایک اہم زرعلہ ہے کیوں کہ ان علاقوں کے زرعی کسانوں کی آمدنی کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے فی الحال کلمپونگ سب ڈویژن میں ۲۰۰۰ ایکڑ قطعات آراضی میں سالانہ ۹۰۰۰ ٹن سے زیادہ ادرک پیدا کیا جاتا ہے لیکن پیداوار میں اضافہ کے باوجود کسانوں کو مناسب قیمت نہیں ملتی کیوں کہ بہت سارے درمیانی لوگ نفع کا زیادہ تر حصہ کھا جاتے ہیں گزشتہ سال کوآپریٹیو مارکیٹنگ سوسائٹی کے ذریعہ ادرک فروخت کرنے کے سلسلہ میں جو تجربہ ہوا اس سے یہ بات شاہد ہو جاتی ہے کہ کہ صارفین جن قیمتوں پر ادرک خریدتے ہیں ان کی ۵۰ فیصد رقوم درمیانی لوگوں کی جیبوں میں چلی جاتی ہے اس استحصال کو نیست و نابود کرنے کے لئے اور ادرک کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی ہمت افزائی کرنے کے سلسلہ میں کلمپونگ کے جامع علاقائی ترقیاتی پروجکٹ (سی اے ڈی پی) نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ ایک رہنما پروجکٹ کے طور پر کلمپونگ میں ادرک کو پیسنے کا ایک پلانٹ نصب کیا جائے کلکتہ میں علاقائی تنظامت کے قومی پیداوار کاونسل کی تیار کردہ ایک رپورٹ کے مطابق یہ پروجکٹ نہ صرف مالی لحاظ سے نفع بخش ہے بلکہ یہ بہت ساری معاشی مفادات جیسے ادرک اگانے والوں کے لئے ادرک کی اچھی قیمت، روزگار کے زیادہ مواقع کی فراہمی، ادرک کاشت کے لئے زرعی قطعات آراضی میں اضافہ، نقل و حمل کے اخراجات میں کمی وغیرہ بھی فراہم کرتا ہے مجوزہ پلانٹ میں روزانہ ۱۰۰ کیلو گرام خشک ادرک پاؤڈر تیار کرنے کی صلاحیت ہوگی۔ اور اس کے لئے ۶۰۰ کیلو گرام خام ادرک کی ضرورت ہوگی۔ ادرک پاؤڈر کی فروخت کا کام دارجلنگ پھل اور سبزی پروسیسنگ کوآپریٹیو سوسائٹی لمیٹڈ۔ اپنے مقبول تجارتی نام کے تحت کریگی۔ دارجلنگ میں پہاڑی امور شاخ سکریٹریٹ کے ترقیاتی اور منصوبہ بندی کے شعبہ نے اس پروجکٹ کے لئے ۵۶ء۲۲ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے ان میں سے ۳۱ء۱۰ لاکھ روپئے ضروری ساز و سامان اور مشین خریدنے کے لئے اور ۲۵ء۱۲ لاکھ روپئے بطور کام کرنے کے سرمایہ کے طور پر پروجکٹ ڈائرکٹر مغربی بنگال اجتماعی علاقائی ترقیاتی کارپوریشن کلمپونگ۔ I پروجکٹ کو قرض دیا گیا یہ ترتر پہاڑ ترقیاتی پروگرام کے تحت زرعی شعبہ میں ایک اہم پروجکٹ ہے۔

تیسری دُنیا اور اشتراکیتی طبقہ

دوسری عالمی جنگ کے اختتام کے بعد ایک اشتراکیتی طبقہ پیدا ہوا جس نے عالمی معاشی نظام میں سبھوں سے بڑی متحدہ عظیم طاقت کا لوہا منوالیا۔ جب پہلی عالمی جنگ چھڑی نہ تھی اس وقت تک ساری دنیا میں صرف چند سرمایہ دارانہ ملکوں کا تسلط تھا۔ انہوں نے جبراً ساری دنیا کو متعدد نوآبادیاتی علاقوں میں منقسم کر رکھا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے نوآبادیاتی علاقوں کے قدرتی وسائل کو لوٹا، مزدوروں کا استحصال کیا، حد سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کیا پھر اس سرمایہ سے صنعتیں قائم کیں اور اپنی صنعتوں کی مصنوعات کی فروخت کے لئے ان نوآبادیاتی علاقوں کو اپنے صنعتی بازاروں میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح اس طریقہ کار کے ذریعہ وہ سامراجیت کے دور میں داخل ہوئے۔ یعنی مالیاتی سرمایہ کا دور۔ سامراجی معاشی نظام کے اس دنیا کے استحصال کے شمار لوگوں پر تسلط کو ۱۹۱۷ء میں روس کے نومبر انقلاب کی فتح نے مسمار کر دیا۔ شاندار نومبر انقلاب نے اس کے ساتھ ہی زارشاہی مطلق العنانیت اور سامراجی معاشی نظام کی قدرت کاملہ کی خرافات کو نیست و نابود کر دیا اور ایک نیا معاشی نظام، اشتراکیتی معاشی نظام رائج کیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد کے عرصے بہت ساری قوموں کو نمودار ہوتے دیکھا گیا جنہوں نے معاشی نظام کو روبہ عمل لایا۔ اور اشتراکیتی ملکوں کو مستحکم بنایا۔

اشتراکیتی طبقہ کے عروج نے سامراجی معاشی نظام کو بنیاد سے ہلا کر رکھ دیا اس نے نوآبادیاتی ملکوں میں آزادی کی تحریکوں میں تیزی لانے اور بہت سارے ملکوں میں آزادی کی جد و جہد کو فتح سے ہمکنار کرانے میں کافی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

نیز اشتراکیتی ملکوں، جنہوں نے باہمی اخوت، امداد کے لئے باہمی معاشی امداد کا کونسل (سی ایم ای اے) نام کی اپنی معاشی تعاون تنظیم قائم کی ہے، میں تیز تر معاشی ترقی نے ان ملکوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ نوآزاد ملکوں کو امداد فراہم کر سکے۔ نوآزاد ممالک جو اپنے سابق مالک طاقتوں کی مدد کے بغیر اپنی معاشی آزادی اور سیاسی آزادی کو مستحکم بنانے کے خواہاں ہیں، اشتراکیتی طبقہ میں پرخلوص امداد پُر اعتماد دوست ملے۔

سی ایم ای اے ممالک اب ایک سو سے زیادہ ملکوں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں ان کے تعاون سے ترقی کی راہ پر گامزن ملکوں نے ۱۹۱۸ صنعتی پلانٹ نصب کئے ان میں سے ۳۰۰۰ پلانٹ کام کر رہے ہیں۔

اس امداد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ جو صنعتی پلانٹ تعمیر کئے گئے انہیں ترقی پذیر ملکوں نے بذات خود اپنے قومی منصوبوں کے مطابق منتخب کیا تھا دوسری بات یہ کہ سی ایم ای اے نے بنیادی صنعتوں کی جو امداد پانے والے ملکوں کو صنعت کے میدان میں خود کفیل بننے میں معاون ہوں گی، تعمیر کے لئے امداد فراہم کرنے میں کبھی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی

ایک اور اہم نقطہ یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک اپنے ملکوں میں اس طرح کے پلانٹس کے لئے اپنے ملک کے رائج الوقت سکے میں نہ کہ زر مبادلہ میں اس کی قیمت ادا کرتے ہیں۔ امداد دینے والے سوشلسٹ (اشتراکیتی) ممالک اس طرح جو رقوم پاتے ہیں انہیں وہ ان ملکوں کی تیار کردہ مصنوعات اور دیگر چیزوں کی خریداری پر صرف کر دیتے ہیں اس طرح اس اقدام سے ترقی پذیر ملکوں میں بہت سارے معاشی میدانوں میں سرگرمیاں تیز ہو جاتی ہیں اب ترقی کی راہ پر گامزن ممالک مغربی ملکوں سے امداد کی جگہ زیادہ سے زیادہ آلات اور مشین طلب کرتے ہیں۔

مغربی ممالک ترقی پذیر ملکوں کو امداد فراہم کرنے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس بات کی طرف دھیان نہیں دیتے کہ ان ملکوں سے جو امداد طلب ہے وہ اسٹیل پلانٹس، مشین سازی پلانٹس اور اسی طرح کے دیگر جدید پلانٹس جیسی بنیادی صنعتوں کے لئے نہیں ہوتی، کیوں کہ ایسے پلانٹس کی تعمیر سے امداد پانے والے ممالک بہت ہی جلد صنعت اور صنعتی میدان میں خود کفیل بن جائیں گے۔ ان ملکوں کی فراہم کردہ امداد تو امداد پانے والے ملکوں میں شرکتوں

کی تعمیر نقل و حمل کے نظام اور سماجی خدمات وغیرہ میں بہتری لانے کے لئے ہوتی ہے بلکہ امداد دینے والوں کی تیار کردہ چیزیں امداد پانے والے ملکوں میں تجارتی اور آسانی سے تقسیم و فروخت کی جا سکیں۔

مغربی ملکوں کی امداد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امداد پانے والے ممالک قرضوں کے بوجھ تلے دبتے چلے جاتے ہیں گرچہ ایسے ممالک بین الاقوامی بازاروں میں اپنے اپنے ملک کی تیار کردہ مصنوعات کو سستی قیمتوں پر فروخت کر کے زر مبادلہ کی صورت میں اپنے اپنے قرض کو ادا کرتے ہیں اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ترقی پذیر ممالک کو برآمدات کے لئے نسبتاً کم قیمتیں ملتی ہیں اور انہیں ترقی یافتہ ملکوں کی مصنوعات کی اپنے ملکوں میں فروخت کے لئے زیادہ قیمتیں دینی پڑتی ہیں۔

یہ بات تو اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ سن ۱۹۶۰ء میں ترقی پذیر ممالک مغربی ملکوں کے ۱۰ بلین ڈالر کے مقروض تھے لیکن سن ۱۹۷۰ء سے قرض کی رقم بڑھ کر ۱۰۰ بلین ڈالر ہو گئی اور آئندہ دہائی کے آخر تک یہ رقم بڑھ کر ۶۰۰ بلین ڈالر ہو جائے گی۔ ترقی پذیر ملکوں کو اب ۷ء۵ بلین ڈالر بطور سود ادا کرنا پڑتا ہے نیز بطور سود حاصل کردہ رقوم کے زیادہ تر حصے کو امداد دینے والے ممالک بطور نیا قرض ترقی پذیر ملکوں کو دیتے ہیں اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ترقی پذیر ملکوں کی مالی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے اور دوسری طرف مغربی ممالک امیر سے امیر تر بنتے جا رہے ہیں یہ بات تو بالکل عیاں ہے کہ یہ استحصال کا نظام ہے۔

مغربی ممالک اس بات کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ جن ملکوں کو وہ امداد فراہم کرتے ہیں ان ملکوں میں ان کی امداد سے تیار کردہ پلانٹ کی پوری یا جزوی ملکیت انہیں حاصل ہو جائے نیز وہ مزدوروں کی ہڑتال، نفع کو اپنے ملکوں میں منتقل کرنے کے سلسلے میں سیاسی تحفظ طلب کرتے ہیں کیوں کہ ہڑتال وغیرہ سے متعلقہ ملکوں کی سیاسی زندگی میں عام طور پر مداخلت ہوتی ہے لیکن سی ایم ای اے ممالک ایسے تحفظ کے متلاشی نہیں ہوتے کیوں کہ جن ملکوں میں ان کی مدد سے صنعتی یونٹیں قائم ہوتی ہیں وہاں ان یونٹوں کی ملکیت امداد پانے والے ملکوں کو دے دیتے ہیں۔

بہت سارے ترقی پذیر ملکوں میں سی ایم ای اے نے نئی نئی مصنوعات کی تیاری کے لئے نئے نئے مشینیں نصب کیں۔ ساتھ ہی سی ایم ای اے کی تکنیکی ماہرین اور انجینئر جنہوں نے ایسے پلانٹ کی تعمیر میں مدد کی ایسے ہنر کو امداد پانے والے ملکوں کے لوگوں کے ہاتھ منتقل کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سی ایم ای اے ممالک متعلقہ ملکوں کے اپنے اداروں میں اعلیٰ تربیت یافتہ افراد کی تربیت کا انتظام کرتے ہیں ایک تخمینہ کے مطابق سوشلسٹ ملکوں میں اب تک ۸۶۰۰۰ سے زیادہ افراد کو تربیت دی گئی اور ۱م طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں تعلیمی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

سی ایم ای اے کا ہر ممبر ترقی پذیر ملکوں کی بہترین طور پر مدد کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک چھوٹا سا ملک زیکوسلاواکیہ جہاں آبادی ۱ر۵ کروڑ ہے اس نے اب تک ہندوستان میں ۶۰ پلانٹس کی تعمیر کے کام میں مدد کی ہے ان پلانٹس میں بڑی بڑی مشینیں جیسے رانچی میں صفار خانہ یا مشین اور آلات سازی پلانٹ یا تیروچلاپولی میں ہائی پریشر بوائلرز پلانٹ وغیرہ شامل ہیں۔

اب عالمی طور پر اس بات کو قبول کر لیا گیا ہے کہ سی ایم ای اے سے ترقی پذیر ملکوں کو بطور اخوت جو امداد ملتی ہے وہ اقوام متحدہ میں اور نام نہاد شمال جنوب مکالمہ جیسے عالمی معاشی فورموں میں واجب قومی معاشی تعلقات کے لئے ترقی پذیر ملکوں کی جدوجہد میں مدد کر رہی ہے اس جدوجہد میں ترقی پذیر ممالک تمام سوشلسٹ ملکوں کی صرف زبانی تائید پر ہی نہیں بلکہ حقیقی اور ٹھوس معاشی امداد پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔

دارجلنگ میں اسٹیڈیم کی تعمیر

ریاستی حکومت نے تیز تر پہاڑی علاقوں کی ترقی کے پروگرام کے تحت ضلع دارجلنگ میں میزریل اسپرنگ میں ایک اسٹیڈیم کی تعمیر کے کام کو جاری رکھنے کے لئے ۲۷ر۸ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔

ٹیگور سوسائٹی کو عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے ٹیگور سوسائٹی برائے معاشی ترقی کو ضلع پرگنہ میں رنگابیلیا میں واقع اس کے مرکز صحت اور شفاخانہ کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۲۵ ہزار روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔



مغربی بنگال کے گورنر بی ڈی پانڈے کی اہلیہ حال ہی میں "بحالی ہندوستان" کے
موقعہ پر پہلا جھنڈا خریدتے ہوئے۔

MAGHREBI BENGAL
1st JUNE

Regd. No. WB/CC-82
Vol. 30 No. 11
PRICE-12 Paise



وزیر عدلیہ شری سید منصور حبیب اللہ حال ہی میں گریٹ ایسٹرن ہوٹل کلکتہ میں چین کے وکلاء
کے وفد کے سربراہ سے تحفہ لیتے ہوئے۔

Editor: D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ ۔ پربیتن بھٹاچاریہ

مدیر ۔ دھیریندرا ناتھ دت

مدیر معاون ۔ محمد اعظم

جلد ۳۰	۱۵ جون ۱۹۸۳ء	شمارہ ۱۲

شرح خریداری

قیمت ۔ ۱۲ پیسے فی پرچہ

سالانہ ۳ روپیے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳- آراین مکھرجی روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

۶ رجون ۸۳ء کو شیشیر منچ، کلکتہ میں رنگین ٹیلی ویژن پروگرام کے افتتاح کے موقع پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو
مرکزی وزیر ریاست شری ایچ۔ کے۔ ایل۔ بھگت کے ساتھ محو گفتگو۔

جاگیردارانہ سرمایہ دارانہ معیشت

معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے

وزیر اعلیٰ ــــ شری جیوتی باسو

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کلکتہ میں گذشتہ ۲۳ر اپریل کو منعقدہ سونار بانگلہ ۲۰۰۰ء کے سمینار میں اور اس کے ساتھ ہی بھارت چیمبر آف کامرس کے سالانہ عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک کی جاگیردارانہ ۔ سرمایہ دارانہ معیشت معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے ۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس کے علاوہ ناقص منصوبہ بندی نے علاقائی غیر متوازن صورت حال پیدا کردی ہے اور اس کی وجہ سے وسیع پیمانہ پر لوگ بدحالی کے شکار بن گئے ہیں ۔ وزیر اعلیٰ کی تقریر کا اختصار کے ساتھ متن درج ذیل ہے

میں آپ لوگوں کا مشکور ہوں کہ آپ لوگوں نے مجھے سونار ۔ بانگلہ ۲۰۰۰ء پر سمینار اور اس چیمبر کے سالانہ عام جلسہ میں شرکت کرنے کیلئے مدعو کیا ۔ سونار ۔ بنگلہ (سونے کا بنگال) کا تناظر بہت ہی جاذب نظر ہے اور اس کا خواب دیکھنا اور اس کے لئے کام کرنا کارآمد ہو سکتا ہے میرے خیال میں آخری تجزیہ میں ہماری معیشت میں ۔ زراعت اور صنعت دونوں کی ساخت اور بنیاد میں تبدیلی لاکر خواہ مغربی بنگال میں ہو یا سارے ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود کے لئے کام کیا جا سکتا ہے ۔

میں اس اجتماع میں ایسی معیشت کے بنیادی تصور پر بحث نہیں کرنا چاہتا ۔ صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جاگیردارانہ تعلقات اب بھی موجود ہیں اور ہمارے عوام کی خاص طور پر دیہی علاقوں میں غربت بڑھتی ہی جا رہی ہے ۔ اس لئے اتنی کثیر آبادی ہونے کے باوجود بازار کی حدود بہت ہی محدود ہیں ۔ بلاشبہ دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہماری صنعتی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئی ہے ۔ جاگیردارانہ نظام کے ساتھ مصالحت کر کے ایک خود انحصار معیشت کو فروغ دینے کی موجودہ کوششوں کو بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ۔ لیکن ایسی صورت حال میں بھی اور ایک مشترکہ معیشت میں اچھے نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں ، علاقائی عدم توازن کی روک تھام کی جا سکتی ہے ، امیر اور غریب میں فرق کو کم کیا جا سکتا ہے ۔

روزگار کے زیادہ مواقع پیدا کئے جا سکتے ہیں اور دولت کی کچھ حد تک مساوی تقسیم کی جا سکتی ہے اگر دیگر باتوں کے علاوہ چند ہاتھوں میں دولت اکٹھا ہونے کی روک تھام کی جائے ، اعتماد خودی کے مقاصد کو نہ دبایا جائے اور منصوبہ بندی میں امتیاز کی ناقص پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے ۔ صحیح معنوں میں اصلاحات آراضی کے اقدامات کو روبہ عمل لانے کی سیاسی رضا کی کمی کی وجہ سے کسانوں اور زرعی مزدوروں کی اپنی معاشی حالت میں بہتری لانے کے لئے پہل اور کوششوں پر زبردست دباؤ پڑتا ہے ۔ اس قسم کی تبدیلی لائے بغیر سبز انقلاب ، اگرچہ صرف تکنیکی طور پر بہتری کا نام ہے ، عوام کی حالت میں حسب خواہ حد تک بہتری نہیں لا سکتا ۔

میں حقیقت پسند ہوں لیکن قنوطانہ طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس شدید اور طویل معاشی بحران میں جس سے ہندوستان اور تمام سرمایہ دارانہ ممالک دوچار ہیں اور جس سے ہم لوگ بھی بہت حد تک وابستہ ہیں یہ تصور کرنا بھی مشکل ہے کہ ہم لوگ سونار ۔ بانگلہ کی مستحکم بنیاد تعمیر کرنے کے سلسلہ خاطر خواہ حد تک آگے بڑھ سکیں گے ۔ ان ریاستوں میں جہاں حالات میں نسبتاً بہتری ہوئی ہے ، وہاں معاشی منظر عوام کی بڑی اکثریت کے لئے تشفی بخش نہیں ہے ۔ بے روزگاری کے رجسٹروں میں بے روزگاروں کے نام میں اضافہ

سر

ہوتا جارہا ہے۔ اب مغربی بنگال میں رجسٹرڈ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی تعداد ۶۰ لاکھ سے زیادہ ہے اور سارے ہندوستان میں انکی تعداد ۲ کروڑ کے لگ بھگ ہے ایسے بھی بہت سارے لوگ ہیں جنہوں نے تبادلہ روزگار کے دفتروں میں اپنا نام رجسٹرڈ نہیں کرایا۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی بنگال اپنی موجودہ حالت کو کچھ حد تک سدھار سکتا ہے اور ریاستی اور مرکزی حکومتوں اور غیر سرکاری صنعتی اور کاروباری اداروں کی مشترکہ کوششوں کے ذریعہ اس صورت حال میں کچھ حد تک بہتری لا سکتا ہے۔ ہماری ان الجھنوں کی وجہ پر مناسب طور پر سوچ و بچار کرنا چاہیئے، ساتھ ہی اصلاحی اقدامات بھی کرنا ضروری ہے۔ چند اقدامات کا تو اس چیمبر نے ذکر کیا ہے۔ یہ تو مغربی بنگال کے لوگوں کا قصور نہیں ہے کہ وہ پیچھے کی طرف چلتے جا رہے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نہ صرف بنگال کو تقسیم کر دیا گیا اور اس کا صرف ایک تہائی حصہ ہم لوگوں کو ملا بلکہ سابق مشرقی پاکستان سے ۶۰ لاکھ سے بھی زیادہ پناہ گزین مغربی بنگال میں آ گئے۔ ہم لوگ اس مسئلہ کو حل کرنے کی حتی الامکان کوشش کر رہے ہیں۔ مزید برآں پڑوس کے ریاستوں میں ترقیاتی سرگرمیوں کی کمی کی وجہ سے بہت سارے محنت کش افراد کام اور رہائش کے لیے اس ریاست میں آ گئے۔ مرکزی حکومت اور منصوبہ تیار کرنے والے ان باتوں کی طرف خاص دھیان بھی نہیں دیتے۔ چند صنعت کار بھی، جنہوں نے اس ریاست میں سرمایہ کاری سے کافی نفع کمائے ہیں، اس ریاست سے اور یہاں کے محنت کش لوگوں سے غفلت برتتے ہیں ایک نہ ایک بہانہ کر کے اور بعض اوقات مرکز اور مالی اداروں کی ہمت افزائی سے انہوں نے سرمایہ کاری کے نئے مراکز کی تلاش کی۔ اس کے ساتھ ہی جائے وقوع کے لحاظ سے مغربی بنگال اور بہار کو کچھ سہولتیں حاصل تھیں، لیکن اسپات اور کوئلہ کے مساوی کرایہ کی پالیسی نے ان سہولتوں کو نفی میں تبدیل کر دیا۔ ہمیں اس کے عوض کنٹرولڈ قیمتوں میں خام اشیاء بھی فراہم نہیں کی گئیں۔ پاٹ اور اعلان کردہ دیگر چیزوں پر سیلس ٹیکس عائد کرنے کے سلسلہ میں ہمارے اختیارات محدود ہیں اور ہمارے وسائل اکٹھا کرنے کے کام پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑا۔ اس چیمبر نے اس ریاست کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی کے سلسلہ میں چند اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔ کیا میں دو چار باتوں کا ذکر کروں؟ ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء تک آئی ڈی بی آئی کے منظور کردہ قرض کی علاقہ وار تقسیم درج ذیل ہے۔

علاقہ	روپے کروڑ میں
شمالی مشرقی علاقہ	۷۱/۶۳
مشرقی علاقہ	۵۴۰/۱۳
شمالی علاقہ	۷۱۷/۱۴
مرکزی علاقہ	۵۲۶/۸۷
مغربی علاقہ	۷۳۲/۱۹
جنوبی علاقہ	۱۴۷۷/۲۵

ریاستی سطح پر یہ تصویر بہت ہی عبرت انگیز ہے۔ مغربی بنگال کو ۲۹۹/۵۷ کروڑ روپیئے بطور قرض ملے تو مہاراشٹر کو ۱۲۴۱/۵۹ کروڑ روپیئے اور گجرات کو ۹۱/۶۸۷ کروڑ روپیئے۔

یہ عجیب بات ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ مغربی بنگال میں کوئی جدید صنعت قائم نہیں کی گئی گرچہ یہاں لیاقت اور ہنر کی کمی نہیں ہے۔ مرکز کے تحت درگاپور اسٹیل پلانٹ میں توسیع کا جو کام کیا گیا اس سے ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور اس سے جو معاون چھوٹی چھوٹی صنعتیں ہیں ان کی بھی ہمت افزائی نہیں کی جاتی۔ مغربی بنگال میں پیٹرو کیمیکل اینڈ الیکٹرونکس صنعتوں، جہازوں کی مرمت کے کارخانے، مزید دفاعی یونٹوں، ادویہ تیار کرنے والی یونٹوں، ہلدیہ میں تیل صاف کرنے کی کارخانہ میں توسیع وغیرہ کے لیئے ہم لوگوں کو اب بھی مرکزی حکومت کے فیصلہ کا انتظار ہے۔ یہ ہماری دلی خواہش ہے کہ دیگر ریاستوں میں بھی صنعتی ترقی ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی خواہش مند ہیں کہ اس ریاست میں چند صنعتوں کی تو تعمیر اور جدت کاری بھی لازمی ہے کیونکہ انہیں مسابقتی میدان میں رکھنے کے لیے ان کی منصوبہ بند ترقی ضروری ہے۔

پاٹ اور چائے کی صنعتیں، جن سے مرکز کو کافی فائدہ ہوتا ہے، آج کل بدحالی میں مبتلا ہے۔ لیکن ان کے مسائل کو سنجیدگی سے حل کرنے کی کوششیں نہیں کی جاتیں۔ پاٹ اگانے والوں اور پاٹ اور چائے کی صنعتوں کے مزدوروں کو مرکز اور مالکوں سے محنت کا مناسب معاوضہ نہیں ملتا۔ چائے باغات کو خون چوس کر سفید بنا کر چھوڑ دیا گیا۔ پاٹ صنعت کے مالکان جان بوجھ کر تالہ بندی کراتے ہیں۔ کم سے کم مزدوروں سے انتہائی حد تک پیداوار میں اضافہ کا انتظام کیا گیا۔ لیکن مزدوروں کی فلاح و بہبود کا کچھ خیال نہیں رکھا گیا۔ لمبے عرصہ تک بات چیت کے ذریعہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۳ء تک ۱۴ لاکھ روپیہ میں

تالابندی کو ختم کر دیا گیا اور مل چالو ہو گئے۔

لیکن اب بھی تالابندی کے ۱۰ اکیس میں اور ان سے ۳۸۰۰۰ مزدور اور کارکنندگان بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ تین ملیں ہیں جو مستقل طور پر بند ہو چکے ہیں اس جلسہ اور سیمنار کے مہتمم نے بہت ساری صنعتوں کی بیماری کی جو وجوہ بتائیں ہیں۔ ان سے میں پورے طور پر اتفاق نہیں کر سکتا۔ ہم لوگوں نے جو جائزہ لیا ہے اس سے یہ باتیں عیاں ہو گئی ہیں کہ یہ صنعتیں مزدوروں کے مسائل کی وجہ سے نہیں بلکہ بدعنوانی اور نااہل انتظامیہ کی وجہ سے بیمار ہوئی ہیں۔ مالی اداروں اور بینک نے، جو ان صنعتوں کو مالی وسائل فراہم کرتے ہیں، ان صنعتوں کے بیمار ہونے کے قبل تک، ان کے اُمور کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا۔

ہم لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اس صورت حال کے ذمہ دار ٹریڈ یونین ہیں۔ جیسا کہ چند لوگوں کا خیال ہے۔ درحقیقت ہم لوگ ٹریڈ یونین کو خاص طور پر طبقات میں بٹے ایک سماج میں لازمی اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے ہڑتال کرنے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن جب سمجھوتہ کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تب ہی وہ ہڑتال کو آخری ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ یہاں بھی خاص طور پر، چونکہ حکومت محنت کشوں کی دوست ہے اور انہیں ہر ممکن امداد فراہم کر رہی ہے، مزدوروں کو مستحکم صنعتی رشتوں کو برقرار رکھنے میں دلچسپی لینی چاہیئے اور معاہدوں کے مطابق مستعدی سے کام کرنا چاہیئے۔ ہم لوگ بات کے ذریعہ معاہدہ کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم جائز ہڑتال کی تائید کرتے ہیں۔ ایک اچھی بات یہ رونما ہوئی ہے کہ ان علاقوں میں جو کبھی پسماندہ تھے، اور مختلف ریاستوں میں ٹریڈ یونین مالکوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کر رہے ہیں۔ اس طرح سرمایہ کے فرار اور محفوظ علاقوں کی باتوں کی اہمیت کم ہو گئی ہیں۔

میں آپ لوگوں کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ گرچہ ہماری زراعت پسماندہ ہے اور بہت ساری دشواریوں کی شکار ہے۔ تاہم اس حقیقت کے باوجود کہ ہمارے اصلاحات آراضی کے قوانین کو روبہ عمل لانے میں تاخیر ہو رہی ہے یا انہیں مرکز نے ابھی تک اپنے پاس رکھا ہے، ہم زرعی مزدوروں اور عام کسانوں کے مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ہم نے کامیابی کے ساتھ فاضل قطعات آراضی کو بے زمین غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کیا، برگداروں کی حفاظت کی اور اس بات کا خیال رکھا کہ زرعی مزدوروں کو کم سے کم اجرت ملے بشرطیکہ ان لوگوں نے سال میں ۶؍ مہینے کی جگہ ۹؍ مہینے کام کیا ہے چند بینکوں کو راغب کیا گیا کہ وہ ان کسانوں کو قرض فراہم کریں۔ ۱۴؍ سال کے بعد منتخب ہونے والی پنچایتوں نے مضافاتی لوگوں کے ضمیر کو بیدار کرنے میں اور ترقیاتی سرگرمیوں میں کافی اہم اور پرجوش اقدامات کیئے۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح مغربی بنگال میں بھی ۱۹۷۸ء کے زبردست سیلابات اور اس کے بعد دو برسوں میں خشک سالی کا زراعت پر بہت برا اثر پڑا۔ اس سال کے آئندہ مہینے بارش کے شروع ہونے تک بہت ہی اہم ہیں۔ ہم لوگوں کو حکومت ہند کی امداد کا انتظار ہے اور میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے "خشک سالی امداد فنڈ" میں عطیات دیئے اور میں ان لوگوں سے اپیل کرتا ہوں جنہوں نے اب تک اس فنڈ میں عطیات نہیں دیئے۔

تمام ریاستیں بجلی بحران سے دوچار ہیں۔ اس کی وجہ ہے ناقص منصوبہ بندی اور ناکافی سرمایہ کاری۔ ہمارا شہر میں بھی آج صنعتوں میں بجلی کی سپلائی ۳۵ فیصد کم ہو گئی ہے۔ بلا شبہ یہ بات ہمارے لئے باعث راحت نہیں ہے۔ ہماری ریاست میں بھی بجلی کی صورت حال بہت ہی سنگین ہے۔ بنڈیل بجلی گھر کی کارکردگی کم و بیش اچھی ہے۔ جلدھاکر پروجیکٹ یونٹ بھی اپنا کام اچھی طرح انجام دے رہا ہے، لیکن سنتالڈیہہ یونٹ، جس کی صلاحیت ۴۸۰ میگاواٹ ہے، کی کارکردگی مایوس کن ہے۔ ہم لوگ اس صورتحال کا ازسرنو جائزہ لے رہے ہیں۔ کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (سی ای ایس سی) کی کارکردگی حسب معمول اچھی ہے۔ ڈی وی سی کی کارکردگی میں بہتری ہوئی تھی، لیکن ایک بار پھر یہاں سست رفتاری پیدا ہو گئی ہے اور ہماری سپلائی میں کمی ہو گئی ہے۔ ڈی پی ایل اپنی بہتر کارگذاریوں کو آگے بڑھائے گا۔ ہم لوگ مزید تاخیر کی روک تھام کرنے کے لئے کولاگھاٹ پروجیکٹ کا جائزہ لینے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے ایک بار پھر صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ بنڈیل میں ۲۱۰ میگاواٹ کا یونٹ اور سی ای ایس سی کے ۶۰ میگاواٹ کا ایک یونٹ چالو کر دیا گیا ہے۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ موجودہ مالی سال میں سی ای ایس سی کے ۶۰ میگاواٹ والے تین یونٹ چالو کر دیئے جائیں گے۔ کولاگھاٹ کے ۲۱۰ میگاواٹ والے ایک یونٹ اور درگاپور پروجیکٹ کے ۱۱۰ میگاواٹ والے یونٹ کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔ سنتالڈیہہ میں دو اور یونٹ قائم کرنے کی تجویز حکومت ہند سے

زیر غور ہے۔ حال ہی میں میں نے مرکزی وزیر ریاست برائے توانائی، غری چندر شیکر سنگھ سے بات چیت کی اور انہوں نے مجھے اس بات کا یقین دلایا کہ بجلی پروجیکٹ سمیت بیا پروجیکٹ، جو ضلع بانکوڑا میں واقع ہے، جو حکومت ہند کے زیر غور ہے بہت ہی جلد مرکز کی منظوری حاصل ہو جائے گی۔ فراکا پروجیکٹ پر کام جاری ہے۔ بجلی کے سلسلہ میں ایک دس سالہ پروگرام کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے ایک منصوبہ بندی کمیٹی قائم کی۔ جسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اس بات کا تخمینہ کرے کہ ہمیں مستقبل میں کتنی بجلی کی ضرورت ہوگی۔ اور اس ضرورت کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ حکومت ہند اس کمیٹی کی تجویز پر غور و خوض کرے گی، ورنہ بجلی کے پروجیکٹوں کو تسلیم کرنے اور اس کے لئے سرمایہ کاری کا موجودہ رجحان ہے، اس کے پیش نظر آئندہ دس برسوں میں بھی بجلی کی جو مانگ ہوگی، اسے پورا کرنا ایک طرح سے ناممکن ہو جائے گا۔ گرچہ مشرقی علاقہ کی آبادی ملک کی پوری آبادی کی ۲۰ فیصد ہے۔ لیکن اس علاقہ کی صلاحیت بجلی پیدا کرنے کی مجموعی تنصیبی صلاحیت کی ۱۶ فیصد سے بھی کم ہے۔ ۱۹۵۰ء میں مشرقی علاقہ میں تنصیبی صلاحیت سب سے زیادہ تھی اور ۱۹۸۰ء میں سب سے کم ہے۔

حال ہی میں اس ریاست کے بعض شعبوں میں صنعتی احیار نو کے آثار نظر آ رہے ہیں ۱۹۸۲ء میں صنعتوں کے لئے ریاستی حکومت نے ۳۸۰ درخواستوں کی سفارش کی تھی لیکن ان میں سے ۹۲ کو صنعتی منظوری ملی۔ سال رواں میں ۳۲ منظور شدہ صنعتی پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا اور ان کے لئے مجموعی طور پر ۴۴ کروڑ روپے بطور سرمایہ کی ضرورت ہوئی۔ حال ہی میں جن بڑے بڑے پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا ان میں سے چند درج ذیل ہے۔ ہلدیہ میں شاو ولیس کا جراثیم کش ادویہ یونٹ، مغربی بنگال فائیلامنٹس اینڈ لیمپس لمیٹیڈ کا ٹنگسٹن فائیلامنٹس یونٹ، ویبل ٹیلی ویژن لمیٹیڈ کا ٹی۔ وی۔ ریسیور اور مغربی الکٹرونکس صنعت ترقیاتی کارپوریشن کا مینی کمپیوٹرس وغیرہ۔ المونیم کی مصنوعات اور سمنٹ وغیرہ تیار کرنے کے لئے مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن نے سمنٹ کارپوریشن آف انڈیا کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ سیکٹر قائم کرنے کے سلسلہ میں حسب ضروری اقدامات کو آخری شکل دے دی ہے۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے ــــــــــــ

ـــــ مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے ۲۶ پروجیکٹوں، جن کے لیے ۱۷٫۷۶ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کی گئی، کی تکمیل کا کام ۱۹۸۳ء میں مکمل ہو جائیگا۔
۶

اور ۱۹۸۴ء میں اس طرح کے اور ۲۰ پروجیکٹوں (سرمایہ ۱۵٫۲۷ کروڑ روپے) کو بھی پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے گا۔ اس طرح مغربی بنگال فارماسوٹیکل اینڈ فائیٹو کیمیکل کارپوریشن نے اپنے بہت سارے پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے اقدامات کئے ہیں مثلاً اس کارپوریشن نے بنیادی ادویہ اور کیمیاوی اشیاء تیار کرنے کے سلسلہ میں کلیانی کے بہت اچھے قطعات آراضی فراہم کئے۔ نیز اس نے یہاں آمد و رفت کی اور دیگر سہولتوں میں بھی بہتری کی۔ نئے نئے دواساز یہاں اپنا اپنا پلانٹ نصب کر سکتے ہیں اور دواسازی کا کام شروع کر سکتے ہیں۔ مغربی بنگال الکٹریک ترقیاتی کارپوریشن نے چھ امدادی یونٹیں قائم کیں۔ نیز اس کارپوریشن نے سالٹ لیک، کلکتہ میں الکٹرونک کی مختلف مصنوعات تیار کرنے کے لئے بہت سارے پروجیکٹوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ سالٹ لیک میں اس صنعت کے لئے ۴۹ ایکڑ قطعات آراضی ہیں۔ فلپس بھی سالٹ لیک میں ایک نیا الکٹرونکس یونٹ قائم کر رہا ہے، اور انڈین آئل کارپوریشن اور خاتمز کلیانی میں ادویہ سازی اور کیمیاوی اشیاء تیار کرنے کی یونٹیں قائم کر رہے ہیں۔

ریاستی حکومت نے نئی صنعتوں کی ہمت افزائی کرنے کے لئے ایک اسکیم ۱۹۷۵ء میں رائج کی تھی۔ یہ اسکیم پانچ سال کے عرصہ کے لئے تھی۔ اب حکومت نے بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کے لئے ہمت افزائی کی ایک نئی اسکیم مرتب کی ہے یہ اسکیم بھی پانچ برسوں کے لئے ہے اور مارچ ۱۹۸۸ء تک رائج رہے گی۔ ۱۹۷۵ء کی اسکیم کی تکمیل میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، اس نئی اسکیم میں انہیں دور کر دیا گیا۔ نیز نئی اسکیم میں اس ریاست کے پسماندہ علاقوں میں صنعتی توسیع اور افزائش کی مزید رعایت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ چونکہ ہم لوگ اس ریاست میں الکٹرونکس اور ادویہ سازی صنعتوں کی ترقی کے خواہاں ہیں، اس لئے ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان صنعتی یونٹوں کو، جو ترقی یافتہ علاقوں میں واقع ہیں اس ریاست کے پسماندہ علاقوں میں اپنی اپنی صنعت کی نئی نئی یونٹیں قائم کرنے کے لئے ہمت افزائی اسکیم کی سہولتیں فراہم ہونگی۔ موجودہ اسکیم کے تحت الکٹرونکس اور ادویہ سازی صنعتوں کے لئے ریاستی پبلک سیکٹر یونٹوں اور مرکزی پبلک سیکٹر یونٹوں کو ایسی سہولتیں فراہم ہونگی۔ ریاستی حکومت نے ایک اعلیٰ اختیار تال میل کمیٹی قائم کی۔ مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے چیرمین اس کمیٹی کے سربراہ ہیں۔ اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام دیا

گیا ہے کہ وہ چھان بین کرنے والی یونٹ کی سفارش پر چھوٹے چھوٹے کاروباریوں کو جو مسائل درپیش ہیں، انہیں حل کرنے کے لئے وہ جلد از جلد فیصلہ اور اقدامات کرے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس اعلیٰ اختیار تال میل کمیشن کے فرائض کیا ہیں۔ اس سلسلہ میں کاروبار اور صنعت شعبہ نے چیمبر آف کامرس کے سامنے اس بات کی وضاحت کر دی۔

چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے لئے ایسی ہمت افزائی اسکیمیں مرتب کی گئی ہیں کیونکہ ایک طرف تو بڑے پیمانہ کی صنعتوں کی ہمت افزائی کرنا لازمی ہے تو دوسری طرف چھوٹی صنعتوں کو بھی بڑھاوا دینا چاہیئے تاکہ چھوٹی صنعتیں زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع میں توسیع کر کے خود اعتمادی اور مساوی سماجی نظام قائم کرنے کے نشانہ کو پورا کیا جا سکے۔ چھوٹے پیمانہ کے صنعت کاروں کی اس سلسلہ میں مدد کرنے کے لئے کہ انہیں مناسب وقت کے اندر اپنی یونٹیں قائم کرنے کے لئے ضروری سہولتیں فراہم ہو جائیں، ریاستی حکومت نے پچیم بنگو کھودرا شیلپو سہایا، ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ادارہ کے کام کا ہفتہ داری جائزہ لیا جائے گا پھر چھوٹی صنعتوں کے لیے اعلیٰ اختیار کمیٹی ماہوار جائزہ کرلے گی۔ امید ہے کہ ایسے اقدامات سے حسب خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔

چونکہ وزیر ریاست برائے صنعت آج یہاں موجود ہیں، میں ان کے سامنے اور ان کے ذریعہ شری تیواری کے پاس، جو آج اتفاقاً موجود نہ رہ سکے، ایک اور سوال اٹھانا چاہتا ہوں جو ہمارے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ جیسا کہ میں نے اس سے قبل ذکر کیا تھا، اس ریاست میں بہت ساری "بیمار" صنعتیں ہیں، اور ان میں چند صنعتوں کے انتظامیہ کی ذمہ داری مرکزی حکومت نے اور چند صنعتوں کی ریاستی حکومت نے لی ہے۔ ان میں چند یونٹوں میں احیاء نو کے آثار رونما ہوئے ہیں، لیکن باقی یونٹوں کی صورت حال تشفی بخش نہیں ہے۔ ریاستی حکومت نے ۱۳ صنعتی یونٹوں کے انتظامات کی ذمہ داری سنبھالی، لیکن اب ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان میں سے یونٹوں کو قومیا لیا جائے کیوں کہ یہ سب اب بیماری سے شفایاب ہوئے ہیں یا شفایابی کی راہ پر گامزن ہیں۔ باقی چھ صنعتوں کی احیاء نو کے لئے ہم اپنی کوششوں کو جاری رکھیں گے۔ دیگر صنعتی یونٹوں کے سلسلہ میں، جن کی ذمہ داری حکومت ہند نے لی ہے۔ ہماری یہ درخواست ہے کہ انہیں مرکزی حکومت قومیا لے۔ چند یونٹوں کے، جیسے انچیک ٹائیر، نیشنل ربر مینوفیکچر لمیٹیڈ، ہگلی ڈوکنگ اینڈ انجینرنگ کمپنی لمیٹڈ وغیرہ، کو قومیانے کی تجویز عرصہ سے زیر غور پڑی ہوئی ہے۔

ان یونٹوں کے قومیانے میں تاخیر کی وجہ سے مزدوروں کے درمیان مایوسی کی فضا پھیل رہی ہے۔ ایک اور پریشان کن رجحان نمودار ہوا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مرکزی حکومت چند یونٹوں کی ذمہ داریوں سے خود کو دست بردار کر لینے کا یا ایسے یونٹوں کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر رہی ہے۔ کارٹر پولر اینڈ کمپنی اس کی ایک مثال ہے۔ اگر مرکزی حکومت یونٹوں کی ذمہ داریوں سے خود کو دست بردار کر لینے کا یا ایسی یونٹوں کو ختم کر دینے کا فیصلہ کرے تو ایسی حالت میں ان یونٹوں میں برسر روزگار ملازمین کا کیا ہوگا۔ اس کی وجہ سے اس ریاست کو مزید بیروزگاروں کا بوجھ برداشت کرنا پڑے گا۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ ریاستی حکومت سے مشورہ کئے بغیر مرکز ایسا سخت فیصلہ نہ کرے۔ ایسی یونٹوں کو صحت مند بنانے کے لئے اصلاح کن اقدامات کرنے چاہئیں۔

آخر میں میں اپنے اس خدشہ کا اظہار کرتا ہوں کہ ہندوستان کے چند علاقوں میں کثرت میں وحدت، کو خدشہ لاحق ہو گیا، مجھے امید ہے کہ آپ لوگ بھی اس تشویش میں میرے شریک ہیں۔ میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ مرکز ریاست تعلقات کے سلسلہ میں ہمارے جو خیالات ہیں ان پر غور و خوض کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے آٹھویں مالیاتی کمیشن کے پاس اپنی رپورٹ داخل کی ہے۔ مرکز۔ ریاست تعلقات پر ہمارے ۱۹۷۷ء کے دستاویز میں سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"مرکز۔ ریاست تعلقات کا مسئلہ تبدیل شدہ سیاسی حالات میں ایک نئی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے اس ملک کی مختلف ریاستوں میں اور مرکز میں مختلف پارٹیاں برسر اقتدار ہیں۔ یہ تو لوگوں کی جمہوری تمناؤں کا جزو ہے کہ وفاقی اصولوں کو صحیح طور پر سمجھا جائے اور انہیں رائج کیا جائے یہ کثیر پارٹی جمہوری نظام قائم و دائم رہے"۔

/ ^ x

غزل

ساحر لدھیانوی

توڑ لیں گے ہر اک شئے سے رشتہ توڑ دینے کی نوبت تو آئے
ہم قیامت کے خود منتظر ہیں، پر کسی دن قیامت تو آئے

ہم بھی سقراط ہیں عہدِ نو کے، تشنہ لب ہی مر جائیں یارو!
زہر ہو یا مئے آتشیں ہو، کوئی جام شہادت تو آئے

ایک تہذیب ہے دوستی کی، ایک معیار ہے دشمنی کا
دوستوں نے مروت نہ سیکھی، دشمنوں کو عداوت تو آئے

رند رستے میں آنکھیں بچھائیں، جو کہے بن سنے مان جائیں
ناصحِ نیک طینت کسی شب سوئے کوئے ملامت تو آئے

علم و تہذیب، تاریخ و منطق، لوگ سوچیں گے ان مسئلوں پر
زندگی کے مشقت کدے میں کوئی عہدِ فراغت تو آئے

کانپ اٹھیں قصرِ شاہی کے گنبد، تھرتھرائے زمیں معبدوں کی
کوچہ گردوں کی وحشت تو جاگے، غمزدوں کو بغاوت تو آئے

"تعلیم ہر شخص کا پیدائشی حق ہے"

—— شری کانتی بسواس، وزیر ابتدائی وثانوی تعلیم

حال ہی میں دلی میں مرکزی تعلیمی مشاورتی کمیٹی کی ایک نشست ہوئی جس میں مختلف ریاستوں کے وزرا تعلیم نے شرکت کی۔ مغربی بنگال کے وزیر ابتدائی وثانوی تعلیم شری کانتی بسواس نے بھی اس نشست میں شرکت کی۔ نشست میں انہوں نے جو تقریر کی اس کا خلاصہ درج ذیل ہے

خوشی اور خوشحال زندگی کے لیے ہر دور میں اور ہر ملک میں تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بہت سارے ماہرین تعلیم نے بھی اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے میں یہاں ہمارے ملک کی تعلیمی صورت حال کی طرف آپ لوگوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آزادی کے ۴۶ سال کے بعد بھی ہمارے ملک میں ۶۴ فیصد لوگ تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ ہندوستان کی آبادی ساری دنیا کی آبادی کی ۱۵ر فیصد ہے، لیکن ان پڑھ لوگوں میں ہماری تعداد ۵۰ فیصد ہے۔ کیا یہ بات ہمارے لئے باعث شرم نہیں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ صرف تعلیم، تعلیم چیخنے سے سب لوگ تعلیم حاصل کرنے لئے تعلیمی مراکز میں نہیں آئیں گے، کیونکہ تعلیم، سماجی، معاشی زندگی سے الگ نہیں ہے۔ جس ملک میں ۴۰ فیصد زیادہ لوگ غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی گذار رہے ہیں وہاں کتنے لوگوں کیلئے تعلیم حاصل کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک میں بچوں کی تعداد ایک کروڑ تھی۔ اگر اس تعداد میں زرعی بچے مزدوروں کو بھی شامل کیا جائے تو بچوں کی کل تعداد ۸ کروڑ ہوگی۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں اتنے بچے مزدور نہیں ہیں۔ ایسی صورت حال میں اگر ایسے بچوں کی تعلیم کا ذکر کریں تو کیا یہ مذاق نہیں ہوگا۔ اگر سیاسی نیک خواہشات ہوں تو ان مشکلات میں بھی ہم تعلیم کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ آزادی کے قبل کے دنوں کی بات میں نہیں کہتا، لیکن آزادی کے بعد بہت سارے تعلیمی کمیشن تیار کئے گئے اور انہوں نے بہت ساری اہم سفارشات کیں۔ بہت سارے ماہرین تعلیم کی بہترین تجاویز بھی ہمارے پاس ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تعلیم کو اتنی بدحالی کا کیوں شکار ہونا پڑا؟ ہم جادو منتر سے نظام تعلیم میں بہتری نہیں لا سکتے۔ اس کے لئے ضروری ہے ثمرآور منصوبہ اور اس کی پرخلوص تکمیل، اس کام کے لئے مواقع بھی فراہم کرنے ہونگے۔ ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے منصوبے کے مطابق قومی منصوبہ میں تعلیم کی مد پر کل اخراجات کی ۱۰ فیصد رقم مختص کرنی ضروری تھی۔ وزیراعظم آنجہانی شری جواہر لال نہرو اور سابق صدر ہند آنجہانی ڈاکٹر رادھا کرشنن پر مبنی کانگریس نے جو تعلیمی کمیشن قائم کیا تھا، اس نے بھی یہ سفارش کی تھی کہ مرکزی بجٹ میں تعلیم کے لئے کل اخراجات کی ۱۰ فی صد رقم مختص کی جائے۔ موجودہ منصوبہ بندی کمیشن کے ایک ممبر پروفیسر مینن نے اس سبھا میں اپنی دلی رنجش کا اظہار کیا کہ اتنے دنوں کے بعد بھی منصوبہ بندی کمیشن نے تعلیم کو نہ اہمیت دی اور نہ حسب ضروری ترجیح۔ پہلے پنج سالہ منصوبہ میں تعلیم کے تحت کل اخراجات کی ۷ر ۷ فی صد رقوم مختص کی گئیں۔ بعد میں اس رقم میں کمی کرتے کرتے چھٹے منصوبہ میں یہ رقم ۲ر۲ فی صد ہو گئی۔ معتبر ذرائع کی ایک خبر کے مطابق یہ رقم اور بھی کم ہو کر ۱ر۱ فی صد ہو جائیگی۔

عزت مآب دوست جانتے ہیں کہ گذشتہ سال مرکز کی بجٹ میں اخراجات کا تخمینہ ۲۸۰۰۰ کروڑ روپیہ تھا اور اس میں تعلیم کے لئے صرف ۳۶۰ کروڑ روپئے مختص تھے۔ موجودہ سال میں مرکزی حکومت کی بجٹ میں اخراجات کا تخمینہ بڑھ کر ۳۵۰۰۰ کروڑ روپئے ہو گیا ہے۔ لیکن تعلیمی بجٹ کم ہو کر ۳۴۴ کروڑ روپئے کا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان پڑھ لوگوں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اس طرح ایسی صورت حال میں مرکز کی ہمدردی کی کون سی

تصویر نمایاں ہو رہی ہے۔ میں تو بہت سارے ممالک کی مثالیں پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن [illegible] کو کہیں [illegible] نہیں کر سکتا [illegible] لوگوں سے کیا کہیں گے؟ نیپال جیسے نیم ترقی یافتہ ملک میں مرکزی بجٹ میں تعلیم کے سلسلہ میں کل اخراجات کے ۸ فیصد خرچ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ برخلاف اس کے ہمارے ملک میں مرکز ۹۹ر۰ فیصد تعلیم کی مد پر خرچ کرتا ہے۔

اس تعلیمی مشاورتی کمیٹی کی سات سال قبل ایک نشست ہوئی تھی۔ اس وقت عزت مآب وزیر اعظم نے اپنی افتتاحی تقریر میں سماج کے پسماندگان کی تعلیم پر زور دیا تھا۔ نیز شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور سماج کے دیگر پسماندہ طبقوں کے درمیان تعلیم کی اشاعت کے لئے ایک قرارداد بھی منظور کی گئی تھی آج اس قرارداد کے سات سال کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شیڈولڈ کاسٹ کے ۸ فیصد اور شیڈولڈ ٹرائب کے ۸ فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ کیا یہ پسماندہ طبقوں کی تعلیم کی نشانی ہے؟

عزت مآب وزیر اعظم کے ۲۰ دفعہ۔ پروگرام میں ۱۶ ویں دفعہ میں تعلیم نسواں پر زور دیا گیا۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی تعلیم کو اس دفعہ میں کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی۔ اس کے معنی کیا یہ ہوں گے کہ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگ اب تعلیم کے میدان میں پیچھے نہیں ہیں۔ عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق عورتوں میں خواندگان کی تعداد ۲۴ء۳ فیصد ہے۔

اب میں مغربی بنگال کی بابت چند باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ مغربی بنگال تقسیم ہند سے رونما ہونے والے مسائل سے آج بھی دوچار ہے۔ ہماری معیشت کی حالت بھی ابتر ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ ہمارے عزت مآب ممبروں کو معلوم ہے۔ اس کے باوجود مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے تعلیم کی طرف کافی توجہ دی ہے جب ہم مغربی بنگال میں برسر اقتدار آئے تو اس کے بعد کے سال ہی میں یعنی ۱۹۷۶ء میں تعلیم کے میدان میں ۱۱۲ کروڑ روپئے خرچ کئے۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے ہر سال اس مد کے تحت زیادہ سے زیادہ رقوم کی گنجائش رکھتے گئے، یہاں تک کہ گزشتہ سال تعلیمی مد میں ریاستی بجٹ میں ۳۸۴ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی اور اس سال اس مد کے تحت ۴۱۸ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی کسی اور ریاست میں تعلیم کی مد پر اتنے روپئے مختص نہیں کئے گئے۔ ہماری ریاست کی ریاستی بجٹ میں تعلیم کے تحت کل اخراجات کی ۲۴ فیصد رقوم مختص کی گئی ہیں۔ ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے گزشتہ چھ برسوں میں ۴۶۰۰ پرائمری اسکول اور ۱۵۰۰ ثانوی اسکول کھولے۔ کوئی بھی ریاست اتنے مختصر عرصہ میں اتنے تعلیمی ادارے اور اسکول قائم نہ کر سکی۔ اسی دوران مغربی بنگال میں طلبا کی تعداد میں ۱۲ لاکھ کا اضافہ ہوا۔ ثانوی درجوں میں طلبا و طالبات کی تعداد ۱۹ لاکھ سے بڑھ کر ۶ر۳۳ لاکھ، تقریباً دوگنی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہائر سیکنڈری (کلاس XI اور XII) میں طلبا کی تعداد ۴۶ر۱ لاکھ سے بڑھ کر ۳ر۳ لاکھ ہو گئی یعنی دوگنی سے بھی زیادہ۔ ہندوستان کی کوئی بھی ریاست اس سلسلہ میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نیز غیر رسمی تعلیم کے تعلیمی اداروں میں طلبا کی تعداد ۴۵۰۰۰ سے بڑھ کر ۳۹ر۱ لاکھ ہو گئی۔ نیز بالغوں کی تعلیم کے مراکز میں تعلیم حاصل کرنے والے بالغوں کی تعداد میں بھی اسی قدر اضافہ ہوا۔ یہ کارنامہ صرف ہماری حکومت کا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں تعلیم یافتہ لوگ اور تعلیم میں دلچسپی لینے والے افراد بھی شامل ہیں۔ نصاب کی ۳۹ کتابیں بنگلہ، ہندی، اردو، نیپالی اور انگریزی میں شائع کر کے طلبا کے درمیان مفت تقسیم کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں مرکزی حکومت سے ایسی کتابوں کی اشاعت کے لئے کم قیمت پر کاغذ ملنے کی امید تھی وہ ہمیں نہیں ملا اسلئے ہمیں کھلے بازار سے زیادہ قیمت پر کاغذ خریدنا پڑا۔ کتابوں کی تقسیم کا کام جاری ہے۔ پرائمری اسکولوں میں ۳۶ لاکھ طلبا و طالبات کو مفت ٹفن فراہم کیا جاتا ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلبا اور طالبات کے لئے ہم اسکولوں کے لباس سپلائی کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے امتحانات کے میدان میں افراتفری کا ذکر کیا ہے، لیکن ۱۹۷۷ء کے بعد سے ہم لوگوں نے امتحانات کے میدان میں امن اور شانتی بحال کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اب وقت پر امتحانات لئے جاتے ہیں اور وقت پر نتائج شائع کر دیئے جاتے ہیں۔ ثانوی امتحان میں تقریباً ۲ر۵۷ لاکھ طلبا امتحان میں بیٹھتے ہیں اور اس امتحان کا نتیجہ ۷۰ دنوں میں شائع کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اعلیٰ ثانوی تعلیم امتحان میں ۰۵ر۲ لاکھ طلبا امتحان دیتے ہیں اور ۷۰ دنوں میں نتیجہ شائع کر دیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں امتحان کے پرچے آؤٹ ہو جاتے ہیں۔ امتحان ہال میں نقل ہوتی ہے۔ غنڈہ گردی کی جاتی ہے اور ہال کے باہر مائیک لگا کر سوالوں

کا جواب سنایا جاتا ہے۔ مغربی بنگال میں بھی ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک
ایسے واقعات رونما ہوئے۔

تعلیم کے میدان میں خوشگوار ماحول کے رونما ہونے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ نچلے درجوں میں تعلیم حاصل کرتے کرتے چھوڑ دینے کا جو سلسلہ دیگر ریاستوں میں رائج ہے، وہ بات مغربی بنگال میں اب رونما نہیں ہو رہی ہے۔ ہماری حکومت نے ہائیر سکنڈری یعنی کلاس XI اور XII تک تعلیم مفت کر دی۔ اس اقدام کی مثال شاید ہی کوئی اور ریاست پیش کر سکے۔ ہم لوگوں نے پرائمری اسکولوں میں مسلسل امتحان اور پاس اور فیل کے سلسلہ کو ختم کر کے بچوں کی مختلف موضوعات میں جانچ کا سلسلہ شروع کیا ہے۔

اب میں آپ لوگوں کے سامنے تعلیم کے سلسلہ میں چند قرارداد پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ ایمرجنسی یعنی ہنگامی حالت کے دوران تعلیم کو ریاست کی فہرست سے نکال کر مشترکہ فہرست میں شامل کر دیا گیا تھا۔ قدرتی ماحول، سماجی، معاشی حالات اور ثقافتی میراث کے پس منظر ہندوستان "کثرت میں وحدت" کا ملک ہے۔ بہت ساری وجوہ سے آزادی کے بعد کے عرصہ میں ہندوستان میں غیر مساوی ترقیات اقدامات کو بڑھ چڑھ کر روبہ عمل لانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ تعلیم بھی ان کے زیر اثر آ گئی۔ لیکن تعلیم جیسے مسئلہ کو ریاستی حکومتوں کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے کیونکہ ہندوستان ایک وسیع اور کثرت کا ملک ہے۔ ہندوستان کے دستور سازوں نے اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم کو ریاستوں کے حوالہ کیا تھا۔ ۱۹۷۹ء میں ریاستوں کے وزراء تعلیم کی ایک نشست میں تمام وزیروں نے اتفاق رائے سے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ تعلیم کو پھر ریاستی فہرست میں شامل کیا جائے۔ گذشتہ آٹھ برسوں سے تعلیم مشترکہ فہرست میں ہے۔ عزت مآب ممبران کیا ایک بھی مثال پیش کریں گے کہ اس کے کچھ اچھے نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ دراصل اس میں دشواریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ مغربی بنگال میں ہم لوگوں نے ابتدائی تعلیم سے متعلق ایک ترمیمی قانون ریاستی اسمبلی سے پاس کرا کر صدر ہند کے پاس بھیجا تھا۔ ابھی تک ہم لوگوں کو صدر کی منظوری کا بے چینی سے انتظار ہے۔ یہ مشترکہ فہرست کی دشواریوں میں سے ایک دشواری ہے۔ اس لیے تعلیم کی اور ملک کی افادہ کے لئے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ تعلیم کو مشترکہ فہرست سے نکال کر ریاستی فہرست میں شامل کیا جائے۔ مرکزی حکومت مختلف ریاستوں کی، اس سلسلے میں مدد کرے اور ان کے ساتھ تعاون کرے۔

۲۔ تعلیم کی اشاعت کے لئے فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس فنڈ کو اکٹھا کرنے کے لئے ریاستی حکومتوں کو اختیارات دینا چاہئیں۔ مرکزی حکومت اور اس کے ماتحت منصوبہ بندی کمیشن کا یہ کام ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں مرکز پر ریاستی حکومتوں کے انحصار کو کم کرنے کے لئے مختلف اقدامات کرے۔ اس سلسلے میں بھی ریاستوں کو معاشی اور انتظامی سہولتیں فراہم کرنی ہوں گی تاکہ وہ سب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں۔

۳۔ تعلیم کے لئے آئندہ منصوبے کے دوران مرکزی حکومت اپنے بجٹ میں کل اخراجات کی دس فیصد رقم اور ریاستی حکومتیں ۱۵ فیصد رقم کی گنجائش رکھیں۔ یہ میری تجویز ہے۔

۴۔ عوام کو تعلیم سے فیض یاب کرنے کیلئے عظیم تر تعلیمی مہم چلانی ہوگی، تحریک چلانی ہوگی اور اس کیلئے مرکزی حکومت کو ذمہ داری سنبھالنی ہوگی اور طلباء و اساتذہ، کسان و مزدور، نوجوانوں اور عورتوں کے مختلف ایسوسی ایشن کے ساتھ تال میل کو برقرار رکھنا پڑیگا۔

۵۔ اس مشاورتی کمیٹی کی نشست ۱۹۶۵ء تک ہر سال ہوا کرتی تھی اسکے بعد دو دو سال کے وقفے سے ہونے لگی، اس بار سات سال کے بعد نشست ہوئی۔ آئندہ نشست کب ہوگی، یہ میں بتا نہیں سکتا۔ اسلئے میں عزت مآب ممبروں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آگے بڑھیں اور ایسا انتظام کریں کہ اس کمیٹی کی نشست دو سال میں کم از کم ایک بار ہو تاکہ ہم تبادلہ خیال کر سکیں

۶۔ نصاب کا تعلق روزگار سے ہونا چاہیئے تاکہ طلباء شوق سے تعلیم حاصل کریں۔ ایسی سہولتیں تمام ریاستی حکومتوں کو فراہم کرنی چاہئیں۔ آخر میں میں عزت مآب ممبروں کی یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ تعلیم ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ اور اس کی ترقی قوم و ملک کی تعمیر کے لئے لازمی شرط ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کا جو نظام ہے اس میں تبدیلی لا کر تعلیم کو مقبول عام بنانا ہوگا۔ سائنسی نقطہ نگاہ سے تعلیم میں بہتری لانی ہوگی۔ اگر ہم ایسا فوراً نہ کر سکیں تو ہمارے آباء و اجداد ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ●

مغربی بنگال میں پنچایت انتخابات

بائیں محاذ کو نمایاں کامیابی

مغربی بنگال کے دیہی علاقوں میں ۳۰ مئی کو پنچایت انتخابات ہوئے جو نہایت ہی پرامن طریقے سے ہوئے۔ ووٹ ڈالنے کی شروعات صبح ۷ بجے سے ہوئی اور اس کا سلسلہ ۳ بجے سہ پہر تک جاری رہا۔ گرام پنچایت کے ساتھ ہی پنچایت سمیتی اور ضلع پریشد کے لئے بھی انتخابات ہوئے۔ تیز دھوپ اور شدید گرمی کے باوجود مجموعی طور پر ۸۰ فی صد ووٹ ڈالے گئے۔ ووٹروں میں زبردست جوش و خروش پایا جا رہا تھا۔ شام تک اس سلسلے میں خوب ہما ہمی رہی۔ ووٹ کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ووٹوں کی گنتی کا کام شروع کر دیا گیا۔

انتخابات میں بائیں محاذ نے نمایاں کامیابی حاصل کی جس میں سی پی ایم نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے۔ گرام پنچایت میں سی پی آئی (ایم) کو ۵۴ فی صد، ضلع پریشد میں ۷۰ فی صد اور پنچایت سمیتی میں ۵۹ فی صد ووٹ ملے۔ انتخابات کے نتائج درج ذیل ہیں:

گرام پنچایت انتخابات ۱۹۸۳ء کے نتائج

اضلاع	نشستوں کی تعداد	نتیجے برآمد ہوئے	سی پی آئی (ایم)	کانگریس (آئی)	آر ایس پی	فارورڈ بلاک	سی پی آئی	جنتا	بی جے پی	آزاد
بانکوڑا	۲۵۵۴	۲۵۴۷	۱۴۵۸	۵۶۴	۷۵	۷۲	۱۶	–	–	۱۶۲
بیربھوم	۲۲۹۶	۲۱۷۹	۱۱۲۸	۶۸۶	۲۰	۱۰۷	۲۵	–	۱	۲۱۲
بردوان	۳۱۸۲	۳۱۵۱	۳۰۷۸	۸۱۱	۳۲	۵۸	۵۰	۵	–	۱۱۷
ہگلی	۲۹۱۲	۲۸۹۲	۱۶۹۱	۱۰۰۳	۲	۴۳	۳۳	–	۱	۱۱۹
مدناپور	۲۷۰۹	۴۴۸۲	۳۹۴۷	۱۸۳۷	۲۶	۱۵	۲۱۵	۱۲	۳	۵۲۶
پرولیا	۲۰۵۲	۲۰۳۹	۱۱۹۳	۵۱۲	–	۱۱۹	۲۴	–	–	۱۹۱
ہوڑہ	۲۲۵۶	۲۲۴۹	۱۲۴۳	۸۲۱	–	۱۰۹	۱۸	۲	۷	۴۹
مرشد آباد	۳۷۷۳	۳۶۱۴	۱۴۲۷	۱۴۷۱	۴۰۰	۳۳	۲۷	–	۱۰	۲۴۶
ندیا	۲۵۳۰	۲۴۹۲	۱۳۷۰	۹۴۸	۲۶	۱	۶۵	۳	۴	۷۵
۲۴ پرگنہ	۷۹۱۰	۷۸۷۱	۴۱۲۲	۲۷۹۹	۲۲۶	۶۱	۶۷	–	–	۵۹۶
کوچ بہار	۱۷۴۴	۱۷۳۵	۷۳۵	۶۳۲	۳	۳۴۰	۳	–	–	۲۲
دارجلنگ	۱۲۱۴	۱۱۹۳	۲۹۷	۱۷۵	۹	۳	۲۳	–	–	۹۸۵

گرام پنچایت انتخابات ۱۹۷۸ء کے نتائج (جاری...)

اضلاع	نشستوں کی تعداد	نتیجے برآمد ہوئے	سی پی آئی (ایم)	کانگریس (آئی)	آر ایس پی	فارورڈ بلاک	سی پی آئی	جنتا	بی جے پی	آزاد
جلپائی گوڑی	۱۶۰۳	۱۶۰۳	۷۷۰	۵۹۵	۱۵۸	۲۰	۵	۷	–	۴۸
مالدہ	۳۰۴۲	۲۰۳۸	۹۸۱	۹۱۸	۸	۲	۱۵	۱۴	۸	۹۲
مغربی دیناجپور	۲۴۵۶	۲۴۰۲	۷۶۷	۹۶۹	۲۵۷	۱۰۴	۳۲	–	–	۲۷۳
کل —	۴۶۲۳۳	۴۵۶۸۶	۲۴۴۰۷	۱۴۷۴۱	۱۲۴۲	۱۰۸۷	۷۱۸	۴۴	۳۴	۲۴۱۳

پنچایت سمیتی انتخابات ۱۹۸۳ء کے نتائج

اضلاع	نشستوں کی تعداد	نتیجے برآمد ہوئے	سی پی آئی (ایم)	کانگریس (آئی)	آر ایس پی	فارورڈ بلاک	سی پی آئی	جنتا	بی جے پی	آزاد
بانکوڑا	۴۹۹	۴۹۴	۳۷۸	۵۸	۱۸	۱۹	۷	–	–	۱۴
بیربھوم	۴۲۹	۴۲۶	۲۴۹	۱۲۹	۶	۱۸	۴	–	–	۲۰
بردوان	۷۷۸	۷۶۷	۶۲۲	۹۰	۱۵	۱۸	۷	–	–	۱۵
ہگلی	۵۳۵	۵۳۱	۳۳۹	۱۶۷	–	۱۱	۳	–	–	۱۱
مدناپور	۱۳۰۴	۱۲۹۸	۸۴۷	۳۳۳	۲	–	۳۹	۷	–	۷۰
پرولیا	۴۰۶	۳۹۹	۲۷۵	۸۲	–	۲۵	۳	–	–	۱۴
ہوڑہ	۴۰۴	۴۰۳	۲۳۰	۱۴۷	–	۱۶	۵	–	۱	۴
مرشدآباد	۶۹۳	۶۸۲	۲۷۸	۲۹۷	۷۶	۴	۳	–	–	۲۴
ندیا	۴۶۶	۴۵۸	۲۹۴	۱۳۹	۴	–	۱۱	–	–	۱۰
۲۴ پرگنہ	۱۴۶۷	۱۴۵۸	۸۴۸	۴۵۲	۴۲	۶	۷	–	–	۱۰۳
کوچ بہار	۳۳۴	۳۳۴	۱۵۵	۱۱۵	–	۶۳	–	–	–	۱
دارجلنگ	۲۱۴	۲۱۴	۵۴	۳۴	۳	–	۴	–	–	۱۱۹
جلپائی گوڑی	۲۹۹	۲۹۸	۱۴۷	۱۱۰	۳۰	۳	۱	۲	–	۵
مالدہ	۳۸۹	۳۸۹	۱۸۸	۱۹۲	–	–	۱	۲	۱	۵
مغربی دیناجپور	۴۴۷	۴۳۷	۱۴۴	۱۹۷	۵۴	۱۱	۱	–	–	۳۲
کل —	۸۶۶۴	۸۵۸۸	۵۰۴۸	۲۵۳۲	۲۴۸	۱۹۳	۹۶	۱۱	۳	۴۴۷

ضلع پریشد انتخابات سنہ ۱۹۸۳ء کے نتائج

اضلاع	نشستوں کی تعداد	نتیجے برآمد ہوئے	سی پی آئی (ایم)	کانگریس (آئی)	آر ایس پی	فارورڈ بلاک	آزاد
بانکوڑا	۴۴	۴۰	۳۵	۲	۱	۲	—
بیر بھوم	۳۸	۲۵	۱۹	۱۰	—	۵	۱
بردوان	۶۲	۵۴	۴۸	۱	۲	۲	۱
ہگلی	۳۶	۳۴	۲۴	۸	—	۲	—
مدنا پور	۱۰۸	۱۰۲	۸۴	۱۵	—	—	۲
پرولیا	۴۰	۳۶	۲۹	۳	—	۴	—
ہوڑہ	۲۸	۲۰	۲۲	۲	—	۲	—
مرشد آباد	۵۲	۴۵	۱۷	۲۳	۴	—	۱
ندیا	۳۴	۳۲	۲۷	۵	—	—	—
۲۴ پرگنہ	۱۰۴	۹۹	۶۸	۲۴	۲	۱	۴
کوچ بہار	۲۴	۲۳	۱۲	۵	—	۶	—
دارجلنگ	۳۰	۲۰	۵	۷	—	—	۸
جلپائی گوڑی	۳۶	۲۶	۱۳	۱۱	۲	—	—
مالدہ	۳۰	۳۰	۱۴	۱۶	—	—	—
مغربی دیناجپور	۳۲	۲۸	۷	۱۶	۴	—	۱
کل	۶۷۸	۶۳۱	۴۲۴	۱۴۸	۱۵	۲۵	۱۹



دارجلنگ میں اسکول کی تعمیر و توسیع

• حکومت مغربی بنگال نے ضلع دارجلنگ کے کلمپونگ سب ڈویژن کے دور افتادہ علاقہ سنجی میں واقع شنکر ہائی اسکول کی تعمیر اور توسیع کے لئے ۱۴ر۱ لاکھ روپیہ دینے کی منظوری دی ہے

ہریانہ میں آنکھ ہسپتال

ہندوستان کی قومی سوسائٹی برائے نابینائی کی روک تھام ہریانہ میں ۵ر جون سنہ ۱۹۸۳ء کو آنکھ کے امراض کے علاج میں ایک سفارتی ہسپتال کھولے گی۔

مغربی بنگال اسمبلی کے لئے

ضمنی انتخابات

گذشتہ ۵ر جون کو جادوپور اور گارڈن ریچ روڈ اسمبلی کے دو حلقوں میں ضمنی انتخابات ہوئے۔ جادوپور حلقۂ انتخاب میں گذشتہ ۲۲ر جنوری کو کامریڈ شنکر گپتا کی موت کی وجہ سے نشست خالی ہوگئی تھی اسی طرح گارڈن ریچ روڈ حلقۂ انتخاب میں نشست کانگریس (ا) کے امیدوار شمس الضحٰی کے انتقال کے نتیجے میں خالی ہوئی تھی۔

دونوں حلقوں میں ضمنی انتخابات نہایت ہی پرامن طریقے سے ہوئے۔ ووٹروں نے بڑے ہی جوش وخروش کے ساتھ ووٹ دئے۔

صبح سے شام تک بڑی بھیڑ بھی رہی۔ شدید گرمی اور تیز دھوپ کے باوجود ۶۰ سے ۶۵ فی صد ووٹ پڑے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے دونوں حلقوں میں پرامن انتخابات پر خوشی کا اظہار کیا اور ووٹروں کو مبارکباد دی۔

دونوں انتخابات کے نتائج کا اعلان ۶ر جون کو کردیا گیا۔

جادوپور اسمبلی کے حلقۂ انتخاب سے شری اشوک مترا نے اپنے حریف کانگریس (ا) کے امیدوار شری سوکمار دت کو ۲۵ ہزار سے زائد ووٹ سے ہرادیا۔ ڈاکٹر اشوک مترا نے ۵۸۲۵۱ ووٹ حاصل کئے جب کہ ان کے حریف مسٹر دت کو ۳۳۲۲۳ ووٹ ملے۔

گارڈن ریچ حلقۂ انتخاب سے کانگریس (ا) کے امیدوار مسٹر اعظم ملا نے ۱۶۱۴ ووٹ سے اسمبلی سیٹ حاصل کرلی مسٹر ملا نے ۳۴۲۶۷ ووٹ حاصل کئے اور کامریڈ امین کو ۳۲۶۵۳ ووٹ ملے۔



گارڈن ریچ حلقۂ انتخاب میں حالیہ ضمنی انتخاب کے دوران ایک پولنگ بوتھ کا منظر۔

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Dept. Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 30 , No. 12

MAGHREBI BENGAL
15th June 1982
12 Paise



اوڈبرن پارک، کلکتہ میں واقع نیتاجی انسٹی ٹیوٹ برائے ایشیائی معاملہ، ہال میں ۴ جون ۸۲ء کو شری نرمل باسو، وزیر تعلیم و تعاون، حکومت مغربی بنگال، اس ریاست کی یونیورسیٹیوں کے وائس چانسلروں کے ساتھ محو گفتگو۔



پنچایت انتخابات: مالدہ ضلع میں ایک پولنگ بوتھ کا منظر۔



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ ۔ پربتین بھٹاچاریہ

مدیر ۔ دھیریندرا ناتھ دت

مدیر معاون ۔ محمد اعظم

جلد نمبر ۳۰ ● یکم جولائی ۱۹۸۳ء ● شمارہ نمبر ۱۳

شرح خریداری

قیمت ۔ ۱۲ پیسے فی پرچہ

سالانہ ۳ روپیے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۳۔ آر این مکھرجی روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



شری اچنتیہ رائے، وزیر خوراک اور رسد، حکومت مغربی بنگال، رائٹرس بلڈنگس، کلکتہ میں راشننگ مسائل کے سلسلہ میں پریس رپورٹروں سے محو گفتگو۔

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے

چھ سال



مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال پورے ہو[illegible]

اس موقعہ پر مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ایک خصوصی انٹرویو میں اس ریاست کی غذائی پیداوار، تعلیمی ترقی اور صنعتی ترقی کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے کہا۔

• انتظامیہ کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے ہمارے طریقہ کار اور ان چھ برسوں میں ہمارے کئے گئے فلاحی اقدامات نے یہاں کے لوگوں پر اور دیگر ریاستوں میں بڑا ہی گہرا اثر کیا ہے"۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا: " غذائی پیداوار کے میدان میں اگرچہ بائیں محاذ کی حکومت کے دور میں خشک سالی اور سیلاب سے پیداوار کی شرح کم ہوگئی تاہم عام برسوں میں غذائی اجناس کی پیداوار میں کانگریسی دور حکومت کے مقابلے زیادہ اضافہ ہمارے دور حکومت میں ہوا ۔" ان کے خیال کے مطابق ہسپتالوں میں کوئی افراتفری نہیں ہے بلکہ باہر کے کچھ لوگ افراتفری پھیلانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

سوال: گذشتہ چھ برسوں کی میں بائیں محاذ حکومت کی اہم کامیابیاں اور ناکامیاں کیا ہیں؟

جواب: بہت سارے میدانوں میں کامیابیاں ہوئی ہیں اور کہیں کہیں ناکامی بھی۔ کانگریسی حکومت کے برخلاف ہم لوگ عوام کے ساتھ رابطہ قائم کرکے انتظامیہ کو چلا رہے ہیں۔ ساتھ ہی ہم لوگوں نے عوام کو اس بات کا یقین دلایا کہ ہم ان کے جمہوری حقوق کی حفاظت کریں گے۔ اور ہم پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے ذریعہ جہاں انتخابات کرائے جا رہے ہیں اور بہت

[illegible] گرمیاں ان کے سپرد کی جا رہی ہیں۔ انتظامیہ کو لامرکوز بنا دیں گے۔ ہم اپنے وعدوں پر عمل پیرا ہیں۔ محروم اور نادار لوگوں کی بڑی اکثریت یہ بات محسوس کرتی ہے کہ بائیں محاذ حکومت نے انہیں عزت سے نوازا اور ان میں خود اعتمادی پیدا کی اور یہ کہ یہ حکومت ان کے مفاد کے لئے خدمات انجام دے رہی ہے۔ اس سے قبل کسی نے بھی ایسی گراں قدر خدمات انجام نہیں دیں۔ لیکن جس بات کی ضرورت ہے وہ ہے عوام کی مسلسل رضا و رغبت تاکہ ہمیں اپنے پروگراموں میں ان کی سرگرم تائید حاصل ہوتی رہے۔ ملک کی شدید معاشی بحران اور بدحالی کے مرکز کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں ہماری مہم بالکل کمزور رہی۔ اور اسی لئے بہت سارے لوگ کانگریس کے جھوٹے وعدوں سے غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

س: کیا آپ کی حکومت اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے کانگریس (آئی) اور دیگر سیاسی پارٹیوں کی کے زیر انتظام ریاستی حکومتوں سے بہتر کارنامے انجام دئے ہیں۔

ج: بہت سارے شعبوں میں مرکز نے ہمارے ساتھ سیاسی امتیاز برتے۔ اس کی وجہ سے ہمارے ترقیاتی اقدامات خاص طور پر صنعت پر ناموافق اثر پڑا۔ اصلاحات آراضی کے سلسلے میں ہمارے جو اقدامات ہیں انہیں یا تو مرکز نے روکے رکھا ہے یا انہیں ابھی بھی منظوری نہیں ملی ہے۔

س: کیا یہ حقیقت ہے کہ گذشتہ چھ برسوں میں غذائی پیداوار میں کمی ہوئی ہے؟

ج: ایسا کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس ریاست میں غذائی پیداوار

* چاول (گیہوں اور دیگر اناج) کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں
(یہ حکومت، ہند معاشی جائزہ، ۱۹۸۳ء – ۸۴ء سے لئے گئے ہیں)۔

	پیداوار (ٹن میں)
۱۹۷۶ء – ۱۹۷۷ء (کانگریسی حکومت کا آخری سال)	۷۱۰۳۳۰۰
۱۹۷۷ء – ۱۹۷۸ء (بائیں محاذ حکومت کا پہلا سال)	۸۶۳۶۰۰۰
۱۹۷۸ء – ۱۹۷۹ء	۷۷۷۷۱۰۰
۱۹۷۹ء – ۱۹۸۰ء	۶۷۵۷۶۰۰
۱۹۸۰ء – ۱۹۸۱ء	۸۰۴۳۲۰۰
۱۹۸۱ء – ۱۹۸۲ء	۶۴۳۷۲۰۰
۱۹۸۲ء – ۱۹۸۳ء	۵۵۰۰۰۰۰

ریکارڈس ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ان چھ برسوں (۱۹۷۷–۷۸ء تا ۱۹۸۲–۸۳ء) میں سے چار برسوں میں پیداوار حسب معمول نہیں ہوئی اور اس کی وجہ سیلاب اور خشک سالی ہے۔ دو حسب معمول برسوں میں (۱۹۷۷–۷۸ء اور ۱۹۸۰–۸۱ء) میں ہماری کارکردگی سابق کانگریسی حکومت کی کارکردگی سے کہیں بہتر رہی۔

س: آپ لوگوں نے تعلیم کے معیار کو اعلیٰ کرنے میں کس حد تک کامیابی حاصل کی؟

ج: اس سلسلے میں تخمینہ لگانا یا کہنا ابھی جلد از وقت ہوگا۔ تعلیمی میدان کو افراتفری اور بدعنوانی سے پاک و صاف کر لیا گیا ہے۔ کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔ پانچویں کلاس تک کے طلبا کو کتابیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ کئی ہزار اسکول قائم کئے گئے ہیں اور بہت سارے کالج کھولے گئے ہیں۔ کانگریسی دور حکومت میں ۱۹۷۶ء کے دوران ریاستی بجٹ میں تعلیمی مد پر ۱۱۲ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس کی جگہ بائیں محاذ حکومت نے اپنے بجٹ میں تعلیمی مد پر ۱۹۸۳–۸۴ء میں ۴۱۸ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ۱۹۸۴–۸۵ء تک ۹۵ فی صد اسکول جانے والے بچے ابتدائی تعلیم سے فیضیاب ہو سکیں گے۔

س: ہسپتالوں میں بدنظمی کیوں پھیلی ہوئی ہے؟ اور ہسپتال مریضوں کو ضروری سہولتیں فراہم کرنے سے کیوں قاصر ہیں؟

ج: عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہسپتالوں کی حالت ایسی نہیں ہے۔ کبھی کبھی باہر کے لوگ اور کبھی ہسپتالوں کے چند ڈاکٹر اور ملازمین کسی نہ کسی بہانے سے افراتفری پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے تاہم یہ افراتفری پھیلاتے ہیں اور مریضوں کے لئے مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہسپتالوں کے بہت سارے افراد پوری سرگرمیوں کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت نہیں کرتے۔ ہسپتالوں میں مریضوں کی تعداد میں تیز رفتاری سے اضافہ ہوا، لیکن سہولتوں میں اسی رفتار سے اضافہ نہ ہو سکا۔ اس طرح ہسپتالوں کے عملہ پر حد سے زیادہ بوجھ لاد دیا گیا۔ کہیں کہیں رضاکارانہ خدمت اور ڈسپلن کی بھی کمی پائی گئی ہے۔ ان مشکلات پر قابو پانے کے لئے مشترکہ اور متحدہ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ڈاکٹروں، نرسوں اور ہسپتالوں کے دیگر کارکنندگان کو بہت ہی مشکل حالات کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔ اور لوگوں کو ان دشواریوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ادویۂ مریضوں کی خوراک اور مراکز صحت کی تعمیر پر اخراجات میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ تاہم یہ اب بھی ضرورت کے لحاظ سے ناکافی ہیں۔

س: کیوں صنعت کار اب بھی مغربی بنگال میں سرمایہ کاری کے سلسلہ میں پس و پیش کرتے ہیں؟ کیوں وہ اکثر اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ مغربی بنگال میں موافق صنعتی فضا نہیں ہے؟

ج: صنعتی صورتحال بڑی الجھی ہوئی ہے اور سارے ہندوستان میں بہت سارے سیکٹروں میں مندہ بازاری کا سلسلہ جاری ہے۔ حکومت ہند اور مالیاتی ادارے متوسط درجہ اور بڑے پیمانہ کے سیکٹروں میں جدید صنعتوں کی تعمیر و توسیع کیلئے سرمایہ فراہم کرنے سے انکار کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں امتیاز بھی برتتے ہیں۔ مرکز بھی چند غیر سرکاری صنعت کاروں کی اس ریاست میں سرمایہ کاری کی ہمت افزائی نہیں کرتا۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود ہم لوگوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور اس میدان میں کچھ بہتری نظر آتی ہے۔ چند بیمار اور بند صنعتی یونٹوں کی ذمہ داری ہم لوگوں نے ساتھ ساتھ مرکز

نے سنبھالی لیکن مرکزی حکومت ابھی بھی پاٹ اور چائے صنعتوں کے مسائل کو تیزی سے حل کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہے۔ گرچہ ان صنعتوں سے مرکز کو کافی فائدہ پہونچتا ہے۔ اب صنعتی فضا کی کمیابی کی باتیں کم ہوئی ہیں۔ گذشتہ چھ برسوں میں ہماری ریاست میں صنعتی فضا میں بھی ملحق بہتری ہوئی ہے۔ ہم لوگوں کی کوششوں کے ذریعہ بہت ساری بند اور بیمار صنعتی یونٹوں کی ذمہ داریاں حکومت نے سنبھالیں یا ان کی احیاء نو کی گئی۔ لیکن یہ مسئلہ ابھی بھی شدید ہے اور مرکز کے ذریعہ بڑی صنعتی یونٹوں کو قومیا لئے جانے کا ہمیں انتظار ہے۔

جنوری ۷۷ء سے دسمبر ۸۱ء تک مغربی بنگال میں ۱۹۸۱ نئے کارخانوں کو رجسٹرڈ کیا گیا اور جہاں روزمرہ کام کرنے والوں کی تعداد ۲۹۲۹۲ ہے۔

نئی جدید صنعتیں قائم کرکے اس ریاست کی صنعتی بنیاد کو پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ صنعتی سیکٹر کو امداد فراہم کرنے کے سلسلہ میں مرکز کو اور بھی عظیم کردار ادا کرنا ہے۔

س: اس مسئلہ سے بے روزگاری کا مسئلہ بھی وابستہ ہے۔ یہ مسئلہ کتنا شدید ہے؟ اور آپ اسے کس طرح حل کرنا چاہتے ہیں؟

ج: یہ تو سارے ہندوستان میں بہت ہی شدید مسئلہ ہے۔ اب سارے ہندوستان میں رجسٹرڈ بے روزگاروں کی تعداد تقریباً ۲ کروڑ ہے جس میں مغربی بنگال کے ۴۳ لاکھ بے روزگار شامل ہیں۔ سابق حکومت کے برخلاف ہماری حکومت میں سرکاری دفتروں میں اور دیگر اداروں میں تبادلۂ روزگار کے دفتروں کے ذریعہ نئی بھرتی ہوتی ہے، نیز بے روزگاری امداد بھی دی جاتی ہے۔ بہت سارے بے روزگار لوگوں نے تبادلہ ملازمت کے دفتروں میں اپنا نام رجسٹرڈ کرائے اور بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہی جا رہا ہے لیکن موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیرانہ معیشت میں منصوبہ بندی کے لئے قائم کردہ موجودہ سماجی۔ معاشی ڈھانچہ میں روزگار کے متلاشیوں کی تعداد میں روزگار پانے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی لئے ایسے ڈھانچہ میں بنیادی حل ناممکن ہے۔ کوئی بھی ریاست ایک بنیادی تبدیلی لا نہیں سکتی۔ ہماری ریاست میں ہم بہت ساری دشواریوں سے دوچار ہیں کیونکہ مرکز اور مالیاتی ادارے ہماری ریاست

کی طرف نظر التفات نہیں کرتے۔ چھوٹے پیمانے کا شعبہ دستور کے تحت ریاستی فہرست میں ہے۔ گذشتہ چھ برسوں میں چھوٹی صنعتوں میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ چھوٹی صنعتوں کی تعداد جو ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۸۹۷۷ سے بڑھ کر ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۱۵۸۶۸۰ ہو گئی اور ان میں برسر روزگار افراد کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۴۲۷۵۱ سے بڑھ کر ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۱۲۲۰۹۹ ہو گئی۔ دیہی اور مضافاتی علاقوں میں تباہ کن سیلاب اور خشک سالی کے باوجود ۲۵ کروڑ کام کرنے کے دن پیدا کئے گئے۔ ان اقدامات سے دیہی علاقوں میں لوگوں کی کافی ہمت افزائی ہوئی ہے۔ اور ماضی کے دنوں کی طرح وہ گاؤں چھوڑ کر شہروں میں نہیں آئے۔

س: گذشتہ چھ برسوں میں آپ لوگوں نے کون سے بنیادی اقدامات کئے جو اسی طرح کے حالات میں ایک اچھی کانگریسی حکومت نہیں کر سکتی۔

ج: انتظامیہ کے چلانے کے ہمارے طریقۂ کار اور ہم لوگوں کے کئے گئے رفاہی اقدامات نے نہ صرف بنگال کے لوگوں پر بلکہ دیگر ریاستوں میں بھی کافی گہرا اثر ڈالا۔

●●

ہتھ کرگھے کے سلسلے میں عید الفطر کے موقع پر خصوصی رعایت

عید الفطر کے تہوار کے موقع پر ۶ جولائی سے ۱۲ جولائی ۸۳ء تک ہینڈلوم کپڑوں کی فروخت پر تانتوجا، تانتو شری، منجوسا، بنگو شری، سلیا شری اور ہینڈلوم کے تمام تسلیم شدہ کواپریٹو اور دیگر اداروں سے ۲۰ فی صد خصوصی رعایت کی منظوری دیدی گئی ہے۔

ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

(ایتھل اور جولیس روزنبرگ کے خطوط سے متاثر ہو کر لکھی گئی)

تیرے ہونٹوں کے پھولوں کی چاہت میں ہم ، دار کی خشک ٹہنی پہ وارے گئے
تیرے ہاتھوں کی شمعوں کی حسرت میں ہم نیم تاریک راہوں میں مارے گئے

سولیوں پر ہمارے لبوں سے پرے تیرے ہونٹوں کی لالی لپکتی رہی
تیری زلفوں کی مستی برستی رہی تیرے ہاتھوں کی چاندی دمکتی رہی

جب گھلی تیری راہوں میں شامِ ستم
ہم چلے آئے لائے جہاں تک قدم
لب پہ حرفِ غزل، دل میں قندیلِ غم
اپنا غم تھا گواہی ترے حسن کی
دیکھ قائم رہے اس گواہی پہ ہم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

نارسائی اگر اپنی تقدیر تھی تیری الفت تو اپنی ہی تدبیر تھی
کس کو شکوہ ہے گر شوق کے سلسلے ہجر کی قتل گاہوں سے سب جا ملے

قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علم اور نکلیں گے عشاق کے قافلے
جن کی راہِ طلب سے ہمارے قدم مختصر کر چلے درد کے فاصلے
کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم جاں گنوا کر تری دلبری کا بھرم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے



بائیں محاذ حکومت

کی اہم کارگذاریاں

از:- اَمیہ گپتا
سابق شریف، کلکتہ

۱۹۸۲ء میں مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت دوسری بار برسر اقتدار آئی۔ اس سے قبل ۱۹۶۷ء میں اور ۱۹۶۹ء میں متحدہ محاذ حکومت مغربی بنگال میں برسراقتدار میں آئی تھی لیکن بہت ہی مختصر مدت کے لئے۔ دس سال کے لمبے عرصے کے بعد پھر برسراقتدار آنے کو اتفاقی واقعہ نہیں کہا جا سکتا۔ بائیں تحریک نے محنت کشوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے تمام مقبول عام تحریکوں میں شرکت کر کے اپنی مقبولیت کو ثابت کر دکھایا۔ بائیں نظریات و خیالات کے لوگ عالمی امن، افریقی۔ ایشیائی استحکام اور قومی یکجہتی کے سوال پر وسیع ترین پیمانہ پر اتحاد کی تعمیر کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ بہت سارے مسائل کی بابت کانگریس پارٹی سے اختلاف کے باوجود بائیں پارٹیوں نے ان مسائل پر کل ہند سطح پر کانگریس کے ساتھ متحدہ تحریک کی تعمیر کے کام میں پس و پیش نہیں کیا۔

اس جمہوری کوشش کی وجہ سے ہی بایاں محاذ پھر ایک بار برسر اقتدار آیا۔ گرچہ بائیں جماعتیں مارکسی نقطہ نظریت سے سرشار ہیں تاہم قومی تحریک کے دھاروں میں وہ ہمیشہ سبھوں کے ساتھ شریک رہے — حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے دور حکومت میں ہندوستانی قومی کانگریس کے بہت سارے اہم رہنما بائیں خیالات کے تھے۔ جواہر لال نہرو کی سربراہی میں ہندوستانی قومی کانگریس کے ایک بڑے طبقہ نے ہندوستانی قومی تحریک کو بین الاقوامی میدان میں پیش کیا۔ اس کے بعد انہوں نے فاسزم کے خلاف اور سوشیلزم کے حق میں قومی تحریک اور بین الاقوامی تحریک کے دوران قریبی تعلقات قائم کئے۔ اس نصب العین کا ہندوستانی نوجوانوں پر بہت ہی گہرا اور اچھا اثر ہوا اور یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ آج بائیں پارٹیاں ہندوستانی نوجوانوں کی اکثریت کو اپنے دائرۂ عمل میں لے آئیں۔

خاص طور پر مغربی بنگال کے نوجوان انگریزوں کے دور حکومت سے ہی بنیادی خیالات کے لئے مشہور تھے۔ آج کے بائیں لوگوں کو بنیادی قومیت پرستی ورثے میں ملی۔ آج کے بائیں نوجوان سیکولرزم، قومی یکجہتی، امن، جمہوریت اور اشتراکیت کے لئے زبردست اور مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس تناظر میں یکے بعد دیگرے دو انتخابات میں بائیں محاذ کی جیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۹۷۷ء میں برسراقتدار آنے کے فوراً بعد بائیں محاذ حکومت جاگیردارانہ نظام کی بچی کھچی نشانیوں کو بھی بالکل نیست و نابود کر دینے کے کام میں مشغول ہو گئی۔ ۱۹۵۳ء میں جائداد حصولیابی ایکٹ کے ذریعہ رسمی طور پر زمینداری ختم کر دی گئی تھی۔ اس کے باوجود اب بھی بہت سارے بڑے بڑے زمیندار ہیں جو بٹائی داروں کو اپنے اپنے کھیتوں میں اس شرط پر

کاشتکاری کر سکنے کی اجازت دیتے ہیں کہ انہیں کھیتوں کی کل پیداوار کا نصف دے دیا جائے۔ نیز زمینداروں کو کاشتکاری کے لئے بھی کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ دوسری طرف برگداروں یا بٹائی داروں کو کوئی اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ کب تک وہ زمینداروں کے قطعات آراضی میں کاشت کاری کرتے رہیں گے کیونکہ انہیں زمیندار جب چاہیں اپنے اپنے قطعات آراضی سے نکال باہر کر سکتے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں بائیں خیالات کی متحدہ محاذ حکومت کی پہل کی وجہ سے ایک خاندان کتنے قطعات آراضی اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اس کی انتہائی حد مقرر کر دی گئی اور برگداروں کو ٹھیکہ کے مستقل حقوق دے دئے گئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے باوجود برگدار اپنے حقوق سے مستفید نہ ہو سکے کیونکہ برگداروں کی حیثیت سے اس کے نام سرکاری ریکارڈس میں موجود نہ تھے۔ زمینداروں نے مقامی محاصل حکام پر دباؤ ڈالا کہ وہ برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج نہ کریں۔

بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں ان برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرانے کے لئے ایک نیا طریقہ رائج کیا اور اس طریقۂ کار کا نام ہے "آپریشن برگہ"۔ محاصل حکام کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ دیہاتوں میں جائیں اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے جلسہ منعقد کریں اور وہیں اس امر کا تعین کریں کہ درحقیقت برگدار کون ہیں۔ چونکہ ایسے جلسوں میں غریب اور بے زمین لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی، اس لئے زمیندار سچائی کو چھپانے کے لئے دباؤ ڈال نہ سکے۔ ۱۳۰۰ ہزار برگداروں میں سے ۱۲۰۰ ہزار برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کر لئے گئے ہیں۔ لیکن یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس مہم نے مضافاتی لوگوں کے جو بائیں محاذ حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے ہیں، دلوں میں خود اعتمادی کا جذبہ بیدار کیا۔

دیہی حکومت یعنی پنچایتوں کے قوانین میں بھی ترمیم لا کر اس طرح کے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان پنچایتوں میں بالغوں کی رائے دہندگی کی بنیاد پر ممبران منتخب ہوتے ہیں اور انہیں بہت حد تک خود اختیاری دے دی گئی ہے۔ ان پنچایتوں کے ذمہ تمام ترقیاتی سرگرمیاں دے دی جاتی ہیں یعنی ترقیاتی اقدامات کے لئے منصوبہ مرتب کرنے اور پھر انہیں روبہ عمل لا کر پایہ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ داریاں پنچایتوں کو سونپی گئی ہیں۔ ان پر اوپر سے کوئی فیصلے لادے نہیں جاتے۔ یہ دیہی باشندے ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ کن کن پروجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہونچانا ہے۔ چونکہ ترقیاتی اقدامات کی عوامی بنیاد ہوتی ہے، اس لئے ایسے کام بڑی تیزی سے پایہ تکمیل تک پہونچ جاتے ہیں۔ لامرکزی ترقی کا یہ اصول لازمی طور پر مہاتما گاندھی کا اصول ہے اور بظاہر یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ تاہم بائیں محاذ حکومت ہی واحد اور پہلی حکومت ہے جس نے اس اصول کو عملی جامہ پہنایا۔

اس کے علاوہ پنچایتوں کو "اناج کے لئے کام" پروگرام کی ذمہ داری سونپی گئی۔ دیہی مزدور ہی دیہی کام کرتے ہیں اور کام کے عوض انہیں اناج دیا جاتا ہے۔ اس سے اناج کی قیمتیں بھی کم ہو گئیں۔ ان پالیسیوں کے نتائج کتنے سودمند ہوئے، یہ اس بات سے عیاں ہو جاتے ہیں کہ ۱۹۷۸ء میں تباہ کن سیلاب اور ۱۹۸۲ء میں شدید خشک سالی کے دوران بھی مضافات کے غریب لوگ شہروں میں نہیں گئے، حالانکہ اس سے قبل کے برسوں میں ایسی باتیں عام تھیں۔

آزادی کے بعد ہی مغربی بنگال کی معیشت کم و بیش ایک ہی جگہ جامد ہو گئی اور اسی لئے یہاں گھریلو پیداوار کی فی کس شرح اب سب سے کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جدید صنعتیں قائم نہیں کی گئیں حالانکہ ملک کی مغربی ریاستوں میں ایسی بہت ساری صنعتیں قائم کی گئیں۔ بائیں محاذ حکومت نے اس صورت حال میں بہتری لانے کے لئے بہت ہی جلد اقدامات کئے۔ اس حکومت نے ہلدیہ میں پٹرولیم۔ کیمیاوی مصنوعات تیار کرنے کے کارخانے اور کلکتہ کے نزدیک الکٹرونک صنعت کے قیام کے لئے پروجیکٹ بلیو پرنٹ مرتب کئے۔ مرکزی حکومت کی منظوری مل جانے کے بعد ہی یہاں کام شروع کر دیا جائے گا۔ بجلی کی کمی بھی ایک سد راہ ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے ریاستی حکومت نے کلکتہ الکٹرک سپلائی کارپوریشن کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنی صلاحیت میں اضافہ کرے۔ اس کارپوریشن نے بہت ہی مختصر عرصہ میں ایک نیا بجلی گھر تعمیر کیا۔ ایک غیر ملکی ادارہ کو منظوری دینے کی راہ میں کسی قسم کی سیاسی مزاحمت حائل نہیں ہوئی۔ ترقیاتی سرگرمیوں کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے تمام ممکنہ اقدامات کئے۔ ابھی بھی بجلی کی شدید کمی ہے لیکن عوام ان مشکلات پر قابو پانے کے لئے ریاستی حکومت کی کوششوں کو کافی سراہ رہے ہیں۔

آزادی کے بعد یہ مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر بی۔ سی۔ رائے

ہی تھے جنہوں نے مغربی بنگال میں نئے صنعتی مراکز قائم کرنے کے لئے پہل کی تو وہ بہت خوداندیش تھے لیکن ان کے بہت سارے منصوبے اب بھی تشنۂ تکمیل ہیں۔ جب بائیں محاذ حکومت برسرِ اقتدار آئی تو اس کے سربراہوں نے اور خاص طور پر وزیر اعلیٰ نے ریاستی معیشت کی تجدید کی طرف خصوصی توجہ دی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے صنعتکاروں نے بھی جنہیں بائیں پارٹیوں کے نصب العین سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے، اس ریاست کی صنعتی صورت حال میں بہتری لانے کے لئے موجودہ حکومت کی کوششوں کو سراہا۔ ان میں سے بہت سارے صنعتکاروں نے اعلانیہ اس بات کا اقرار کیا کہ مغربی بنگال میں سرمایہ کاری کے لئے فضا سازگار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاست کی معیشت کی ترقی اور بہتری کے لئے ریاستی حکومت نے پہل کی ہے۔ مزید براں بائیں محاذ کا صنعتی مزدوروں پر کافی اثر ہے، اس لئے وہ انہیں ترقیاتی سرگرمیوں میں مصروف کرا سکتا ہے۔

ہندوستان کی معیشت اب ایک نازک دور سے گذر رہی ہے — بڑھتی ہوئی قیمتیں، پیداوار کے بڑھتے ہوئے اخراجات، خشک سالی کی وجہ سے زرعی پیداوار میں کمی، زرِ مبادلہ پر دباؤ اور قومی آمدنی کی سست افزائش۔ چند وجوہ ہیں جو ملک کے وسائل پر بری طرح اثر انداز ہو رہی ہیں۔ یہ تو قدرتی بات ہے کہ بہت سارے ترقیاتی منصوبے تشنۂ تکمیل رہ گئے ہیں۔ دیگر ریاستوں کی طرح مغربی بنگال بھی ناموافق معاشی حالات کی تکلیف کو محسوس کر رہا ہے۔ لیکن بائیں محاذ حکومت اپنے ترقیاتی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے مرکزی امداد حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ مرکز اس ریاست کو قطرہ قطرہ کے طور پر امداد فراہم کر رہا ہے۔ کلکتہ میں زمین دوز ریلوے سرکلر ریلوے اور کلکتہ شہری ترقیات کے تحت ترقیاتی کام کاج، مرکزی کی امداد سے زور و شور سے جاری ہے۔ یہاں بھی بائیں محاذ حکومت نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ مرکزی حکومت کے ساتھ اس کی تصوراتی تفریق، ان ترقیاتی سرگرمیوں کی راہ میں حائل ہو۔

اب مغربی بنگال میں بائیں تحریک سنِ بلوغت کو پہونچ چکی ہے۔ اس نے اپنے ماضی کی غلطیوں سے بہت کچھ سیکھا۔ یہ اب ترقیاتی پروگرام اور صاف و شفاف انتظامیہ کے لئے اپنی سرگرمیوں کو مرکوز کر کے اپنی بنیاد کو ممکنہ حد تک وسیع بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس محاذ کی کامیابی بیسویں غیر جاگیردارانہ اور غیر سامراجی انقلاب، جس سے آج ہندوستان گذر رہا ہے کی کامیابی کا انحصار ہے۔ انقلابات نے مختلف ملکوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں۔ ہندوستان میں امن اور اشتراکیت کیلئے جدوجہد نے ایک سیدھی سادی شکل اختیار کی۔ شاید مغربی بنگال اس جدوجہد کے آغاز کا نقطہ ہے۔



(باقی صفحہ ۱۱ کا)

مگر ترقی پسند شعراء کی طرح چیخ و پکار اور گرجدار لب و لہجہ کی طرح نہیں اقبال کی بیشتر اہم نظموں میں یہ خاصی ہے کہ انتہائے جوش و ولولہ کے ساتھ ان نظموں کا آغاز ہوتا ہے۔ آواز و آہنگ میں شورش جذبات کی توانائی بہت دور تک ملتی ہے لیکن رفتہ رفتہ جوش و وارفتگی میں نمایاں کمی ہونے لگتی ہے نظموں میں فلسفیانہ رنگ گہرا ہونے لگتا ہے۔ لہجے کی گمبھیرتا اور سنجیدگی میں خطیبانہ رنگ ابھر آتا ہے جذبے بجھنے لگتے ہیں۔ غنودگی کا احساس ہونے لگتا ہے تب ہی محسوس ہوتا ہے کہ تیز چلنے کے سبب شاعر پر غنودگی کا غلبہ طاری ہونے لگا ہے جوشِ اولین اور جذبہ وارفتہ سے رشتہ ٹوٹنے لگتا ہے تکان کا احساس پیغام خاص کے سبب حاوی ہو جاتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ حاوی اثرات بے شک کہیں کہیں اقبال کی شاعری میں شعریت کے فقدان کا باعث بنے ہیں۔ سنجیدہ شاعر، طلوعِ اسلام، مسجدِ قرطبہ، ساقی نامہ، خضرِ راہ وغیرہ نظموں میں اس طرح کی بات پائی جاتی ہے۔

شاہین، باز، کرگس، زاغ، غنزی، زجاج، سنگ، خار، خودی، عشق، عقل، شجر، مرد قلندر، مرد مومن، بلبل، گل، شمع، پروانہ، جگنو، تمام، گنجشک، چیونٹی، پھول، چاند، ستارے وغیرہ کو ہمارے ناقدوں نے عام طور پر اقبال کی علامتیں قرار دیا ہے مگر انہیں علامتیں کہنا ذرا مشکل ہے۔ ان میں کچھ استعارے ہیں، کچھ استعارے ہیں اور کچھ تمثیلیں ہیں۔

اس طرح ماننا پڑتا ہے اقبال کی شاعری بڑی ہمہ گیر اور وسیع ہے اور یہی ان کے فن کی عظمت ہے۔

(بشکریہ 'پاسبان' پٹڑی گڑھ۔) ●●●

اقبال کا فن

حیدر راحت

اقبال کی شاعری پر قلم اٹھاتے ہوئے بیشتر ناقدین غیر محتاط رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اقبال کی شاعری بڑی ہمہ گیر اور وسیع ہے۔ کسی ایک پہلو پر زور دے کر بات کو ختم کرنے کی عادت ہمارے ناقدین میں بہت عام رہی ہے۔ ناقدوں کو جہاں کوئی ایسا پہلو نصیب ہوا وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اسے اپنی پوری تنقید کی بنیاد بنا کر اسی خاص پہلو پر بحث کرتے ہیں۔ ان کی خوش فہمی دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔ جب وہ بڑے ہی جابرانہ محاکمے پیش کرتے ہیں۔ بعض ناقدوں نے ان کو اپنا قومی شاعر تصور کیا، بعض نے ملّی۔ کچھ نے آفاقی حیثیت دی، اوروں نے ان کو علاقائی گردانا۔ پھر فطری مناظر کشی کے اعتبار سے انہیں اردو کا ورڈس ورتھ بھی مانا جا سکتا ہے۔ وہ سب کچھ تھے اور یہی ان کی شاعری کی سب سے اہم خوبی ہے اور یہی ان کی شاعری کی ہمہ گیری اور تنوع خارج ہے۔ ان کی شاعری کی ہمہ گیری کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ ان کے فکر کا رشتہ نطشے، گیٹے اور مارکس تک جوڑا جا سکتا ہے۔ ان کا فلسفۂ خودی کا تعلق جلال الدین رومی اور ابن عربی سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان کے شیطان کے تصور میں ملٹن کے SATAN سے مماثلت تلاش کی جاتی ہے۔ ان کے مردِ مومن کو پہلے تو مافوق الانسان سمجھا گیا پھر مارکسزم کا مان لیا گیا۔ ان کے شاہین کی تمثیل کو آخر مطلق جبر و خونخواری سے تعبیر کیا گیا۔ ان کے آفتابِ تازہ کو سرخ انقلاب کا پھریرا سمجھا گیا۔ کسی کو ان کی اسلامی قومیت میں فرقہ واریت دکھائی دی اور ان کی آفاقیت مجروح ہوتی نظر آئی اور کسی نے بڑی حسرت کے ساتھ کہا کہ کاش اقبال نے مردِ مومن کی صفات سے مردِ کامل کو متصف کر دیا ہوتا تو ان کی عظمت محدود نہ ہوتی۔ وہ آفاقیت کا پیغام دیتے ہوئے بھی ایک قوم و ملت کے حصار میں گھر گئے۔ کسی کو اقبال محض صوفی نظر آئے اور ان کے فکر کی تمام تر عظمت روح کی بالیدگی اور اس کے ترفع کے گرد گردش کرتی ہوئی دکھلائی دی۔ یعنی شد پریشاں خوابِ اقبال از کثرتِ تعبیر ہا۔

اقبال کی شاعری کے بہت سارے اہم گوشوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ مگر اب تک ان کے فن پر کوئی جامع تصنیف نہیں آئی ہے۔ گرچہ اہم ناقدین نے اس سلسلے میں قدم اٹھایا ہے پھر بھی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

کھل کر پوری طرح ان کے فن پر کوئی بسوط و مربوط اور جامع مقالہ یا تصنیف میری نظر میں نہیں آئی۔ افتخار بنوی، عبد المغنی، اور سرور نے اس سلسلے میں قدم اٹھائے ہیں۔ ادھر ایک مقالہ جدید ناقد شمس الرحمٰن فاروقی نے سپردِ قلم کیا ہے جس میں انہوں نے ان کی شاعری کو اجاگر کیا ہے، ——— ایک بات ہے جو ہمارے پیشِ نظر ہمیشہ سے ہے ——— اقبال فکری اعتبار سے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ایک شاعر تھے۔ ایک عظیم شاعر ——— انہوں نے شعر کی زبان میں ایک مربوط فکر اور نظریہ پیش کیا ہے جس میں جذبہ کی شدت، درد و تڑپ اور روح کو چھونے والی کیفیت ہے اور جس میں حسنِ بیان، نغمہ و آہنگ اور صوت و معنی کی وہ رعنائی ہے کہ جس کی مثال اردو شاعری آج تک پیش نہیں کر سکی۔

یہ بات طے ہے کہ وہ ایک پیامی شاعر تھے۔ ان کے پاس ایک پیام تھا جس کو وہ دنیا کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے پورے پیام کو نثر میں بھی پیش کر سکتے تھے مگر انہوں نے شاعری جیسی لطیف و نازک فن کو اپنایا۔ دوسری بات یہ کہ خود ان کا مزاج شاعرانہ تھا۔ حیات و کائنات کے متعلق ایک خاص نظریے کو پیش کرنا ان کا نصب العین تھا۔ انہوں نے اپنے نصب العین و مقاصد کو پیش کرنے کا ذریعہ اور واسطہ شاعری کو بنایا۔ وہ اپنی شاعری سے کام لینا چاہتے تھے۔ بڑا نازک اور اہم کام۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ است
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

لیکن اس ناقۂ بے زمام کو قطار میں سیدھی کرنے کے لئے انہیں

واسطے اور ذریعے کی ضرورت تھی جو موثر اور مناسب ثابت ہو۔ گرچہ انہوں نے
اس کام کے لئے شاعری کو اپنایا تاہم وہ اس بات سے پوری طرح واقف تھے
کہ شاعری کی زبان مبہم، تہ دار، علامتی طرز اور اشارے و کنائے کی زبان
ہوتی ہے۔

بر سینہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز ایماں نیست

گرچہ :-

وقت برہنہ گفتن است
من بہ کنایہ گفتہ ام

انہوں نے بعض جگہوں پر اپنی شاعری کو ثانوی حیثیت دی ہے۔
ساز سخن کو بہانہ قرار دیا ہے۔ ایک مشکل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاعر ہی نہیں سمجھتے بلکہ وہ خود کو دانائے راز اور طائر حرم تصور کرتے ہیں۔ اپنی شاعری کے ذریعہ شمع حرم کے پروانوں کو ایک نئے رموز سے آشنا کرانے کے آرزومند ہیں۔ وہ شاعری میں ایسی ترکیب استعمال کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا مقصد بر آئے لوگوں کے دلوں میں وہ اتر جائے۔ وہ غزل سے اور نہ اس کی زبان سے واقف ہیں۔ وہ تو ایک دلکش صدا سنانا چاہتے ہیں۔ دلکش صدا کہاں سے پیدا ہوگی وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ واقف ہیں کہ کسی بھی فن کا معجزہ ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب تک کہ جو اس میں خونِ جگر کی آمیزش ہو۔

رنگ ہو یا چنگ ہو سنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

جہاں جہاں وہ رمز و ایمائی زبان سے پرے ہو گئے ان کا دار خالی ہوتا نظر آتا ہے۔ ناقدینِ زمام کی قطار بندی کے شوق میں ان کی لے اکثر بہت تیز ہو گئی ہے جس سے ان کا درس خطابیت سے مل گیا ہے۔ اقبال کا زمانہ بھی ایسا تھا کہ ایسے وقت میں بقول اختر ارینوی فن کو جمال سے زیادہ جلال کی ضرورت ہوتی ہے، طاؤس و رباب کی نہیں بلکہ شمشیر و سناں کی۔ یہ زمانہ ہی ضرب کلیم کے لئے تھا۔ اقبال کو خود اس امر کا احساس تھا۔

رمز و ایما اس زمانے کے لئے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن

اقبال اس سے واقف ہیں کہ اِنَّ مِنَ الشِّعرِ الحِکمۃ وَاِنَّ مِنَ البیان لسحراً (شعر میں حکمت اور بیان میں جادو ہے)۔
اور اسی لئے انہوں نے شاعری کو اپنے پیام کی ترسیل کے لئے ذریعہ بنایا۔ لیکن شاعری اسی وقت موثر ہو سکتی ہے جب اس میں شاعر کا جذبہ، تڑپ، کسک اور درد ہو۔ جس بات کو وہ پیش کرے اس سے وہ پہلے ہی متاثر ہو۔ دلکش صدا کے لئے خونِ جگر کی آمیزش ضروری ہے۔ بات یہ ہے کہ اقبال اپنے دل میں تڑپ، کسک اور درد رکھتے ہیں۔ وہ اپنے نصب العین کی تکمیل چاہتے ہیں اور اقبال کی شاعری لوگوں کو اسی لئے متاثر کرتی ہے۔
بقول اختر ارینوی صاحب

'اقبال کی عظمت ان کی غیر معمولی تخلیقی قوت میں مضمر ہے کہ وہ فکر و فلسفہ اور مقصد و پیام کو احساس، جذبی اور کل جمالیاتی حیثیت عطا کر دیتے ہیں۔ وہ سل کو دل بنا دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں سل کا وزن نہیں بلکہ سل کو دل بنا دینے کا معجزہ ہے'۔ مطالعہ و محاسبہ ص ۱۳۲۔

اقبال کی شاعری کی عظمت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے بھی ایک بڑے شاعر کی طرح اپنے موضوعات کے اظہار کے لئے محض روایت ہی پر انحصار نہیں کیا بلکہ ان کی ایک علیحدہ شعری ڈکشن ہے۔ دوسری بات یہ کہ قدیم الاصل الفاظ و معانی، تراکیب و اسالیب کو نئی معنویت عطا کی۔ انہوں نے نئے نئے استعارے اور پرانے استعاروں کو نئے معنوں میں استعمال کیا اور اردو شاعری کو بڑی وسعت دی ہے۔ اقبال اپنی غیر معمولی تخلیقی قوت کے باعث اپنے استاد داغ کی زبان و سلوک سے ہی نہیں، اردو شاعری کے اسالیب بیان سے فی الفور نکل آئے۔
اقبال نے اپنے نصب العین کو پیش کرنے کے لئے نئی زبان وضع کی۔ جس سے کہ ماقبل شاعری قطعی طور پر نا آشنا تھی۔ ان کا شعری اسلوب دوسرے شعراء کے مقابل بہ لحاظ آہنگ اور بہ طرق تزئین منفرد، تمانی، موثر اور دل گداختہ بھی ہے۔ سادہ کار بھی اور پرکار بھی اور نغمہ ریز بھی۔ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا یہ خیال کہ قبول کرنا پڑتا ہے کہ۔

'اگر اقبال پیدا نہ ہوتے اور ان کی شاعری ۱۹۰۱ء اور ۱۹۲۳ء کے درمیان اپنے پورے شباب پر نہ آئی ہوتی تو اردو شاعری کی زبان آج بھی داغ اور حالی کی زبان ہوتی'۔ لفظ و معانی ص ۲۶

اقبال جس قدر بلند بانگ لہجہ، گہری سنجیدگی و متانت لئے ہوئے ہیں وہ پوری اردو شاعری میں نہیں ہے گرچہ خطیبانہ و تلقینی لہجہ ابھر آتا ہے
(باقی ص ۹ پر)

امداد باہمی اور کارل مارکس

از:- شری نرمل بوس
وزیر تعاون و اعلیٰ تعلیم، حکومت مغربی بنگال

ہمارے ملک مع مغربی بنگال میں، جہاں ذی فہم اور روشن خیال لوگوں کے درمیان مارکسزم کا اثر نمایاں ہے، اس بات کے سلسلہ میں کہ مارکس کے خیالات اور امداد باہمی تحریک کے درمیان کیا مناسب تعلقات ہیں، بہت سارے لوگوں کے خیالات ابھی بھی متذبذب ہیں۔ بہت سارے لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ امداد باہمی مارکس کے خیالات کے ہم رنگ نہیں ہے اور یہ کہ یہ ایک قدامت پسند اصلاحی تحریک ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام حضرات جو اکتوبر انقلاب کے بعد سوویت روس میں اشتراکیت کی تعمیر کے لئے امداد باہمی کے اصول کو روبہ عمل لانے میں وی آئی لینن کے کردار سے اور اشتراکی ملکوں میں امداد باہمی سوسائٹیوں کی کارکردگی سے واقف ہیں، ہمیشہ یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے کہ مارکس اور فریڈرک انجیلس نے امداد باہمی تحریک پر بہت سارے مضامین لکھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹ویں صدی کے وسط میں جبکہ یورپ کے چند ممالک میں، خاص طور پر برطانیہ، جرمنی اور سوئزر لینڈ میں امداد باہمی تحریک شروع ہوئی تھی، تو کارل مارکس نے اس تحریک کی بابت بہت سارے مضامین لکھے۔ انہوں نے اپنے بہت سارے مضامین میں ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۲ء کے درمیان شائع ہوئے امداد باہمی تحریک کی اہمیت اور حدود کی وضاحت کی۔ فریڈرک انجیلس کے نام ۴ رنومبر ۱۸۶۴ء کو اپنے ایک خط میں انہوں نے امداد باہمی تحریک کو کافی سراہا۔

مارکس کو امداد باہمی کی صورت میں پیداوار کے سرمایہ دارانہ طریقۂ کار کا متبادل مل سکا، اور یہ اشتراکیت کے مطمح نظر کے بہت ہی قریب ہے۔ کام کرنے والے لوگوں کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن کے جلسہ میں مارکس نے افتتاحی تقریر میں یوں کہا۔

"لیکن محنت کی سیاسی معیشت کی قسمت میں جائداد اور امارت کی سیاسی معیشت پر ایک عظیم تر فتح تو لکھی ہوئی تھی۔ ہم لوگ امداد باہمی تحریک کا تذکرہ کرتے ہیں اور خاص طور پر ان امداد باہمی کارخانوں کا ذکر کرتے ہیں جنہیں چند جرأتمند ہاتھوں نے قائم کیا۔ ان عظیم تجربات کی افادیت کی تکمیل کا یا نہیں جاسکتا کام نہ کیا تو اس تجربے نے ثابت کر دکھایا کہ وسیع پیمانہ پر پیداوار کا اور وہ بھی جدید سائنس کے تقاضوں کے مطابق مالکوں کے جو مزدوروں کو روزگار فراہم کرتے ہیں طبقہ کی موجودگی کے بغیر جاری رکھا جاسکتا ہے، اور اس کوشش کو ثمرآور ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مزدوری کے ذرائع پر اجارہ داری قائم کرلی جائے۔ اور مزدوروں پر مالکوں کا تسلط ہو جائے اور مزدور استحصال کا شکار بن جائیں۔ غلام مزدوروں کی طرح کرایہ کے مزدور بھی ایک عارضی اور گھٹیا سماجی شکل ہے۔ اور متحدہ مزدوروں کے سامنے یہ آہستہ آہستہ غائب ہو جائیں گے۔ کیونکہ متحدہ مزدور خوشی خوشی اور رضا و رغبت سے اپنے فرائض انجام دیں گے۔

مارکس کے نقطۂ نظر میں امداد باہمی تحریک تو سرمایہ دارانہ نظام میں تغیر کلی لانے والی ایک طاقت ہے۔ مارکس نے اپنے مضمون بنام "عارضی جنرل کاؤنسل کی وفدوں کے لئے ہدایات، مختلف سوالات" (فروری - مارچ ۱۸۶۷ء) میں یوں کہا:-

"ہم لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ امداد باہمی تحریک طبقاتی جنگ پر مبنی ہے موجودہ سماج کو تبدیل کرنے کے لئے ایک

طاقت ہے۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ عملی طور پر یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ سرمایہ کے تحت مزدوروں کو تابع بنانے کا موجودہ استبدادی نظام کو ایک آزاد اور مساوی پروڈیوسروں کی ایسوسی ایشن کے عوامی اور بہتر نظام سے بدل دیا جا سکتا ہے۔"

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آج سے ایک سو سال سے زیادہ عرصہ قبل مارکس نے امداد باہمی کو "ایک عوامی اور فائدہ مند نظام" بتایا۔ اپنی کتاب کیپٹل (CAPITAL ۱۸۹۴ء) جس کی ادارت فریڈرک اینگلس نے کی، مارکس نے واضح طور پر یہ بات کہی کہ وہ امداد باہمی نظام کو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ اس بات کی جھلک دیکھ رہے ہیں کہ پیداوار کے نظام میں امداد باہمی کے کارگر ہونے سے سرمایہ دارانہ نظام اب بے محل بن چکا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کہا۔

"امداد باہمی کارخانے اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ ایک سرمایہ دار پیداوار میں عہدہ دار کی حیثیت سے اتنا ہی حشو و زائد بن چکا ہے جتنا کہ وہ خود ہے اور جو ایک بلند مکس سے جب نیچے کی طرف تکتا ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ بڑے زمیندار بھی حشو و زائد بن چکے ہیں۔ ایک امداد باہمی کارخانہ میں مزدوروں کی نگرانی کی معاندانہ نوعیت غائب ہو چکی ہے کیونکہ اب منیجر کو مزدور ہی تنخواہ دیتے ہیں نہ کہ سرمایہ دار۔"

مارکس نے مزید کہا کہ امداد باہمی تو پرانی شکل میں ہو دسے کی نئی کلی ہے۔ اپنی کتاب "کیپٹل" میں انہوں نے سرمایہ دارانہ غیر سرکاری اداروں اور موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں امداد باہمی اداروں میں قرض کے نظام کا ذکر کیا اور انہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ کس حد تک اس سلسلہ میں امداد باہمی ادارے بہتر ثابت ہوئے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں۔

"نظام قرض سرمایہ دارانہ اسٹاک کمپنیوں کی بتدریج تغیر کلی کے لئے نہ صرف اہم بنیاد ہے بلکہ یہ کم و بیش قومی سطح پر امداد باہمی اداروں کی بتدریج توسیع کے لئے مساوی ذرائع فراہم کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ اسٹاک کارخانوں کو اس کے ساتھ امداد باہمی کارخانوں کو تبدیلی پذیر سمجھنا چاہیے۔ یعنی پیداوار کے سرمایہ دارانہ طریق کار کی جگہ مشترکہ طریقہ کار۔ ان دونوں میں واحد فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں [illegible] طور پر بعد الذکر میں

عملی طور پر حل پا گیا ہے۔"

اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ دولت کے اضافہ کے درمیان محنت کش طبقہ غریب ہی رہتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی عیش و عشرت کے درمیان ان کی خستہ حالی اور بھی بڑھ جاتی ہے اور ان مزدوروں کو دلی اور جسمانی چوٹ پہونچتی ہے۔ مارکس نے محنت کش طبقوں کو یہ ہدایت دی کہ انہیں ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ اپنے ایک انٹرویو میں جسے اخبار "دی ورلڈ" نے ۱۸ جولائی ۱۸۷۱ء کے شمارہ میں شائع کیا تھا، انہوں نے یہ ہدایت دی؛

"علاج کے لئے انہیں دوسروں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ ان کے لئے لازمی بن گیا ہے کہ وہ اپنے معاملہ کو اپنے ہاتھوں میں لیں سرمایہ داروں اور زمینداروں اور ان کے درمیان جو تعلقات ہیں انہیں ان لوگوں کو بدل دینا چاہیئے اور اس کے معنی یہیں کہ انہیں سماج میں تغیر کلی لانا چاہیئے۔ مزدوروں کی ہر مقبول عام تنظیم کا یہی مقصد ہونا چاہیئے۔ زمین اور مزدوروں کی جماعتیں، کاروبار اور درست سوسائٹیاں، امداد باہمی اور اسٹورز اور امداد باہمی پیداوار یہ سب اس مقصد کی حصولیابی کے ذرائع ہیں۔ ان تنظیموں کے درمیان مکمل اتحاد قائم کرنا، بین الاقوامی تنظیم کا اہم فرض ہے۔"

اس طرح یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مارکس نے فرسٹ انٹرنیشنل کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ دیگر تنظیموں، صارفین اور پروڈیوسروں کی امداد باہمی سوسائٹیوں کے ساتھ ان سرگرمیوں میں پہل کرے۔

مارکس نے بہر حال صارفین سے زیادہ مصنوعات تیار کرنے والی کوآپریٹو سوسائٹیوں پر زور دیا تھا۔ عارضی عام کاؤنسل کے وفدوں کے لئے ہدایت، جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، میں انہوں نے کہا۔

"ہم اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ محنت کش لوگ امداد باہمی اسٹورس کی جگہ امداد باہمی پیداوار کے کام میں مشغول ہو جائیں۔ اول الذکر موجودہ معاشی نظام کی صرف سطح کو چھوتا ہے لیکن بعد الذکر اس کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔"

نہ صرف مارکس بلکہ اینگلس کے بھی یہی خیالات تھے کیونکہ ان کے وقت میں یورپ میں اور خاص طور پر جرمنی میں پروڈیوسرز کوآپریٹو کی تعداد صارفین کی کوآپریٹو سے کہیں زیادہ تھی اور اس وقت کو صارفین کی کوآپریٹو سوسائٹیوں پہ "محدود" [illegible]

مارکس اجتماعی کاشتکاری یا امداد باہمی کاشتکاری کے حق میں تھے۔ وہ اپنے دور میں روس میں رائج دیہی کمیون کی مثال پیش کیا کرتے۔ یہ نظام اجتماعی یا امداد باہمی کاشتکاری کے نظام سے بہت ہی نزدیک تھا۔ وی۔ آئی۔ زسولک کے خط کے جواب کے پہلے ڈرافٹ میں مارکس نے کہا:۔

"موجودہ دور میں روس کے دیہی کمون جن مشکلات سے دوچار ہیں، انہیں الگ رکھتے ہوئے اور اس کی دستوری شکل اور تاریخی پس منظر کو مرکوز کرتے ہوئے یہ بات صاف صاف طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اس کی ایک بنیادی خصوصیت یعنی قطعات آراضی کی مشترکہ ملکیت، اجتماعی پیداوار کے لئے قومی بنیاد ہے۔ مزید برآں روسی کسان روسی کسانوں کی انجمنوں سے واقف ہیں، اسی لئے ایک روسی کسان کو معیشت کے جزوی نظام کو اجتماعی نظام میں تبدیل کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کیونکہ معاشی نظام کے تحت وہ سرسبز قطعات آراضی میں، جنہیں منقسم نہیں کیا تھا، یا پانی کے نکاس یا عام مفاد کے اسی طرح کے دیگر کام کاج میں معروف عمل رہتا ہے۔"

مارکس نے امداد باہمی سوسائٹیوں کے ممکنہ انحطاط کے خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے لوگوں سے کہا تھا:۔

"اس بات کی روک تھام کے لئے کہ روبہ انحطاط امداد باہمی سوسائٹیاں عام متوسط درجہ کی جوئنٹ اسٹاک کمپنیوں میں تبدیل نہ ہو جائیں، تمام برسر روزگار مزدوروں اور ملازمین کو خواہ وہ حصص کے مالک ہوں یا نہ ہوں، مساوی طور پر کوشش کرنی چاہئیں۔ عارضی ضرورت کے پیش نظر ہم حصص کے مالکوں کو کم شرح پر سود دینے کو راضی ہیں۔"

آج کی امداد باہمی تحریک کے لئے یہ انتباہ ضروری ہے۔

مارکس نے امداد باہمی کے نصب العین کی اشاعت کو بڑی اہمیت دی ہے۔ انہوں نے امداد باہمی تعلیم کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

"ہم لوگوں نے تمام امداد باہمی سوسائٹیوں سے اس بات کی سفارش کی ہے کہ وہ اپنی مشترکہ آمدنی کے ایک حصہ کو فنڈ میں تبدیل کردے اور اسے قول و مثال کے ذریعہ، بہ الفاظ دیگر نئی امداد باہمی سوسائٹیوں کے قیام کے لئے اور امداد باہمی کی بابت متعلقہ لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے امداد باہمی کے اصولوں کی پرچار پر خرچ کیا جائے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امداد باہمی تحریک کی ابتداء سے ہی سارے دنیا میں اس امر کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ یہ تحریک امداد باہمی کی نشر و اشاعت، تربیت اور تعلیم کیلئے اپنی آمدنی کے ایک حصہ کو مخصوص کردے گی۔ اور مارکس نے اس نظریہ کی تائید کی۔

مارکس کے اس سلسلہ میں خیالات بالکل واضح ہیں کہ محنت کشوں کی تحریک کے لئے صرف اس حد تک کہ وہ صرف مزدوروں کی نہ کہ حکومتوں کے حامیوں کی یا بڑے داؤں کی آزاد تخلیقات ہوں، امداد باہمی سوسائٹیاں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

مارکس نے کبھی بھی فرڈیننڈ لسالے کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ لسالے کی رائے یہ تھی کہ ایک مستحکم امداد باہمی تحریک بالکل بے کار سی تحریک ہے۔ کیونکہ اس سے ضرورت کے طور پر قیمتوں میں عام اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن امداد باہمی کی اہمیت تو اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ بڑے درخت کی نئی کلی ہے، اور اس نے یہ ثابت کر دکھایا کہ سرمایہ داروں کے بغیر بھی مزدور معیشت کا بہتر طور پر انتظام کر سکتے ہیں۔

گرچہ مارکس کو امداد باہمی تحریک پر یقین کامل تھا اور انہوں نے محنت کشوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ اس تحریک میں شامل ہو جائیں تاہم انہیں اس بات پر یقین نہ تھا کہ امداد باہمی سوسائٹیاں سرمایہ دارانہ سماج کو اشتراکیتی سماج میں تبدیل کر دیگی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ کہا:۔

"گرچہ بالکل نچلی سطح پر ہیں، تاہم اجرت پانے والے اپنے طور میں اس میں بہتری لا سکتے ہیں لیکن امداد باہمی نظام سرمایہ دارانہ سماج کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ سماجی پیداوار کو آزاد امداد باہمی محنت کے ایک بڑے اور ہم آہنگ نظام میں تبدیل کرنے کے لئے عام سماجی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور سماج کے عام حالات میں اس وقت تک تبدیلی نہیں ہوگی جب تک کہ سماج کی منظم طاقتیں یعنی سرمایہ داروں اور زمینداروں کے ہاتھوں سے پرو ڈیوسروں کے ہاتھ ریاستی طاقت، منتقل نہ ہو جائیں۔

اور اسی لئے مارکس نے کہا تھا کہ سیاسی طاقت پر فتح حاصل کرنی ہی محنت کشوں کا اہم فرض ہے۔

مارکس نے بالکل صاف طور پر یہ کہا تھا کہ سماجی پیداوار تو اشتراکی سماج کی اہم بنیاد ہوگی۔ اور یہ آزاد امداد باہمی محنت کے ایک وسیع اور ہم آہنگ نظام پر مشتمل ہوگی۔

●●●



مغربی بنگال میں زراعت۔

MAGHREBI BENGAL
1st July 1983

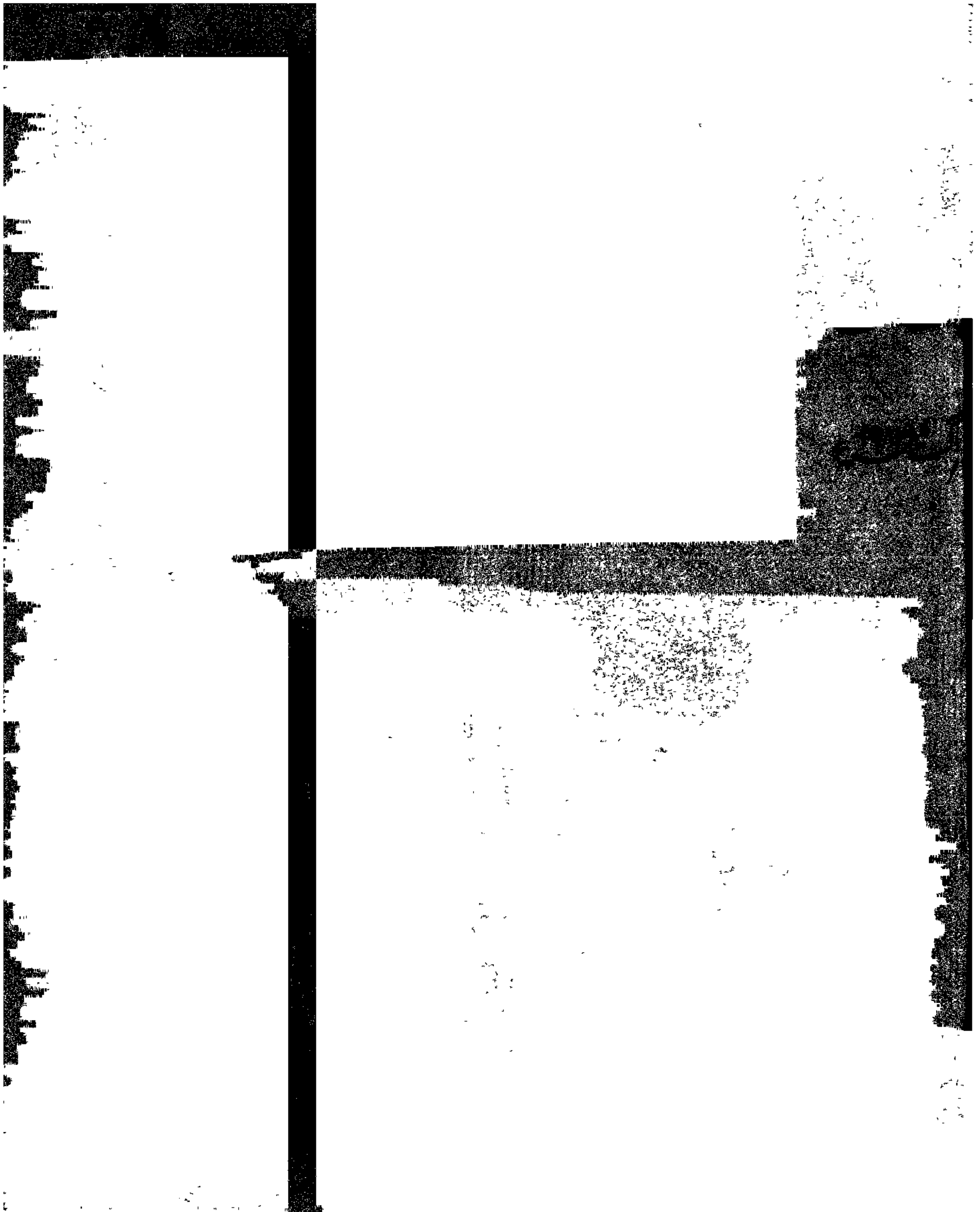
Regd. No. [illegible]
Vol. 30 No. 13
PRICE [illegible] Paise





وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو خشک سالی امداد کے سلسلہ میں [illegible] کلکتہ
میں منعقدہ ایک جلسہ میں سامعین کو خطاب کرتے ہوئے ۔

Editor : B. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESSION 10. Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.



مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ: پرلیتین بھٹاچاریہ

مدیر: دھریندر ناتھ دت

مدیر معاون: محمد اعظم

جلد نمبر ۳۰ • یکم اگست سنہ ۸۳ء • شمارہ نمبر ۱۴-۱۵

اس شمارے میں

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال

اس خصوصی شمارے کی قیمت ۲۵ پیسے

مخدوم محی الدین

زلفِ چلیپا

آفریں ہے تجھ پہ اے سرمایہ داری کے نظام
آندھیاں شعلہ بداماں خون کی برسات میں
کتنی ماؤں کی سہانی گودیاں ویراں ہیں آج
موت محوِ شادمانی غرقِ ماتم ہے حیات
جس زمیں سے ارتقا کے انبیا پیدا ہوئے
رام و لچھمن کی زمیں کرشن کی گوتم کی زمیں
اس زمیں کے بر نشیلے بام و در میں موت ہے
مندروں میں معبدوں میں اور کلیساؤں میں موت
زرگری کا رقص ہے سود و زیاں کا رقص ہے
اب کسی سینے میں روحِ شادماں گاتی نہیں
بر ہمی زلفِ چلیپا میں کبھی دیکھی نہ تھی
پی او را پنے ہاتھ سے پی لے کے سرمائے کا نام

اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا اتنا اہتمام
اب تو بوئے آتش و بارود ہے ہر بات میں
فرقِ گیتی پر نظر آتا ہے خیر کا تلوں کا تاج
لٹ رہی ہے ساری خلقت جل رہی ہے کائنات
جس زمیں سے علم و حکمت کے خدا پیدا ہوئے
وہ محمدؐ کی زمیں وہ ابنِ مریمؑ کی زمیں ہے
اس کے دل میں موت ہے اس کی نظر میں موت ہے
خلوتوں میں موت ہے شاہی شبستانوں میں موت
ہر گلی کوچے میں مرگِ ناگہاں کا رقص ہے
زندگی کی اب کہیں ہلچل نظر آتی نہیں
برہمی دیکھی تھی، ایسی برہمی دیکھی نہ تھی
موت کا لبریز ساغر، عصرِ حاضر کے غلام

عزمِ آزادی سلامت، زندگی پائندہ باد
سرخ پرچم اور اونچا ہو، بغاوت زندہ باد

بائیں محاذ حکومت نے مختلف میدانوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

شری سوردج مکھرجی، چیئرمین، بائیں محاذ کمیٹی

گذشتہ اسمبلی انتخابات میں مغربی بنگال کے عوام نے بائیں محاذ کو منتخب کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بائیں محاذ نے ترقیات کے مختلف میدانوں میں اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے گرانقدر خدمات انجام دی تھیں۔ شری سوردج مکھرجی چیئرمین بائیں محاذ کمیٹی نے مغربی بنگال کے خصوصی نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ انٹرویو کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

سوال :۔ مغربی بنگال میں گذشتہ چھ برسوں میں بائیں محاذ حکومت کی کامیابی اور ناکامی کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب :۔ گذشتہ چھ برسوں میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے بہت سارے پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کارناموں کا میں پہلے ذکر کروں گا۔ نہ صرف ہمارے لوگوں کو جن میں کسان، مزدور اور متوسط طبقہ کے لوگ شامل ہیں معاشی فوائد حاصل ہوئے بلکہ ان کے جمہوری حقوق کو وسیع اور مستحکم بنادیا گیا۔ ان کی وجہ سے ان میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ وہ سب اب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ بائیں محاذ اپنے محدود اختیارات کے اندر رہتے ہوئے بھی اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ کیونکہ مرکز میں اس کی سیاسی شنوائی نہیں ہوتی۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایسے محدود اختیارات سے تمام بنیادی مسائل کو مکمل طور پر حل کرنا آسان نہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود لوگوں نے دوسری بار بھی بائیں محاذ کو برسر اقتدار لایا۔ اس کی وجہ بائیں محاذ حکومت پر ان کا مستحکم اعتماد ہے کیونکہ اسی حکومت نے اپنے محدود وسائل کے ذریعہ ان کے مختلف مسائل کو حل کیا ہے۔

۱۹۷۷ء میں ہم لوگوں کو جو ووٹ ملے وہ نفی کے ووٹ تھے۔ یعنی اس وقت لوگوں نے کانگریس کی ظالم حکومت کے خلاف ہمیں ووٹ دئے تھے۔ لیکن گذشتہ اسمبلی انتخابات میں لوگوں نے بائیں محاذ کو منتخب کیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بائیں محاذ نے ترقیات کے مختلف میدانوں میں اور عوام کی عام فلاح و بہبود کیلئے گرانقدر خدمات انجام دی تھیں اور اسے ہم مثبتی ووٹ کہہ سکتے ہیں۔ بائیں محاذ کی عام کامیابیوں کے درمیان اب بھی ایسے مسائل ہیں جنہیں حل کرنا ہے۔ کلکتہ میں نقل و حمل کا مسئلہ بھی بہت ہی شدید بن چکا ہے۔ کیونکہ اس شہر میں سڑکیں بہت ہی تنگ ہیں۔ کلکتہ میں کل شہری علاقہ کے صرف ۶ فیصد علاقہ سڑکوں پر مشتمل ہے۔ جبکہ دیگر شہروں میں سڑکیں ۱۲ تا ۱۵ فیصد علاقوں پر مشتمل ہیں۔ ہر روز ہزاروں لوگ باہر سے کلکتہ آتے ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہی حالت بجلی کی بھی ہے۔ ملک کے بجلی سیکٹر میں ناقص مرکزی منصوبہ بندی کی وجہ سے گذشتہ دہائی کے شروع ہی سے زیادہ تر ریاستوں کو بجلی کی شدید کمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ چند مرکزی منصوبے بھی ہیں جن کے مطابق بائیں محاذ حکومت کام کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ایسے منصوبوں کی تکمیل کیلئے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضروری چیزوں کی سپلائی کے کام کاج میں بھی کبھی کبھی سازش کرنے والوں کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں جس بات سے تقویت ملی ہے وہ ہے عوام کی تائید اور جس کے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مغربی بنگال میں جب بائیں محاذ کی حکومت برسر اقتدار آئی تو اس وقت کامریڈ جیوتی باسو نے یہ اعلان کیا تھا کہ حکومت صرف رائٹرس بلڈنگس سے ہی کام نہیں کرے گی بلکہ حکومت اپنے فیصلوں میں عام لوگوں کی مرضی سے رہنمائی حاصل کرے گی۔ وزیر اعلیٰ کامریڈ جیوتی باسو اور راور آ جنبانی کامریڈ پرمود داس گپتا کے مشترکہ بیان میں اس عزم مصمم کی جھلک ملتی ہے کہ مغربی بنگال میں تشدد کی سیاست کو ختم کرکے امن و امان کا بہت ہی عمدہ نظام قائم کیا جائیگا۔ گذشتہ چھ برسوں سے ہم اسی اصول پر قائم و دائم ہیں۔ بائیں محاذ کی مالی

طاقتوں نے اس ریاست میں پرامن عوام کو پراگندہ کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ لیکن انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں عوام کی تائید حاصل نہ تھی۔ آج انہیں مساوی جمہوری حقوق حاصل ہیں۔ کانگریس کے دورِ حکومت میں انھیں ان کے سارے حقوق حاصل نہ تھے۔ اب وہ اپنے حقوق کا غلط استعمال کر رہے ہیں اور انتشار پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اپنے وجود کو ظاہر کرنے کیلئے دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔
ناکامیوں کی بابت تو میں یہ کہوں گا کہ اس کی اہم وجہ ریاست کے ہاتھوں میں محدود اختیارات ہیں۔ اس ریاست کے مالی وسائل اور انتظامی اختیارات بہت ہی محدود ہیں۔ بائیں محاذ نے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ مرکز۔ ریاست تعلقات کے ڈھانچہ کو از سر نو تیار کیا جائے اور ریاستوں کو اور بھی زیادہ مالی وسائل اور انتظامی اختیارات دئے جائیں۔ اگر ریاستوں کو مستحکم نہیں بنایا جائیگا تو مرکز بھی مستحکم نہ ہو سکے گا۔ ہماری تحریک کی وجہ سے شریمتی اندرا گاندھی نے اس معاملہ کا جائزہ لینے کیلئے سرکاریہ کمیشن مقرر کیا حالانکہ ہم لوگوں نے اسی بات پر زور دیا کہ دستور میں ترمیم لائے بغیر ہم اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتے۔ اس سلسلہ میں ہماری تحریک عوام کے مطالبات کی عکاسی کرتی ہے۔

چونکہ مغربی بنگال میں بائیں محاذ برسر اقتدار ہے اس لئے بہت سارے میدانوں مثلاً صنعت، زراعت، تعلیم وغیرہ میں اس ریاست کو مرکزی اشتراک سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ کوئلہ اور اسپات کا تو مساوی کرایہ ہے لیکن روئی کا نہیں۔ یہ ریاست الیکٹرانکس صنعت قائم کرنا چاہتی ہے، لیکن مرکز نے اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بیمار صنعتوں کے سلسلہ میں جو تجاویز پیش کی گئیں تھیں شاید وہ بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں گے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان مجوزہ صنعتوں کو غیر سرکاری ملکیت میں سونپ دیا جائے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم لوگ این آر ای پی اور کام کے لئے خوراک پروگراموں کے ذریعہ مضافاتی علاقوں میں کام کرتے ہی جا رہے ہیں اور ان پروگراموں کے ذریعہ ہم ۲۵ کروڑ کام کرنے کے دن پیدا کر سکے۔ زرعی مزدوروں کے لئے ہفتہ میں تین دنوں کی جگہ چھ دنوں تک کیلئے روزگار فراہم کیا جا سکا۔ اگر ہم اس کام کے لئے چار لاکھ ٹن اناج طلب کرتے ہیں تو ہمیں دو ڈھائی لاکھ ٹن سے زیادہ اناج نہیں دیا جاتا ہے۔ نیز اس کی سپلائی بھی بہت ہی بے ضابطہ ہے۔

ریاستی حکومت کی طرف سے بستیوں میں بچوں کیلئے دودھ کی تقسیم

ماہی گیری

پینے کے پانی کی سپلائی کا پروجکٹ

ہم مرکز کی مسلسل تفریق کی اور بھی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ مغربی بنگال میں جمہوری تحریک کی رفتار جوں جوں تیز ہوتی جا رہی ہے ووں ووں ہماری مانگوں پر مرکز کا دباؤ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ قومی تحریک کے دنوں سے مغربی بنگال ظلم و ستم کا سامنا کر رہا ہے، کیونکہ مغربی بنگال میں جمہوری تحریک کو کوئی دبا نہیں سکا۔ ہمارے سامنے ناانصافی سے لڑنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آگے بڑھیں گے۔

س ۔ مغربی بنگال کے حالیہ منعقدہ پنچایت انتخابات میں بائیں محاذ کی فتح کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج ۔ پنچایت انتخابات ۱۹۸۳ء میں بائیں محاذ کی فتح اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ہم لوگوں کو جو ووٹ ملے وہ مثبت ووٹ تھے۔ کیونکہ مغربی بنگال کے عوام گذشتہ پانچ برسوں میں ریاستی حکومت کے کارناموں سے خوش ہیں۔ گذشتہ پنچایت انتخابات میں لوگوں نے کانگریس کے خلاف ووٹ دئے۔ اس وقت کانگریس بھی منقسم تھی لیکن ۱۹۸۳ء کے پنچایت انتخابات میں ان لوگوں نے متحدہ طور پر بائیں محاذ کے خلاف مہم چلائی لیکن وہ محاذ کو شکست نہ دے سکے۔ دونوں پنچایت انتخابات کے تناظر مختلف ہیں۔ لیکن لوگوں کی تائید سے بائیں محاذ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ ہماری پارٹی کے ورکروں پر زبردست حملے کئے، افتراق پسندوں اور فرقہ پرستوں نے پروپیگنڈے کئے۔ کانگریسیوں نے متحدہ مہم چلائی، جھارکھنڈ کے ممبران نے بھی منظم کوششیں کیں ۔۔۔ سبھوں نے بائیں اتحاد کے خلاف مہم چلائی، اس کے باوجود وہ سب عوام کو گمراہ نہ کر سکے اور بائیں محاذ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن ہمیں مغرور ہونا نہیں چاہئے۔ ہم سبھوں کو کانگریس کی دہشت   کی سیاست جیسے وہ مضافاتی علاقوں میں بڑھا دینے کی کوشش کر رہی ہے کی روک تھام کے لئے اپنی توانائی کو صرف کر دینا چاہئے۔ بہرحال اس فتح کو بھی واجب اہمیت دی جانی چاہئے۔ یہ حقیقت کہ ایسی شدید صورت حال میں بائیں محاذ نے بائیں جمہوری یکتائی کو مغربی بنگال میں مستحکم بنایا، کافی سیاسی اہمیت کی حامل ہے۔ اب سبھی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ترقی کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے اتحاد۔ ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عوام کی فلاح و بہبود کے تمام پروگراموں کو اجتماعی کوشش کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔ انفرادی کوشش رائیگاں جائے گی۔ چونکہ وسائل محدود ہیں اس لئے کسی بات کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے سے قبل سبھوں کو اس بات کے لئے گفت و شنید کر لینی چاہئے۔ عوام کے رفاہی پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور عوام کے مفادات کے تحفظ کے لئے جمہوری طریقۂ کار کو روبہ عمل لانا چاہئے۔

س ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مغربی بنگال میں بائیں محاذ کی کامیابی دیگر ریاستوں میں جمہوری تحریک میں روح پھونک دے گی اور کیا اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ اس تحریک کو کل ہند کامیابی حاصل ہوگی۔؟

ج ۔ مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں بائیں جمہوری طاقتوں پر بہت اچھا اثر ڈالا ہے۔ مغربی بنگال کے باہر جہاں کہیں ہم جاتے ہیں لوگ اس ریاست میں بائیں محاذ حکومت کی کارگذاریوں کی بابت پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ ہم لوگ جتنے ترقیاتی   اقدامات کو پایۂ تکمیل تک پہونچاتے ہیں انہیں زیادہ ترقی اشاعت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو لوگ اس اہم واسطہ کے مالک ہیں وہ ہمارے مخالف ہیں۔ اسی لئے حکومت مغربی بنگال کے شائع کردہ رسالے، پچھم بنگو (بنگلہ)، ویسٹ بنگال (انگریزی) پچھم بنگال (ہندی) اور مغربی بنگال (اردو) مختلف ریاستوں میں بھیجے جاتے ہیں تاکہ وہاں کے لوگوں کو ان رسالوں سے ہماری ترقی کی بابت کچھ معلومات فراہم ہوں۔ اس نشر و اشاعت کی وجہ سے دیگر ریاستوں کے لوگوں کو بائیں جمہوری تحریک شروع کرنے میں کافی تقویت ملتی ہے اور اگر نشر و اشاعت کے کام کا اچھی طرح انتظام کیا جائے تو اس سے دیگر ریاستوں میں لوگ اپنی تحریکوں کو مستحکم بنا سکیں گے۔ نشر و اشاعت کے کام کو موثر طور پر روبہ عمل لانا چاہئے ورنہ لوگوں کو ہماری کامیابی، ہمارے مسائل اور ان مسائل کی وجوہ کی بابت معلومات حاصل نہ ہوں گی۔ بائیں محاذ حکومت سارے ہندوستان کے سامنے بائیں جمہوری تحریک کی ایک مثال کی طرح کام کر رہی ہے اس لئے اس کی کارکردگی کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت پر زور دینا چاہئے۔



مغربی بنگال میں بدلتے ہوئے صنعتی مناظر

از: کرشنا پد و گھوش
وزیر شعبۂ محنت، حکومت مغربی بنگال

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد اس ریاست کے صنعتی تعلقات کے مناظر میں نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ ٹریڈ یونین تحریک مجموعی طور پر خاموش ہو چکی تھی، کیونکہ ایمرجنسی کے دوران اس پر زبردست دباؤ ڈالا گیا جس کی وجہ سے مالکوں سے بات چیت کرنے کے لئے یہ اپنی مجموعی طاقت کو حسب معمول دنوں کی طرح بروئے کار نہ لا سکی۔ نئی وزارت کا اہم مقصد یہ ہے کہ ایسی پالیسیاں مرتب کی جائیں جن سے محنت کشوں کو فائدہ پہنچے اور ایمرجنسی کے دوران مزدوروں اور ملازمین کے ساتھ جو ناانصافیاں کی گئیں تھیں انہیں دور کیا جائے۔ مزدوروں کے جائز مطالبات اور جدوجہد کی تائید کرتے ہوئے حکومت نے ایسی پالیسیاں مرتب کی ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ محنت کش لوگ ٹریڈ یونین سرگرمیوں کو آزادی کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔ ان قوانین میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ٹریڈ یونین حقوق کی حفاظت کی جائے اور انہیں فروغ دیا جائے۔ ساتھ ہی ٹریڈ یونین کی تمام قانونی تحریکوں کی حفاظت اور فروغ کی کوشش کی جائیں۔

برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی نئی حکومت کی نظامت محنت نے آجروں کی تنظیموں کے نام سرکلر (خطوط) جاری کئے، جن میں ان سے درخواست کی گئی کہ ایمرجنسی کے دوران جن مزدوروں اور ملازمین کو بے روزگار بنا دیا گیا تھا انہیں پھر سے برسر روزگار کر دیا جائے اور جو ملازمین مغربی بنگال میں ۱۹۶۷ء سے ۷۰ء اُس وقت کے سیاسی حالات کے پیش نظر اپنی ملازمت کو جاری نہ رکھ سکے، انہیں پھر سے کام پر لے لیا جائے۔ مزدوروں کے تنازعات کے تصفیے کے لئے تمام سہ طرفی تنظیموں جیسے ریاستی مزدور مشاورتی بورڈ وغیرہ کو اعادہ نہ کی گئی اور ان کی از سر نو تشکیل کی گئی۔

بونس ایکٹ کی ترمیم کے سلسلہ میں حکومت ہند کے پاس بھی سفارشات پیش کی گئیں۔ بونس کی ادائیگی کے لیے بونس ایکٹ میں ترمیم کے بعد مالک۔ مزدور اجتماعی بات چیت کو کافی تقویت پہونچی۔ ریاستی مزدور مشاورتی بورڈ کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد بونس کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہدایت نامے جاری کئے گئے۔ بعد کے برسوں میں بھی اس طریقۂ کار کو روبہ عمل لایا گیا۔ اور اس طرح یہ امن و امان قائم کرنے میں کافی معاون ثابت ہوئے۔

گذشتہ چھ برسوں میں بائیں محاذ حکومت کے شعبۂ محنت کی سرگرمیوں کے جائزہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ۱۹۷۶ء میں ہڑتالوں کے ۱۲۹ واقعات جن میں ۵۹۶۶۸ افراد مشتمل تھے، ہوئے جبکہ ۱۹۸۲ء میں صرف ۸۱۱۳ افراد پر مشتمل ہڑتال کے ۲۶ واقعات رونما ہوئے۔ تالہ بندی کے واقعات بھی ۱۹۷۶ء میں ۱۵۲ سے کم ہو کر ۱۹۸۲ء میں ۱۱۵ ہو گئے۔ پھر ۱۹۷۶ء میں ۱۱۶ کارخانے بند ہوئے اور اس کی وجہ سے ۱۱۳۹۶ افراد متاثر ہوئے۔ برخلاف اس کے ۱۹۸۲ء میں بندی کے صرف ۳۶ واقعات ہوئے اور ان سے ۳۱۸۵ ملازمین متاثر ہوئے۔ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۶ء تک، پھر ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۲ء تک مغربی بنگال میں ہڑتال، تالا بندی اور بندی کا تجزیہ درج ذیل ہے:

فہرست

۱۹۷۱-۷۶ء

	واقعات کی تعداد	متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد
ہڑتال	۹۳۹	۱۵۶۳۰۰۰
تالہ بندی	۷۵۳	۴۰۱۰۰۰
بندی	۵۸۷	۹۵۸۴۷

فہرست

۸۳-۱۹۷۷ء

	واقعات کی تعداد	متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد
ہڑتال	۵۸۹	۴۸۵۰۰۰
تالہ بندی	۴۸۶	۴۶۹۰۰۰
بندی	۴۱۹	۳۷۹۲۰

منظم سیکٹر میں موجودہ حکومت اجتماعی بات چیت کی ہمت افزائی کرنے کی پالیسی کو بروئے عمل لا رہی ہے کیونکہ باہمی بات چیت تنازعات کے تصفیہ کا ایک اہم آلہ ہے۔ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ اجتماعی سودا بازی کے نتیجہ میں بائیں محاذ کے دور حکومت یعنی ۱۹۷۹ء میں انجینئرنگ صنعت، پاٹ صنعت، سوتی کپڑے کی صنعت، اور میدہ ملوں میں اور ۱۹۸۰ء میں چائے صنعت میں اجرت کے سلسلہ میں مالکان اور مزدوروں کے درمیان سمجھوتے ہو گئے۔ انجینئرنگ، پاٹ، سوتی کپڑے اور چائے کی صنعتوں کے ساتھ کئے گئے سمجھوتے کی میعاد پوری ہو چکی ہے۔ اور وہاں مزدور اس بات کے متمنی ہیں کہ ضروریات زندگی کے بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر ان کی اجرتوں کی شرحوں پر نظر ثانی کی جائے۔ بائیں محاذ حکومت کی لیبر پالیسی اور پروگرام کا مقصد یہی ہے کہ محنت کش لوگوں کے معیارِ زندگی میں اور کام کرنے کے حالات میں بہتری لائی جائے اور ان کے جمہوری حقوق بحال کر دئے جائیں۔ اور ان کی حفاظت کی جائے۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے مزدوروں کے مطالبات کے منشور پر مذکورہ بالا چار صنعتوں کی متعلقہ پارٹیوں کے ساتھ گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا تاکہ پہلے ورسے کا ایک نیا معاہدہ ہو جائے۔

محنت کش طبقہ کے لئے بہتر امداد، تحفظ اور فوائد فراہم کرنے کے پیش نظر بائیں محاذ حکومت ہمیشہ لیبر قوانین میں مناسب ترمیمات لانے کی کوششیں کیں۔

صنعتی تنازعات ایکٹ، ۱۹۴۷ء میں، جہاں تک اس کے اطلاق کا تعلق مغربی بنگال سے ہے، ترمیم لائی گئی۔ اس ترمیم کا مقصد یہ ہے کہ عدالتی کارروائیوں میں تیزی لائی جائے، مصالحتی کارروائیوں کو وقت پر ختم کیا جائے اور مختلف فورمس کے فیصلوں کو بہتر طور پر روبہ عمل لایا جائے۔ نیز اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ اس ایکٹ کو روبہ عمل لانے میں کسی

مغربی بنگال کے صنعتی مناظر





مغربی بنگال کی دیہی اور چھوٹی صنعت

قسم کی نیت دلعل نہ ہو اور حق مالکان اقدامات کرنے کے خلاف تحفظ کی کاروائی کی جائے۔ اس ایکٹ کے تحت منعوعہ معاوضہ کی ادائیگی کو منہا کی ماقبل شرط قرار دیا جائے۔ نیز اس ایکٹ کے وی۔بی باب کے تحت زیادہ سے زیادہ یونٹوں کو لایا جا رہا ہے کیونکہ اب مالکوں کو اپنی یونٹوں میں لے آف یا چھنٹائی کرنے سے قبل مخصوص حکام سے ایسا کرنے کی اجازت لینی پڑتی ہے۔

مزدوروں کی زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود کے لئے صنعتی تنازعات ایکٹ ۱۹۴۷ء میں مزید ترمیمات لائی گئیں۔ نیز اس ایکٹ کی دفعہ ۲-اے اور ۲۔اے میں بھی ترمیم لائی گئی تاکہ انفرادی تنازعات کو اور بھی آسانی سے لیبر انڈسٹریل ٹرائی بونلس کے پاس پیش کیا جا سکے۔ روزگار کے لحاظ سے غیر محفوظ مزدوروں کی، روزگار کے تحفظ اور ان کی فلاح و بہبود کے اقدامات کے سلسلہ میں، حفاظت کے لئے ریاستی اسمبلی نے ٹینٹل دورِ بل پاس کیا۔ بائیں محاذ حکومت نے واجب الادا مکان کے کرایہ کے بھتہ کی شرح کو ۲½ فیصد سے بڑھا کر ۵ فی صد کر دینے کے لئے مکان کرایہ بھتہ ایکٹ میں بھی ترمیم لائی۔ ریاستی ایکٹ میں ایک ترمیم کے ذریعہ بیشہ درانہ اداروں کے ملازمین کو بھی شاپس اینڈ اسٹیبلشمنٹس ایکٹ کے دائرہ عمل میں لایا گیا۔ ریاستی حکومت نے ۱۹۷۹ء میں ٹریڈ یونین بل میں ایک ترمیم لائی گئی تھی۔ اس ترمیم کے تحت اس ایکٹ میں مزدوروں کی طرف سے مالکوں سے بات چیت کرنے کیلئے نمائندوں کے انتخاب کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس ترمیمی بل کو منظوری حاصل کرنے کے لئے صدر ہند کے پاس بھیج دیا گیا تھا لیکن ابھی تک مرکز نے اس بل کو روک رکھا ہے۔

ریاستی حکومت اب اس بات پر غور کر رہی ہے کہ کیا ضرورت کے پیش نظر اس سلسلہ میں قانونی تبدیلی لانے پر مزید غور و خوض کیا جا سکتا ہے؟ دیگر علاقوں سے یہاں آنے والے مزدوروں پر کنٹرول کرنے اور ان کے لئے چند رفاہی اقدامات کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے بین ریاستی مہاجر مزدور قوانین مرتب کئے۔ بچوں کے روزگار کے سلسلہ میں حکومت نے ریاستی بچہ مزدور مشاورتی بورڈ کی تشکیل کی اس بورڈ کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ وہ بچہ مزدوروں کے مسائل کا مطالعہ کرے اور ان کی رفاہ اور تحفظ کے لئے اقدامات کی تجویز پیش کرے۔

ان سیکٹروں میں جہاں تنظیمیں نہیں ہیں، حکومت گذشتہ چند برسوں میں مزید ۹ کارخانوں میں کم از کم اجرتیں مقرر کی ہیں۔ نیز ۱۱ کارخانوں میں کم از کم اجرت کی شرحوں میں نظر ثانی کی۔ تمباکو کارخانے (بیڑی بنانے) اور دیگر علت میں برسر روزگار لوگوں کی کم سے کم اجرت کی شرحوں میں نظر ثانی کی گئی اور ان میں

اضافہ کر دیا گیا۔ کم سے کم اجرت ایکٹ ۱۹۴۸ء کو بہتر طور پر برسر عمل لانے کے لئے بلاک سطح پر کم از کم اجرت انسپکٹر مقرر کئے گئے۔ انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ مضافاتی مزدوروں کو حکومت کی مقررہ شرح پر کم از کم اجرتیں مل رہی ہیں۔

زیر غور عرصہ میں ای۔ایس۔آئی (ایم۔بی) اسکیم کے میدان میں اس ریاست میں خاطر خواہ ترقی ہوئی ہے۔ اس اسکیم کے بیمہ شدہ افراد کی تعداد ۰۶-۷-۱۰ لاکھ سے بڑھ کر ۳۰ء۱۲ لاکھ ہو گئی اور اس اسکیم سے مستفید ہونے والوں کی تعداد ۲۴ لاکھ سے بڑھ کر ۵۱ لاکھ ہو گئی۔ زیر غور عرصہ میں ای۔ایس۔آئی ہسپتالوں اور ان میں بستروں کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا۔ ہسپتالوں کی تعداد ۹ سے بڑھ کر ۱۲ اور بستروں کی تعداد ۲۰۵۵ سے بڑھ کر ۳۱۵۵ ہو گئی۔ ٹھاکر پوکھر، ۲۴ پرگنہ میں ۳۰۰ بستروں پر مشتمل ایک ای۔ایس۔آئی ہسپتال تعمیر کرنے کا کام جاری ہے۔ ان ہسپتالوں میں کافی تعداد میں قابل، اچھے اور اہل لوگوں کی تقرری کیلئے مرکوز کوششیں کی جا رہی ہیں۔ نیز ہسپتالوں کے کام کاج کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۸۰ء میں پہلی بار اس ریاست میں ای۔ایس۔آئی (ایم۔بی) اسکیم کے تحت ہسپتالوں میں آؤٹ ڈور میں مریضوں کے علاج کا سلسلہ شروع کیا۔ اس عرصہ میں امداد کی مزید ۱۵ دکانیں کھولی گئیں۔ ایمبولنس گاڑیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور اب ۱۱ کی جگہ ۲۰ گاڑیاں ہیں۔

بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں تبادلۂ روزگار کے دفاتر کے ذریعہ لازمی نئی بھرتی کی پالیسی کو اپنایا اور اب اس پالیسی پر موثر طور پر عمل ہو رہا ہے۔ نیز اس پالیسی کو مناسب طور پر روبہ عمل لانے کے لئے حسب ضروری انتظامی اقدامات بھی کئے گئے۔ روزگار کے متلاشیوں کے مفاد کے لئے بائیں محاذ حکومت نے تبادلۂ روزگار کے مزید ۲۵ دفاتر اور ۳۲ روزگار اطلاعات و امداد بیورو کھولے۔ ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس ریاست کے ہر سب ڈویژن میں کم از کم تبادلۂ روزگار کا ایک دفتر قائم کیا جائے۔ اور اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس فیصلہ کو مکمل طور پر روبہ عمل لایا گیا۔ ہر دفتر کے کام کاج کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی قائم کی گئی۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء کے درمیان اس ریاست میں تبادلۂ روزگار کے دفاتر کے ذریعہ ....۷ سے زیادہ بے روزگاروں کو برسر روزگار کیا جا سکا۔ بائیں

بلاک سطح پر مغربی بنگال میں ٹریننگ

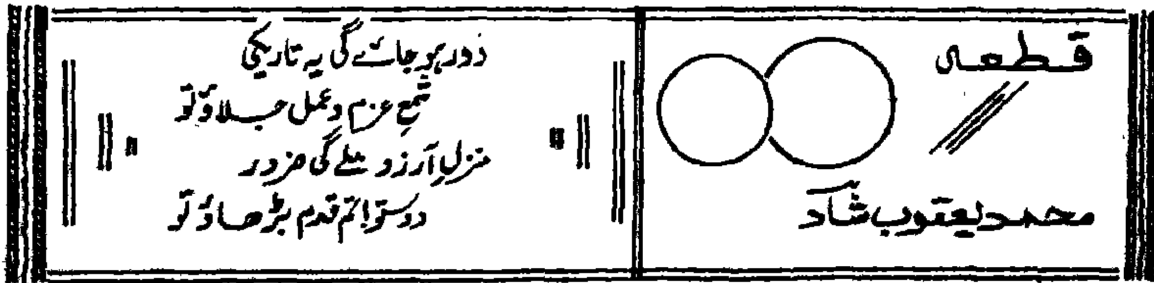
مغربی بنگال حکومت نے یکم اپریل ۱۹۷۸ سے بے روزگاری امدادی اسکیم رائج کی۔ اب بھی اس اسکیم پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس اسکیم سے اب تک ۲۷ء۴ لاکھ بے روزگار افراد مستفید ہوئے اور اب تک اس مد میں ۱۳۱ء۰۶ کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔ اس اسکیم سے مستفید ہونے والے تقریباً ۷۵۰۰ لوگوں کے ذریعہ اس اسکیم کے تحت مختلف کام پروگرام میں تقریباً ۵ لاکھ کام کرنے کے دن پیدا کئے جا سکے۔ پوری تربیتی تنظیم کو مستحکم بنایا گیا۔ مختلف صنعتی تربیتی اداروں / مرکزوں میں جدید پیشہ ورانہ کام کاج کی ۱۲۱ نئی یونٹوں میں جن سے خود روزگاری اور روزگار کی فراہمی میں بڑی آسانی ہوگی، تربیت دینے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ ان پیشہ ورانہ کام کاج کے لئے، جن کی تربیت کے سلسلہ میں صنعتی تربیتی مراکز میں کوئی انتظام نہیں ہے، تربیت دینے کے لئے ایک نیا بنیادی تربیتی مرکز قائم کیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت نے کلکتہ کے سالٹ لیک کے علاقہ میں ۳۰ ایکڑ قطعات آراضی مرکزی حکومت کو دیا۔ یہاں مرکزی اسٹاف تربیتی اور تحقیقی انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے گا۔

مزدوروں کو اور بھی زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کے مد نظر مغربی

کول گھاٹ میں زیر تعمیر تھرمل پاور اسٹیشن

بنگال مزدور رفاہ بورڈ نے مزدوروں کے لئے تین اور تعطیل مکانات، تعمیر کئے۔ یہ بورڈ اس ریاست میں اور بھی ماڈل ویلفیر سنٹرس سے بات چیت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاکہ مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے اور بھی زیادہ سہولتیں فراہم کی جا سکیں۔ "اپنا گھر آپ بناؤ" اسکیم کے تحت اس بورڈ نے بیڑی کے کاریگروں کو ۴۰۷۹۰ روپے دینے کی منظوری دی۔

لیبر انتظامیہ کے میدان میں تمام مختلف سرگرمیوں میں حکومت کو بہت ساری بندشوں کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اقتصادی سودا بازی کو فروغ دینے کے لئے اپنی مسلسل کوششوں کے ذریعہ ہم اس ریاست میں عام طور پر مزدور طبقہ کے لئے زیادہ سے زیادہ بہتری فراہم کر سکے۔ روزگار کے میدان میں، بے روزگاروں کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے لیکن روزگار کے کافی مواقع فراہم کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ ایسی صورت حال سے خاص طور پر ہم ہی دوچار ہیں، ایسی بات نہیں۔ یہ تو بڑھتے ہوئے بنیادی معاشی بحران کی ایک شکل ہے۔



غزلیں

جاں نثار اختر

فرصت کار فقط چار گھڑی ہے یارو
یہ نہ سوچو کہ ابھی عمر پڑی ہے یارو

اپنے تاریک مکانوں سے تو باہر جھانکو
زندگی شمع لیے در پہ کھڑی ہے یارو

ہم نے صدیوں انہیں ذروں سے محبت کی ہے
چاند تاروں سے تو کل آنکھ لڑی ہے یارو

فاصلہ چند قدم کا ہے منا لیں چل کر
صبح آئی ہے مگر دور کھڑی ہے یارو

کس کی دہلیز پہ لے جا کے سجائیں اس کو
بیچ رستے میں کوئی لاش پڑی ہے یارو

جب بھی چاہیں گے زمانے کو بدل ڈالیں گے
صرف کہنے کے لیے بات بڑی ہے یارو

اُن کے بن جی کے دکھا دیں گے اُنہیں یوں ہی سہی
بات اتنی ہے کہ ضد آن پڑی ہے یارو

تمام عمر عذابوں کا سلسلہ تو رہا
یہ کم نہیں ہمیں جینے کا حوصلہ تو رہا

گزر ہی آئے کسی طرح تیرے دیوانے
قدم قدم پہ کوئی سخت مرحلہ تو رہا

چلو نہ عشق ہی جیتا، نہ عقل ہار سکی
تمام وقت مزے کا مقابلہ تو رہا

میں تیری ذات میں گم ہو سکا نہ تو مجھ میں
بہت قریب تھے ہم پھر بھی فاصلہ تو رہا

روش روش پہ جو غنچے مہک اٹھے بھی تو کیا
چمن سے دور گلوں کا قافلہ تو رہا

یہ اور بات کہ ہر چھیڑ لا اُبالی تھی
تری نظر کا دلوں سے معاملہ تو رہا

بہت حسین سہی وضع احتیاط تری
مری ہوس کو ترے پیار سے گلہ تو رہا



زراعت

شروع ہی سے بائیں محاذ حکومت نے زرعی پیداوار میں بہتری اور ترقی پر زور دیا۔ ساتھ ہی اس نے اس بات کا خیال رکھا کہ کسانوں کو انکی پیداوار کی اچھی اور مناسب قیمت ملے۔ زرعی محاذ میں روزگار کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرنے اور کسانوں کے کمزور طبقہ کی معاشی، سماجی رفاہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے پروگرام اور منصوبے مرتب کئے گئے اور انہیں بروئے عمل لایا گیا۔

زراعت اور دیہی ترقی کی بنیادی پالیسی ان باتوں پر مبنی ہے :-

۱۔ اصلاحات آراضی کے اقدامات کا موثر اطلاق اور قطعات آراضی کا بہتر استعمال۔

۲۔ برگداروں کے، ساتھ ہی کھیت مزدوروں کے معاشی حقوق کی حفاظت کے لئے معاشی اقدامات کو اپنانا اور انہیں روبہ عمل لانا۔ ساتھ ہی اس بات کا خیال رکھنا کہ زرعی مزدوروں کو کم سے کم اجرت ملے۔

۳۔ آبپاشی کی سہولتوں کی توسیع تاکہ سرسبز و شاداب ۵۰ فیصد کھیتوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں۔ ان سہولتوں میں آبپاشی، پانی کے نکاس اور سیلاب پر کنٹرول کے اقدامات شامل ہیں۔

۴۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ زرعی پیداوار کے لئے مناسب قیمتوں پر زرعی خام اشیاء فراہم ہوں۔ نیز غلوں کو گوداموں میں حفاظت کے ساتھ رکھنے، غلوں کی نقل و حمل اور بازاروں میں فروخت، کاروباری غلوں کی پیداوار میں، خاص طور پر خشک سالی سے متاثر ہونے والے علاقوں میں، اضافہ۔ ان تمام کے لئے بروقت اقدامات کئے جائیں۔

۵۔ زرعی پیداوار کے لئے مناسب اقدامات، مع قیمتوں کی تائید، کو اپنانا۔

۶۔ زرعی ترقی کے لئے کوآپریٹیو اور پنچایتوں کو موثر طور پر بروئے کار لانا۔

۷۔ فاضل زرعی مزدوروں کے لئے خاص طور پر اس موسم میں جب زرعی سرگرمیاں سست ہو جاتی ہیں، روزگار فراہم کرنے کے سلسلہ میں زرعی محاذ میں روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کرنا۔

۸۔ کسانوں کے لئے غلہ بیمہ اور کسانوں کے پنشن جیسے سماجی تحفظ کے اقدامات کو جاری رکھنا۔

گزشتہ پانچ برسوں میں اس ریاست میں غذائی صورت حال تشفی بخش نہ تھی۔ صرف دو برسوں میں ۱۹۷۷-۷۸ء اور ۱۹۸۰-۸۱ء میں غذائی اجناس کی پیداوار میں کچھ بہتری ہوئی۔ ۱۹۷۸-۷۹ء کے اگست اور ستمبر میں جنوبی بنگال میں تین بار مسلسل سیلاب کی وجہ سے کھیتوں کی کھڑی فصلوں کو کافی نقصان پہونچا۔ تقریباً ۲۰۰ کروڑ سے زیادہ روپئے کی مالیت کی فصل برباد ہو گئی۔ نیز ریت کے جم جانے سے زرعی کھیتوں کو کافی نقصان پہنچا۔ آب پاشی کی چھوٹی تنصیبات کو کافی نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ ان تنصیبات کے نقصانات کا تخمینہ ۵۶ر۷ کروڑ روپئے ہے۔ ۱۹۷۸-۷۹ء کے سیلاب کے بعد ۱۹۷۹-۸۰ء میں شدید خشک سالی نے خریف کی فصلوں پر بہت ہی برا اثر کیا۔ گرمی کے موسم کی ربیع فصل کے زیر کاشت علاقوں میں اور پیداوار میں کافی کمی ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۸۱ء کے ستمبر، اکتوبر اور نومبر میں ناکافی بارش کی وجہ سے امن دھان کی فصل بھی اچھی نہیں ہوئی۔ اس خشک سالی کی وجہ سے تقریباً ۵۰۰ کروڑ روپئے کی مالیت کی زرعی فصل برباد ہو گئی۔ اس کے بعد زرعی مزدوروں کے روزگار میں کافی کمی ہوئی۔

سیلاب اور خشک سالی سے متاثر برسوں میں یعنی ۱۹۷۸-۷۹ء، ۱۹۷۹-۸۰ء، ۱۹۸۱-۸۲ء اور ۱۹۸۲-۸۳ء میں متبادل فصل اگانے کے لئے ہنگامی منصوبہ بندی کرنے کے ساتھ ساتھ، لمبے عرصے کے چند اقدامات، جیسے چھوٹے پیمانہ کی آب پاشی اسکیموں کے ذریعہ سیرابی کی سہولتیں، پانی میں ڈوبے کھیتوں سے پانی کا نکاس، غلہ بیمہ اسکیم کی توسیع، نئے نئے اقسام کے غلوں کی کاشت وغیرہ، حکومت نے کئے تاکہ ایسے فطرتی حادثات کی وجہ سے زرعی شعبہ میں کم سے کم نقصانات ہوں۔

حکومت نے چھوٹے آبپاشی پروجیکٹ کے کمانڈ علاقوں میں دھان کے

دھان جھاڑنا

پودے اگانے کے لئے پانی کے لئے ٹیکس کی حصولیابی کو ملتوی کر دیا۔ نیز ایسے پروجیکٹوں کی تنصیبات کے ذریعہ آبپاشی کے لئے بجلی کی باقاعدہ سپلائی کا انتظام کیا گیا ہے۔

کلائی اور مسور کی دال، چنا، سرسوں، گیہوں، چاول اور سبزی کی چھوٹی تھیلیاں اضلاع میں کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کی گئیں۔ نیز اضلاع پرولیا، بانکوڑا، مدناپور، بیربھوم، بردوان، ہگلی، ندیا اور مرشد آباد کے علاقوں میں خشک سالی سے متاثر کسانوں کے درمیان مفت تقسیم کرنے کے لئے مقامی طور پر دھان کے بیج خریدنے کے لئے ۸ لاکھ روپئے دینے کی منظوری دی گئی۔ نیز خشک سالی سے متاثر کسانوں کی مدد کرنے کے لئے زراعت کے ضروری ساز و سامان خریدنے کے سلسلے میں مختصر عرصہ کے قرض دینے کے لئے ۶ر کروڑ روپے کی منظوری دی گئی۔

متحدہ محاذ کو اپنے دور حکومت کے ۶ برسوں میں سے ۴ برسوں میں ناگہانی آفات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود اس نے زرعی پیداوار میں اضافہ کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

زرعی پیداوار میں ساتھ ہی روزگار کے امکانات میں اضافہ کرنے کے لئے بائیں محاذ حکومت نے بہت سارے اہم اقدامات کئے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

مٹی اور پانی کا تحفظ ۔ مغربی بنگال کے ۸۵ر۸۷ ہیکٹا ئرس میں سے ۲۰ لاکھ ہیکٹائرس قطعات آراضی پانی اور مٹی کے تحفظ کے مختلف مسائل سے دوچار ہیں۔ ۱۹۷۹-۸۰ء تک ۲ر۱ لاکھ ہیکٹر کے ایسے مسائل کو حل کر دیا گیا۔

دھان فصل کی کٹائی

آب پاشی کی سہولتوں کی توسیع ۔ ۱۹۷۷-۷۸ء سے قبل آبپاشی کی چھوٹی اسکیموں کی تکمیل پر جو اخراجات ہوئے ان کا نصف حکومت بطور امداد فراہم کیا کرتی، لیکن بایاں محاذ حکومت غریب کسانوں کو زیادہ سے زیادہ امداد فراہم کرنے کے پیش نظر ایسی اسکیموں کی تکمیل کے کل اخراجات برداشت کرتی ہے۔

سطحی اور زمین دوز آبی وسائل کی منصوبہ بند کھوج اور تخمینہ کے لئے ریاستی حکومت کی پانی کھوج نظامت نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ اس کے تخمینہ کے مطابق اس ریاست میں ۱۹۸۱-۸۲ء تک ۳۳۵ میں سے ۲۴۹ بلاکوں میں زمین دوز پانی کے امکانات کافی روشن ہیں۔

گزشتہ پانچ برسوں میں چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی کی اسکیموں پر کافی زور دیا گیا۔ کم گہرے ٹیوب ویلوں کی تعداد، سرکاری اور غیر سرکاری سیکٹروں میں تقریباً ۵ر۱ لاکھ ہے۔ آب پاشی کی مختلف چھوٹی چھوٹی اسکیموں کے تحت ۱۹۸۰-۸۱ء میں ۳ر۷۵ ہزار ہیکٹائرس اور ۱۹۸۱-۸۲ء میں ۶ر۱۳۱ ہزار ہیکٹائرس قطعات آراضی کے لئے آب پاشی کی مزید سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۸۲-۸۳ء میں ۴ر۴ ہزار ہیکٹائرس قطعات آراضی کے لئے آب پاشی کی مزید سہولتیں فراہم ہونگی۔

بیج کی پیداوار اور سپلائی ۔ اس ریاست کے کسانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فی الحال ۳ کروڑ روپے کی مالیت کے بیج (مختلف فصلوں کے) دیگر ریاستوں سے منگوائے جاتے ہیں۔ اچھے اور بہتر قسم کے بیج کی کافی مقدار میں

پیداوار اور سپلائی میں اس ریاست کو خودکفیل بنانے کے لیے مغربی بنگال ریاستی تخم کارپوریشن قائم کیا گیا ہے۔

بیج کے چھوٹے تھیلے۔ اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ کاشتکاری کے لئے مختلف فصلوں کے لئے بہتر اقسام کے بیج کو مقبول عام بنایا جائے۔ ان غریب کسانوں کو، جو اپنے کھیت میں سال میں ایک سے زیادہ فصلیں اگانا چاہتے ہیں، اس اسکیم کے تحت کافی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ۷۸-۱۹۷۷ء سے ۸۲-۱۹۸۱ء تک بیجوں کی ۴،۰۷،۱۴۸۹ چھوٹی تھیلیاں کسانوں کے درمیان تقسیم کی گئیں۔

پودوں کی حفاظت کا پروگرام۔ بائیں محاذ حکومت کے برسراقتدار آنے کے بعد کے پہلے اور دوسرے سال میں جراثیم کش ادویہ کے ذریعہ ۴ لاکھ قطعات آراضی کی حفاظت کی گئی۔ ۸۱-۱۹۸۰ء اور ۸۲-۱۹۸۱ء میں غلوں کی حفاظت کے لئے علی الترتیب ۲۲ لاکھ اور ۲،۸۷ لاکھ ہیکٹر قطعات آراضی میں جراثیم کش ادویہ استعمال کی گئیں۔ جراثیم کش ادویہ امدادی شرحوں پر فروخت کی جاتی ہیں، اور بعض بعض علاقوں میں غریب کسانوں کے درمیان یہ ادویہ مفت تقسیم کی گئیں۔



اسکاجوڑ بادام

ایک چائے باغ کا منظر

کاشتکاری کیلئے قرض۔ برگداروں کو زرعی قرض کی سہولتیں فراہم نہیں تھیں۔ ان لوگوں کی ضرورتوں کے پیش نظر زرعی پالیسی از سر نو مرتب کی گئی۔ اس پالیسی کے تحت برگداروں کو مناسب شرح سود پر مختصر عرصہ کے لئے آسان قرض کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔ پان اگانے والوں کے لئے قرض کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ایک نئے طریقہ کو روبہ عمل لایا جاتا ہے۔ امدادباہمی سیکٹر، کاروباری اور قومیائے بنکوں کے ذریعہ قرض کی فراہمی کی سہولتوں میں اضافہ کیا جارہا ہے۔

غلہ بیمہ اسکیم۔ یہ اسکیم ۸۰-۱۹۷۹ء سے رائج کی گئی اور اس وقت امن دھان بیمہ کے لئے ۸۲۴۶ کسان اس اسکیم کے تحت آ گئے۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں بورو دھان اور ۸۲-۱۹۸۱ء میں روس دھان اور آلو کو بھی اس اسکیم کے تحت لایا گیا۔ اس اسکیم کے تحت چھوٹے اور حاشیائی کسان اور برگدار، بیمہ کے تحت جو پریمیم دیتے ہیں، اس کا نصف ریاستی حکومت اور مرکز مساوی طور پر برداشت کرتے ہیں۔

کسانوں کے ضعیفی پنشن۔ سارے ہندوستان میں پہلی بار ۸۱-۱۹۸۰ء میں اس اسکیم کو رائج کیا گیا۔ اگر پنشن پانے والا مر جائے تو اس کی بیوہ اس پنشن کی حقدار ہوگی۔

زرعی تحقیق۔ ریاستی حکومت نے نظامت زراعت کی تحقیقی شاخ کو تسلیم کرلیا۔ ●●

اصلاحاتِ اراضی

غربت اور افلاس کو دور کرنے کے لئے مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے اصلاحات آراضی کے پروگرام کو کافی اہمیت دی۔ اس پروگرام کے تحت بہت سارے اقدامات کئے گئے۔

سب سے پہلے برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کرنے کیلئے کوششیں کی گئیں۔ اس مقصد کے لئے ستمبر ۱۹۷۸ء میں ریاستی حکومت نے ایک خصوصی پروگرام بنام "آپریشن برگہ" کو روبہ عمل لانا شروع کیا۔ بندوبست کے کام کے ساتھ ساتھ "آپریشن برگہ" کے تحت بھی کام بڑے زور شور سے جاری ہے۔ یہ اصلاحات آراضی کا اہم اقدام ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء تک ۱۲،۰۶ لاکھ برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کر لئے گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انتہائی حد سے زیادہ فاضل قطعات آراضی کو بے زمین مزدوروں اور غریب اور حاشیائی کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا جا رہا ہے اس سلسلہ میں انہیں پٹے دیئے جا رہے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت کے تحت قطعات آراضی اور پٹوں کی تقسیم کا کام ۱۹۷۹ء سے شروع ہوا۔ ۳۱ دسمبر ۸۲ء تک ۱۶ لاکھ بے زمین مزدوروں اور کسانوں کے درمیان ۵ء۱۵ لاکھ ایکڑ زرعی قطعات آراضی تقسیم کئے گئے۔

جب تک اصلاحات آراضی سے مستفید ہونے والوں یعنی پٹہ داروں اور برگداروں کے فائدہ کے لئے متبادل قرض کا انتظام نہ کیا جائے اس وقت تک اصلاحات آراضی کے اقدامات ثمر آور ثابت نہیں ہوں گے۔ حکومت جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے، اصلاحات اراضی سے مستفید ہونے والے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ادارتی مالیات کے دائرہ عمل میں لانے کی کوشش کر رہی ہے۔ خریف اور ربیع قرض پروگرام کے ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء میں بالترتیب ۵۹،۰۰۰، ۱۰۰۰، ۱۷ اور ۰۰۰، ۱۷۵ غریب کسان اور پٹہ دار مستفید ہوئے۔ خریف موسم میں ۴۴،۰۰۰، ۳۰ کسانوں کے معاملہ کو اداری مالیات کے لئے پنچایتوں نے کاروباری، گرامین اور کوآپریٹو



برگہ داروں کے لئے قطعات آراضی کے پٹے

بنکوں کے سامنے پیش کر دیا۔ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ربیع قرض پروگرام کے لئے ۲ لاکھ روپیہ کا نشانہ رکھا گیا ہے۔ ربیع قرض کی بابت آخری رپورٹ ابھی تک موصول نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ خشک سالی کے باوجود ربیع فصل کا نشانہ ۵۰ فیصد سے زیادہ ہے۔

مغربی بنگال میں ایک اہم کام یہ بھی ہوا کہ زرعی مزدوروں، دستکاروں اور ماہی گیروں کے لئے رہائشی قطعات آراضی کو ریکارڈ میں درج کرنے کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ ۳۱ دسمبر ۸۲ء تک بندوبست ڈپارٹمنٹ نے بے زمین دیہی خاندانوں کی تقریباً ۵ء۱ لاکھ رہائش گاہوں کے لئے قطعات آراضی ریکارڈ میں درج کئے۔ اس سلسلہ میں یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ کے تحت حسب معمول جائزہ اور بندوبست کا کام ساری ریاست میں تیزی سے جاری ہے۔ تقریباً ۵۰ فیصد موضعوں میں حقوق کے ریکارڈ کی تیاری کا کام مکمل ہو چکا ہے۔

"مغربی بنگال غیر منقولہ جائیداد حصولیابی ایکٹ" کے تحت معاوضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب صرف معاوضہ تخمینہ رول کے ۴۴۲ کیس آخری اشاعت کے لئے زیر غور ہیں۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۲ء تک اس ایکٹ کے تحت ۵۱ء۹۷ کروڑ روپئے بطور معاوضہ ادا کئے گئے۔

سی ایم ڈی اے کے عطیات

سی ایم ڈی اے نے بھاٹپاڑہ میونسپلٹی میں سات اسکولوں کی درستی اور مرمت کے لئے ۷۶۲۳۰ روپے کی منظوری دی ہے۔ ان اسکولوں کے نام یہ ہیں۔ سنتی ماسٹر ودیاپیٹ (بنکم نگر) اور ماسٹر کار ڈیوٹی اسکول (باسودیب پور)، شانتی سوکنتا گرلس پرائمری اسکول (سوکنتا پالی)، شوکنتا پرائمری اسکول (جگدل)، این سنکتا مندر (بھاٹپاڑہ)، راج پاڑی پرائمک ودیالایا (اوتھ پور) اور اودائن پرائمری اسکول (مالا پاڑہ روڈ)۔

سی ایم ڈی اے نے مزید دو اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے ۲۹۲۲۲۶۰ روپئے دینے کی منظوری دی ہے۔ وہ اسکول شانتی نگر ودیا مندر (شانتی نگر کالونی، کلکتہ ۴۰) اور اندرا نارائن کرن بالا ودیالایا (دینبدھو چندر دے لین، کلکتہ ۱۵) ہیں۔

سی ایم ڈی اے نے ضلع ہگلی میں رشڑا کے مورپوکر ودیا مندر (پرائمری اسکول) کی عمارت کی تعمیر کے لئے ۱۱۳۳۹۴ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ تعمیر کا کام سی ایم ڈی اے کا جے آئی ایم اے ڈی سیکشن انجام دے گا۔ مکرر اخراجات جن میں عمارت کی دیکھ بھال کا خرچ بھی شامل ہے حکومت مغربی بنگال کا شعبۂ تعلیم (ابتدائی) اپنے وسائل سے پورا کرے گا۔

سی ایم ڈی اے نے چاپدانی میونسپلٹی کے تحت ۱۰ نمبر وارڈ پر پرائمری اسکول کی عمارت کی تعمیر کے لئے ۱۵۰ ہزار روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ تعمیر کا کام چاپدانی میونسپلٹی انجام دے گی۔

پنچایت کے تحت دیہی علاقہ میں ترقیاتی کام

اس ریاست میں اصلاحات آراضی کے پروگرام میں غریب دیہی کسانوں کے اثاثے، جن پر انکی گذر بسر کا انحصار ہے اور قانونی حقوق پر کافی زور دیا گیا ہے۔ اس زمرے میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے خاندان بھی آتے ہیں۔ اصلاحات آراضی کے اقدامات سے ان دونوں طبقوں کے لوگوں کو کافی فائدہ پہونچا۔ اصلاحات آراضی کے اقدامات سے مستفید ہونے والے ہر پانچ افراد میں سے شیڈولڈ کاسٹ کے دو افراد اور شیڈولڈ ٹرائب کا ایک فرد شامل ہے۔ ••

”کسانوں کو بائیں محاذ حکومت سے طرح طرح کی مدد ملی“

ایک برگہ دار

ضلع ہگلی میں حل گھاٹ گاؤں کے سنگور بلاک کے ایک مندرج دیگاندڈ برگہ دار شیخ نور محمد منڈل نے بتایا کہ مغربی بنگال میں اگر بائیں محاذ حکومت نہ ہوتی تو انہیں زمینداروں اور حالیہ خشک سالی سے نمٹنے میں یقیناً بڑی دشواری ہوتی۔ شری منڈل نے بتایا کہ ”ہم لوگوں نے 'برگہ مہم' کے ذریعہ جوتداروں (زمینداروں) کا مقابلہ کیا اور یہ بائیں محاذ حکومت ہی تھی جس نے ہماری جدوجہد میں ہماری پوری پوری حمایت کی“۔ انہوں نے مزید کہا کہ کسانوں کو ”امداد کے سامان“ علاقائی پنچایتوں کے جو مضافاتی علاقوں میں ترقیاتی کام کاج میں بہت ہی موثر کردار ادا کر رہی ہے، ذریعہ ملے۔

شری منڈل نے جنکا خاندان آٹھ افراد پر مشتمل ہے، ہمیں بتایا کہ وہ صرف دھان اور گیہوں اگاتے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں کہ وہ کاشتکاری کے سلسلہ میں موجودہ حکومت کی کارگزاری کے متعلق کیا محسوس کرتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ انہیں دوسرے کسانوں سمیت بائیں محاذ حکومت سے طرح طرح کی مدد ملی، کبھی کھاد کی صورت میں اور کبھی بیج کی صورت میں۔ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ وہ بائیں محاذ کے برسراقتدار رہنے کے حامی ہیں۔ کیونکہ صرف بائیں محاذ کے دور حکومت میں ہی ترقیاتی اسکیم اور پروگرام کی تکمیل ممکن ہے۔

جب ان سے ان کے علاقے میں ترقیاتی کارکردگی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اس کارکردگی کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ علاقائی پنچایتیں اپنے اپنے علاقے کے مسائل کے متعلق برابر پوچھ تاچھ کرتی ہیں جب انہیں مسائل سے آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ متعلقہ حکام کو ضروری اقدامات کے لئے فوری طور پر مطلع کرتی ہیں تاکہ مسائل کو دور کیا جا سکے۔

شری منڈل نے مزید کہا کہ اس طرح ان کے علاقہ میں پینے کے پانی کی سپلائی اور سڑکوں کی تعمیر کا کام مکمل کر لیا گیا ہے۔

ایک برگہ دار

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
(اقبال)

چند سال قبل ایک تنگ کھال کی از سر نو کھدائی کی گئی اور اس کی وجہ سے کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں کو کافی سہولتیں فراہم ہوئیں۔

شری نور محمد منڈل نے آخر میں مزید بتایا کہ ”یہاں عرصہ دراز سے ہندو اور مسلمان دونوں ایک ساتھ مل جل کر رہتے ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی ناانصافی نہیں ہے، اور نہ کبھی پیدا ہوگی۔ اگرچہ یہاں کثیر التعداد غریب عوام بستے ہیں تاہم یہاں قانون شکنی نہیں ہوتی۔ جہاں تک عام فلاح و بہبود کا سوال ہے، ہم لوگ اسے فروغ دے رہے ہیں۔ خیر اب بھی بہت سارے مسائل ہیں، تاہم ہم کام کر رہے ہیں۔ ہمیں انتظار ہے، لیکن ہم ناامید نہیں ہیں

مصطفیٰ اکبر، کلکتہ

مغربی بنگال میں اردو تحقیق و تنقید

یہ ہنوز تحقیق طلب امر ہے کہ مغربی بنگال میں تحقیق و تنقید کے سفر کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا مگر اب تک جو تحقیق ہوئی ہے اس کی روشنی میں یہ بتایا جا سکتا ہے کہ مغربی بنگال کے اردو ادب میں تنقیدی و تحقیقی رجحانات فورٹ ولیم کالج کی اردو نثری خدمات کے بعد سے ہی پیدا ہونے لگا تھا۔ فورٹ ولیم کالج کی اردو نثر کے بعد اردو نثری خدمات تیزی سے شروع ہو گئیں۔ ناول، افسانے اور انشائیہ وغیرہ لکھے جانے لگے۔ متعدد تنقیدی و تحقیقی مقالے سپرد قلم ہوئے۔ اور آزادی کے قبل تک کئی تنقیدی اور تحقیقی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ ان تصانیف میں مرزا جان طپش کی "اردو محاورات" (۱۸۱۱ء)، مجمع ج مترا رما کی "تسنیۂ دلکشا" (۱۸۵۱ء)، عبدالغفور نساخ کی "سخن شعرا" (۱۸۷۱ء)، "زبان ریختہ" (۱۸۵۵ء)، "تذکرہ معاصرین" (تحقیق و تنقید) اور "انتخاب نقص" (مختصر انتقادی رسالہ، ۱۸۷۴ء) اور راسخ کا انتقادی رسالہ "طومار اغلاط" (۱۸۷۷ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مغربی بنگال میں تنقیدی و تحقیقی نساخ اور راسخ کے دور میں ہی پیدا ہو چکا تھا۔ اب تک تحقیق کی روشنی میں بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی بنگال میں اردو تنقید و تحقیق کی باضابطہ بنیاد نساخ نے ہی ڈالی اور راسخ سے وحشت تک اور پھر وحشت سے دبستان وحشت کے آخری زینے تک پہنچ کر یہ اپنے پورے خدوخال کے ساتھ نمایاں ہو گئی۔ آج بنگال تنقید و تحقیق کے میدان میں کسی صوبے سے پیچھے نہیں۔ یہاں آزادی کے بعد تحقیق و تنقید کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ اور پے بہ پے متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں۔ مغربی بنگال کے اردو ادب میں ریسرچ اسکالرز کے مقالات بھی کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مقالات کی روشنی میں اردو تحقیق کے لئے نت نئے راستے کھل گئے۔ تحقیق اپنی تیز رفتاری کے ساتھ راہ سفر میں بہت آگے نکل آئی اور تنقید اپنی سست گامی کا شکار ہو کر پیچھے رہ گئی۔ اردو تحقیق کے مقابلے میں اردو تنقید پر شروع سے ہی توجہ کم دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے انتقادی سرمایہ خال خال نظر آتا ہے۔ اس کی کچھ وجوہ ہیں (۱) مغربی بنگال کی سنگلاخ زمین پر اردو ادب کو پنپنے میں کافی دشواریاں پیش آئیں۔ نتیجتاً جب از وقت یہاں ادبی و علمی کام شروع ہوا (۲) یہاں کے اردو داں طبقہ ہمیشہ سے تاثر پسند زیادہ ثابت ہوئے اس لئے تعلیم یافتہ اور وقت پسند ذہنوں کی کمی ہے (۳) اور تھوڑے بہت جو وقت پسند اور باشعور قلمکار ہمارے سامنے آتے ہیں تو وہ تنقید سے منہ موڑ کر تحقیق کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ یہ کہ تحقیق کے مقابلے میں تنقید کا راستہ زیادہ دشوار گذار ہے۔ تنقید کے لئے خداداد صلاحیت اور وسیع معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ اس کے لئے عالمی ادب (جہاں تک ممکن ہے) کے مزاج اور اس کے رجحانات سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ ایم-اے۔ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جو طلبا مزید کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ پی-ایچ-ڈی-اور ڈی-لٹ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے تحقیقی کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور پھر ان میں تحقیقی ذوق اس قدر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تنقید کی طرف مڑ کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی بنگال اب تک کوئی مستقل تنقید نگار پیدا نہیں کر سکا۔

انتقادی سرمایہ:- مغربی بنگال کے اردو ادب میں تنقید کے خدوخال نساخ اور راسخ کے دور سے ہی مل جاتے ہیں۔ نساخ کا مختصر رسالہ "نقص انتخاب" (۱۲۹۴ھ) جس میں انیس و دبیر کے کلام کے فنی و معنوی نقائص کی نشاندہی کی گئی ہے، مغربی بنگال میں اردو تنقید کے سنگ بنیاد کی حیثیت

دیکھتا ہے۔ النسّاخ کا انتقادی رسالہ "طومار اغلاط" (۱۲۹۷ھ) بھی ابتدائی انتقادی کارناموں میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ابتدائی کوششوں میں وحشت کلکتوی کے انتقادی مقالات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ـــــ عبدالغفور نسّاخ، کلیات حزیں، دیوان ولی، دیوان مولانا قیمت پنجابی، کلام ملک الشعرا صادق خاں اختر، غالب کا انداز بیان، سید محمود آزاد، مولانا حالی، داغ دہلوی وغیرہ پر ان کے مقالات "جدید اردو" (کلکتہ)، "نقاد"، "اردوئے معلیٰ"، "دکن ریویو"، "مخزن"، "ماہ نو" وغیرہ جیسے رسالوں میں شایع ہو کر مقبول ہوئے۔ جمال صدیقی کی ترتیب کردہ کتاب "مضامین وحشت" (۱۹۸۲ء) کے مطالعہ کے بعد وحشت صاحب کی تنقیدی و تحقیقی صلاحیت کو سراہنا پڑتا ہے۔ تنقید کے میدان میں عبدالقیوم حسرت نعمانی اور نیاز احمد خان کی ابتدائی کوششیں بھی قابل قدر ہیں۔ نیاز احمد خان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "میزان" شایع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "تلاش معیار" کے نام سے حال ہی میں شایع ہوا۔ یہ کتاب تنقید میں سنجیدہ لب و لہجہ اور روایتی انداز تحریر کی وجہ سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ مغربی بنگال میں اردو ادب کے لئے یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ پروفیسر محمود کلکتوی، پروفیسر شاہ مقبول احمد، ڈاکٹر جاوید نہال، لطیف الرحمن، آغا رشید مرزا نے بھی کچھ تنقیدی مضامین لکھے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر اگانوی کے انتقادی مقالات ـــــ "حسرت تعمیر" ایک جائزہ" (ساغر نو، اختر رضوی نمبر) "کرشن چندر بحیثیت افسانہ نگار" (استعارہ، کرشن چندر نمبر) اور "فیض کی فنی تراکیب" (جائزہ، فیض نمبر) جدید تنقیدی رجحانات کی غمازی کرتے ہیں۔

تنقیدی میدان میں ابھی کچھ نئے چہرے ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر اعجاز عظیم، ڈاکٹر ایم۔ اے۔ نصر، ڈاکٹر عبدالمنان، پروفیسر مشتاق احمد، ڈاکٹر یوسف تقی، جناب اشرف چنگیزی اور جناب ظہیر ناشاد کے نام گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان کے تنقیدی مقالات اکثر و بیشتر ادبی رسائل و جرائد میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ حال میں جناب ظہیر ناشاد کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "نقوش و افکار" منظر عام پر آیا ہے۔ جناب اشرف چنگیزی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "بکھرے اوراق کی ترتیب" زیر ترتیب ہے۔ اس طرح دیکھتے ہیں کہ تنقیدی جذبہ مغربی بنگال کے ادبی حلقوں میں تیزی سے ابھر رہا ہے۔ اور نئے لکھنے والوں میں بھی یہ ذوق ضرور بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسر جو ادب میں ہمارے قدما کی وجہ سے رہ گئی تھی بہت جلد نئے فکر و فن کے ساتھ پوری کر دی جائے گی۔

تحقیقی سرمایہ:- مغربی بنگال میں اردو تحقیق پر کام کافی تاخیر سے شروع ہوا۔ فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کے بعد یہاں کی ادبی سرگرمیاں شعری سرمایہ جمع کرنے میں صرف ہو گئیں۔ وثوق کے ساتھ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہاں اردو تحقیق کی ابتدا کب اور کس سے ہوئی۔ تاہم موجودہ تحقیق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں تحقیق کا جذبہ عبدالغفور نسّاخ اور النسّاخ کے دور میں ہی ابھرنے لگا تھا۔ نسّاخ کی تصانیف "سخن شعرا" (۱۲۹۱ھ) "تذکرۃ المعاصرین" اور "زبان ریختہ"، جنمے مترا ارمان کی "نسخۂ دلکشا" وہ ادبی و تحقیقی کارنامے ہیں جن میں تحقیق اپنے خدوخال کے ساتھ پہچانی جاتی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں وفا راشدی کی تصنیف "بنگال میں اردو" شایع ہوئی۔ اس میں مغربی بنگال و مشرقی بنگال کے تقریباً تمام ادبا و شعرا کو یکجا کیا گیا۔ یہ پہلی کتاب ہے جس کے مطالعہ کے بعد بنگال میں اردو زبان و ادب کی تاریخ سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ وفا راشدی کے بعد ایک محقق کی حیثیت سے سید لطیف الرحمن ہمارے سامنے آئے۔ ان کی کتاب "نسّاخ سے وحشت تک" (۱۹۵۹ء) میں شایع ہوئی جو ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں چار بنگالی شعرائے اردو یعنی نسّاخ، النسّاخ، شمس کلکتوی، اور وحشت کلکتوی کی حیات و ادبی خدمات پر معلوماتی بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب سے نہ صرف ان بنگالی شعرائے اردو کے حالات زندگی و ادبی خدمات کا مفصل پتہ چلتا ہے بلکہ اس میں ہمیں اس دور کی تاریخ/تہذیب و تمدن کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ان کی دوسری کتاب "غالب اور ان کے معترضین" بھی شایع ہو چکی ہے۔ ان کے بعد ڈاکٹر جاوید نہال کا نام آتا ہے، جنہوں نے متعدد تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھے۔ ۱۹۶۱ء میں ان کی کتاب "انیسویں صدی میں بنگال کا اردو ادب" شایع ہوئی۔ اس کتاب پر انہیں کلکتہ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری ملی۔ اگرچہ بعض حضرات اسے مصنف کا تحقیقی کارنامہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ وفا راشدی کی کتاب "بنگال میں اردو" کا چربہ اور اس کی تجدیدی شکل بتاتے ہیں، لیکن یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اس کتاب سے مغربی بنگال میں جدید سائنٹفک اردو تحقیق کا رواج پڑا۔ یہ کتاب آج بھی اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے، ممکن ہے کل اس کی حیثیت بھی وفا راشدی کی "بنگال میں اردو" کی سی ہو جائے۔

پروفیسر شاہ مقبول احمد تحقیق و تنقید سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ "چند ادبی مسائل" کے نام سے شایع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں لسانیات سے متعلق مضامین اردو زبان کے ارتقا اور اس کی ترقی کی منازل کو نئے انداز سے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر اگانوی نے بھی اردو ادب کو چیدہ چیدہ جدید تحقیقی و تنقیدی مضامین دئے ہیں۔ صفیر بلگرامی کے تذکرے "جلوۂ خضر" کو "جلوۂ خضر ـــــ

تخلیص و تنقید کے نام سے انہوں نے ترتیب دیکر شایع کیا ہے۔ صفیر بلگرامی پر لکھے گئے تحقیقی مقالے پر انہیں پٹنہ یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری ملی۔ ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین اکثر و بیشتر معیاری ادبی رسالوں میں نظر آجاتے ہیں۔

پروفیسر عبدالرؤف صاحب نے تحقیق پر بہت سارے کام کئے ہیں۔ انہیں ان کے تحقیقی مقالہ "میر باقر علی مرشد آبادی" پر ڈی۔ لٹ کی ڈگری ملی۔ اسے حال ہی میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے کتابی شکل میں شایع کیا ہے۔ علاوہ ازیں اردو میں بنگالی الفاظ "اردو غالب اور سرسید" اچھے مقالے ہیں جو ہر لحاظ سے معلومات افزا ہیں۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ کثیر الاشاعت تصانیف کے مالک ہیں۔ بنگال اور اردو سے متعلق کئی تحقیقی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

ان کے علاوہ ڈاکٹر رمنی ناطق، ناظر الحسینی، ظہیر ناشاد دربھنگوی، شمس الزماں، ڈاکٹر راز عظیم وغیرہ نے بھی تحقیقی مضامین لکھے جو ادبی جرائد و رسائل میں شایع ہوئے۔ یہاں پروفیسر قمرالدین صدیقی اکبر صاحب کی کتاب "اردو محاورے" کا ذکر بھی ضروری ہے۔ انہوں نے بڑی تحقیق اور جانفشانی کے ساتھ اس کتاب میں "الف" سے "ی" تک اردو میں استعمال ہونے والے محاوروں کو اکٹھا کیا ہے اور اساتذہ شعرائے اردو کے کلام سے ان محاورات کے معانی کی وضاحت کی ہے۔

مذکورہ بالا محققین و نقاد کے بعد نئے لکھنے والوں کی ایک جماعت نئی آب و تاب کے ساتھ ہمارے سامنے آئی جو مذکورہ اساتذہ کی نگرانی و سرپرستی میں بڑھ چڑھ کر تحقیقی کام انجام دئے۔ ان میں کثیر التعداد تصانیف کے مالک ایم۔ اے۔ نصر ہیں۔ ان کی تحقیقی و تنقیدی کتابیں تخلیق، تحقیق، تنقید ۔۔ چراغ راہ، مغربی بنگال میں اردو کا سفر، لفظ و پیکر منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ نصر صاحب میں تحقیقی و تنقیدی صلاحیت تو موجود ہے مگر جانبداری کی وجہ سے اسکی اہمیت کچھ گھٹ کر رہ گئی ہے۔

پروفیسر مشتاق احمد صاحب مغربی بنگال کے ایک جواں عمر و باصلاحیت محقق کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی مرتب کتاب "نوائے ذبار" ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ ایک کتاب "سوانح عمری سید محمد آزاد" بہار اردو اکیڈمی کی جانب سے شایع ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک تذکرہ "مغربی بنگال کے اردو شعراء" کے نام سے ۱۹۷۱ء میں شایع ہوئے جو کافی مقبول ہوئی۔

نئے لکھنے والوں میں ڈاکٹر یوسف تقی مغربی بنگال کے باکمال محقق اور تنقید نگار ہیں۔ انکی کتاب "ترقی پسند تحریک اور اردو نظم" سے ان کی تحقیقی و تنقیدی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔

علاوہ ازیں آج کلکتہ یونیورسٹی کے جواں عمر و باعزم ریسرچ اسکالر کی انتھک کاوشوں کے نتیجے میں علوم و فنون و ادب کا نادر بیش بہا ذخیرہ بدرجہ وافر جمع ہوگیا ہے۔ انہوں نے اپنے باشعور اساتذہ کے زیر سرپرستی اور علم نگراں حضرات کی رہنمائی میں قدماء کی تقریباً تمام گمشدہ تصنیفات و تخلیقات و نادر کتب تاریخ و تذکرہ کی کھوج کی اور اردو ادب کو مالامال کیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی بنگال میں اسکالرشپ کے تحت جو تحقیقیں ہوگئی ہیں ان سے اردو ادب کو کافی فائدہ پہنچا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ تمام تحقیقی مقالات کتابی شکل میں ہمارے سامنے آجاتے۔ ایسے مقالات میں عبدالمنان کا مقالہ "میر امن دلی والے کی نثری خدمات"، راز عظیم کا "دبستان وحشت"، شمیم انور کا "آزادی کے بعد اردو شاعری"، ایم۔ اے۔ نصر کا "آزادی کے بعد مغربی بنگال میں اردو افسانہ"، آمرا میری کا "سید نذیر شاہدی۔ فن و شخصیت"، یوسف تقی کا "اردو نظم کے مختلف رجحانات"، ابوبکر جیلانی کا "کنور ۔۔ ایک بنگالی شاعر"، رئیس الزماں رحمٰن کا "اردو میں نثری نظمیں"، رحی الانعام کا "۶۰ کے بعد اردو ناول" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان مقالات پر مذکورہ حضرات کو کلکتہ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں ملیں۔

ان کے علاوہ آمرا میری کی از سر نو مرتب کتاب "مثنوی رانی رنجیت رنبھا" اور رئیس الزماں رحمٰن کی "تذکرہ نسخہ دلکشا" بھی اردو تحقیق کے لئے قابل قدر کارنامہ ہے۔



ستم کے بہت سے ہیں ردِ عمل
ضروری نہیں چشم تر کیجئے
وہی ظلم بارِ دگر ہے تو پھر
وہی جرم بارِ دگر کیجئے
—— ساحر لدھیانوی

پنچایت

باتیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں برسراقتدار آنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا کہ مضافاتی علاقوں کے مختلف طبقوں کے لوگوں کے نمائندوں پر مشتمل پنچایتوں کی تشکیل کی جائے۔ ۴ رجون، ۱۹۷۸ء کو پنچایت انتخابات ہوئے اور سہ رخی پنچایتوں میں یعنی ضلع سطح پر پریشدوں میں (کل ۱۵)، بلاک سطح پر پنچایت سمیتیوں میں (کل ۳۲۴) اور سب سے نچلی سطح پر گرام پنچایتوں میں (کل ۳۲۴۲) تقریباً ۵۶۰۰۰ نمائندے منتخب ہوئے۔ ریاستی حکومت کے شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی کی معاشی منصوبہ بندی شاخ نے گرام پنچایتوں کے نمائندہ نمونے کا جائزہ لیا۔ اس جائزے سے یہ باتیں معلوم ہوئیں کہ ان پنچایتوں میں ۸۰ فیصد نمائندے مالک کاشتکار اساتذہ، بے روزگار، بے زمین مزدور، بر گدار اور کاریگر ہیں۔ مالک کسانوں میں ۷۰ فیصد تو چھوٹے اور حاشیائی کسان ہیں جن کے پاس فی کس ۵ ایکڑ سے بھی کم قطعات آراضی ہیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ممبروں کی اکثریت عوام کے غریب طبقوں کی نمائندگی کرتی ہے۔

سرگرمیاں اور کامیابیاں: ان پنچایتوں نے ۱۹۷۸ء کے تباہ کن سیلاب کے دوران، امداد کی تقسیم اور دیہی اثاثے کی بحالی کے کام میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ پنچایتوں کی کارگزاریوں اور عام لوگوں کے تعاون کی نشاندہی اس بات سے ہوتی ہے کہ سیلاب کے دوران لازمی چیزوں کی قیمتوں کو کنٹرول میں رکھا گیا اور وبائی امراض کے پھیلنے اور ان سے رونما ہونے والی اموات کی تعداد گذشتہ برسوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھی۔

اس کے بعد کام کے لئے خوراک پروگرام اور دیہی کام پروگرام کی تکمیل کی ذمہ داریاں بھی پنچایتوں کو سونپی گئیں۔ ان پروگراموں کا مقصد یہ تھا کہ مضافاتی علاقوں میں اور خاص طور پر غریب لوگوں کے لئے روزگار کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کئے جائیں ساتھ ہی مستقل اثاثے بھی تعمیر کئے جائیں۔ پھر نومبر ۱۹۸۰ء سے ان دونوں پروگراموں کو ایک پروگرام میں ضم کر دیا گیا اور نئے پروگرام کا نام "قومی دیہی روزگار پروگرام" رکھا گیا۔ گذشتہ پانچ برسوں میں گرام پنچایتوں نے ان پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہونچانے میں اپنی صلاحیت اور استعداد کو ثابت کر دکھایا۔ یہ اسکیمیں اب بھی چالو ہیں اور ۱۹۸۱ء تک ۱۴۰۰ لاکھ سے زیادہ کام کے دن پیدا کئے گئے۔ ۱۳۵۹۷ کیلومیٹر مجموعی لمبائی کی سڑکیں تعمیر کی گئیں، تقریباً ایک لاکھ ہیکٹائرس قطعات آراضی کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں اور ۳۳۴۷۷ ہیکٹائرس قطعات آراضی کو سیلاب کی زد سے محفوظ بنا لیا گیا۔ ایسی اسکیموں کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ تعمیراتی اخراجات میں کافی کمی ہوئی حالانکہ روایتی طور پر ایسے کام پر کافی تعمیراتی اخراجات ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسکیموں کی تکمیل کے کام کاج کی دیکھ بھال کا کام زیادہ تر مقامی لوگوں اور پنچایتوں کے ممبروں نے کیا اور انہوں نے ایسی خدمات رضاکارانہ طور پر ادا کیں۔

پنچایتوں کی سرگرمیاں صرف مذکورہ بالا اسکیموں تک، جن کے لئے مرکز نے امداد فراہم کی تھی، محدود نہیں رہی بلکہ انہیں آہستہ آہستہ دیہی ترقی کے مختلف میدانوں تک پھیلا دیا گیا۔ بہت سارے شعبہ جاتی کام کاج کی ذمہ داریاں بھی پنچایتوں کو سونپی گئیں۔ پنچایتیں اب دیہی ترقی، اصلاحات آراضی پینے کے پانی کی سپلائی، مالگزاری کی تحصیل، آبپاشی کی چھوٹی اسکیمیں، زرعی خام اشیاء کی تقسیم، چھوٹی اور دیہی صنعتیں، بے زمین اور بے گھر لوگوں کے لئے مکانات کی تعمیر، ہومیوپیتھک شفاخانوں سے طبی امداد، کسانوں کے درمیان بڑھاپے کی پنشن کی تقسیم وغیرہ جیسے میدانوں میں سرگرم عمل ہیں۔ دیہاتوں کے دور افتادہ علاقوں میں پنچایتوں کی مدد سے ۱۹۰ ہومیوپیتھک شفاخانے قائم کئے گئے اور اس طرح دیہاتوں کے غریب لوگوں کے لئے بھی طبی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ پنچایت سمیتیوں کے سرگرم تعاون کے ذریعہ بے گھر لوگوں کے لئے ۵۲۰۰ مکانات تعمیر کئے گئے اور دیہی علاقوں میں کم از کم ۴۰۰۰ جگہوں پر پینے کے پانی کی سہولتوں میں اضافہ کیا گیا۔ سی اے آر ای، یونیسف، مرکزی حکومت، ریاستی حکومت اور وزیر اعلیٰ کے امداد فنڈ کی مدد سے ضلع پریشدوں نے متاثرہ

ہاٹ گاچھا نمبر ا پنچایت دفتر

پنچایتوں کی تعمیر کردہ دیہی سڑکیں

اضلاع میں ۲۴۰۰ اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر یا توسیع کی۔ جہالت کو دور کرنے کے لئے بالغوں کی تعلیم کے مراکز کی تنظیم کے کام میں پنچایتوں نے بہت ہی اہم اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔ کیونکہ پنچایتوں کے ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ "لوگوں میں شہری بیداری اجاگر کرنے میں اور پنچایت راج کے کام کاج میں ان کے اعتماد کو مستحکم کرنے میں مدد دینے کے لئے بالغوں کی تعلیم بہت زبردست ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے۔" بائیں محاذ حکومت نے پنچایتوں کی مدد سے ۸۵ بلاکوں میں ۹۲ پروجیکٹوں پر کام شروع کر دیا ہے۔ ان پروجیکٹوں کے تحت بالغوں کی تعلیم کے ۸۷۰۰ مراکز کھولے جائیں گے اور جن سے ۲۶۱۰۰۰ افراد مستفید ہوں گے۔ شمالی بنگال ضلع دارجلنگ کے پہاڑی علاقہ اور جھاڑگرام علاقہ کی ترقی کے لئے حکومت نے گذشتہ چند برسوں میں ۸ کروڑ سے بھی زیادہ روپے خرچ کئے۔ اس میں سے زیادہ تر اخراجات پنچایتوں کے ذریعہ کئے گئے۔

مقررہ حد سے زیادہ فاضل قطعات آراضی کی ضمن کے سلسلہ میں حکومت کو حق اختیارات حاصل ہو چکا ہے غریب اور بے زمین کسانوں کے درمیان تقسیم کے کام کے ساتھ ساتھ برگاداروں کے نام کو ریکارڈوں میں درج کرنے کے کام کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی۔ اس سلسلہ میں "آپریشن برگہ" کے تحت تیزی سے کام ہو رہے ہیں۔ اس پروگرام کے تحت برگاداروں کے گھروں کے نزدیک چھوٹی چھوٹی میٹنگ ہوتی ہے۔ جس میں پنچایت سمیتیوں اور کسانوں کی تنظیموں کے ممبران بھی شرکت کرتے ہیں۔ ایسے جلسے میں اس بات کی تصدیق کی جاتی ہے کہ اصل برگادار کون ہیں۔ اس کام میں پنچایت سمیتیوں کی شرکت سے برگاداروں کے نام رجسٹرڈ کرنے کے کام کی رفتار میں ۳۰۰ فی صد اضافہ ہوا اور اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۹۸۱ء کے آخر تک ۱۱،۳۶ لاکھ برگاداروں کے نام رجسٹر میں درج ہو گئے جب کہ جون ۱۹۷۷ء میں ایسے برگاداروں کی تعداد صرف ۲،۵ لاکھ تھی۔

ریاستی حکومت اور پنچایتیں: گذشتہ پانچ برسوں میں پنچایتوں نے بہت ہی گرانقدر خدمات انجام دیں اور مذکورہ بالا باتیں ان کی عکاسی کرتی ہیں۔ چونکہ پنچایتوں نے وقت کی پکار پر لبیک کہا اس لئے ریاستی حکومت نے بھی ان کی مدد کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ریاستی حکومت پنچایتوں کو نہ صرف مالی اور ٹکنکی امداد فراہم کر رہی ہے بلکہ ذمہ داریوں کے احساس بیداری کو فروغ دینے اور طریقۂ کار کو اور

نگا جدید بنانے کے سلسلہ میں ان ہی ذرائع اور ہنر کی ترقی کے لئے تربیت کے ایک وسیع پروگرام کو روبہ عمل لارہی ہے۔ پنچایتوں سے وابستہ حکام اور غیر حکام کو مختلف تربیتی مراکز میں مسلسل تربیت دی جارہی ہے۔ انہیں کلیانی "کلیاں شادل"، کاندی، کلنا ہاگرام، کوچ بہار، اور دیگر جگہوں میں واقع تربیتی مراکز میں مختلف موضوعات مع مالی انتظام کی تربیت دی جاتی ہے۔ نیز ریاستی حکومت نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ پنچایتوں کو مشینی اور دیگر ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں تاکہ جو پروگرام انہیں دئے گئے ہیں انہیں وہ خیر و خوبی سے پایہ تکمیل تک پہونچائیں۔ زیر غور مدت میں ۹۵۴ گرام پنچایتوں کے دفاتر کے لئے مکانات تعمیر کرنے کے لئے عطیات دئے گئے اور ان میں سے اب تک تقریباً ۸۰ فی صد دفاتر تعمیر کر لئے گئے۔ پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کے دفاتر یا تو تعمیر کئے گئے یا ان کی موجودہ عمارت میں کافی توسیع کی گئی۔ مزید براں گرام پنچایتوں کو تکنیکی ہاتھ فراہم کرنے کے لئے تقریباً ۳۰۰ گرام پنچایت سکریٹریز اور تقریباً ۳۰۰۰ کلرک فراہم کئے گئے۔ پنچایتوں میں بہتر مالی ڈسپلن کیلئے اور حساب و کتاب کے کام میں مدد دینے کے لئے حکومت کے تحت ایک آوڈٹ اینڈ اکاؤنٹس آرگنائزیشن کی تشکیل کی گئی۔ سماجی کنٹرول کی ایک مشین کی طرح اور حسب ضروری مالی ڈسپلن قائم رکھنے کے آلہ کی حیثیت سے جانچ (آوڈٹ) کے اصولوں کو پنچایتوں میں موثر طور پر بروئے کار لایا جارہا ہے۔

وسائل: اس بات پر بھی کافی زور دیا گیا ہے کہ پنچایتوں کے اندرونی وسائل کی کھوج لگائی جائے اور انہیں بہتر بنایا جائے۔ تاکہ پنچایتیں خود کفیل بن جائیں اور وہ خود اپنے معاشی امکانات پیدا کرسکیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنچایت ٹیکس کی وصولیابی میں بہتری ہوئی ہے اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۸۶ لاکھ روپے کی جگہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۳۳ لاکھ روپے بطور ٹیکس وصول ہوئے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ آئندہ آنے والی برسوں میں اور بھی زیادہ رقوم بطور ٹیکس موصول ہوں گی۔

یہ بات اب بالکل عیاں ہوگئی کہ پنچایتیں جمہوری لامرکزیت کا ایک ذریعہ ہے جس نے مغربی بنگال میں دیہی لوگوں کی معاشی۔ سماجی زندگی میں تبدیلی لانے کے لئے ایک نئے سماجی نظام کو اجاگر کیا ہے۔ پنچایتیں اب زندہ جاوید سماجی تنظیمیں ہیں۔ اور منزل مقصود تک پہونچنے میں انہیں کامیابی حاصل ہوگی کیونکہ انکے ذریعہ ہی دیہی معیشت کی رفتار ترقی کو برقرار رکھا جاسکتا ہے اور اس رفتار میں تیزی لائی جاسکتی ہے۔

●●

دیہاتوں میں ترقیاتی سرگرمیوں کا ایک منظر

دیہی بیٹھک سرگرم

ایک مزدور سے انٹرویو

"ہمارا تعلق صرف حقوق سے نہیں فرائض سے بھی ہے۔ گذشتہ چھ سال کے دوران مزدوروں کے جمہوری حقوق بحال کر دئے گئے اور ان حقوق کو بامعنی بنانے کے لئے ہمیں پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے ہوں گے۔" یہ ۲۸ سالہ شری تیباپرشاد گھوش کا بیان ہے جو کون نگر سپیشرا تحود گلاس ورک پرائیوٹ لمیٹڈ کے ورکر ہیں۔ شری گھوش درج بالا کارخانہ میں گذشتہ چار سال سے ایک مزدور کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور ان کے خاندان میں پانچ افراد ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب سے بایاں محاذ برسراقتدار آیا ہے، ٹریڈ یونین تحریک کو کافی تقویت مل رہی ہے۔ سی آئی ٹی یو کے ممبر شری گھوش نے اپنے تجربے سے بتایا کہ اکثر کارخانوں میں ہونے والے تنازعات میں بایاں محاذ حکومت کی مداخلت کامیاب ثابت ہوئی۔ شری گھوش نے مزید بتایا کہ یہ بائیں محاذ ہی ہے جو صنعتی سیکٹروں میں صحت مند اور حسب معمول ماحول کی بحالی کے لئے چھ سال سے کوشش کر رہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ورکروں اور مزدوروں کو بائیں محاذ حکومت پر پورا اعتماد ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے کارگاہوں اور گھروں میں اپنے اردگرد بائیں محاذ حکومت کی ترقیاتی سرگرمیوں کو دیکھ رہے ہیں۔ ان لوگوں کو سنہ ۷۵-۱۹۷۲ کے ناانصافی اور ظلم کا تلخ تجربہ ہے جب بنیادی حقوق سلب کر لئے گئے تھے اور کوئی بھی حرف شکایت لبڑا کر سکتا تھا۔ شری تیباپرشاد گھوش نے آخر میں بتایا کہ ہم لوگ دوبارہ ایسے حالات کے رونما ہونے کی اجازت نہیں دیں گے اور یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بائیں محاذ کی حمایت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیشہ برسراقتدار رہے کیونکہ بائیں محاذ کی جمہوری حکومت میں پہلے جیسے جبر و تشدد کے حالات کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ ہمارا یقین ہے، ہمارا تجربہ ہے" شری تیباپرشاد گھوش نے آخر میں کہا۔



تعلیم — مرکز اور ریاست

تعلیم اور دستوری دفعات: ہمارے دستور کو سب سے پہلے جن لوگوں نے مرتب کیا، ان کے ذہن میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات اور ذمہ داریوں کی تقسیم کی بابت چند باتیں تھیں۔ ان کے خیال کے مطابق ایک وفاقی حکومت کو کس طرح اپنے فرائض انجام دینے چاہئیں، ان طریقۂ کار کو انھوں نے دستور کے ساتویں گوشوارہ میں درج کیا۔ بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ایک خود مختار ملک کے مرکوزہ علاقہ پر مرکز کو کنٹرول رکھنے کی اجازت دی جائے اور ان علاقوں کو ریاستوں کے لئے چھوڑ دیا جائے جنکی قومی ضرورت کے پیش نظر افزائش ہوتی ہے۔ اس طرح تعلیم کو ریاستوں کی فہرست میں رکھا گیا۔

بعد میں دستور میں ترمیم لاکر تعلیم کو مشترکہ فہرست میں شامل کرلیا گیا۔ واحد سبب جو ایسے اقدام کو حق بجانب ٹھہرا سکتا ہے، یہ تھا کہ مرکزی حکومت کو کچھ نہ کچھ اختیار تو حاصل ہونا چاہئے تاکہ ملک کے مختلف علاقے میں تعلیم ایک معیار کے مطابق ہو۔ کیونکہ مرکزی حکومت اکیلے ہی غربت اور جہالت' کے سفاک دائرے سے عوام کو باہر نکالنے کے لئے حسب ضرورت بڑے پیمانے کی اسکیم کے سلسلے میں فنڈ فراہم کرسکتی ہے۔

لیکن مرکزی معیاری گروہ بندی کے ذریعہ ایک وفاقی حکومت ایک قومی کردار کی تشکیل نہ کرسکی۔ 'مستحکم مرکز' 'مستحکم ہندوستان' کے نعرہ پر زور دیا جاتا تھا لیکن اس کا الٹا اثر ہوا۔ آج ایک شہری اس بات کو زیادہ سے زیادہ محسوس کررہا ہے کہ اب صرف ایک مضبوط مرکز ہی تمام مسائل کو حل نہیں کرسکتا۔ ایک شکل میں پنجاب اور آسام میں رونما ہونے والے واقعات اور دوسری طرف دوسری شکل میں آندھرا پردیش، کرناٹک، مغربی بنگال، تریپورہ اور کیرالا میں رونما ہونے والے واقعات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ وفاقی ریاستوں کو ان کے جائز مانگوں کے لئے رحم طلب ریاستوں میں تبدیل کرنے اور انہیں انسانی وقار سے محروم رکھنے سے ایک مضبوط مرکزی جنگجو یانہ وطن پرستی تو رونما ہوسکتی ہے لیکن اس سے ہم آہنگ مربوط قومی خصوصیت کی افزائش میں مدد نہیں مل سکتی۔

ان مسائل پر کافی گفت و شنید ہوئی اور قومیت کے سوال کے ساتھ ساتھ انہیں بھی حل کرلیا گیا۔ چونکہ تعلیم بڑھتی ہوئی قومی ضرورت ہے اس لئے اسے وفاقی ریاستوں کے پاس نہ کہ مرکز کے پاس رکھنا چاہئے۔ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جب 'مستحکم مرکز' 'مستحکم ہندوستان' کا نعرہ بہت لگایا جاتا تھا تو اس وقت بھی قوم کی بنیادی یکجہتی کی ضرورت کو سبھی محسوس کرتے اور اسے مستحکم بنانے کی کوششیں کیا کرتے تھے۔

یہ پالیسی بھی ایک اور خام خیالی ہے کہ مرکز کو تعلیم کے کسی بھی پروگرام کے لئے فنڈ فراہم کرنا چاہئے۔ اس طرح وہ تعلیم کی نشوونما کو اپنے اختیار میں رکھ سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دستوری ڈھانچہ نے محاصل کے زیادہ لچکدار ذرائع کو مرکز کے پاس رہنے دیا اور دستور نے بذات خود ریاستوں میں اسے ایسے وسائل کی تفویض کا انتظام کیا۔

اس لئے ریاستی حکومت اس بات کو شدت سے محسوس کررہی ہے کہ تعلیم کو پھر ریاستی فہرست میں لانا چاہئے۔

تعلیم کے میدان میں مغربی بنگال کی کامیابیاں یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے برسراقتدار آنے کے بعد سے اپنی محدود دستوری، مالی اور انتظامی صلاحیتوں کے باوجود تعلیم کے میدان میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ نہ صرف دلچسپی کے لئے میں اس بات کا ذکر کررہا ہوں

بلکہ تعلیم کو ریاستی فہرست میں لانے کیلئے ہمارے دعوے کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے میں نے یہ باتیں کہیں۔ ہم نے اس اہم میدان کی طرف ریاستی حکومت کے نظریے پر زور دیا۔ جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس وقت مغربی بنگال کا شمار تعلیمی لحاظ سے ترقی یافتہ ریاستوں میں ہوتا تھا۔ لیکن گذشتہ تیس برسوں میں پہلی بائیں محاذ حکومت کے برسراقتدار آنے کے قبل کے زمانہ تک مغربی بنگال آہستہ آہستہ تعلیم کے میدان میں پیچھے ہٹنے لگا اور اس کا شمار ملک کے تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تر ریاستوں میں ہونے لگا۔ ۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت برسراقتدار آئی اور اس نے ابتدا میں ہی دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی شعبہ میں اپنی سرگرمیاں مرکوز کردیں اور اس کے نتیجہ میں مغربی بنگال نے تعلیمی میدان میں کافی بہتری اور ترقی ہوئی۔ ایک تخمینہ کے مطابق سارے مغربی بنگال میں ۸۳-۱۹۸۲ء تک ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے تمام بچوں کے لئے پرائمری (ابتدائی) تعلیم کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔ حالانکہ سنہ ۹۰-۱۹۸۶ء تک کے لئے مرکز کا یہی اندازہ ہے۔ درحقیقت مغربی بنگال میں ۸۳-۱۹۸۲ء کے آخر تک ۹۵ فیصد بچے ابتدائی تعلیم سے مستفید ہوں گے۔

ابتدائی تعلیم کے میدان میں سب سے اہم کامیابی یہ ہوئی کہ برسوں کی بدنظمی اور افراتفری کے بعد تعلیمی ماحول کو پرامن بنا دیا گیا ہے۔ اب امتحانات وقت پر منعقد ہوتے ہیں اور ان کے نتائج بھی وقت پر شائع کئے جاتے ہیں۔ جمہوری طریقہ کار کو بروئے عمل لاتے ہوئے ہم لوگوں نے یونیورسٹیوں کے اعلیٰ انتظامیہ کمیٹیوں کی ساخت میں تبدیلی لائی اور اب نئی ساخت کے مطابق ان کا انتظام ہو رہا ہے۔ اسی دوران مغربی بنگال میں ۱۹ نئے کالج قائم کئے گئے اور ہندوستانی نشاۃ الثانیہ تحریک کے ایک عظیم علمبردار ایشور چندر ودیا ساگر کی یادگار کے طور پر ایک خصوصی یونیورسٹی قائم کی گئی۔

پرائمری اسکولوں میں طلبا کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۵۹ لاکھ تھی جو بڑھ کر ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۸۱ لاکھ ہوگئی۔ اسی طرح ثانوی اسکولوں میں طلبا کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱۸ لاکھ سے بڑھ کر ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۳۲ لاکھ اور اعلیٰ ثانوی (ہائر سکنڈری) اسکولوں میں طلبا کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۴۵ ہزار سے بڑھ کر ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۳ء۰۲ لاکھ ہوگئی۔ ہم لوگ یہاں بہت ہی دکھ کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جب سال رواں کے مرکزی حکومت کی بجٹ میں تعلیم کی مد پر کل اخراجات کی ایک فیصد رقم بھی مختص نہیں کی گئی وہاں مغربی بنگال نے اپنے ریاستی بجٹ میں تعلیم کے مد پر کل اخراجات کی ۲۴ فیصد سے زیادہ رقم مختص کیں۔ اگر اس مد پر خدمات نوجوان، کھیل کود اور اطلاعات و ثقافتی امور کی ثقافتی شاخ کے اخراجات کو شامل کرلیا جائے تو اخراجات ۲۶ فی صد ہو جائیں گے جبکہ مرکزی بجٹ میں ۹ء۱ فی صد کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مرکزی حکومت نے تعلیم کو مشترکہ فہرست لانے کے بعد تعلیم کے لئے اس سال ۲۳۶ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی تھی۔ جبکہ یہ رقم گذشتہ سال کے مغربی بنگال کی بجٹ میں تعلیم کی مد پر مختص کی گئی رقم سے کم ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکومت مغربی بنگال نے سال رواں میں اپنی بجٹ میں تعلیم کے مد پر ۴۱۸ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی۔ مرکزی حکومت نے بہت ساری تعلیمی مالی کٹوتی کے سلسلہ میں پہل کی اور مرکزی حکومت کے بہت سارے اداروں نے کٹوتی کا کام شروع کردیا۔ کم از کم ایک نقطہ پر مبصروں کی ایک رائے تھی اور وہ یہ کہ مرکزی بجٹ میں کم سے کم ۲ تا ۳ فیصد رقم تعلیم کے لئے مختص ہونی چاہئے۔ یہاں میں آپ لوگوں کی یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ گاندھی وادی منصوبہ بندوں نے اس بات کو لازمی قرار دیا تھا کہ مرکزی بجٹ کے اخراجات کی کم از کم ۱۰ فیصد رقم صرف تعلیم کے لئے مختص کی جانی چاہئے۔ ہمیں افسوس ہے کہ مرکزی حکومت ملک میں تعلیمی توسیع کے لئے بہتر طور پر مناسب اقدام نہیں کر رہی ہے۔

مرکزی حکومت کا کردار: اب تعلیم مشترکہ فہرست میں ہے اس لئے ہم تعلیم کے میدان میں کم از کم تین اہم سماجی ضرورتوں کے لئے انتظام کرنے کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کو مستثنیٰ قرار نہیں دے سکتے۔ چوتھے تعلیمی جائزہ نے اس بات کا انکشاف کیا کہ تقریباً ۳ لاکھ پرائمری اسکول خستہ حال عمارتوں میں واقع ہیں یا ایسی جگہ واقع ہیں جہاں کوئی عمارت نہیں ہے اس لئے ان اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر اور مرمت کی اشد ضرورت ہے۔ ہم لوگوں نے آئندہ پانچ برسوں کے لئے ۸۰۰ کروڑ روپے کی گنجائش رکھنے کے سلسلہ میں مرکزی حکومت سے درخواست کی تھی تاکہ پرائمری اسکولوں کو کم از کم ایک واجبی معیار تک لایا جاسکے۔ اسکولوں میں عام طور پر تعلیمی ساز و سامان اور پینے کے پانی کی سپلائی کی کافی کمی ہے۔ اگر ہم متعلقہ عمر کے تمام بچوں کو پرائمری اسکول میں تعلیم دینے کے سو فیصد نشانہ کو پورا کرنا چاہیں تو اس کے لئے بہت ہی مختصر عرصہ میں اساتذہ کو تربیت دی جانی چاہئے۔ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ مغربی بنگال اپنے وسائل کو انتہائی حد تک بروئے کار لاتے ہوئے ۵۰ فیصد نشانہ کو پورا کرسکتا ہے۔

یہ بات تو سبھوں کو معلوم ہے کہ ہماری ریاست نے اپنے وسائل پر اتنا دباؤ ڈالا ہے کہ اسے کافی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حکومت مغربی بنگال کے خیال میں سماج کی چند ترجیحات ایسی ہوتی ہیں جن پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے، اور تعلیم ان میں سے ایک ہے۔

یہی بات اعلیٰ تر تعلیم کے اداروں پر صادق آتی ہے۔ کالج کی عمارتوں کی مرمت کے لیے یو۔ جی۔ سی۔ پانچ سال کے لئے فی کالج ۵ء۷ء۱ لاکھ روپے دیتا ہے، اور اس رقم سے ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔

کیا ان ریاستوں کے لیے، جنہیں تعلیم کے مشترکہ فہرست میں شمولیت کے بعد کافی پریشانیوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، اس بات کی امید نامناسب ہوگی کہ اب مرکزی حکومت کو اساتذہ کی تربیت، تعلیمی اداروں کی عمارتوں کی مرمت، نئے اسکولوں، کالج اور پالی ٹکنکس کے قیام کے سلسلہ میں تمام اخراجات برداشت کرنی چاہیئے۔

سماج اب ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے تمام بچوں کے لئے آزاد اور لازمی ابتدائی تعلیم کی طرف آگے بڑھ رہا ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایسے موضوع کو قانون کے اور شاید تعزیراتی دفعہ کے ذریعہ لازمی بنایا جا رہا ہے جبکہ ہم کم سے کم سہولتیں فراہم نہیں کر سکتے، جب ہم رسل و رسائل کی سہولتیں اور دیگر خدمات فراہم نہیں کر سکتے۔؟ ہم لوگوں نے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلباء کو ۲۰ روپے فی ماہ فی طالب علم کے حساب سے جماعتی عطیہ دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہماری اس اسکیم سے مذکورہ طبقہ کے زیر طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ساتھ ہی ایسے طلباء نے اب اپنی تعلیم کے سلسلہ کو برقرار رکھا ہے۔ سماج کی مانگ کو صرف قانون کے ذریعہ دبایا نہیں جا سکتا۔ ہم اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ جب تک ساخت تعمیر نہیں کی جائے گی اس وقت تک طلباء کی تعداد سو فیصد نہیں ہوگی۔ اگر ہم فرداً میں اس نقطہ تک پہونچ بھی گئے تو پھر ہمیں نیچے کی طرف پھسلنا ہوگا، کیونکہ اس کے لئے ہمیں مناسب سماجی ضرورتیں فراہم کرنی ہونگی۔

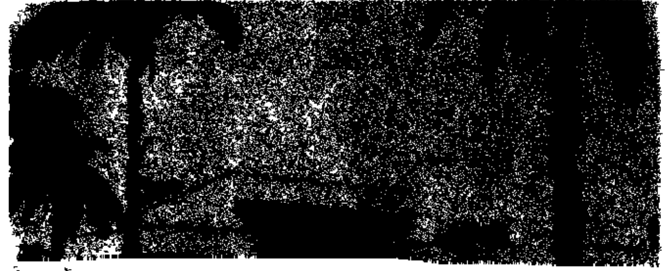
تعلیم بالغان:- ریاستی حکومت بالغوں کی تعلیم کے پروگرام کو کافی ترجیح دیتی ہے اور اسے ۲۰ نکاتی پروگرام میں شامل کر لیا ہے، جیسا کہ مرکزی حکومت نے اس پروگرام کو اپنے بیس نکاتی پروگرام میں چھٹے منصوبہ کے کم از کم ضرورت پروگرام میں شامل کیا ہے۔

مرکزی حکومت نے حسب خواہش ۱۹۹۰ء تک اس ریاست کے تقریباً ۹۰ لاکھ ان پڑھ لوگوں کی تعلیم کے لیے ایک عملی منصوبہ مرتب کرکے ریاستی حکومت نے مرکز کے پاس داخل کر دیا ہے۔

اس عملی منصوبہ کے تحت ہر سال آر ایف ایل پروجیکٹوں کے تحت ۱۵ تعلیمی مراکز قائم کیے جائیں گے۔ یہ کام ۸۳-۱۹۸۲ء سے شروع ہو چکا ہے اور نشانہ ۱۶۵ مراکز قائم کرنے کا ہے۔ ان میں نوّے مراکز ریاستی حکومت اور ۷۵ مراکز مرکزی حکومت قائم کرے گی۔ ہر پروجیکٹ کی تکمیل پر سالانہ ۲۰ء۵ لاکھ روپے خرچ ہوں گے اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے مدنظر آج اس مد پر ۶ لاکھ روپے خرچ ہونگے۔ بالغوں کی تعلیم کے پروگرام کی کامیابی کے لئے مناسب اور باضابطہ طور پر ان پروجیکٹوں کے سلسلہ میں فنڈ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر فنڈ بروقت فراہم نہ ہو تو ۱۹۹۰ء تک ۹۰ لاکھ ان پڑھ لوگوں کی تعلیم کے نشانہ تک پہونچنا مشکل ہے۔

غیر رسمی تعلیم:- رسمی تعلیم اور بالغوں کی تعلیم کے درمیان حائل خلیج کو غیر رسمی تعلیم پاٹتی ہے۔ رسمی تعلیم بچوں کے لیے اور بالغوں کی تعلیم بالغوں کے لیے ہوتی ہے۔ غیر رسمی تعلیم ان بچوں کے لئے ہے جو ایک نہ ایک وجہ سے رسمی تعلیم کے دائرہ میں نہ آسکے۔ اس بات سے ہمیں کافی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ اس مد پر جتنے اخراجات ہوں گے انکا نصف مرکزی حکومت برداشت کرے گی۔ ہماری ریاست میں ۳۹ء۱ لاکھ غیر رسمی تعلیمی مراکز ہیں لیکن یہاں ہم جس نقطہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ یہ کہ بالغوں کی تعلیم اور غیر رسمی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو جائیگا، تو ان کے طلباء میں پھر ابتدائی حالت کی طرف واپس جانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ حکومت مغربی بنگال نے ایسے طلباء کے لئے لائبریری تحریک شروع کر دی ہے اور ساری ریاست میں ہم لوگوں نے ۵۰۰ لائبریریاں قائم کی ہیں اور لائبریری خدمات کے لئے ایک خصوصی شاخ کے ذریعہ اس کے نظم و نسق کا انتظام کیا ہے۔ ان تمام لائبریریوں کو اخراجات کے لئے ریاستی حکومت سالانہ گرانٹ دیتی ہے اور اس مد میں ہماری حکومت سالانہ ۳ کروڑ روپے خرچ کرتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم:- اب میں اعلیٰ تعلیم (ہائر ایجوکیشن) کا کچھ ذکر کروں گا۔ برسوں سے اس بات کا دھیرے دھیرے احساس ہو رہا ہے کہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن (یو جی سی) مرکزی یونیورسٹیوں کو زیادہ سہولتیں فراہم کرتا ہے اور ریاستی یونیورسٹیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ قصداً ایسا نہیں کیا جاتا، لیکن دونوں یونیورسٹیوں کے درمیان فرق نمایاں ہے



دیہی علاقہ میں ایک لائبریری

ٹھہرانے کے لئے وقتاً فوقتاً جو تشریحیں پیش کی جاتی ہیں وہ ٹھوس نہیں ہوتیں۔ شاید ایسی تائید کی حمایت میں پیش کردہ غیر منطقی باتوں کی وجہ سے امتیاز کی یہ تصویر ابھر کر سامنے آئی ہے۔

عام طور پر یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ ریاستی حکومتیں ریاستی یونیورسٹیوں کی مدد کرتی ہیں۔ لیکن مرکزی یونیورسٹیوں کے پاس ایسے ذرائع نہیں کہ جن پر وہ انحصار کرسکیں۔ اس دلیل میں اس بنیادی نقطہ سے پرہیز کیا گیا کہ دیگر تنظیموں کی طرح یونیورسٹیوں کو بھی اپنے اخراجات برداشت کرنے کیلئے اور اپنی ترقی کے لئے فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ریاستی یونیورسٹیوں کے اخراجات کے لئے ریاستیں فنڈ فراہم کرتی ہیں، یوجی سی مرکزی یونیورسٹیوں کے لئے آزادانہ طور پر ایسا کرسکتا ہے۔ لیکن اب بھی یہ سوال جواب طلب رہ جاتا ہے کہ مرکزی اور ریاستی یونیورسٹیوں کے درمیان ترقیاتی فنڈ کے سلسلہ میں امتیاز یہ فرق کیوں ہوتا ہے۔

ریاستی یونیورسٹیاں یوجی سی سے ترقیاتی فنڈ کے زیادہ ترجیحی کا دعویٰ کرسکتی ہیں، کیونکہ یوجی سی کے ایسے فنڈ عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں اور مختصر عرصہ کے بعد ختم ہوجاتے ہیں اور اسکے بعد ریاستی حکومتوں کو ہی ایسی ذمہ داریاں سنبھالنی پڑتی ہیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ریاستی یونیورسٹیوں کے لئے ترقیاتی فنڈ فراہم کرنے کے سلسلہ میں یوجی سی کی ذمہ داریاں محدود عرصہ کے لئے ہوتی ہیں۔

دیہی علاقہ میں درس و تدریس

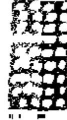
یونیورسٹیوں کے لئے خواہ وہ مرکزی ہوں، یا ریاستی، یوجی سی فنڈ کی فراہمی میں ایک بنیادی اعتدال کی ضرورت ہے: اور یونیورسٹیوں کی ضرورت کے لئے ضرورت اور ترقی کے امکانات کے پیش نظر فنڈ کی فراہمی کی جانی چاہیئے۔

یوجی سی کے گرانٹ میں کمی: یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ یونیورسٹیوں کو کم از کم مغربی بنگال کی ریاستی یونیورسٹیوں کو یوجی سی کی امداد کی شرح بتدریج کم ہوتی جارہی ہے اور دوسری طرف یونیورسٹی کے اخراجات بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ پانچویں منصوبہ کے عرصہ میں یوجی سی سے مغربی بنگال کی ۵ یونیورسٹیوں کو کل ۵ کروڑ روپے ملے۔ چھٹے منصوبہ کے تین برسوں کے بعد موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ چھٹے منصوبہ کے آخر میں ان یونیورسٹیوں کو یوجی سی تقریباً ۵ء۳ کروڑ روپے ملیں گے۔ اس طرح اقتصادی لحاظ سے یہ بے سروپا باتیں ہیں اور یہ شاید ہی اس دعویٰ کی معاون ہوں کہ تعلیم کو مرکزی حکومت کے مالی اور انتظامی کنٹرول میں ہونا چاہیئے۔

پھر تیر کا سر حد سے بلند ہونے لگا ہے
پھر صبر کے ہاتھوں کو ہے پتھر کی ضرورت
——— مصطفےٰ اکبر

ولی دکنی

دلی کی شاعری پران کے اثرات



مرغوب عابدی

ولی کا زمانہ دکن میں وہی ہے جو کہ دہلی میں مغل تاجدار اورنگزیب کا دورِ حکومت ہے۔ اگر اس زمانہ کی دکنی اور شمالی ہندوستان کی معاشرت، سماجی حالات کا جدا جدا مطالعہ کیا جائے تو دونوں میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ اورنگزیب نے جب دکن کو فتح کیا اور اپنے قبضہ حکومت میں لے لیا تو شمالی ہند اور دکنی عوام میں سیاسی اور تہذیبی میل ناگزیر تھا۔ نیز دونوں علاقوں کے بسنے والے ایک دوسرے کے یہاں اپنی اپنی بولیوں کی ساخت اپنے ساتھ لیکر آنے جانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دوران ولی بھی دوبار دہلی آئے۔ حالانکہ یہ معاملہ کافی بحث طلب ہے کہ ولی دہلی کتنی بار آئے۔ ایک بار آئے ہوں یا دوبار اس سے بھی زیادہ، یا محض انکا دیوان کسی طرح دہلی پہنچا ہو، اس سے اسوقت بحث نہیں بس ایک مختصر جائزہ اس چیز کا لینا ہے کہ کلام ولی شمالی ہند (دہلی) کی شاعری پر کیوں اور کس طرح اثر انداز ہوا۔

دہلی میں اس وقت تک شاعری اپنے طفولیت کے دور سے گزر رہی تھی۔ ولی ایک پُرگو اور نہایت کہنہ مشق شاعر تھے۔ ولی کی اس پرگوئی سے دہلی کے شاعر بہت متاثر ہوئے۔ اس وقت کی دہلی کی شاعری کو پڑھا جائے تو اسمیں کچاپن اور کئی طرح کی کمیاں نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر فارسی الفاظ کا بے محل استعمال جابجا نظر آتا ہے۔ اورنگزیب کی شان میں لکھے گئے میر جعفر زٹلی کے قصیدے کے درج ذیل اشعار اس بات کا ثبوت ہیں :

زہے دھاک اورنگ شاہِ ولی　　دراقلیم دکھن پڑی کھلبلی
دریں پیرسال وضعیف بدن　　مچائی دھماچوکڑی در دکن

ان شاعروں کو فارسی الفاظ کے استعمال پر بھی زیادہ قدرت حاصل نہ تھی لیکن چونکہ ان لوگوں کے یہاں شاعری فارسی ہی کے اثر سے شروع ہوئی تھی اور اپنی بول چال والی زبان میں شعر گوئی کی مشق ہوتی نہ تھی اسلئے فارسی الفاظ کی بہتات تعجب خیز بھی نہیں۔ مادری زبان چونکہ فارسی اور ہندی دونوں کے علاوہ ایک تیسری بولی تھی۔ اسلئے انہوں نے فارسی اور ہندی کے الفاظ کو یکجا کر کے نئی ترکیبیں وضع کیں جو آج ہمارے ذوق سماعت پر گراں گزرتی ہیں۔ مثلاً یہی "دھماچوکڑی در دکن"، اور "زہے دھاک"۔۔۔۔ اور ایسی ہی سیکڑوں مثالیں اس وقت کے شعراء کے کلام سے مل سکتی ہیں۔ جب ان لوگوں نے دکنی شعر و ادب کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ وہ زبان ان کی بول چال کی زبان کے بہت قریب ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ترکیبیں جو دکن میں استعمال ہوتی تھیں بلا کسی زحمت کے انہیں اپنی شاعری میں استعمال کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ فارسی ترکیبیں استعمال کرنے میں انہیں بڑی زحمت اٹھانی پڑتی تھی۔ لہٰذا اسی کو ترجیح دی کہ اپنی زبان پر دکنی کا ملمع چڑھائیں جس سے زبان عام بول چال کے قریب آسکے۔

دہلی کے حکمراں اس وقت سیاسی سرگرمیوں اور فتوحات کیطرف متوجہ تھے اور انکی ادب نوازی میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ اسلئے شاعروں کو انکی دفتری زبان فارسی کا اثر اپنے کلام سے کم کرنے اور دکنی کا اثر قبول کرنے میں بہت زیادہ قباحت نہ محسوس ہوئی۔

ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ محمد شاہی / احمد شاہی دور میں شمالی ہند (دہلی) کے دانشور طبقے میں لسانی خود مختاری کا احساس بیدار ہوا۔ نیز تمام فنون لطیفہ میں ایک تحریک ہند ایرانی اسالیب کی نمودار ہوئی۔ ایسی تہذیبی اور ذہنی فضا میں کلام ولی کی مقبولیت اور شہرت عین فطری تھی۔

ہندوستانی شعراء کو فارسی شاعری میں اظہار خیالات کرنے اور اس کے ماحول پیدا کرنے میں کافی دقت پیش آتی تھی۔ اسلئے مقامی رنگ میں شاعری کرنا انہیں اپنی طبیعت کے اعتبار سے زیادہ آسان محسوس ہوا اور رفتہ رفتہ یہ رنگ غالب آتا گیا اور دکنی اثرات تیزی سے قبول کیے جانے لگے۔ دکن سے آنے والے شعراء حضرات میں جن کی آمد عہد محمد شاہی سے

شروع ہوئی تھی۔ کلامِ ولی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ اس بیان کی ... ہے کہ ولی کی زبان ... شعرا کی بہ نسبت شمالی ہند کی ... عوام کے اعتبار سے زیادہ قریب تھی اسلئے جو برکات، صفائی اور سادگی کلامِ ولی کی خصوصیت تھی وہ شمالی ہند کی شعر گوئی (شعرائے دہلی) پر پورے طور پر اثر انداز ہوئی۔

پرانے تذکروں میں خاص کر تذکرۂ میر، طبقات سخن، تذکرۂ شورش، تذکرۂ ہندی گویاں وغیرہ میں ولی کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان سے درج بالا سطور کی تصدیق ہو جاتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ شعرائے متقدمین آبرو، فائز اور حاتم وغیرہ نے ولی کی استادی کے گن گائے ہیں اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے ولی کی زبان اور اس کے طرز سے نہ صرف استفادہ کیا ہے بلکہ اس کا تتبع کیا ہے۔

ولی کی زبان کے اثر کی بدولت اردو زبان نے ریختہ کا روپ دھارا جو بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ خود شعرا حضرات نے اس امر کا اعتراف جگہ جگہ کیا ہے۔ اس ضمن میں میر کا قول نقل کر دینا کافی ہوگا:

؎ خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے
معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

(یعنی ولی) ــــــــــــــ

یہ اشارہ ولی ہی کی طرف ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ریختہ وہ زبان ہے جو کہ شمالی ہند کے شعرا کی زبان دکنی کے اثرات قبول کر کے فارسی ہندی اور دکنی کی آمیزش سے بنی۔ ریختہ کا یہ رنگ جلد ہی شمالی ہند کی شاعری میں بدل گیا اور موجودہ دور کی شاعری کا روپ اختیار کر گیا۔ ولی کے اثر نے شعرا کو یہ راہ دکھائی کہ شاعری کو عام بول چال کی زبان کے نزدیک لایا جائے۔ لیکن اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ولی کی زبان کا تتبع شعرائے دہلی کے لئے مناسب و موزوں نہ تھا۔ اس لئے کہ دکن اور شمالی ہند کی بول چال کی زبان میں بڑا فرق تھا۔ لہٰذا شمالی ہند کے شعرا کو اب یہ محسوس ہوئی کہ بجائے دکنی کا سہارا لینے کے خالص شمالی بول چال اور لب و لہجہ اختیار کیا جائے۔ یعنی دکن کی خاص ترکیبوں کی جگہ شمالی ہند کی زبان کی ترکیبیں استعمال کی جائیں۔ چنانچہ فارسی اور ہندی کی مدد سے جو فارسی اور ہندی ترکیبیں وضع کی گئیں، وہ کانوں کو بھلی لگنے لگیں اور رفتہ رفتہ زبان پر چڑھ گئیں۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ یہ احساس بھی شعرائے دہلی کو زبان نے دلایا جس کے نتیجہ میں شعر بول چال کی زبان کے قریب آیا۔ فارسی بھی عام بول چال کے نزدیک ... کی اشاعت اور مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ درج ذیل اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ سودا اور میر کے زمانے تک ہوتے ہوتے ولی کے اثر سے پیدا شدہ ریختہ نے کیا روپ اختیار کر لیا تھا۔

؎ مجھے تمہارا ریختہ کہنے کو عیب نادان بھی
سو یوں کہا میں کہ دانا ہنر لگا کہنے

ــــــــــ سودا

؎ دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختے کے
بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو ہنر سے

ــــــــــ میر

؎ قائم نے ریختے کو دیا خلعتِ قبول
ورنہ یہ پیش اہلِ سخن کیا کمال تھا

ــــــــــ قائم

؎ ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

ــــــــــ غالب

درج بالا سطور کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ شمالی ہند (دہلی) کے شعرا میں لسانی بیداری اور خود مختاری دکن ہی کے اثر سے پیدا ہوئی۔ اور دکنی اثر میں ولی دکنی کی شخصیت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ نہ ولی دہلی کے ان شعرا پر اس طرح اثر انداز ہوتے، نہ دہلی نے فائز، آبرو، حاتم، قائم اور مرزا مظہر جان جاناں جیسے شاعر پیدا کئے ہوتے اور نہ شمالی ہند کی شاعری کا مزاج اس نوبت کا بن پاتا۔ بہ الفاظ دیگر دہلی کا تمام تر سرمایۂ شاعری ولی کی سحر کاریوں کے اثر کا نتیجہ ہے اور آج دہلی اردو زبان کے ادبی اور شعری میدان میں جو امتیازی حیثیت رکھتا ہے، وہ ولی دکنی ہی کی مرہونِ منت ہے۔

●●

> اللہ رے زورِ مجبوری خود مجھکو حیرت ہوتی ہے
> جو بار اٹھانا پڑتا ہے کیونکر وہ اٹھایا جاتا ہے
>
> ــــــــــ وحشت کلکتوی



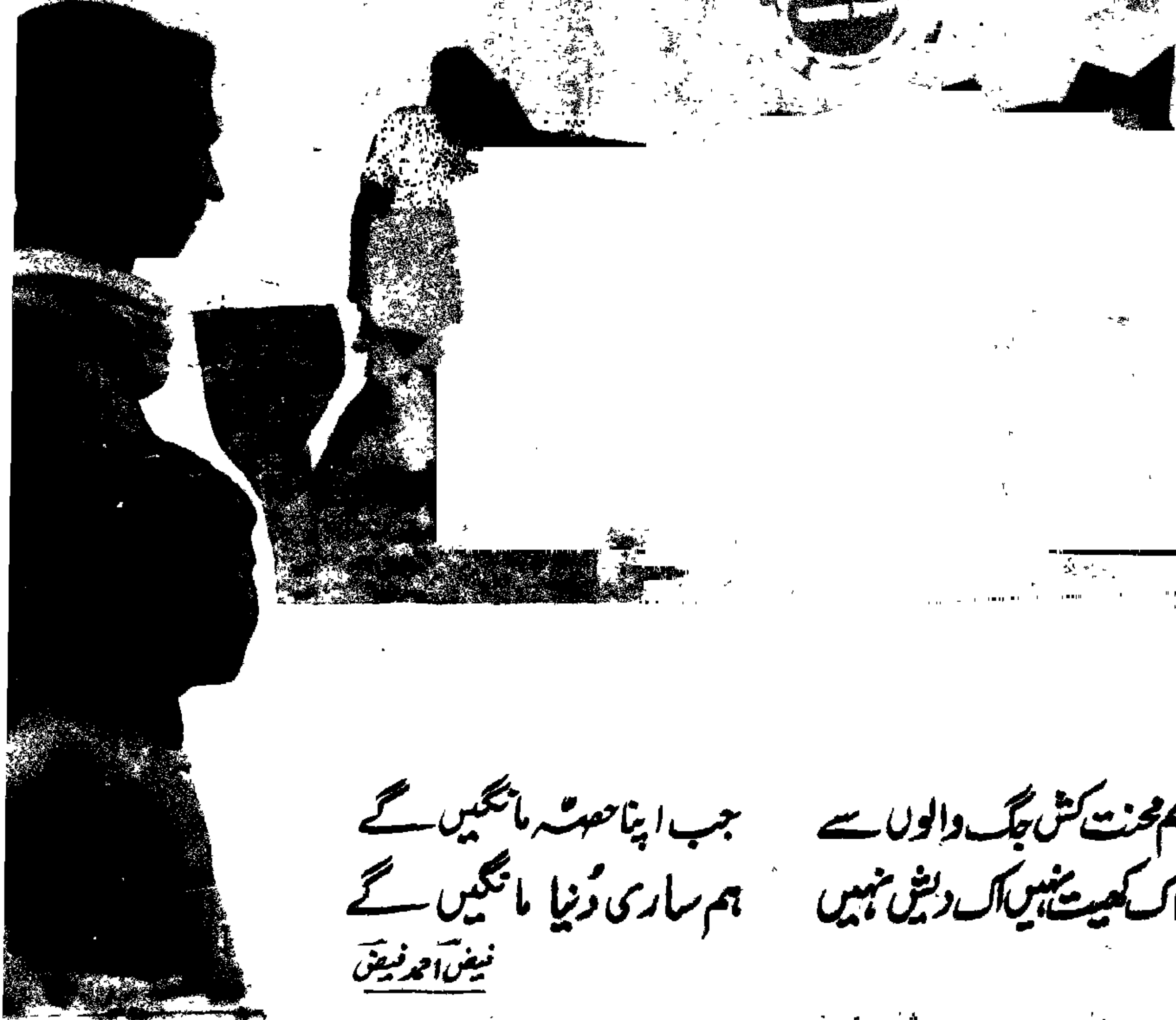
ثقافتی سرگرمیاں



Editor,: D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 38 No. 13
PRICE—25 Paise

MAGHREBI BENGA[L]
1st August



مغربی بنگال



آزادی نمبر
۱۹۸۳ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال کلکتہ

آزادی نمبر

جلد نمبر ۳۰ ● یکم ستمبر ۸۲ء ● شمارہ نمبر ۱۶ اور ۱۷

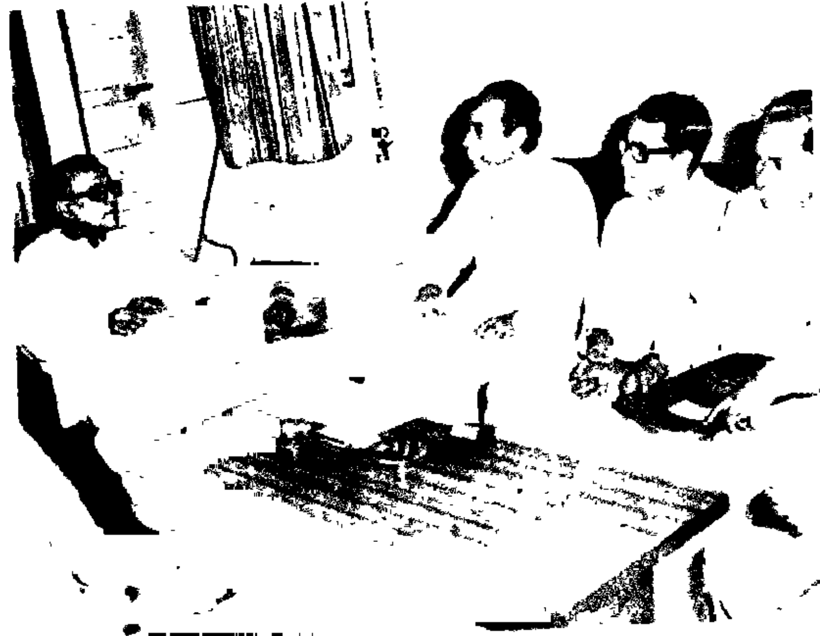
مدیر اعلیٰ : پرتیں بھٹا چاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم
تزئین کار : تارا پرشاد داس

اس شمارہ میں

شرح خریداری : سالانہ ۳ روپے
اس خصوصی شمارہ کی قیمت
۲۵ پیسے فی کاپی



عزت مآب مسٹر ای۔ بی۔ عثمان خودزلو، روس کے سپریم سوویت کے نائب چیرمین اور ازبیک سوویت سوشلسٹ ریپبلک کے سپریم سوویت کے چیرمین، راج بھون کلکتہ میں ۲۲ اگست ۸۲ء کو مغربی بنگال کے گورنر شری بی۔ ڈی۔ پانڈے سے محو گفتگو۔



کلکتہ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، مرکزی وزیر مالیات، شری پرنب مکھرجی اور آسام کے وزیر اعلیٰ کے ساتھ محو گفتگو۔

چاند تاروں کا بن



(آزادی سے پہلے، بعد اور آگے)

موم کی طرح جلتے رہے ہم شہیدوں کے تن
رات بھر جھلملاتی رہی شمعِ صبحِ وطن
رات بھر جگمگاتا رہا چاند تاروں کا بن
تشنگی تھی مگر
تشنگی میں بھی سرشار تھے
پیاسی آنکھوں کے خالی کٹورے لئے
منتظر مرد و زن
مستیاں ختم، مدہوشیاں ختم تھیں، ختم تھا بانکپن
رات کے جگمگاتے دہکتے بدن

صبح دم ایک دیوارِ غم بن گئے
خارزارِ الم بن گئے
رات کی شہ رگوں کا اچھلتا لہو
جوئے خوں بن گیا

کچھ امامانِ صد مکر و فن
ان کی سانسوں میں افعی کی پھنکار تھی
ان کے سینے میں نفرت کا کالا دھواں
اک کمیں گاہ سے
پھینک کر اپنی نوکِ زباں
خونِ نورِ سحر پی گئے



مخدوم محی الدین

رات کی تلچھٹیں ہیں اندھیرا بھی ہے
صبح کا کچھ اجالا، اجالا بھی ہے
ہمدمو!
ہاتھ میں ہاتھ دو
سوئے منزل چلو

منزلیں پیار کی
منزلیں دار کی
کوئے دلدار کی منزلیں
دوش پر اپنی اپنی صلیبیں اٹھائے چلو



جمہوری قدروں اور آزادی کو برقرار رکھنا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ـــــــ جدوجہد کو جاری رکھنا ہمارا فرض ہے۔

ـــــــ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

۱۵؍ اگست ۸۲ء

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کل ریڈیو اور دوردرشن کے کلکتہ اسٹیشنوں سے نشر کردہ اپنے یوم آزادی پیغام میں، عوام سے پرزور اپیل کی کہ وہ جمہوری قدروں اور آزادی کے تحفظ کے لئے اپنی کوشش جاری رکھیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ منصوبہ بندی کے طریقہ کار کے ذریعہ ریاستوں اور علاقوں کے درمیان بڑھتی ہوئی تفریق کو دور کر دینا چاہئے۔ وزیر اعلیٰ کی نشری تقریر کا متن درج ذیل ہے۔

ہماری آزادی کی ۳۶ ویں سالگرہ کے موقع پر میں عوام کو اپنی دلی مبارکبادی اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔ آج ہم سبھوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے عظیم پیش رو بزرگوں کو، جنہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے بہت ہی بہادری کے ساتھ جدوجہد کی، خراج تحسین پیش کریں۔ محب الوطنی کے اعلیٰ نصب العین اور جذبہ ایثار ہمارے لئے طاقت اور تقویت کے منبع ہیں۔

جمہوری قدروں اور آزادی کو برقرار رکھنا اور مستحکم بنانا اور ہمارے ملک میں لاکھوں لاکھ لوگوں کی بہتری کے لئے جدوجہد کو جاری رکھنا تو ہمارا فرض ہے۔ حقیقی وفاق کی شان کو برقرار رکھنا اور مرکز اور ریاستوں کے درمیان، ایک صحیح رشتہ، جس سے سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان اتحاد اور بھی مستحکم ہو جائے گا، کو قائم رکھنا بھی ہمارا اولین فرض ہے۔ مسلسل تعمیراتی مہم کو جاری رکھنا ہوگا اور انتشار پھیلانے والی، ملک کو کمزور بنانے والی اور ملک میں تفریق پھیلانے والی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے موثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جو برسر اقتدار ہیں، مختلف ریاستوں کے لوگوں، خاص طور پر لسانی اور مذہبی اقلیتوں کی امیدوں اور آرزوؤں کو وقت پر پورا کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔ منصوبہ بندی کے طریقہ کار میں ریاستوں اور علاقوں کے درمیان بڑھتی ہوئی نابرابری کو ختم کر دینا چاہئے۔

مغربی بنگال کے عوام جمہوری قدروں اور وسیع نظر کی قدر کرتے ہیں۔ وہ سب تنگ نظری اور مقامیت پسندی کے خلاف ہیں۔ ہم نے اس ریاست کے گمراہ اور رجعت پسند عناصر کو پسپا کر کے اپنے قابو میں رکھا ہے۔ اور یہاں مختلف ذاتوں، زبانوں اور مذہبوں کے لوگوں کے درمیان تعاون اور سوجھ بوجھ کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ گذشتہ چھ برسوں میں اس ریاست میں مسلسل بائیں محاذ حکومتیں بہت سارے بنیادی پروگراموں کی تکمیل کے ذریعہ عام لوگوں کی دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ عوام کی شہری آزادی اور جمہوری حقوق کی حفاظت اور ان کی توسیع کے لئے ہماری کوششیں جاری ہیں۔ ہماری آبادی کی اکثریت'' خاص طور پر مزدور، کسان، زرعی مزدور، شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور متوسط درجہ کے بہت سارے لوگ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ ریاستی حکومت ان کے مفادات کی اچھی طرح دیکھ بھال کر رہی ہے۔ ہم لوگوں نے، حکومت میں، اپنی سرگرمیاں نمایاں مقاصد ترجیحات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جاری رکھیں اور عوام سے رابطہ قائم رکھا ہے اور موجودہ نظام اور ہمارے محدود اختیارات کی وجہ سے جو مشکلات اور پریشانیاں رونما ہو رہی ہیں ان سے ہم عوام کو روشناس کرا دیتے ہیں۔ ہم اپنی کمزوریوں کو نہیں چھپاتے۔ ہم اپنی تنقید آپ ہی کرتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں عوامی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور دیہی عوام ترقیاتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ اور آج وہاں آپ کو نمایاں تبدیلیاں نظر آئیں گی کیونکہ

پنچایتیں بھی اپنے فرائض نہایت ہی حسن وخوبی سے انجام دے رہی ہیں۔ اس سال کے مئی کے مہینہ میں سہ رخی پنچایت انتخابات ہوئے۔ پانچ سال کے عرصہ میں دوسری بار ایسے انتخابات ہوئے اور اس کی مثال آپ کو ماضی میں کہیں بھی نہیں ملے گی۔ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان پنچایتوں کو اور بھی زیادہ اختیارات اور فنڈ دئے جائیں۔ اصلاحات آراضی کے سلسلہ میں اس ریاست میں چند اہم اقدامات کئے گئے۔ مہینوں قبل ہم نے اصلاحات آراضی کے سلسلہ میں ایک "بل" پاس کیا تھا اور اسے صدر کی منظوری حاصل کرنے کے لئے صدر کے پاس بھیج دیا تھا لیکن ابھی بھی ہمیں اس بل کے سلسلہ میں صدر کی منظوری کا انتظار ہے۔ اس بل کے ایکٹ بن جانے کے بعد ہم مزدوروں کے کاز کو اور آگے بڑھا سکیں گے۔

چھوٹی، متوسط درجہ کی اور بڑے پیمانہ کی صنعتوں کو، ہماری معیشت میں ان کے اہم کردار کے پیش نظر حسب ضروری مراعات اور سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ شہری فلاح کی بابت ہمارے خیالات تو بالکل عیاں ہیں۔ ہم ان مسائل اور مشکلات سے واقف ہیں جن سے شہروں میں لوگ دوچار ہیں۔ اپنے طور پر ہم ان مسائل کو حل کرنے کے لئے پرخلوص کوششیں کر رہے ہیں۔ تمام سیکٹروں میں، جلد از جلد تبدیلی لانے کے لئے ریاستی حکومت کے پاس کافی اختیارات اور وسائل نہیں ہیں۔ ہماری ریاست میں جدید صنعتیں قائم کرنے، مالی اداروں سے زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کرنے، اور چند اہم صنعتی پرزوں کو مہیا کرنے کے لئے ہمیں مرکز اور منصوبہ بندی کمیشن کے مثبتی رد عمل کا انتظار ہے۔ بیروزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں اس سے ہمیں کچھ سہولتیں فراہم ہوں گی۔

دو مسلسل خشک سالی کی وجہ سے ہم بہت ہی مشکل دور سے گذر رہے ہیں۔ لیکن عوام کے عزم مصمم اور ہماری طرف سے کئے گئے فوری اقدامات نے، مالی رقوم کی کمی کے باوجود اس صورت حال کو ابتر ہونے نہ دیا اور اس میں بہتری لائی۔ خشک سالی سے متاثر علاقوں میں ایسے اقدامات کئے گئے جن سے روزگار کے کافی مواقع فراہم ہوئے اور اس کی وجہ سے متاثر لوگوں کو کافی فائدہ پہونچا۔ اس موقع پر میں ان تمام لوگوں کا جنہوں نے میرے "خشک سالی امدادی فنڈ" میں عطیات دئے اور دے رہے ہیں، شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہمارے عوام ہمیشہ مصیبت کے وقت اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھے ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس طرح دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

جب ہم ملک کے معاشی منظر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں مایوسی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ غربت، بے روزگاری اور افراط زر کا موثر طور پر مقابلہ کرنے کے لئے اور امیر اور غریب کے درمیان بڑھتے ہوئے خلیج کو پاٹنے کے لئے منصوبہ بندی میں اور معاشی نظام کو اور ایک نئے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ آج تک ہمارے عوام کی اکثریت کی پہونچ سے، زندگی کی بنیادی ضرورتیں باہر ہیں۔ یہ مسلسل بحران ہے اور اس کے لئے موثر اصلاحی اقدامات کی، نہ کہ عارضی تدبیر کی ضرورت ہے۔ ہماری معاشی بحالی کے لئے بنیادی اصلاحات آراضی کی اشد ضرورت ہے۔ دیہی شعبہ میں بنیادی تبدیلی لائے بغیر زرعی محاذ میں اور صنعتی محاذ میں قابل ذکر بہتری لانی ممکن نہیں۔ یہ بات ہم سمجھ لیں کہ کافی اہمیت کی حامل ہے کہ صنعتی افزائش تو زرعی ترقی اور اصلاحات آراضی سے منسلک ہے۔

اگر مناظر صاف ہو تو ہم اپنی تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے صحیح سمت میں آگے بڑھ سکیں گے۔ ہم استحصال اور نا انصافی سے آزاد سماج کے قیام کے خواہاں ہیں۔ اس لئے ابھی ہمارے عوام کے لئے بہتر مستقبل کی تعمیر کے لئے تمام جمہوری طاقتوں اور اداروں کے استحکام کی ضرورت ہے۔ آج ہمیں جنگ کی طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور امن کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرنا پڑے گا۔ آج ہمیں سامراجی طاقتوں کی، جو ہڑ نیوکلیائی جنگ کے لئے جنونانہ طور پر تیاری کر رہی ہیں، شناخت کرنے اور غیر جانبدارانہ پالیسی کو مستحکم بنانے کے لئے متحد ہو کر کھڑا ہونا پڑے گا۔



(بقیہ۔ مغربی بنگال میں صحت مند ثقافت)

خدمات انجام نہیں دئے اور یہی نہیں اس کمیٹی کو عام لوگوں کا کافی مدد اور تعاون حاصل ہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس ریاست کی ثقافتی تنظیموں اور کارکنوں کے درمیان یکجہتی اور اتحاد کا جذبہ نہ ہوتا ہے تو اتنے عظیم کارنامے کو انجام دینا ممکن نہ ہوتا۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی

اور

کارل مارکس

از ——— پی۔ اے

کارل مارکس ہندوستان کے امور اور حالات سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ اُن دنوں ہندوستان میں رونما ہونے والے واقعات سے ان کی گہری دلچسپی کو دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں یعنی انیسویں صدی کے درمیانی عرصہ میں رسل و رسائل کا نظام آج کے نظام کی طرح بہتر نہ تھا۔ آج کے مقابلہ میں اس دور میں خبروں کی ترسیل کے انتظامات بھی اتنے نہ تھے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود مارکس کو ہندوستان کی بابت اور ایشیا کی دیگر مظلوم قوموں کی بابت تفصیلی معلومات حاصل تھیں۔ ایسا ممکن ہو سکا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ آزادی کی پرولتاری جدوجہد کے نقطہ نظر سے ایشیائی ملکوں خاص طور پر ہندوستان اور چین، کی جو ہنوز سرمایہ دارانہ نوآبادکاری پالیسی کے شکار تھے، تاریخی طور پر مارکس کے نقطہ نظر سے کافی اہمیت کی حامل تھی۔ ان کے خیال میں تبدیلیاں جو ہندوستان میں رونما ہو رہی تھیں، پرولتاری انقلاب کے امکانات کو روشن کرنے میں خصوصی اہمیت کی حامل تھیں۔ اسی لئے مارکس نے ۱۸۵۷ء کی ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی (انگریز سپاہیوں کی بغاوت' کے نام سے موسوم کرتے ہیں' کا بہت ہی تفصیل سے مطالعہ کیا۔ انہوں نے اس جنگ کے اہم واقعات کا بہت ہی غائر مطالعہ کیا اور وجوہات کی تشریح کی اور شکست کے اسباب پر روشنی ڈالی۔

یہ واحد مارکس ہی تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے ہندوستانی انقلاب پر تقریباً ایک درجن مضامین لکھے۔ برٹش حکام اور ہندوستانی مورخوں نے، جو غیر ملکی حکمرانوں کے سامنے اپنی وفاداری کی نمائش کرنا چاہتے تھے۔ اس بات کی کوشش کیں کہ اس بغاوت کو ایسی شورش کا نام دیا جو صرف فوجیوں تک محدود رہی۔ اس بغاوت کو اب ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ مارکس نے ہندوستانی بغاوت کی بابت جو مضامین لکھے تھے وہ نیویارک ڈیلی ٹرائی بیون میں شائع ہوئے۔ سی۔ پی۔ ایس۔ یو۔ کی مرکزی کمیٹی کے مارکسزم۔ لینینزم انسٹی ٹیوٹ نے ایسے مسائل پر مارکس کے ساتھ ہی فیڈرک اینجلس کے لکھے مضامین اور خطوط کا مجموعہ شائع کیا۔

اس میں مارکس کے لکھے 'نوٹس آن انڈین ہسٹری' سے اقتباسات میں شامل کیے گئے۔ اس مجموعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ان کی افکار و آرا میں کتنی گہرائی ہے۔ جائے وقوع سے ہزاروں میل دور رہتے ہوئے وہ یہ دیکھ سکتے تھے ان شورشوں کے اسباب کیا تھے اور انہوں نے اس بات کی تعریف بھی کی کہ بغاوت صرف فوج تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اسے عوام کی تائید حاصل تھی اور اس میں عام لوگوں نے شرکت بھی کی۔ مارکس اور اینجلس نے ہندوستان کے عوام کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

مارکس نے اپنے ایک مضمون 'ہندوستان میں تعذیب کی تفتیش' میں جسے انہوں نے ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء میں لکھا تھا اور جس کی اشاعت اسی سال کے ستمبر مہینہ میں ہوئی تھی' اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا "ہم نے یہاں ہندوستان میں

برٹش حکومت کی حقیقی تواریخ کے ہلکے پھلکے رنگ کے باب کو اختصار کے ساتھ پیش کیا۔ ایسے حقائق کے پیش نظر ہندوستان کے غیر جانبدار اور سمجھدار لوگ یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا ہندوستان کے لوگوں کی غیر ملکی حکمرانوں کو جنہوں نے ہندوستان میں لوٹ کھسوٹ اور استحصال کے بازار کو گرم کر رکھا تھا، یہاں سے نکال باہر کرنے کی کوشش حق بجانب نہیں تھیں؟ اگر انگریز سرد مہری کے ساتھ ایسا کر سکتے تھے تو کیا یہ بات تعجب خیز ہے کہ وہ بغاوت اور قربانی کے جذبات سے سرشار ہندوستان کے محبان وطن کو ارتکاب ظلم اور دیگر جرائم کیلئے متصور اور ٹھہرائیں"۔

جو نتیجہ ہم اس سے اخذ کر سکتے ہیں وہ ناقابل تعرض ہیں۔ بغاوت کرنے والی ہندوستانی فوج پر ظلم اور غیر انسانی سلوک کے بہت سارے الزامات عائد کئے گئے تھے اور یہیں مارکس نے ہندوستانیوں کے حق میں آواز اٹھائی اور انگریزوں کو مورد الزام ٹھہرایا۔

پھر ایک مضمون میں جسے مارکس نے ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو لکھا تھا، انہوں نے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت میں تبدیلی کا ذکر کیا۔ انہوں نے اپنے مضمون میں یہ بیان کیا کہ سندھ اور پنجاب کی فتح کے بعد اور اودھ کو اپنے دائرہ عمل میں لانے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اب فتح نہیں کر رہی ہے بلکہ فتحیاب بن چکی ہے۔ اس کے تحت فوجوں کو اب اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس سلطنت کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ سپاہیوں سے اب وہ پولس مین بن چکے ہیں۔

پھر اسی مضمون میں مارکس نے ان خصوصیات کا ذکر کیا جو ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو اسکے قبل کی بغاوتوں کے مقابلہ میں نمایاں بنا دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے لکھا کہ "اس سے قبل بھی ہندوستان کے فوجیوں نے بغاوت کی تھی لیکن موجودہ بغاوت بہت ہی اہم خصوصیات کی حامل ہے۔ پہلی بار ہندوستانیوں سپاہیوں نے اپنے یورپی افسروں کو قتل کر دیا مسلمانوں اور ہندوؤں نے اپنے باہمی فرق کو ختم کر دیا اور دونوں ایک ساتھ ملکر اپنے مشترکہ مالکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ جدوجہد کے شروع ہوتے ہی ہندوؤں نے ایک مسلمان شہنشاہ کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا نیز بغاوت صرف چند علاقوں تک ہی محدود نہ رہی اور ایسکو۔ انڈین فوج کی بغاوت ایشیائی قوموں کی انگریزوں کے خلاف عام سیاسی بے چینی کی نمائش کرتی ہے، اور بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنگالی فوج کی بغاوت ایرانی اور چینی جنگ سے براہ راست وابستہ ہے"۔

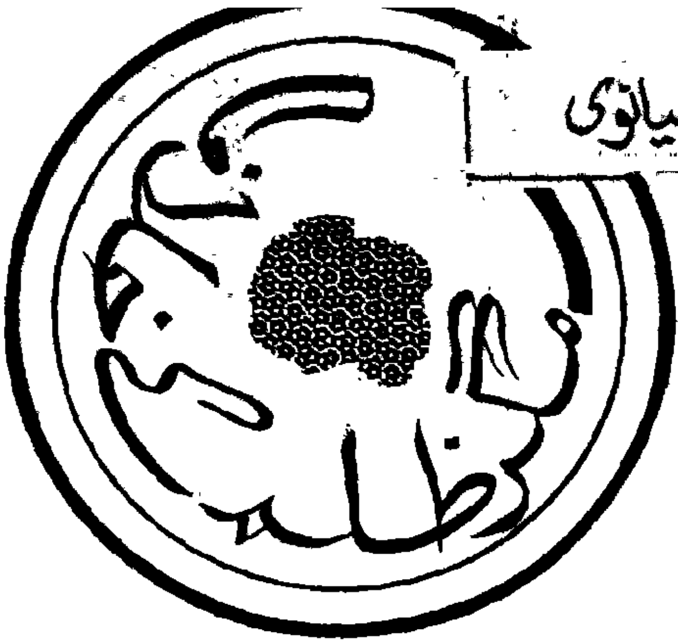
مارکس جیسے انسانی تاریخ کے عظیم مفکر اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے کہ "انسانی تاریخ میں انتقام نام کی کوئی شئے ہے اور [illegible] انتقام کی تاریخ کا یہ قانون ہے کہ اس کے اوزار اور ہتھیار مظلوم نہیں بلکہ ظالم خود تیار کرتے ہیں"۔ اور یہ کہ "ہندوستانی بغاوت کا رعیتوں نے جنہیں انگریزوں نے اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا تھا، آغاز نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو سپاہی تھے جس کی خوراک، رہن سہن کا انتظام بذات خود انگریز ہی کرتے"۔

مارکس اور انجیلس دونوں ہی کو اس بات کی امید تھی کہ بغاوت کو فتح حاصل ہوگی۔ ظاہر ہے انہیں ہندوستان کے لوگوں کی آزادی کے لئے جدوجہد سے دلی ہمدردی تھی۔ اسی لئے انہیں اس بات کی امید تھی کہ ہندوستانیوں کو فتح حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہ بغاوت آنے والے یورپی انقلاب کے لئے بہت ہی اہمیت کی حامل تھی۔ لیکن تاریخ کے مادہ پرستانہ تصور کی تھیوری کے موجدوں کی امید بر نہ آئی کیونکہ معروضی اہمیت کچھ اور تھی۔ آخرکار انہوں نے یہ بات دریافت کی کہ اس بغاوت کو آخر میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ اس بغاوت کی ناکامی کے اسباب بھی وہ بتا سکتے تھے۔ مارکس کے الفاظ میں "باغی سپاہیوں کی ایک جھوٹی سی جماعت جس نے اپنے افسروں کو مار ڈالا، ڈسپلن کے قواعد کی خلاف ورزی کی، اور وہ ایک شخص کو منتخب نہ کر سکے جسکے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور سونپی جاتی۔ یقیناً ایسی جماعت ہے جس کے لئے بہت ہی لمبی جدوجہد کا انتظام کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔

۱۸۷۰ء میں مارکس نے نوٹس آن انڈین ہسٹری (ہندوستان کی تواریخ پر نوٹس) تیار کیا۔ اس کتاب میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مارکس نے ۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۸ء کے درمیان ہندوستان میں رونما ہونے والے واقعات کو بہت ہی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس نوٹ میں کئی اہم واقعات کا بہت ہی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس نوٹ کے مطالعہ سے ہمارے دلوں میں ہیجان سا برپا ہو جاتا ہے۔

اپریل ۱۸۵۳ء میں مارکس نے ایک مضمون "ہندوستان میں برٹش راج" لکھا۔ اس مضمون کو انہوں نے مندرجہ ذیل الفاظ سے ختم کیا: "ایک قدیم دنیا کے پارہ پارہ ہوتے کے منظر کی تلخیوں سے ہمارے جذبات کو کتنی ہی ٹھیس کیوں نہ پہونچے، اس کے باوجود ہمارا یہ حق ہے کہ تاریخ کے نقطۂ نظر سے ہم گوئٹے کے ساتھ آواز سے آواز ملا کر بہ بانگ دہل یہ کہتے چلیں"۔ (بقیہ صفحہ پر)

4



ساحر لدھیانوی

ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف
گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی سہی

ظالم کو جو نہ روکے وہ شامل ہے ظلم میں
قاتل کو جو نہ ٹوکے وہ قاتل کے ساتھ ہے
ہم سربکف اٹھے ہیں کہ حق فتح یاب ہو
کہہ دو اسے جو لشکر باطل کے ساتھ ہے
اس ڈھنگ پر ہے زور تو یہ ڈھنگ ہی سہی

ظالم کی کوئی ذات، نہ مذہب، نہ کوئی قوم
ظالم کے لب پہ ذکر بھی ان کا گناہ ہے
پھلتی نہیں ہے شاخِ ستم اس زمین پر
تاریخ جانتی ہے زمانہ گواہ ہے
کچھ کور باطنوں کی نظر تنگ ہی سہی

یہ زر کی جنگ ہے نہ زمینوں کی جنگ ہے
یہ جنگ ہے بقا کے اصولوں کے واسطے
جو خون ہم نے نذر دیا ہے زمین کو
وہ خون ہے گلاب کے پھولوں کے واسطے
پھوٹے گی صبحِ امن، لہو رنگ ہی سہی

وہ ہمیں اذیت پہنچائیں، ہم پر ظلم ڈھائیں،
اس سے ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے،
ہم تیمور کے دور سے بھی گزر چکے ہیں،
ہماری روحوں کو کوئی دبا نہیں سکتا۔"

اس مضمون کے مذکورہ بالا اقتباس سے ہم اس بات کا تصور کر سکتے ہیں کہ انگریزوں کی فتح کے بعد ہندوستان میں جو واقعات رونما ہوئے، ان کی بابت مارکس کے خیالات کیا تھے۔ ۱۸۵۷ء کی غدر، جسے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کہتے ہیں، کی بابت مارکس کے خیالات کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں مارکس کے تاریخی رویہ کو پس منظر میں رکھنا پڑے گا:

ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی بابت مارکس کی مختلف تحریروں سے ہم یہ نقاط حاصل کر سکتے ہیں کہ انہیں ہندوستان کے لوگوں سے دلی ہمدردی تھی۔ ان کی رائے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی اور ہندوستان کے عوام پر انگریزوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے ہی سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ انہوں نے اس بغاوت کو بہت ہی انوکھی نوعیت کا بتایا۔ انہوں نے اس بات کی پیشین گوئی کی تھی کہ برطانوی بورژواؤں نے ہندوستانی سماج میں جن نئے عناصر کو پھیلایا، ان سے ہندوستان کے عوام اس وقت تک مستفید نہ ہو سکیں گے۔ جب تک وہ بذات خود اتنے طاقتور نہ بن جائیں کہ وہ انگریزی لباس کو اتار پھینکیں۔

(۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی)

قاضی نذرالاسلام

ایک شاعر، ایک انقلابی

از:- کلپاتا روسین گپتا

قاضی نذرالاسلام ہردلعزیز باغی شاعر تھے۔ اپنے ہر امنگ جذبات سے اپنی آتشی نظموں سے اور اپنی مادر وطن سے محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر آپ نے بنگال کے لوگوں کو آزادی کے تصور سے ابھارا۔ انہوں نے اپنے انقلابی گیتوں سے لوگوں کے دلوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی کے عرصہ میں انہوں نے بنگال کے نوجوانوں اور طلباء کے دلوں کو قربانی کے جذبہ سے سرشار کیا۔ اور وہ مادر وطن کی آزادی کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہو گئے۔ ان کی نظم "اگنی بینا" (آتشی نظم) غلامی کے طوق کو اتار پھینکنے کی پکار ہے ان کی نظم "بدروہی" (باغی) تو سامراجی ظلم کے خلاف اور استحصال سے آزاد ایک نئے سماج کے قیام کی پکار ہے۔ آندھی طوفان کی طرح قاضی نذرل بنگلہ ادب اور موسیقی کے میدان میں پھیل گئے۔ رابندرا ناتھ ٹیگور نے بھی ان کا خیر مقدم کیا۔ بنگال کے وطن دوست نوجوان نے قید خانوں میں جلا وطنی میں اور پھانسی کے تختہ تک جاتے ہوئے ان کے گیت گایا کرتے تھے۔ ان کا مجموعۂ کلام "سمیا بدی" (کمیونسٹ) اس بات کا شاہد ہے کہ انہوں نے اپنے گیتوں اور نظموں سے نہ صرف سامراجیوں کے خلاف جدوجہد میں نئی روح پھونکی بلکہ انہوں نے اس کے ساتھ ہی بنگال کے کسانوں اور مزدوروں کو بھی بیدار کیا وہ ایسے رہنما تھے جنہوں نے روس کے نومبر انقلاب کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے گیت "برالا یا اللّٰہ" (۱۹۲۲ء) ـ طوفان کی خوشی میں سندھو (دریائے سندھ) کی سرحد کو پار کرتے ہوئے ہندوستان میں انقلابی لہروں کو خوش آمدید کہا۔

قاضی نذرالاسلام کی وطن دوستی کا جوش اور انقلابی جذبہ صرف جذبات کی خوشی اور وجد نہ تھا۔ نومبر انقلاب سے فیضیاب اور متاثر ہو کر انہوں نے اقدامات کرنے کے وقت کی نشاندہی کی۔ انگریزوں کے ہاتھ سے ہندوستانی برتر داؤں کے ہاتھ اقتدار کی منتقلی کو وہ آزادی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ایسی منتقلی سے اجارہ دار سرمایہ رونما ہوگا اور بدعنوان کاروباریوں کو زیادہ نفع حاصل ہوگا اور جاگیردارانہ استحصال زور شور سے جاری رہے گا۔ انہوں نے کبھی بھی یہ تصور نہیں کیا کہ آزادی صرف درمیانی درجہ کے لوگوں کو راستہ دکھانے کا دروازہ ہے۔ ان کے خیال میں آزادی سے مراد ہے عام لوگوں، محنت کشوں اور کسانوں کے لئے آزادی اور استحصال کا خاتمہ۔ باغی شاعر قاضی نذرالاسلام نے ۱۹۲۲ء میں اپنے رسالہ "دھوم کیتو" میں (دمدار ستارہ) کے اداریہ میں ہندوستان کے لئے مکمل آزادی کا پرزور مطالبہ کیا تھا۔ "دھوم کیتو" رسالہ ہفتہ میں دو بار شایع کیا جاتا تھا اور وہ ان کے مدیر تھے۔ انہوں نے مکمل آزادی کا مطالبہ اس وقت کیا جب کانگریس مکمل آزادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور جب کانگریس داخلی حکومت اور خود اختیاری حیثیت کا کھیل کھیل رہا تھا۔ قاضی نذرل سے قبل یہ ہندوستانی کمیونسٹ ہی تھے جنہوں نے ۱۹۲۱ء میں احمد آباد کانگریس اجلاس میں مکمل آزادی کے مطالبہ کا ایک منشور جاری کیا۔ اس کے بعد ایک قوم پرست سماجی رہنما جناب حسرت موہانی نے بھی اس قسم کا مطالبہ پیش کیا۔ قاضی نذرالاسلام کی مکمل آزادی سے مراد منظم محنت کش طبقہ کے ہاتھ اختیارات کی منتقلی ہے۔

گیت، اداریہ اور دیگر منظم سرگرمیاں انکے مذکورہ بالا خیالات کی شاہد ہیں۔
انہوں نے قومی آزادی کی جدوجہد میں طلباء کے کردار کی اہمیت کو محسوس کیا۔ نو آبادی ملکوں میں طلباء کے انقلابی کردار کی ضرورت کا انہوں نے اندازہ لگایا۔ نو آبادی ملکوں کی آزادی کی تحریک میں طلباء کو سب سے آگے رہنا پڑتا ہے۔ طلباء حساس ذہن کے مالک ہوتے ہیں اور احتجاج کرنے کی ان میں ہمت ہوتی ہے۔ قاضی نذرل کو اس امر کا احساس ہوا کہ طلباء کو منظم کرنے اور انہیں ابھارنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے انہوں نے گیت لکھا

آمرا شوکتی آمرا بول
آمرا چھاترو دول

(ہم لوگ طاقت ہیں، ہم لوگ قوت اور ہمت ہیں۔ ہم لوگ طلباء ہیں)

آزادی کے قبل کے دنوں میں ایسے گیتوں کی تاریخی اہمیت تھی۔ ہمیں وہ مناظر اب بھی یاد ہیں، طلباء جلوس میں یہ گاتے ہوئے جا رہے ہیں۔

کارار اَی لوہو کوپاٹ
بھینگے پھیلو کورا رے لوپاٹ
جتو توب بوندی شالہ
آگون جالا، آگون جالا پھیلو او پاری"

(قیدخانہ کے لوہے کے دروازے کو توڑ دو، تمام قیدخانوں میں آگ لگادو، آگ لگادو)

ایک اور انقلابی گیت میں وہ یوں رقمطراز ہیں

سیکول پُورا جو کی شودیر
او ئی سیکول پورا چوتی
سیکول پورے سیکل تودیر
کور بورے بے کول

(زنجیر پہننے سے ہمیں فرحت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ زنجیر پہنے ہم غلامی کی دیواروں کو توڑ دیں گے)

انہوں نے کورچ کے بہت سارے گیت لکھے۔ ان سے قبل

کا سے بھی اچھے گیت نہیں تھے۔ ان کے ایک گیت کے چند مصرعے درج ذیل ہیں۔

چول، چول، چول
اُردھو گوگو نے باجے مادول
نمنے اُتالہ دھورونی تول
اُرون پراتیر گوروون دول
چول رے، چول رے، چول

(آگے بڑھو، آگے بڑھو، آگے بڑھو اوپر آکاش میں نقارہ کی آواز سے گونج اٹھی ہے، اور نیچے اس زمین پر افراتفری کا عالم ہے۔ اے صبح کے نوجوان، بڑھے چلو، بڑھے چلو)

بنگال میں انقلابی پارٹیوں کو منظم کرنے میں ان کے گیتوں نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا۔ قاضی نذرل نے انقلابی پارٹیوں کو اپنے گیت دے کے اپنی آواز دی۔ اپنے وطن سے ان کی گہری محبت نے اور ان کے گیتوں کے مجاہدانہ لے نے نوجوانوں کو ابھارا۔

انسان دوستی اور انسانی محبت ہی قاضی نذرالاسلام کا مذہب ہے۔ وہ نہ مسلمان تھے اور نہ ہندو۔ ۱۹۲۶ء میں جب کلکتہ میں فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے اور ان سے انہیں دلی تکلیف پہونچی اور وہ قتل عام کی اس ناگفتہ بہ فضا کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک کورس گیت لکھا:

درگما گیری کانتار مورو دُستر پارا بار ا
لنگھی تے ہوبے راتری نشی تے جاتری را، ہشیار

(بہت ہی دشوار گذار پہاڑ، جنگل، ریگستان اور وسیع سمندر کو تمہیں تاریکی میں پار کرنا ہے، ہشیار اے مجاہدین، اے مہم جو)

اسی گیت میں انہوں نے قوم سے پوچھا۔

پھانسیر مونچے کے لے گیلو جارا جیبونیر جوئے گان
آسی او لوکھے دانڑائے ہے تو دیبی کون بولیدان ہے

(جنہوں نے پھانسی کے تختہ پر زندگی کی فتح کے گیت گائے ہیں، وہ اب آہستہ آہستہ تمہارے سامنے آئے ہیں تم کون سی قربانی انہیں پیش کروگے)

راگوں کی ترتیب اور دُھن کے لحاظ سے اس جوگی گیت کی مثال

نہیں ملتی۔

قاضی نذرل نے خود بنگال صوبائی کانفرنس (کانگریس) میں اس گیت کو گایا تھا۔ یہ کانفرنس ۱۹۲۶ء میں کرشنا نگر میں منعقد ہوئی تھی۔

بدروہی (۱۹۲۲ء) — باغی ایک نئی قسم کی نظم ہے جس نے انہیں مشہور اور مقبول عام بنا دیا۔ یہ نظم نفس مضمون، طرز بیان، زبان اور شعری بحر کے لحاظ سے بالکل نئی اور انوکھی ہے اور مردہ دلوں میں نئی روح پھونک دیتی ہے۔ اس نظم میں سماج کے پرانے نظام کو تبدیل کرنے کیلئے عزم صمیم کا ذکر کیا گیا ہے اور فرسودہ رسم و رواج اور جہالت بدظنی کو مٹانے کا عہد کیا گیا ہے۔ بغاوت کے لئے یہ پکار ہے۔

یہ نظم یوں شروع ہوتی ہے:

بل بیرؔ
بل چیروؔ اُنّو تو تو ہو شیر
سِشِر نہاری آماری
تو لو کو شیرا اُدری دھیکھور ہماویر

(کہو اے بہادر! سر اُٹھائے کھڑے رہو، تمہارے سر کو دیکھتے ہوئے ہمالہ کی چوٹیاں بھی تمہاری تعظیم میں جھک جائیں گی)

اور اس نظم کے آخر میں کہتے ہیں:

آمی شے دن ہوبو شانتو،
جو بے اُتپر ستیر کرندن رول
آکاشے باتا شے دھو نیبے نا
اُتیا چارئے کھور کو کر پیاں
بھیم لو کبھومے رولی بے نا

(اس دن میں خوش ہوں گا جب مظلوموں کی چیخ و پکار سے آسمان گونج نہ اٹھے گا، جب جنگ کے ہولناک میدانوں میں ظالموں کی تلواریں ایک دوسرے سے نہیں ٹکرائیں گی)۔

نذرل کی اس نظم میں ایک غیر طبقاتی سماج کی تعمیر کی جھلک ملتی ہے۔ اور ایسے سماج کی تعمیر کمیونزم میں ممکن ہو سکتی ہے کیونکہ یہاں استحصال کا نام و نشان تک نہیں۔ میں نے پہلے ذکر کیا کہ روس میں رونما ہونے والے نومبر انقلاب سے قاضی نذرل بے حد متاثر ہوئے۔ ان کا پہلا ناول بیاتھار دان (مصیبت کا تحفہ) ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔ گرچہ یہ ایک پریم کہانی ہے۔ اس کے ہیرو کو سوویت مشرق وسطیٰ میں برسر پیکار لال فوج کی سرگرمیاں بہت پسند تھیں۔ اس کہانی میں حب الوطنی اور بین الاقوامیت کو ابھارا گیا ہے۔ اس صدی کی دوسری دہائی میں ان کی تمام تحریروں میں کمیونسٹ خیالات کی جھلک ملتی ہے۔ ان کے تصانیف سے جیسے 'سمیابدی' (کمیونسٹ)، 'پرالی الآس' (طوفان کی خوشی) 'سولس جی' (دو رنگی) 'کرشنیکر گان' (کسانوں کے گیت) 'فریاد' اور مزدوروں کے، لال جھنڈے گیت وغیرہ ان کے خیالات اور تصورات کا اظہار ہوتا ہے۔ کسانوں کے لئے وہ گاتے ہیں:

اٹھو جاگو کسانو،
ہل اُٹھاؤ،
موت سامنے ہے،
آؤ بہادروں کی موت مریں

مزدوروں کے لئے وہ گاتے ہیں: ۔ تباہی کے راہ کے مسافر ہتھوڑے کو اُٹھاؤ، بیلچہ کو کاندھے پر رکھو۔

انہوں نے بنگال کے محنت کشوں کے لئے 'لال جھنڈا' گیت لکھا:

لہراؤ، لہراؤ، لال جھنڈا،
آسمان میں ہمارے لال جھنڈے کو لہراؤ،

'کمیونسٹ انٹرنیشنل' کی بابت ان کے واضح خیالات تھے۔ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کے بانی۔ ممبروں کے ایک ممبر یعنی کامریڈ مظفر احمد سے انہیں محنت کشوں کا بین الاقوامی گیت ملا تھا۔ بین الاقوامی گیت استحکام اور رفاقت کا علم ہے۔ ساری دنیا کے محنت کش اس گیت کو ایک آواز میں، ایک زبان میں اور ایک ہی دھن میں گاتے ہیں۔ ہندوستان میں سب سے پہلے قاضی نذرالاسلام نے اس گیت کا بنگلہ میں ترجمہ کیا تھا۔

'نوا جگ' (نیا دور)، 'دھوم کیتو' (دمدار ستارہ)، 'لونگول' (ہل) میں شائع ہونے والے مضامین اور اداریے میں قاضی نذرالاسلام نے اپنے سیاسی اور سماجی خیالات کا اظہار کیا۔ قاضی نذرالاسلام اور کامریڈ مظفر احمد دونوں مشترکہ طور پر ان رسالوں کے لئے کام کرتے تھے۔ ان رسالوں میں شائع ہونے والے مضامین اور اداریے تاریخی افادیت

کے حامی ہیں اور آج بھی اپیل کرتے ہیں۔

قاضی نذرالاسلام کی نظموں، موسیقی اور صحافت میں اشتراکی اور انقلابی خیالات کو کیسے جگہ ملی؟ ان دنوں کسی بھی شاعر یا مصنف نے اتنے صاف اور کھلے لفظوں میں کمیونزم کا ذکر نہیں کیا۔ اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی وہ اپنے اسکول 'سیارسول راج اسکول' کے اپنے کلاس ٹیچر کے ذریعہ انقلابی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے فوج میں ملازمت کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جنگ کرنے کے طریقۂ کار سے واقف ہو جائیں تاکہ وہ ملک کی آزادی کی جنگ میں شرکت کر سکیں۔ جب وہ ملٹری بیرک میں ہی تھے تو انہیں لال فوج کی سرگرمیوں کی خبریں ملتی رہتیں اور وہ وہیں پوری چھپ کر روسی انقلاب کی بابت وہ روسی رسالے اور پمفلٹ پڑھا کرتے۔ وہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیتے۔ ۱۹۱۹ء میں وہ فوج سے واپس آئے اور بہت دنوں تک کامریڈ مظفر احمد کے ساتھ رہے۔ وہ دونوں آپس میں آزادی کی 'جدوجہد اور محنت کشوں کی تحریک کی بابت تبادلۂ خیالات کرتے۔ بعد میں قاضی نذرل نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ عوام کیلئے لکھیں گے اور سیاست میں حصہ لیں گے۔ کامریڈ مظفر احمد نے اپنی کتاب "آمار جیون و بھارتیر کمیونسٹ پارٹی" (میری زندگی اور ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی) میں یوں رقمطراز ہیں۔ ۱۹۲۱ء کے آخر میں ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بنگال میں کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل کی جائے۔ قاضی نذرالاسلام بھی اس منصوبہ میں ہمارے شریک تھے۔ میں تو اس بات کا ذکر کر چکا ہوں کہ وہ روسی انقلاب کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ ہمارے تصورات کی ظاہری شکل تو ان کی نظم 'بیدل الاس' (طوفان کی خوشی) ہے۔ ان کی نظم دریائے سندھ کے کنارے 'اُدگول بھاگا' مراد روسی انقلاب ہے۔ ۱۹۲۹ء میں جب مظفر احمد میرٹھ سازش کیس میں زیرِ سماعت قیدی تھے تو اس وقت انہوں نے اپنے تحریری بیان میں کہا "میں ایک کمیونسٹ ہوں"۔ پھر انہوں نے قاضی نذرالاسلام کا اور نیشنل کانگریس میں لیبر سوراج پارٹی کی تشکیل میں ان کے سرگرم کردار کا ذکر کیا۔ وہ سامراجیوں کے خلاف جدوجہد کے پیش نظر ملک کی سماجی سیاسی صورت حال کا تجزیہ کر رہے تھے۔

قاضی نذرالاسلام بھی کامریڈ مظفر احمد کی کتنی عزت کرتے تھے اس کا اظہار ان کے اس خط سے ظاہر ہو جاتا ہے جو انہوں نے ۲۳ تا نکتی کے مدیر کو لکھا تھا۔ ایک نارک ناقد نے اپنے ایک قلمی نام 'نادار' کے تحت مظفر احمد پر لفظوں سے تنقید کی تھی۔ قاضی نذرل نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے مدیر کے نام ایک خط لکھا۔ "میں قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ مظفر کو دیکھتے ہی لوگوں کی خشک آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جائیں گی۔ مجھے تو اس بات کا جواب ہی نہیں ملتا جب میں یہ سوچتا ہوں کہ کس طرح ایک بے لوث اور ایثار کے مرقع اور خاموش کارکن، خوبیوں سے مزین زندگی کا مالک، دور اندیش، درویش، چٹانوں کو چکنا چور کر دینے والی لیاقت کا اور اعلیٰ اور آزاد خیال کا مالک بنگال کے راسخ العقیدہ ملا، مولوی کی سرزمین یعنی ضلع نواکھالی میں پیدا ہوا۔ ... مسلمان لیڈروں کی بات چھوڑیے کوئی ہندو لیڈر بھی میری نظر سے نہیں گزرا جسے ملک اور قوم سے اتنی گہری محبت ہو۔"

قاضی نذرالاسلام مزدوروں کے جلسے میں، کسانوں اور ماہی گیروں کی کانفرنس میں شرکت کیا کرتے۔ انہوں نے سارے بنگال کا دورہ کیا اور محنت کشوں اور کسانوں کی پارٹی کے تشکیل کرنے والوں میں سے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں کشتیہ میں انہوں نے بنگال کے کسانوں کی لیگ کو منظم کرنے کے کام میں حصہ لیا۔ یہیں ان کی ملاقات مظفر احمد، کامریڈ عبدالحلیم اور ایک برٹش کمیونسٹ کامریڈ فلپ اسپراٹ سے ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں انہوں نے ایک نظم 'آنند موئیر آگومانے' لکھی۔ اس نظم کی اشاعت کے بعد انہیں انگریزوں کی حکومت نے ایک سال قید با مشقت کی سزا دی۔ اس نظم میں انہوں نے بنگال میں پھیلے ہوئے استحصال کا ذکر کیا اور درگا ماں سے التجا کی کہ وہ دشمنوں کو ختم کر دے۔ جیل کے حکام کے برے برتاؤ کے خلاف قاضی نذرل نے احتجاج کیا اور ہگلی جیل میں ۳۹ دنوں کی بھوک ہڑتال کی۔ وہ انسانی حقوق کے مجاہد تھے۔ اور انہوں نے محب وطن شاعر کی حیثیت سے مثال قائم کی۔

میرٹھ سازش کیس میں مظفر احمد کی گرفتاری کے بعد ملک میں بہت سارے واقعات رونما ہوئے اور اس کے ساتھ ہی نذرل کی زندگی میں بھی تبدیلیاں آ گئیں۔ انہوں نے خود کو موسیقی کی دنیا میں کھو دیا۔ 'ساون' کے پریم کے گیتوں میں بارش کی طرح سے ان کے قلم سے لوک گیتوں اور بھگتی گیتوں کی بارش ہونے لگی۔ انہوں نے بہت سارے سُروں کے ساتھ موسیقی کی ایک نئی دنیا تعمیر کی۔ ان کے گیتوں اور سُر کو 'نذرل گیتی' کہتے ہیں۔ تیسری دہائی میں 'گراموفون'، ریڈیو، فلم اور ڈرامہ

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

یومِ آزادی کی نذر



بنگال کی دھرتی کا سنہرا دھاگا
دکن کی سیہ مٹی کی فصل سمیں
فولاد کی، ابرق کی بھاری کانیں
چشمے زرِ سیال کے وہ آسامی
گنگا کا وہ میدان، بہشت دہقاں
وہ خرمن پنجاب، وطن کو کافی
جو جان ہے صنعت کی وہ کالا ہیرا
ہر نوع کے القصہ وسائل فطری
انگریز کی آنکھوں میں گڑی یہ دولت
منبع یہ زر و جنس کے پنجے گاڑے
لٹتا رہا قرنوں کا یہ اثاثہ ہندی
بٹتے رہے دل ہندو مسلمانوں کے

جاگے بھی تو اس طور سے جاگے ہندی
نشہ عصبیت کا لئے ذہنوں پر
انگریز کے پنجے، تو اکھاڑے بیشک
خود اپنا بھی اک ہاتھ مگر کاٹ لیا
دیوانگی تک لائی خجالت جب جب
رستے ہوئے بازو کا لہو چوس لیا

اونچے تھے پہاڑوں سے عزائم انکے
خود اپنی ہی تقدیر کا مالک ہونا
تقسیم زر و جنس مساوی سب میں
انصاف کے پلڑوں کا برابر ہونا
جینے کے، پنپنے کے، مواقع سب کو
روزی میں، معیشت میں برابر حصہ

افسوس کہ چھتیس برس بیت گئے
وہ خواب نہ شرمندۂ تعبیر ہوا

باقی ہے نئی شکل میں گو استحصال
جو طوق تھا وہ پاؤں کی زنجیر ہوا
دستور جہاں ہے کہ نظام کہنہ
مضبوط ارادوں سے بدل جاتا ہے
جو باگ سنبھالے ہو نظام نو کی
وہ فرش طلائی پہ پھسل جاتا ہے

بس چند گھرانوں میں بٹی ہے دولت
محور جو معیشت کے، سیاست کے ہیں
روزی کے ذرائع پہ لگا ہے پہرہ
مایوسی کی تصویر جواں چہرے ہیں
ہر عام بشر جس کا اثاثہ محنت
محنت کا صلہ سکوں میں جب گنتا ہے
حیران ہوا کرتا ہے لقمے کتنے
تخفیف شدہ سکوں کے بدلے ہونگے
قانوں کی بھرمار ہے لوٹوں جیسی
انصاف کا فقدان لوازم جیسا

اے روز مبارک ترے صدقے پھر بھی
خاطر پہ ترے بار نہ ہو تو کہہ دیں
تو اب کے برس آئے تو اس ڈھب آئے
ہاتھوں میں ترے پرچم آزادی ہو
جس پر رقم ہو زیست کا عنوان نیا
پیغام ہو اک اور نظام نو کا
انصاف کی بنیاد پہ جو قائم ہو
افلاس کا حل جس کا ہو اوّل مقصد

۱ پٹ سن ۲ کپاس ۳ پٹرول ۴ کوئلہ

زندگی
آزادی کے قبل
اور
آزادی کے بعد

ڈی کے بھوشن دت

میں نے اپنی نصف زندگی برٹش سامراج کے محکوم ہندوستانی کی حیثیت سے گذاری اور باقی نصف آزاد ہندوستان کے آزاد شہری کی طرح گذار رہا ہوں۔ میرے ہم عمر لوگ اکثر اپنی زندگی کے دونوں نصف کا موازنہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم عمر ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں ابھی بھی اچھے پرانے دنوں کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ اس زمانہ میں زندگی بڑی سیدھی سادی تھی۔ قیمتیں بہت ہی کم تھیں، آج جو قیمتیں ہیں ان کی یہ صرف کسر تھیں۔ بکے اور مخلص محبان وطن کو آج بھی یہ باتیں یاد ہیں کہ کلکتہ میں دوپہر کو ٹرام کے ٹکٹ کی قیمتوں میں کمی ہو جاتی اور صرف تین پیسے میں ٹرام میں بیٹھے کلکتہ کے اس کونہ سے اس کونہ تک جا سکتے یا کالج اسٹریٹ علاقہ میں تقریباً پانچ آنے میں پیٹ بھر کر بہترین کھانا مل جاتا تھا۔ کسی نے بھی لوڈ شیڈنگ کا نام تک بھی نہیں سنا تھا۔ (ایسا بوجھ کیا ہے، جسے اتار دیا جاتا ہے) اور تقریبات کے لئے ہو یا روزمرہ کے اخراجات کے لئے ہو، لوگ پہلے سے تمام باتوں کا اچھے طریقہ سے انتظام کر لیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ضروریات زندگی کی چیزوں کی کمی نہ تھی۔ آج ہم ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے ٹرین میں سفر کرتے ہیں (اور کبھی کبھی تو سیٹ ریزرویشن ہو جانے پر قسمت کو داد بھی دیتے ہیں)، تو ہمیں سامنے کے 'انٹر کلاس' کی یاد ستاتی ہے جس میں ہم آرام سے کلکتہ تا دہلی اور دہلی تا کلکتہ کا سفر کیا کرتے تھے۔ اور آنے جانے کے ٹکٹ کی قیمت صرف ۱۵ روپے تھی۔

ایسی باتیں اس ٹھوس حقیقت کو فراموش کر دیتی ہیں کہ اس زمانہ میں جب قیمتیں کم تھیں تو اجرتیں بھی بہت ہی کم تھیں۔ ایک یونیورسٹی گراجویٹ ایک کلرک، ایک اسکول ٹیچر یا ایک صحافی کی حیثیت سے کام شروع کرتا تو اس وقت اس کی تنخواہ تقریباً ۳۰ روپے ماہانہ ہوتی تھی۔ ایک تعلیم یافتہ اسکالر خود کو خوش قسمت سمجھتا اگر اسے ۱۰۰ روپے ماہانہ تنخواہ کے لکچررشپ کا عہدہ کسی کالج میں مل جاتا۔ ایسی بھی باتیں دیکھی گئیں ہیں کہ ایک ہی کام دو آدمی کیا کرتے، اور تنخواہ بھی آدھی لیا کرتے۔ جنہیں نوکری مل جاتی ان کی زندگی بڑے آرام سے گذرتی، لیکن اس زمانہ میں ایسے بھی بہت سارے افراد تھے جنہیں ملازمت کہیں نہیں ملتی، کیونکہ روزگار کے مواقع بھی بہت ہی کم تھے اور ان کے لئے باپ کا ہوٹل کھلا رہتا۔ ایک کلرک زندگی بھر کلرک بن کر ہی رہتا اور سو اساتذہ میں سے ایک استاد تعلیمی ادارے کا سربراہ بن سکتا۔ اعلیٰ درجوں اور عہدوں میں دیسی لوگوں کے لئے ملازمت کے دروازے مکمل طور پر بند تھے۔

اور جو ذرا حساس طبیعت کے مالک ہیں وہ سیاسی ماحول کے خلاف، صرف ذہنی طور پر صرف کچھ سوچ وچار کر لیا کرتے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو جو سرگرم سیاست سے خود کو دور رکھتے، اکثر شدید جھٹکا لگتا جب ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کو انگریزی حکومت مار پیٹ، جیل میں ڈالدیتی، یا انڈمان جزیرہ میں جلا وطن کر دیتی یا کبھی پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیتی۔ سب سے پہلے ایک رومانی قسم کی قوم پرستی سے آزادی کا جوش دلوں میں بیدار ہوا، اور یہ بھی کبھی باری باری انتہا پسند انقلابیوں کی کوشش اور گاندھی وادعدم تعاون یا شہری نافرمانی کی شکلیں بدلتا رہا۔

بہت سارے لوگوں کے لئے زندگی تو تقریباً ویسی ہی تھی جیسی کہ برٹش نے بنایا تھا۔ یہ تو قدرت کی ایک حالت ہے — غریب، غلیظ، ظالم اور مختصر

آزادی نے ہمیں خودداری اور وقار دیا۔ اس نے ہماری امیدوں اور خواہشوں کو جگایا۔ تقسیم کی چوٹ کو ہم نے فوراً فراموش کر دیا۔ میں اس وقت ہندوستان سے باہر تھا جب ہم نے آزادی کی پہلی سالگرہ منائی، نیز اس وقت بھی میں باہر ہی تھا جب ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء میں ہندوستان ایک ری پبلک بن گیا۔ میں تو اس منظر کو فراموش نہیں کر سکتا جب اسی تاریخ کو البرٹ ہال، لندن، میں لارڈ پیتھک لارنس، سائبل تھورن ڈائک اور اگتھا ہیرسن کی تقاریر سننے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آئے تھے۔ یہاں صدر گاٹس کی طرح کرشنا مینن نے نہایت یہاں ہی اچھی تقریر کی۔ ہم اپنی بابت اور ہمارے جیسے لوگوں کی بابت ایک انوکھی بات کا یوں ذکر کر سکتے ہیں کہ ہمیں اپنے 'ہندوستانی پن' کا اس وقت احساس ہوتا ہے جب ہم اپنے وطن سے باہر رہتے ہیں۔ (اور جب ہم بیرونی حملہ سے دوچار ہوتے ہیں)۔ آزادی کے ابتدائی برسوں میں یعنی ۱۹۴۷–۵۷ء میں ہمارے پالیسی سازوں نے ہندوستان کو دنیا کے نقشہ میں ایک مقام دینے کے عظیم کام میں مشغول ہو گئے، نیز انہوں نے ایک سالم قوم کی تعمیر اور معاشی نشوونما کے کام میں مشغول ہو گئے۔ منصوبہ بندی کمیشن تو ہماری معاشی آرزوؤں کو ٹھوس شکل دینے والے تھے اور نہرو کے ہاتھوں میں ہر چیز محفوظ نظر آتی۔

۱۹۴۷ء کے چھبیس (۲۶) سال بعد، ہم پیچھے مڑ کر دیکھ سکتے ہیں اور اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بین الاقوامی تعلقات نیا میں ہندوستان نے اپنے مقام کو مستحکم بنا لیا ہے۔ آزاد یا جلد ہی آزاد ہونے والے ممالک ہندوستان کی پرستش کیا کرتے تھے، لیکن اب آہستہ آہستہ ان کی یہ پرستش غائب ہوتی جا رہی ہے اور اب ہندوستان کو اپنے سبھوں سے پاک، رویہ کو روبہ کار لانے میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ لیکن ہر بین الاقوامی فورم میں، خواہ وہ اقوام متحدہ ہو یا ناوابستہ جیسی کانفرنس ہو، ہندوستان ایک طاقتور آواز ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیرونی تعلقات کے میدان میں ہندوستان نے اپنا ایک مقام بنا لیا ہے اور ہندوستان نے ایسے سفیر پیدا کئے جن کا شمار ساری دنیا میں فن سفارت کے ماہروں میں ہوتا ہے۔

اب اس سوال کا جواب دینا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ کیوں ہم لوگ ایسے پالیسی ساز اور کارکنندگان تیار نہ کر سکے جو اندرون ترقی کا کام ایمانداری کے ساتھ بخیر و خوبی انجام دے سکیں؟ اندرونی مسائل ۱۹۴۷ء میں بہت وسیع تھے اور آج بھی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۵۰ء کے مرتب کردہ دستور، اپنی ۴۲ ویں ترمیم کے بعد بھی سیاسی اور معاشی نقطۂ نظر سے ناکافی ہے۔ اس نظام کا مقصد یہ تھا کہ ایک طاقتور وفاقی نظام قائم کیا جائے۔ اور ایک مضبوط اور مستحکم مرکز ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ریاستوں کو بھی وسیع اور اہم ذمہ داریاں سونپی جائیں۔ لیکن لفظ 'وفاقی' کا بڑی ہشیاری سے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا۔ آپ اس بات پر بحث کر سکتے ہیں کہ معنی کے لحاظ سے ریاستوں کی یونین، وفاق سے قریب ہے یا متحدہ ریاستوں سے قریب ہے۔ اور یہ کہ اس نے 'اکائی' کے عناصر پر زیادہ زور دیا ہے۔ ہندوستانی وفاق تو خود اختیار یونٹوں پر مشتمل نہیں ہے اور نہ ہی ایسی یونٹوں نے متحدہ طور پر یہ فیصلہ کیا وہ ہندوستان کے ساتھ رہیں گے جیسا کہ امریکہ کی ۱۳ ریاستوں نے کیا۔ ان ریاستوں نے پہلے متحدہ ہائے ریاست ہائے امریکہ کی تشکیل کی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ امریکہ کی متحدہ ریاستوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، کہیں مغرب کی طرف تو کہیں فوج کشی کر کے، کہیں رضا و رغبت سے، کہیں تو فرانس سے ایک معقول رقم پر براہ راست خریداری کر کے۔ برٹش کے دور حکومت میں ہندوستان ۱۹۴۷ء تک ایک واحد یونٹ تھا۔ کم از کم وہ علاقے تو ایک تھے جو انگریزوں کے قبضہ میں تھا اور اس وقت ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت صوبوں کے اختیارات بہت ہی محدود تھے۔ ۱۹۵۰ء کے دستور نے نئی نئی ریاستوں کو پہلے سے کہیں زیادہ اختیارات دئے۔

ہمارے دستور کو مرتب کرنے والے بزرگوں نے ایک بنیادی تصور کو پیش نظر رکھا تھا کہ مرکز اور ریاستوں کے درمیان نظریہ میں شدید اختلافات نہیں ہوں گے۔ پس پردہ اس بات کی بھی توقع کی گئی کہ مرکز اور ریاستوں میں ایک ہی سیاسی پارٹی برسر اقتدار رہے گی۔ اگر کچھ تفریق پیدا ہو بھی جائے تو اسے سیاسی سطح پر حل کر لیا جائے گا۔ لیکن اس تخیل کو پہلا دھکا ۱۹۶۷ء میں لگا اور اس کے بعد سے سیاسی تناؤ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ دستور کی دفعات نئے مسائل کو حل کرنے میں ناکافی ثابت ہو گئیں ہیں۔ چند ریاستوں کو یہ شکایت ہے کہ دستور میں ان کے خلاف — یعنی اس وقت بھی جب ان کی دستوری مشینوں میں کسی قسم کا

تو ترمیم نہیں ہوئی مسئلہ کا حل کرنا یا ریاستوں کے درمیان
تقسیم ہونے والے مالی وسائل کو ریاستوں کے دائرہ اختیار سے
باہر نامناسب طور پر اقدامات کرنے کی گنجائش رکھی گئی اور
بعض ریاستوں کی یہ رائے ہے کہ دستور میں بہت ساری ترمیمات
کرکے مرکزی حکومت کے اختیارات کو بڑھا دیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں
— اور یا اقتدار اور خود غرض اور متانی سربراہی کی خرابی — نے انتشار
کی طاقتوں کو جنم دیا۔ نیز جب ریاستوں کی زبان کی بنیاد پر از سر نو
حد بندی کی گئی تو اس وقت انتشار طاقتوں کو کافی تقویت پہونچائی گئی۔
لسانی مطالبات میں اور بھی بہت سارے مطالبات شامل تھے۔ موجودہ
دور میں دو ریاستوں میں بہت سارے لوگ برسر پیکار رہیں اور مرکز
بے بسی سے منہ تکتا رہ جاتا ہے — شاید اسے ایک دھندلی
امید ہوئی ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے کچھ دیکھ رہنا ہوگا۔
کچھ بڑی ریاستوں پر ان پارٹیوں کی حکومت ہے جو اس پارٹی سے مختلف
ہیں جس کی حکومت مرکز میں ہے۔ ایک وفاقی نظام میں اسے غیر معمولی بات
سمجھنا نہیں چاہئے لیکن جس طریقہ سے ہندوستانی نظام حکومت کام کرتا
ہے اس نے تنازعات کو تناؤ میں تبدیل کر دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک
سارے ہندوستان کی سطح کی صرف ایک ہی پارٹی ہے۔ اس سلسلہ
میں دوسری پارٹیوں کا کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ دیگر پارٹیاں بھی
ہیں جو نام کی کل ہند پارٹیاں ہیں جو خاص خاص لوگوں کے ارگرد علاقائی
جماعتوں کی حیثیت سے یا جتھے کی طرح کام کرتی ہیں۔ ساری دنیا میں
ایسا کوئی بھی ملک نہیں ہے جہاں سیاسی پارٹیاں۔ جن میں سب
سے بڑی پارٹی بھی شامل ہے۔ خود کو دوسری سے الگ دکھانے کے لئے
پارٹیوں کے سرکاری طور پر قبول شدہ نام کے ساتھ ساتھ قوسین میں
اپنے سربراہ کے نام کے پہلے حرف کو بھی لکھتی ہیں۔ ایک جمہوری حکومت
— یا متبادل حکومت — کی جو لازمی خوبیاں ہوتی ہیں، ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ وہ سب مرکز میں اور بعض ریاستوں میں غائب ہوگئی ہیں۔
مٹھی بھر لوگ مٹھی بھر جماعتوں پر حکومت کرتے ہیں اور اس نظام کو بدلنے
کے لئے کسی بھی سطح پر مزاحمت نہیں کی جاتی۔ فضا تو قرون وسطی کی عدالت
کی فضا جیسی ہے، جہاں کسی بھی شئے اور اقدام کو ناپاک نہیں کہا جا سکتا
کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر لوگوں کی یا جماعتوں کے مفادات

کی خدمت کرتا ہے۔

وفاقی مالیاتی مسائل نے مرکز۔ ریاست سیاسی تناؤ کو
اور بھی بڑھا دیا ہے۔ دستوری دفعات کی چھوٹی چھوٹی کمی کے تجزیہ پر بنیاد
رکھی گئی ہے۔ صرف آمدنی ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقوم کی لازمی
طور پر تقسیم کا ذکر کیا گیا۔ مقابلتاً خصوصی پارلیمانی اختیارات کے تحت
مرکزی آبکاری کی تقسیم کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اسے دوسرے لائن
میں رکھا گیا۔ دوسری طرف مسائل تو وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے ہیں۔
آمدنی ٹیکس سے حاصل کردہ رقوم کی ۸۵ فیصد رقم اور مرکزی آبکاری
کی ۴۰ فیصد رقم پانے کے بعد بھی ریاستیں بہت ہی شدید صورت حال سے
دوچار ہیں۔ انھیں وسیع کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بنکوں سے اوور
ڈرافٹ (قرض) لینا پڑتا ہے۔ اپنے ترقیاتی اخراجات کو کم کرنا پڑتا ہے
اور زیادہ سے زیادہ مرکزی امداد کیلئے شور و غوغا کرنا پڑتا ہے۔

چیکہ ریاستوں کے سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے انہوں نے
اچھے مالیاتی نظام کی مثالیں پیش کیں اور دوسری طرف مرکز کو بھی اس سے
مبرا نہیں کیا جا سکتا، اس کے اپنے اخراجات کو لاابالی خرچ کہا جا سکتا ہے
اور اس کی کمی جس سے افراط زر کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے، نے تمام ریکارڈ
توڑ دئے۔ اس نے خصوصی ٹیکس اور چنگیوں کے اقدامات سے اپنی آمدنی
میں اضافہ کرنے کی کوششیں کیں، حالانکہ ایسے اقدامات سے منقسم وسائل
پیدا نہیں کئے جا سکے۔ مالیاتی کمیشن بھی اس سلسلہ میں کچھ زیادہ نہیں
کر سکتا، کیونکہ انہیں بھی اپنے دائرۂ عمل میں رہ کر کام کرنا پڑتا ہے۔
پھر اخراجات کی منصوبہ اور غیر منصوبہ مدوں میں تقسیم اور راولنگ کو
مالیاتی کمیشن کے دائرے اختیار سے (ایسے طریقۂ کار سے جس کا اظہار
دستور میں نہیں کیا گیا ہے) باہر لانے کے اقدامات نے ایک ثنائیت پیدا
کردی ہے جو اچھے مالی نظام کے تمام اصولوں کے خلاف ہے۔

اگر سرکاریہ کمیشن، جس کی حال ہی میں تقرری ہوئی ہے، خود کو دستور
کے ڈھانچہ کے اندر رکھتے ہوئے ممکنہ تبدیلیوں پر غور و خوض کرے تو
اس کی یہ کوشش بالکل ناکامیاب ہوگی۔ شاید آٹھویں مالیاتی کمیشن
اس مسئلہ کو ادھر ادھر پیوند لگا کر ایک نہ ایک صورت میں حل کرنے کی
کوشش کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کمیشن اس بات کی سفارش کرے کہ
مرکزی آبکاری میں ریاستوں کے حصص کو ۵۰ فیصد یا اس سے زیادہ

کردیا جائے اور دفعہ ۲۷۵ کے تحت مرکزی عطیات کی رقوم میں اضافہ کر دیا جائے، لیکن جس رفتار سے ریاستوں کی ضرورتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے اس بات کی یقینی طور پر پیشین گوئی کی جا سکتی ہے کہ جب دسویں مالیاتی کمیشن کی تقرری ہوگی (یہ تقرری عام حالت میں ۱۹۹۲ء میں ہوگی) تو اس وقت موجودہ دستوری دفعات کے تحت کسی قسم کے حل کی گنجائش نہیں ہوگی، جب تک کہ اس کے بوجھ کے بڑے حصہ کو عطیات کی دفعہ ۲۷۵ پر نہ لاد دی جائے۔

سیاسی ناکامیوں (جن میں وفاقی مالیات کے مناسب نظام کو مرتب کرنے میں ناکامی شامل ہے) کے مقابلہ میں معاشی محاذ میں کارگزاریاں کچھ حد تک بہتر ثابت ہوئیں۔ میں نے کوئی بڑی بات نہیں کہی۔ بلاشبہ عظیم کامیابیوں کے ریکارڈس ہیں۔ اگر ہم ۱۹۵۰ء کی ہندوستانی معیشت کا آج کی معیشت سے مقابلہ کریں تو ہم کو پیداوار میں اضافہ کے اچھے اعداد و شمار ملیں گے۔ پیداوار میں ایسی مصنوعات بھی شامل ہیں جو آزادی کے قبل دنوں میں تیار نہیں کی جاتیں۔ اگر ہم ۱۹۸۳ء میں اپنی محقق کامیابیوں کا، مسلسل منصوبوں کے تحت ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہیں یا ہم سے جو کچھ کرنا ممکن ہو سکتا ہے، ان مقاصد سے مقابلہ کریں تو ہمیں بہت ہی دھندلی تصویر ملے گی۔ ملی جلی معیشت کے ملے جلے نتائج رونما ہوئے۔ ان اہم اہم علاقوں میں، جہاں تک کہ ہم نے پہونچنے کا ارادہ کیا تھا، ہماری کارکردگی بڑی مایوس کن ہے۔

بنیادی حقائق سے تو سبھی واقف ہیں اور انہیں تفصیل سے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تصویر کے اہم اہم نقاط کا سرسری جائزہ لینے سے تمام باتیں عیاں ہو جائیں گی۔ ان تمام برسوں میں قومی آمدنی میں اضافہ کی شرح صرف ۳٫۵ فیصد فی سال ہوا ہے، حالانکہ اوسط نشانہ ہر سال ۵٫۰۰ فیصد کا مقرر کیا گیا تھا۔ اب آبادی میں ہر سال ۲٫۲۵ فیصد کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے لیکن فی کس آمدنی میں تقریباً ۱٫۰۰ فیصد کے حساب سے اور فی کس اخراجات میں اس سے بھی کم شرح کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔ تقریباً نصف آبادی غربت کی سطح سے نیچی سطح پر زندگی گذار رہی ہے۔ بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہی جا رہا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے اسکول میں طلبا کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہونے کے باوجود اب بھی کثیر تعداد میں بچے ابتدائی تعلیم سے محروم ہیں۔ مراکز صحت اور ہسپتال چاروں طرف پھیل گئے ہیں لیکن اب بھی بہت سارے لوگوں کو طبی سہولتیں آسانی سے فراہم نہیں ہوتیں۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خاطر خواہ حد تک مثبت کامیابیاں ہوئیں ہیں لیکن ایک فلاحی ریاست میں کیا ایسی بات کو حق بجانب کہا جا سکتا ہے کہ ایک بچہ کو اسکول سے باہر رہنا پڑا یا ایک مریض جب ضروری طبی امداد سے مستفید نہ ہو سکا۔ ترقی کی رفتار سست رہی اور سماجی انصاف سے غفلت برتی گئی۔

اگر ہم اس میں بار بار رونما ہونے والے افراط زر کے خطرات اور زرمبادلہ کی ادائیگی کے بحران کو شامل کر دیں تو صورت حال یقیناً تشویشناک ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ ترقیاتی اقدامات سے جو فوائد حاصل ہوئے اس سے عوام کو فائدہ نہیں پہونچا، گرچہ یہی عوام اخراجات کے بڑے بوجھ کو برداشت کرتے ہیں اور انہی پر افراط زر کا بوجھ لادا جاتا ہے۔ اور نتیجہ میں وہ بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے چند ہی لوگ ہیں جو منہ میں مٹھائی لئے پیدا ہوتے ہیں لیکن ایسے لاکھوں لاکھ لوگ ہیں جن کے لئے رات ختم ہوتے ہوتے نہیں ہوتی۔

آج کے جو ضروری کام ہیں وہ ویسے ہی ہیں جیسے کہ وہ ۱۹۵۰ء میں تھے۔ ہمیں ۷۱٫۵ کروڑ لوگوں کے لئے منصوبہ مرتب کرنا ہے حالانکہ ۱۹۵۱ء میں ہم نے ۳۶٫۱ کروڑ لوگوں کے لئے منصوبہ مرتب کیا تھا۔ تمام مسائل کے جلد از جلد حل کی امید نہیں کی جا سکتی، پھر بھی اس کی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں ہم ہر مسئلہ کی شدت اور وسعت کو خاطر خواہ حد تک کم نہ کر سکیں گے؟ اگر عزم مصمم کے ساتھ اقدامات کریں اور اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ غربت اور ناانصافی کے خلاف برسر پیکار ہیں تو ہم ہر مسئلہ کو کچھ نہ کچھ حد تک حل کر سکیں گے۔ اگر ہم جنگی وقت کی لیاقت کے ساتھ ریکارڈ وقت میں ایشیائی کھیل کی تعمیرات کے کام کو مکمل کر سکتے ہیں، تب ہم اپنی آبپاشی کے پراجیکٹوں اور بجلی پلانٹس کو مکمل کرنے میں اتنی صلاحیت کا اظہار کیوں نہ کر سکیں گے؟ اگر ہم ایک عظیم بین الاقوامی کانفرنس کا بہت ہی اچھی طرح انتظام کر سکتے ہیں، تب ہم اپنی اسی مہارت اور لیاقت کو بجلی پیدا کرنے اور چھوٹی صنعتوں کی ترقی کے لئے کیوں صرف نہیں کر سکتے؟ مسائل شدید ہیں اور انہیں حل کرنے میں انتھک محنت کی کمی نہیں ہونی چاہئے۔ ●●

ن کی آزادی

وفاقی نظام سیاست



از — بھبتوش رائے

آزادی کے قبل کے دنوں میں جب حکومت ہندوستان ایکٹ ١٩٣٥ء نافذ کیا گیا تو اس وقت قومی تحریک کے پلیٹ فارم سے شدید احتجاج کی آواز اٹھائی گئی تھی۔ قومی تحریک نے یہ اعلان کیا تھا کہ مذکورہ ایکٹ میں صوبوں/منظوبات کی خود اختیاری کے حق کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ اسی لیے اس وقت یہ عہد کیا گیا تھا کہ آزادی پانے کے بعد ہندوستان کی ساخت وفاقی نوعیت کی ہوگی اور ریاستوں کو پوری خود اختیاری دے دی جائے گی۔

ہندوستان ١٩٤٧ء میں آزاد ہوا — جن لوگوں نے قومی آزادی کے لئے جدوجہد کی سربراہی کی تھی، آزادی کے بعد وہی برسر اقتدار طبقے بن گئے۔ جب ١٩٥٠ء میں دستور ہند مرتب ہوا اور اسے اپنایا گیا تو اس وقت آزادی کے قبل کے دنوں میں کئے گئے عہد کو فراموش کر دیا گیا۔ اسی لئے دستور میں مرکز — ریاست تعلقات کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ اس سے صحیح معنوں میں وفاقیت کے تصور کی حفاظت نہیں کی جا سکتی اور ریاستوں کی خود اختیاری کے حقوق کو سختی سے دبا دیا گیا۔

دستور میں ہندوستان کو ریاستوں کا یونین نہ کہ ریاستوں کا وفاق یا فیڈریشن کہا گیا ہے۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے یونین اور فیڈریشن معنے کے لحاظ سے ایک ہیں۔ لیکن اس مسئلہ کو اتنی آسانی سے نظرانداز کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ اگر فیڈریشن اور یونین کے ایک ہی معنی ہیں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ 'فیڈریشن' لفظ کو کیوں نہیں استعمال کیا گیا گرچہ آزادی کے قبل جو حلف اٹھایا گیا تھا اس میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں ایک وفاقی حکومت قائم کی جائے گی۔ اس لئے ارادہ تو ظاہر ہے۔ وفاق میں خود اختیاری پر زور دیا جاتا ہے۔ دستور میں لفظ یونین استعمال کر کے وفاق کی اس اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔

دستور کے ماہرین دستور ہند کی جانچ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ ہندوستان اگرچہ ایک فیڈریشن ہے لیکن اس کا رجحان یکائی کا ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ایک قانوناً فیڈریشن ہے لیکن درحقیقت یہ یکائی کی مرکز پسند یا حامی سیاست ہے۔

اگر ہم دستور ہند کی مختلف دفعات کا، جہاں مرکز — ریاست تعلقات کا ذکر ہے، تجزیہ کریں تو ہم اس حقیقت سے واقف ہو جائیں گے کہ کس طرح سرگرمیوں کے تقریباً ہر شعبہ میں ریاستوں کی خود اختیاری کے حقوق کو مرکز کے ماتحت بنا دیا گیا ہے۔ اس مختصر مضمون میں دستور ہند کی تمام متعلقہ دفعات کا تفصیل سے ذکر کرنا ممکن نہیں، اسی لئے چند اہم دفعات کو قارئین کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

دستور ہند کی دفعہ ۳ میں ریاستوں کی تشکیل، ریاستوں کی سرحد وغیرہ کا ذکر ہے اس دفعہ کے تحت جو گنجائش رکھی گئی ہے اس کے غائر مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس دفعہ کے تحت پارلیمنٹ

کو کسی بھی علاقہ اور علاقہ کی سرحد کو بدلنے اور ریاستوں کے نام بھی تبدیل کرنے کا، متعلقہ ریاست کی منظوری حاصل کئے بغیر، مکمل اختیار حاصل ہے۔ اسی دفعہ کے تحت پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دو یا اس سے زیادہ ریاستوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم کر سکتا ہے یا ریاستوں کے کچھ علاقوں کو یکجا کر کے نئی ریاستیں قائم کر سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ درحقیقت اگرچہ ایک ریاست وفاق کا ایک جز ہوتی ہے، اس کے باوجود ریاست کے وجود کا انحصار پارلیمنٹ کی مرضی پر ہے۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ ایک پارلیمانی جمہوریت میں پارلیامنٹ سے مراد برسراقتدار اکثریت پارٹی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دستور کے پہلے باب میں ہی ریاستوں کو ان کے حقوق سے، سرحدی علاقہ وغیرہ کی بابت حقوق سے اور خود اختیاری سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہ بات بنیادی طور پر وفاقی اصول کے خلاف ہے۔

مزید برآں ہندوستانی دستور کے تحت ریاستی اسمبلیاں جو قانون پاس کرتی ہیں، ان کے مطابق ریاستوں کو کام کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ریاستی اسمبلی کے پاس کردہ قوانین کو صدر کی منظوری کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ صدر کی منظوری کے بعد یہ ایکٹ بن جاتے ہیں اور جنکے تحت مختلف اقدامات کو روبہ عمل لایا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ریاستی اسمبلیوں کو اپنے لوگوں کی طرف سے قانون مرتب کرنے کے مکمل اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ پارلیامنٹ کے ممبروں کی طرح ریاستی اسمبلیوں کے ممبروں کو بھی عوام ہی منتخب کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ریاستی اسمبلیوں کو مرکزی وزارت کے زیر اقتدار کر دیا جاتا ہے۔ دستور کی دفعہ ۷۴ میں یہ باتیں درج ہیں کہ ہندوستان کا صدر وزراء کے کاؤنسل کے مشورہ کے بغیر اپنے فرائض کو انجام نہیں دے سکتا۔ دستور کی دفعات ۲۰۰ اور ۲۰۱ میں بھی ایسی باتیں درج ہیں۔

ریاستوں کے صیغۂ انتظامیہ کی کارگذاریوں کو مرکز کے انتظامیہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔ ریاستوں کو مرکزی انتظامیہ کے تابع رہنا پڑتا ہے، کیونکہ دستور کی دفعہ ۳۵۶ کے تحت اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر مرکز کی ہدایتوں پر عمل نہ کیا جائے تو صدر ہند کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ریاستی وزارت کو توڑ دے۔ صرف یہی نہیں اس دفعہ کی رو سے صدر ایک ریاست کی منتخبہ اسمبلی کو بھی توڑ سکتا ہے اور صدر راج قائم کر سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ریاستی وزارت اور ریاستی اسمبلی صرف انتظامی شعبہ ہوتی ہیں، جنہیں مرکز کے انتظامیہ یا پارلیامنٹ کی ہدایتوں کو روبہ عمل لانا پڑتا ہے۔ ایک وفاقی ڈھانچہ میں منتخبہ وزارت کو اور اسمبلی کے منتخبہ ممبروں کو برطرف کرنے کی گنجائش کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دستور کو اپنانے کے بعد کم از کم ۷۰ بار مختلف ریاستی وزارتوں کو برطرف کیا گیا ہے۔

اگر اب ہم انتظامیہ کے شعبہ کی طرف آئیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ ریاستی انتظامیہ کو اپنے ریاستی افسروں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ انتظامیہ کو کل ہند سروس افسروں کی خدمات حاصل کرنی پڑتی ہیں۔ یہ کل ہند سروس افسران ریاستی وزارت کے کنٹرول اور ڈسپلن کے تابع نہیں ہوتے۔ ان کی تقرری مرکزی وزارت کرتی ہے۔ مشکلات وہیں رونما ہوتی ہیں جب ایک ریاست میں ریاستی وزارت کے خیالات مرکز کی وزارت کے خیالات سے مختلف ہوتے ہیں۔ اکثر یہ بات دیکھی گئی ہے کہ کل ہند سروس افسران ریاست کی وزارت کی ہدایت پر عمل کرنے کی جگہ مرکزی وزارت کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ بات تمام کل ہند افسران کے سلسلہ میں کبھی نہیں جا سکتی، لیکن ۱۹۵۷ء میں کیرالا میں کمیونسٹ وزارت ۱۹۶۷ء سے ۶۹ء کے درمیان مختلف ریاستوں میں غیر کانگریسی وزارت اور ۱۹۷۷ء میں غیر کانگریسی بائیں وزارت کی تشکیل کے بعد سارے ہندوستان میں یہ حقیقت ظاہر ہوئی ہے کہ ریاستی وزارت کی خواہشات کی تکمیل اور کل ہند افسروں کی کارگذاریوں کے درمیان تردید و تخالف رونما ہوئی ہے۔ اور ایسا ہو سکتا ہے کہ کل ہند افسروں کا ایک طبقہ مرکز کی بات میں ہاں کرتا ہے۔

مالیاتی امور کے سلسلہ میں صورت حال ناگفتہ بہ ہے۔ درحقیقت ریاستوں کو مرکز سے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔ دستور کی بہت ساری دفعات کے تحت محاصل کے تمام لچکدار وسائل کو مرکزی حکومت کے حوالے کر دیا گیا ہے اور غیر لچکدار وسائل کو ریاستوں کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لئے ان دفعات کے علاوہ جن کے تحت مرکزی حکومت کو ریاستوں کے مفادات کے خلاف کام کرنے کا حق حاصل ہے، مرکز کی مالی طاقت اور ریاستوں کی مالی کمزوری کی وجہ سے ریاستوں کے لئے

یہ امر [illegible] ہے کہ وہ خود کو مرکزی حکومت کے رحم وکرم پر چھوڑ دے جب کبھی بھی کوئی [illegible] ایسے اختیارات کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرتی ہے [illegible] تنازعات رونما ہوتے ہیں۔ اگر ریاستی حکا اس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں جو مرکز میں برسراقتدار ہے تو پارٹی فیصلہ کے ذریعہ وزارت کی تبدیلی سے اس تنازعہ کو حل کرلیا جاتا ہے اور جہاں ایسی صورتحال نہیں ہوتی وہاں ریاستی وزارت کو نکالنے باہر کرنے کے لئے غیر معمولی اقدامات کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک ایک ہی پارٹی یعنی کانگریس مرکز میں اور ریاستوں میں برسراقتدار تھی۔ اس لئے دستور کی دفعہ ۳۵۶ کے تحت دئے گئے اختیارات کی رو سے کہیں بھی صدر راج نافذ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ۱۹۵۷ء میں کیرالہ میں کمیونسٹ وزارت برسراقتدار آئی۔ اس حکومت کے وزیراعلیٰ شری ای۔ ایم۔ ایس۔ نمبودری پد تھے مگر مرکز کی استبداری طاقت اس تبدیلی کو برداشت نہ کرسکی اس لئے دستور کی دفعہ ۳۵۶ کو روبہ عمل لایا گیا ہے اور اس وزارت کو ختم کردیا گیا۔ اس طرح آزادی کے دس سال بعد یعنی ۱۹۵۷ء میں ہندوستان کے دستور کی وفاقی صورت ابھر کر سب کے سامنے آگئی۔ اس کے بعد جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جاچکا ہے ایسے واقعات ۷۰ بار رونما ہوئے۔

دستور میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ مرکزی حکومت ان موضوعات کی بابت قوانین مرتب کرسکتی ہے جو ریاستی فہرست میں ہوتے ہیں۔ دستور میں تین فہرستوں کا ذکر ہے۔ پہلی فہرست ان موضوعات کی بابت ہے جن کے سلسلہ میں صرف ریاستیں قوانین مرتب کرسکتی ہیں۔ دوسری فہرست کے موضوعات پر صرف مرکزی حکومت کو قوانین مرتب کرنے کا اختیار ہے۔ تیسری فہرست مشترکہ فہرست ہے اور اس کے سلسلہ میں مرکزی حکومت اور ریاستیں دونوں قوانین مرتب کرسکتی ہیں۔ مرکز کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ مرکزی اور مشترکہ فہرستوں میں شامل موضوعات پر قوانین مرتب کرسکتا ہے۔ نیز اسے ریاستی فہرست پر بھی ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ عجیب سے عجیب بات یہ ہے کہ باقی ماندہ امور کے سلسلہ میں قانون مرتب کرنے کا اختیار مرکز کو دے دیا گیا ہے۔ یہ نہایت ہی انوکھی بات ہے تمام وفاقی ریاستوں میں باقی ماندہ امور کے سلسلہ میں قانون سازی کا حق ریاستوں کو نہ کہ مرکز کو حاصل ہے جبکہ اگر کسی موضوع کی بابت مرکزی قانون اور اس کے ساتھ ریاستی قانون بھی ہے تو ایسی حالت میں مرکزی قانون کو ریاستی قانون پر ترجیح دی جائے گی۔

مذکورہ بالا باتیں تو چند خصوصیات ہیں جن کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے جن کی وجہ سے ریاستوں کی حق تلفی کرکے مرکز کے ہاتھ اختیارات مرکوز کردئے گئے۔ لیکن ۱۹۵۰ء کے دستور میں درج باتوں کو جوں کا توں رکھا نہیں گیا۔ دستور کی ترمیمات، پارلیمنٹ کے پاس کردہ قوانین اور انتظامیہ کے فیصلوں سے مرکز نے ریاستوں کے حقوق اور فرائض کی ادائیگی میں مداخلت کی ہے۔ اس کے نتیجہ میں دستور کی وفاقی مرکزی ساخت میں ریاستوں کو جو اختیارات دئے گئے تھے اب ریاستوں کو ان سے کم اختیارات حاصل ہیں۔ نیز تمام اختیارات مرکز کے ہاتھوں مرکوز ہونے چاہئیں، اس کی ایک ننگی مثال ہم ۱۹۷۵ء میں اندرون ملک ایمرجنسی کے اعلان میں پاتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد ریاستوں کے تمام جمہوری کارگذاریوں اور عوام کے حقوق کو کچل دیا گیا۔

زیادہ مثالیں کیا پیش کروں، منصوبہ بندی کمیشن کا قیام بھی مالیاتی امور میں ریاستوں کے دائرۂ عمل میں دخل اندازی کرنے کا عمل ہے۔ اس کی وجہ سے ریاستوں کو مرکزی انتظامیہ کے فیصلہ پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنا پڑتا ہے۔ منصوبہ بندی کمیشن دستور کے تحت قائم نہیں کیا جاتا۔ اسے تو بس انتظامیہ کے فیصلہ سے، ہوسکتا ہے کہ پارلیامنٹ سے ایک قانون پاس کراکے، قائم کیا جاتا ہے۔ منصوبہ بندی کمیشن کی تشکیل سے مالیاتی کمیشن کا دائرۂ عمل محدود ہوجاتا ہے۔ مالیاتی کمیشن کو دستور کے تحت قائم کیا جاتا ہے اور یہ کمیشن حسب معمول طریقہ کار سے اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے اور مرکز سے ریاستوں کو کتنی رقوم ملنی چاہئیں اور منقسم فنڈ کو مختلف ریاستوں کے درمیان کس طرح تقسیم کرنا چاہیے، ان تمام باتوں کی بابت مالیاتی کمیشن اصول مرتب کرتا ہے۔ دوسری طرف منصوبہ بندی کمیشن تو ایک ایسا ادارہ ہے جس کے چیرمین وزیراعظم ہوتے ہیں اور اس کے ممبروں کو، مع ایک یا دو مرکزی وزراء مرکزی حکومت نامزد کرتی ہے۔ منصوبہ بندی کمیشن کے ممبروں کو منتخب کرنے کی بابت ریاستی حکومتوں سے صلاح مشورہ نہیں کیا جاتا۔ درحقیقت منصوبہ بندی کمیشن ایک کمیشن سے زیادہ مرکزی حکومت کا ایک شعبہ ہے

اور اس طریقہ سے کام نہیں کرتا جس طریقہ سے عام طور پر ایک کمیشن کام کرتا ہے۔ منصوبہ بندی کمیشن کے قیام سے ریاستیں مالیات کے لئے مرکزی حکومت پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنے لگیں' کیونکہ مالیاتی کمیشن کے برخلاف یہ کمیشن' ریاستی حکومتوں اور مالیاتی امور میں دلچسپی لینے والے لوگوں کے اظہار خیالات کے بعد کوئی اصول مرتب نہیں کرتا۔

پھر مرکزی حکومت اب ان علاقوں میں مداخلت کر رہی ہے جو ریاستوں کے لئے محاصل کے حصول کے خصوصی ذرائع ہیں۔ سیلس ٹیکس کی بہت ساری چیزوں کو ریاستی فہرست سے الگ کر کے آبکاری کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے ریاستوں کے پاس محاصل کے بہت ہی کم وسائل رہ گئے۔ کارپوریشن ٹیکس کو انکم ٹیکس کے دائرۂ عمل سے باہر رکھا گیا ہے' یہ ایک اور مثال ہے کہ کس طرح دستور کو اپنانے کے بعد مرکزی حکومت ریاستی حکومتوں کو ان کے وسائل کے جائز حقوق سے محروم رکھ رہی ہے۔

آج موجودہ مرکز۔ ریاست تعلقات پر از سر نو غور کرنے اور ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کی مانگ نے اہم طاقت حاصل کر لی ہے۔ شاید سب سے پہلے اس میدان میں شری ای۔ ایم۔ ایس۔ نمبودری پد نے پہل کی۔ انہوں نے کیرالہ کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے ایک الگ منصوبہ۔ پروگرام مرتب کر کے اسے مرکز کے پاس داخل کیا اور اب بہت ساری ریاستیں [illegible] اس بات کی مانگ کر رہی ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں مغربی بنگال میں ... محاذ حکومت نے اس مسئلہ پر ایک میمورنڈم (دستاویز) تیار کر کے مرکزی حکومت کے پاس داخل کر دیا۔ اس سال چند مہینے قبل چار غیر کانگریسی حکومتوں نے بھی ان مسائل کی حمایت کی۔ اس سے قبل ۱۹۶۹ء میں تامل ناڈو حکومت نے مرکز۔ ریاست تعلقات کے مسئلہ پر غور و خوض کرنے کے لئے جسٹس راجہ منّار کے چیرمین شپ میں ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ اس کمیٹی کی ۱۹۷۱ء کی سفارشات کی بنیاد پر تامل ناڈو کی حکومت نے ایک میمورنڈم تیار کیا تھا اور اسے مرکزی حکومت کے پاس داخل کر دیا۔

۱۹۵۶ء سے اور خاص طور پر ۱۹۶۷ء سے رونما ہونے والے واقعات کے پیش نظر مرکزی حکومت مرکز۔ ریاست تعلقات پر از سر نو غور کرنے کی مانگ رد نہ کر سکی اور اسے مجبوراً سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جسٹس شری سرکاریہ کے چیرمین شپ میں ایک کمیشن قائم کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ پہلے ہی اس بات کا تصفیہ کر لیا گیا ہے کہ سرکاریہ کمیشن موجودہ دستوری گنجائش کی حدود میں رہتے ہوئے اپنی سفارشات پیش کرے گا۔ لیکن بعد میں مختلف حلقوں کے دباؤ سے شریمتی اندرا گاندھی کو ہتھیار ڈال دینا پڑا۔ اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ سرکاریہ کمیشن دستور میں تبدیلی کی تجویز پیش کر سکتا ہے۔ البتہ ایسی سفارش کرتے وقت وہ ... کی سالمیت' وحدت اور حکومت کی فرمانروائی کو پیش نظر رکھے گا۔ ریاستوں سے مشورہ لئے بغیر جس طریقہ سے سرکاریہ کمیشن قائم کیا گیا ہے' اس سے ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہم کمیشن سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔ بہرحال ہمیں تو انتظار کرنا ہے اور دیکھنا ہے۔ لیکن کسی بھی وقت یہ سوچنا مصلحت اندیشی نہ ہوگی کہ ریاستوں کے لئے اور بھی زیادہ طاقت اور اختیارات کی مانگ کو' جس کے سلسلہ میں جمہوری پلیٹ فارم سے زور و شور سے آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں' سرکاریہ کمیشن کی سفارشات کے ذریعہ پوری کی جا سکیں گی۔ مرکز۔ ریاست تعلقات کے مسئلہ پر اور بائیں اور جمہوری خیالات اور ہندوستان کے موجودہ حکمراں طبقہ کے مطلق العنانی طرز کے خیالات کے درمیان جو بنیادی تضاد ہے' اسے ہم لمحہ بھر کے لئے فراموش نہیں کر سکتے۔ بائیں جمہوری پلیٹ فارم کے لوگ موجودہ مرکز۔ ریاست تعلقات میں تبدیلی کے خواہاں ہیں اور اس بات کے متمنی ہیں کہ ریاستوں کو اور بھی زیادہ اختیارات دئے جائیں۔ یہ محدود علاقائی اور/یا فرقہ وارانہ نظریہ نہیں ہے۔ بائیں جمہوریت کو اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں طرح طرح کی زبانیں ہیں' طرح طرح کی ثقافتیں ہیں' ریاستوں کی خود اختیاری کے ذریعہ ہی عوام مؤثر طور پر ترقی کر سکتے ہیں اور اس کے ذریعہ مرکز بھی زیادہ مستحکم ہو سکتا ہے اور ہندوستان اور بھی زیادہ طاقتور اور متحد ملک کی طرح ابھر سکتا ہے لیکن یہ تو حکمراں طبقوں کے خیالات سے بالکل مختلف ہے کیونکہ حکمراں طبقہ کی نظر میں مرکز میں طاقت کے ارتکاز سے ہندوستان کی وحدت مستحکم ہو سکتی ہے۔ اس لئے صورت حال کا یہ تقاضہ ہے کہ ایک طاقتور اور متحدہ ہندوستان کے ارتقاء کے لئے' جہاں تمام

(بقیہ ص ۲۶ پر)

مغربی بنگال میں صحت مند ثقافت

"جمہوری قدروں اور صحت مند ثقافت کو اجاگر کرنے کے سلسلہ میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔" ہمارے نامہ نگار کو ایک خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے شری اندرا ناتھ بندو پادھیا، جنرل سکریٹری، ریاستی کمیٹی، ڈیموکریٹک رائٹرس آرٹسٹس ایسوسی ایشن یہ باتیں کہیں۔ انٹرویو کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سوال:۔ بائیں محاذ حکومت نے گذشتہ چھ برسوں میں مغربی بنگال میں ایک صحت مند ثقافتی ماحول پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:۔ ہمارا سماج تو طبقوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایسے سماج میں کل ریاستی نظام اور بڑے بڑے ادارے اس مقصد کے لئے کافی رقوم خرچ کرتے ہیں جس سے سارے معاشی۔ ثقافتی میدان میں انحطاط، گمراہی، سماجی کمزوری، بدنظمی کو فروغ حاصل ہو اور سماج کی صحت مند قدریں آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں۔ ایسے ماحول میں اس بات کی کم ہی امید کی جاسکتی ہے کہ مغربی بنگال جیسی ریاست میں بائیں محاذ حکومت ایک صحت مند ثقافتی ماحول پیدا کرنے مکمل طور پر کامیابی حاصل کرسکے۔ لیکن اس کے ساتھ بانگ دہل یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک جمہوری قدروں اور صحت مند ثقافت کو اجاگر کرنے کا سوال ہے مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے گذشتہ چھ برسوں میں جو خدمات انجام دیں، ان کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ میرے خیال میں مغربی بنگال اور تریپورہ کے علاوہ کسی اور ریاست نے اس میدان میں اتنی کامیابی حاصل نہیں کی۔ صرف زبانی جمع خرچ سے نہیں بلکہ عملی طور پر بھی بائیں محاذ حکومت نے اپنے مختلف شعبوں جیسے شعبہ جات اطلاعات و ثقافتی امور، تعلیم، ... لائبریری سروسز وغیرہ کی گرانقدر کارکردگیوں کے ذریعہ بھی ثقافت کی لہریں بہاریں۔ بہت سارے لوگ اور بہت ساری تنظیمیں اس تحریک سے سرشار ہوئیں۔ گذشتہ چھ برسوں میں بائیں محاذ حکومت نے نہ صرف اس بات کی موثر طور پر کوشش کی کہ اس ریاست کو اور اس کے ... کو نیم جان اور متلون ثقافت، جسے سالوں دہائی کے عرصہ میں مفاد پرستوں کی ظالم حکومت نے چاروں طرف پھیلا دیا تھا، پنجوں سے آزاد کیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ ہی نیم جان ثقافت میں نئی روح پھونک کر اسے نئی اور بہتر راہ پر گامزن کردیا جائے۔ بائیں محاذ نے جس طریقہ سے نہ صرف شہری ثقافت میں بلکہ دیہی اور لوک ثقافت میں ایک نئی روح پھونکی اور اسے از سر نو جانفزا بنادیا، وہ نہایت قابل داد ہے۔

لیکن اس سے کہیں زیادہ اہمیت نہ صرف بائیں محاذ کے نیک ارادہ کی ہے بلکہ سرکاری نظام کے بہتر کارکردگی کی ہے، کیوں کہ ان کے کارکردگیوں کی وجہ سے مغربی بنگال کے لوگوں میں جمہوری بیداری رونما ہوئی اور اب وہ ہمیشہ جمہوریت کے علمبردار رہیں گے اور اس طرح وہ ہندوستان کے لوگوں کے سامنے ایک شاندار مثال پیش کرسکیں گے۔

سوال:۔ ایک صحت مند ثقافت اور ایک رو بانحطاط ثقافت کے درمیان جو فرق ہے اس کی شناخت آپ کیسے کرسکتے ہیں؟

جواب:۔ لوگوں کو ذہنی الجھن میں مبتلا کرنے کے لئے ایسی بے جوڑ قسم کے سوالات ان فنکاروں، عالموں اور اداروں، جو موجودہ سماجی اور ریاستی نظام کی بقا کے متمنی ہیں، کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں، لیکن فرق تو بنیادی طبقاتی ساخت میں ہے سبھوں کو یہ بات معلوم ہے کہ طبقوں میں منقسم سماج میں ثقافت بھی منقسم ہو جاتی ہے۔ فی الحال ریاستی طاقت اور اس کے چیلے معیشت، مزدوری پیداوار، اجرت اور تعلقات آراضی کے میدانوں میں لوگوں کا استحصال کررہے ہیں، اور انہوں نے جس ثقافت کو جنم دیا ہے وہ انسانی بیداری، قدروں اور عظمت کو مسخ کررہی ہے اور ان کا استحصال کررہی ہیں۔ یہ ثقافت نہ صرف موجودہ نسل کو بلکہ آنے والی نسل کو بھی بیمار، گمراہ کن، بھونڈا، بے احتیاط، گندہ

حس' اکتا دینے والی نسل میں تبدیل کر دے گی نظموں، گیتوں، کہانیوں، ناولوں، فلموں، ناچوں، ڈراموں یا مذہبوں اور تعلیمی میدانوں ـــ گویا ہر جگہ ثقافتی انحطاط جاری ہے ۔ بیسویں صدی کے آخر میں ابھی بھی ستی نظام کی شان میں گیت گائے جاتے ہیں ۔ کبھی عورتوں کو 'پردہ' اور 'نقاب' میں رکھ کر ان کا استحصال کیا جاتا تھا ، ابھی عورتوں کی عظمت اور متانت کا عورتوں کی آزادی اور جدت پسندی کے نام پر استحصال کیا جا رہا ہے' کیونکہ معاشی لحاظ سے انہیں دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے ۔ ذات، پات' فرقہ کے نام سے لوگوں کو بدظن کیا جا رہا ہے ۔ یہ ادارے ہماری قومی ثقافت کی عظیم روایتوں کو گمنامی کے غار میں ڈھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کی جگہ ناقص اور ناموضوع مغربی ثقافت کو لانے کی کوشش کی جا رہی ہیں ۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ اس انسانیت دشمن ثقافت کی ریاستی نظام اور اس کے وسیع نشر و اشاعت کے ذرائع سے کافی تائید اور ہمت افزائی کی جاتی ہے ۔

صحت مند ثقافت کا چشمہ ہی اس رو بہ انحطاط ثقافت کے خلاف ایک تحریک ہے ۔ وہ سب ادیب' آرٹسٹ اور علماء جو اس عارضہ کو دور کرنا چاہتے ہیں اور ایک صحت مند سماجی ۔ ثقافتی ماحول کی احیاء نو کے خواہاں ہیں' صحت مند ثقافت کے مجاہدین جو کچھ وہ پیدا کرتے ہیں وہ تو ترقی پذیر ثقافت کی فصل ہے ۔ جب کہ مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی براہ راست تائید سے نشو و نما ہوتی ہے ۔ دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال میں رو بہ انحطاط ثقافت کے خلاف تحریک کافی مستحکم ہے ۔ کیونکہ مغربی بنگال ترقی پذیر ثقافت کا میدان بیدار اور بیدار لوگوں سے بھرا ہے ۔

سوال :۔ صحت مند ثقافت کے فروغ میں آپ کی تنظیم نے کس حد تک کامیابی حاصل کی ہے ؟

جواب :۔ مصنفوں اور آرٹسٹوں کی جمہوری ایسوسی ایشن (ڈیموکریٹک رائٹرس آرٹسٹس ایسوسی ایشن) تو ۱۹۷۲ء میں عالم وجود میں آئی ۔ سیاسی اور سماجی لحاظ سے یہ بہت ہی نازک دور تھا ۔ اس وقت نیم فاسسٹی اور استبدادی حکومت نے ریاست مغربی بنگال کو بنیاد سے ہلا کر رکھ دیا تھا ، اور اس نے لوگوں کے بنیادی حقوق بھی چھین لئے تھے ۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر سماجی ـــ ثقافتی نقطۂ نظر سے اس عرصہ کو تاریکی کا دور کہا جائے ۔ اپنے قیام کے بعد سے ہی ہماری ایسوسی ایشن نے سماجی طور پر ذمہ دار تنظیم کی حیثیت سے دو طرفہ خدمات انجام دینے کا کام شروع کر دیا ۔ ایک کام تو یہ تھا کہ جمہوری حقوق اور انفرادی آزادی کو از سر نو قائم کیا جائے اور انہیں فروغ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ ہماری قومی ثقافت کے عظیم میراث کو تباہ کرنے کی سازش کو ناکام بنا دیا جائے اور سماجی ۔ ثقافتی میدان میں صحت مند زندگی کو بحال کیا جائے ۔

گیارہ سال کے طویل سفر کرنے کے بعد ہم اعتقاد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی کوششوں میں کچھ حد تک کامیاب ہوئے اور ہم لوگ ابھی بھی اپنے کام سے منسلک ہیں ۔ لیکن جب تک کہ پورے معاشی نظام میں تبدیلی نہ لائی جائے گی اس وقت تک خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنی ممکن نہیں ۔ نیز ایک بڑے سماج میں صحتمند ثقافتی بیداری کی تعمیر کے لئے تحریک کو کافی لمبے عرصے تک جاری رکھنا پڑے گا ۔ ہماری تنظیمی کامیابی کا انحصار ثقافتی تحریک کو راہ راست پر قائم رکھنے کے سلسلہ میں ہماری تائید پر ہے ۔

سوال :۔ آپ لوگوں نے ایک خشک سالی امداد کمیٹی قائم کی تھی ۔ ثقافتی میدان میں وحدت کو برقرار رکھنے میں اس نے کتنی کامیابی حاصل کی ہے ۔ اس کی بابت آپ کی کیا رائے ہے ؟

جواب :۔ تمام سطحوں پر ثقافتی کارکنندگان نے ۷ نومبر ۱۹۸۲ء کو مغربی بنگال میں خشک سالی امداد کمیٹیاں قائم کی گئیں یہ ثقافتی کارکنندگان ـــ کسان اور مزدور سبھی جد و جہد کرنے والے عوام ہیں ۔ منتظموں میں ـــ ڈیموکریٹک رائٹرس آرٹسٹس ایسوسی ایشن ایک ناظم ہے ۔ فرائض کی ادائیگی کے لحاظ سے کمیٹی ۱۹۷۸ء میں قائم کردہ سیلاب امداد کمیٹی ـــ سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے ۔ اس خشک سالی امداد کمیٹی نے خدمات کی انوکھی مثال قائم کی ۔ اسے سات مہینوں کے عرصہ میں بہت سارے پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا ۔ بہت سارے ادیبوں' آرٹسٹوں اور عالموں اور ثقافتی تنظیموں کو اپنے جھنڈے تلے لایا ۔ قدرتی حادثوں سے لوگوں کو بچانے کے لئے ثقافتی کارکنندگان کی مسلسل کوششوں کی اور کہیں مثال نہیں ملتی ۔ اس سے قبل کوئی اتنی رقم فنڈ میں اکٹھا نہ کر سکا ۔ نہ صرف عظیم تر شہر کلکتہ میں' بلکہ اضلاع میں کسی بھی عارضی کمیٹی نے اتنے موثر طور پر

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

قومی تعلیم کے مسائل



از۔ نرمل بوس، وزیر شعبۂ تعاون، حکومت مغربی بنگال

ہماری قومی تعمیر کے پروگرام میں سب سے اہم خامی یہ ہے کہ ہم نے تعلیم کو بہت ہی کم اہمیت دی ہے۔ درحقیقت اعلیٰ و اولیٰ ترجیح کی بات تو چھوڑ دیئے ہم لوگوں نے تعلیم کو اہمیت ہی نہیں دی۔ اگر ہم تعلیم سے غفلت برتیں تو ہم زراعت اور صنعت میں کوئی خاص ترقی نہیں کر سکیں گے، حالانکہ ہم لوگوں نے اپنے پنج سالہ منصوبوں میں صنعت و تعلیم کو کافی اہمیت دی ہے۔ زراعت اور صنعت کی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ بچوں کے لئے ابتدائی تعلیم کو اور پیداوار سے وابستہ دیگر پروگراموں کیلئے تکنیکی تعلیم کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ مجھے اس بات سے خوشی حاصل ہوئی کہ ۶ اور ۷ جون ۱۹۸۲ء کو دہلی میں تعلیم کے مرکزی مشاورتی بورڈ کی نشست میں، جس کی صدارت مرکزی وزیر ریاست برائے تعلیم، مسز شیلا کول نے کی تھی، اس نقطہ کا احساس ہوا اور اس نشست میں یہ تجویز منظور ہوئی تھی کہ ساتویں پنج سالہ منصوبہ میں تعلیم کو اعلیٰ ترین ترجیح دی جانی چاہئے۔

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے آئندہ کے پنج سالہ منصوبہ میں تعلیم کو، جس کی تیاری کے لئے کام شروع کردیا [illegible] علیٰ ترجیح دی جائے تو اس کے لئے چند باتوں کو پورا کرنا لازمی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تعلیم کے حق کو دستور ہند میں شہریوں کے بنیادی حقوق میں شامل کرنا چاہئے اور اس مقصد کیلئے دستور میں مناسب ترمیم لائی چاہئے۔ دوسری یہ کہ تعلیم کو ساتویں پنج سالہ منصوبہ میں ایک اہم مد کی حیثیت دی جانی چاہئے یعنی منصوبہ کے اہم مقاصد میں تعلیم کو بھی شامل کرنا چاہئے اور منصوبہ میں اس مد کے تحت کافی اخراجات کی گنجائش رکھی چاہئے۔ تیسری یہ کہ اس ملک کی تمام حکومتوں کو، مرکزی اور ریاستی تعلیم کی مد پر زیادہ خرچ کرنا چاہیئے۔ اب بہت ساری ریاستیں تعلیم کے لئے اپنی بجٹوں میں زیادہ سے زیادہ رقوم مخصوص کر رہی ہیں ـــ مغربی بنگال میں یہ ۲۲ فیصد ہے اور کیرالا میں ۴۱ء۱ فیصد۔ لیکن مرکزی حکومت تعلیم کے لئے بہت ہی کم خرچ کر رہی ہے اور سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ مرکزی بجٹ میں تعلیم کی مد پر مختص رقم میں سال بہ سال کمی ہوتی جا رہی ہے۔ ۸۳-۱۹۸۲ء کے لئے مرکز کا بجٹ تو ۲۸۰۰۰ کروڑ روپے کا تھا لیکن اس میں تعلیم کی مد پر صرف ۳۴۰ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی۔ پھر ۸۴-۱۹۸۳ء کا مرکزی بجٹ ۳۵۰۰۰ ہزار کروڑ روپے کا ہے لیکن اس میں صرف ۳۴۶ کروڑ روپے تعلیم کے لئے مختص کئے گئے۔ فی صد کے لحاظ سے یہ تو ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ اس لئے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ مرکزی بجٹ میں کم از کم ۱۰ فیصد رقم تعلیم کے لئے مختص کی جانی چاہئے۔ عرصہ قبل، کھیر کمیٹی نے بھی یہی سفارش کی تھی۔

یوں تو ریاستی حکومتیں اپنے وسائل کے ذریعہ تعلیم کے لئے کافی رقوم خرچ کرتی ہیں لیکن اس کے علاوہ اگر ان پر یہ دباؤ ڈالا جائے کہ تعلیم کے لئے مزید نئے وسائل کی تلاش کی جائے تو یہ ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اگر درحقیقت ہماری خواہش ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم کے میدان میں کچھ بہتری ہو تو ان کے لئے اس تعلیم پر زیادہ رقوم خرچ کرنے کے لئے مرکزی حکومت کو آگے آنا چاہئے۔

اعلیٰ تر تعلیم کے میدان میں بھی ریاستوں کے لئے مرکزی حکومت نہایت ہی ناکافی امداد فراہم کرتی ہے۔ ملک میں یونیورسٹیوں کے لئے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے دی گئی مالی امداد کی رقوم میں سے ۸۰ فیصد رقوم تو صرف سات مرکزی یونیورسٹیوں کے لئے مختص ہوتی ہیں اور ۲۰ فیصد رقم باقی ۱۱۰ ریاستی یونیورسٹیوں کے لئے ہوتی ہیں۔ اس صورت حال کو بالکل برعکس

کر دینا چاہئے اور یو جی سی کو ریاستی یونیورسٹیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقوم بطور امداد فراہم کرنی چاہئیں۔

اس بات پر صحیح طور پر زور دیا گیا ہے کہ تعلیم کی بابت ہماری پالیسی میں خاص طور پر بچوں کے لئے ابتدائی تعلیم اور ملک سے بالغوں کی جہالت کو دور کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ان دونوں پروگراموں کے لئے ۱۹۹۰ء کو نشانہ کا سال مقرر کیا گیا ہے۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس ملک کے سبھی لوگ خاص طور پر اساتذہ اس فرض کو بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ انجام دیں گے۔ حکومتوں کے لئے بذات خود ان نشانوں تک پہونچنا ممکن نہیں ہے اور اس میدان میں خدمات انجام دینے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں رضاکار اداروں کو آگے بڑھنا چاہئے۔ مثال کے طور پر مضافاتی علاقوں میں ابتدائی زرعی کوآپریٹو سوسائٹیوں کو تعلیم بالغان کے پروگرام میں بڑھ کر حصہ لینا چاہئے اور انہیں رضاکار تنظیموں کی حیثیت دی جانی چاہئے۔

ابتدائی تعلیم کی بنیاد کے مستحکم ہونے کے بعد ثانوی اور اعلیٰ تر تعلیم پر اور بھی زیادہ دباؤ پڑے گا۔ بدقسمتی سے ہم ابھی اس میدان میں طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مطالبات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر ہم اوسط درجے کے طلباء کی اعلیٰ تر تعلیم کے میدان میں بھیڑ بھاڑ کو کم کرنا چاہیں تو اس کیلئے یہ ضروری ہے جب ایسے طلباء دس یا بارہ جماعت تک اسکول کی تعلیم حاصل کرلیں تو انہیں بامعنی پیشہ ورانہ تعلیم دی جائے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ تعلیمی میدان میں پیشہ ورانہ تعلیم کے لئے ہم نے ابتک خاطرخواہ اقدامات نہیں کئے۔ ہمیں نہ صرف پیشہ ورانہ تعلیم کا انتظام کرنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کے لئے نفع بخش روزگار کے مواقع بھی فراہم کرنے چاہئیں۔

میں یو جی سی کے اس نظریے سے متفق ہوں کہ ملک میں یونیورسٹیوں اور کالجوں کی تعداد میں اب مزید اضافہ نہ ہونا چاہئے۔ ہمیں گھر بیٹھے مراسلت کے ذریعہ تعلیم اور کھلی یونیورسٹی نظام پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ مجھے اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ ہمارے ملک میں اپنی نوعیت کی پہلی یونیورسٹی یعنی آندھرا پردیش کھلی یونیورسٹی نے اپنا کام شروع کردیا ہے۔

ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات اور افتراقیت کی تحریکوں کے پیش نظر ہماری تعلیم میں قومی یکجہتی کے سوال کو اور بھی زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے۔ بدقسمتی سے تقریباً ہر جگہ لڑکے اور لڑکیاں افتراقیت کی شکار بنتی ہیں۔ اگرچہ یہ مسئلہ بنیادی طور پر معاشی نوعیت کا ہے تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم تعلیم کے ذریعہ اپنے طلباء کے دل و دماغ میں قومی یکجہتی کے تصور کو اجاگر نہ کرسکے۔ اب بھی ایسی کتابیں خاص طور پر تاریخ کی کتابیں ہیں جو فرقہ واریت یا افتراقیت سے آزاد نہیں ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ تاریخ اور دیگر موضوعات کی نصابی کتابوں میں ہماری آزادی کی تحریکوں کی، جیسی نیتاجی سبھاش چندر بوس کی سربراہی میں آئی این اے کا کردار، آر آئی این بغاوت، جہاں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور اینگلو انڈینوں نے بھی اپنے مادر وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کردی اور قربانیاں دیں حالانکہ اس دوران برٹش حکام کے اکسانے پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی فسادات بھڑک گئے تھے، کی شاندار مثالیں پیش کی جانی چاہئیں۔ یہ بہت ہی نامعقول بات ہے کہ ہمارے سیکولر دستور نافذ ہونے کے ۳۲ ویں سال کے بعد بھی ہم آج ملک میں ایک ہندو یونیورسٹی اور ایک مسلمان یونیورسٹی کو سرکاری خرچ پر چلا رہے ہیں۔ میری یہ تجویز ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی کا نام بدل کر سرسید احمد خاں یونیورسٹی اور بنارس ہندو یونیورسٹی کا نام بدل کر مدن موہن مالویہ یونیورسٹی رکھ دیا جائے۔ اس سے قومی یکجہتی کے کام میں یقیناً مدد ملے گی۔

تمام طلباء کے لئے نیشنل سروس اسکیم کو لازمی قرار دینا چاہئے اور اسے کسی نہ کسی شکل میں کم از کم گریجویٹ سطح تک طلباء کے امتحانات کے نتائج کے ساتھ منسلک کر دینا چاہئے۔ طلباء کے مختلف اقسام کے قومی تعمیراتی پروگراموں میں جیسے ابتدائی تعلیم کی توسیع، بالغوں کی جہالت کو دور کرنا، خاندانی منصوبہ بندی کا صحت عامہ خدمات، دیہی سڑکوں کی تعمیر، تالابوں کی کھدائی یا ازسرنو کھدائی اور اس طرح کے دیگر سرگرمیوں سے منسلک کر دینا چاہئے۔ اس سے طلباء کو خود ان کی اخلاقی تعمیر کے کام میں مدد ملے گی نیز ساتھ ہی ہمارے قومی تعمیر کے پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے کام میں تیزی پیدا ہو جائے گی۔

میں اس بات کی پرزور سفارش کرتا ہوں کہ دستور ہند کی ریاستی فہرست میں تعلیم کو واپس لایا جائے۔ جب دستور ساز اسمبلی دستور تیار کر رہی تھی تو اس وقت اس موضوع پر کافی بحث و مباحثہ ہوا تھا کہ تعلیم کو مرکزی فہرست میں رکھنا چاہئے یا ریاستی فہرست میں یا مشترکہ فہرست میں۔ اس نقطہ کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کرنے کے بعد ہمارے ہر دلعزیز رہنماؤں نے جیسے نہرو، پٹیل، آزاد اور امبیدکر نے اپنی اجتماعی دوراندیشی سے یہ فیصلہ کیا کہ تعلیم کو ریاستی فہرست میں ہونا چاہئے۔ اسی دستور ساز اسمبلی میں دستور ترتیب کرنے والی کمیٹی کی طرف سے شری کرشنم اچاری نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر تعلیم کو

ریا[illegible] موضوع بنا دیا جائے تو اس کے لئے مالی سہولتوں کی فراہمی میں کمی نہ ہوگی۔ مرکزی حکومت ریاستوں کو تعلیم کے لئے کافی مالی امداد فراہم کرے گی۔ یہ تو صرف ۱۹۷۶ء کی بات ہے جب دستور کی ۴۲ ویں ترمیم کے ذریعہ تعلیم کو مشترکہ فہرست میں شامل کر دیا گیا اور اس طرح تعلیم کے میدان میں مرکز کو کافی اختیارات حاصل ہو گئے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی کہ سارے ملک میں تعلیم کے مساوی معیار کو برقرار رکھنا چاہئے۔ اس کے لئے دیگر کارکنوں کو بھی ہیں۔ ساری دنیا میں کسی بھی جگہ جہاں جاگیردارانہ یا نیم جاگیردارانہ حکومت قائم ہے تعلیم کو یا ثقافتی اہمیت کے کسی بھی موضوع کو مرکزی یا مشترکہ فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ پھر یہ امید بھی بر نہ آئی کہ تعلیم کو مشترکہ فہرست میں شامل کرنے کے بعد مرکزی حکومت تعلیم کی مد پر بہت زیادہ رقوم خرچ کرے گی۔ جب بہت ساری ریاستوں کی اور خاص طور پر جنوب کی ریاستوں کا یہ زبردست مطالبہ ہے کہ ریاستوں کو اور بھی زیادہ اختیارات دئے جائیں۔ تعلیم کو ریاستی فہرست میں دوبارہ شامل کر لینا چاہئے۔ مجھے امید ہے کہ سرکاریہ کمیشن اس بات کا خیال رکھے گا۔

یہ تو خاص طور پر اساتذہ کی کانفرنس ہے اور اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ یہاں کے مقرر اساتذہ کے مسائل کی بابت ہی کچھ کہیں گے لیکن جیسا کہ میں آپ لوگوں کو پہلے بتا چکا ہوں کہ جب میں ہندوستان میں اساتذہ کی حیثیت کی بابت کچھ بولوں گا تو اس وقت میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالوں گا۔ بہر حال میں آپ کی اجازت سے اساتذہ کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اساتذہ کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں پوری تعلیمی آزادی حاصل ہونی چاہئے یعنی حکومت، سیاسی پارٹیوں، مذہبی جماعتوں، کاروباری اداروں اور دیگر اداروں کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہ ہونی چاہئے اور اساتذہ آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ اگرچہ ایک یونیورسٹی یا ابتدائی یا ثانوی تعلیم کے بورڈ یا اسی طرح کے دیگر اداروں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ مالیاتی امور میں بھی آزادی کی مانگ کریں کیونکہ تعلیم کے لئے رقم تو خاص طور پر حکومت ہی فراہم کرتی ہے اور حکومت کو اس اقدام کے لئے قانون ساز اسمبلی کے ممبروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ یونیورسٹیوں اور بورڈوں میں تعلیمی امور میں مکمل آزادی نہیں ملنی چاہئے۔ نصاب کی تیاری، تعلیم دینے کے کام کاج، امتحان منعقد کرنے، طلباء کے جوابات کو جانچ کرنے اور نتائج کی اشاعت کرنے کے کام میں اساتذہ پر کسی قسم کا بیرونی

دباؤ نہیں ڈالنا چاہئے۔ اگر ایسے کام کاج میں باہر سے کسی قسم کی بھی مداخلت ہوئی تو ہم سب اساتذہ ایک ہو کر اس کی مخالفت کریں گے۔

تمام درجوں کے ٹیچروں کی تنظیموں کو ہمارے ملک میں تعلیم کی بابت پالیسیاں مرتب کرنے کے وقت کے لئے کہنے سننے کے لئے کا حق دینا چاہئے اور تعلیم کے طرز کی تشکیل کے لئے انہیں ایک طاقت کی طرح تسلیم کرنا چاہئے وہ صرف اساتذہ۔ ممبروں کے لئے صرف ٹریڈ یونین نہیں ہیں بلکہ وہ سب آج تعلیم کے مسائل پر گفت و شنید میں مشغول ہیں اور اس موضوع پر ان کے خیالات اور نظریے کو کافی اہمیت دی جانی چاہئے۔

(بقیہ ہندوستان کی آزادی اور وفاقی نظام سیاست)

فرقوں اور اور ثقافتی جماعتوں کو پھلنے پھولنے کا، خواہ محدود حد تک کیوں نہ ہو، مواقع فراہم ہوں، ایک لمبی جدوجہد شروع کی جائے اور تمام بائیں خیالات کے لوگوں کو اس جدوجہد میں سربراہی لینے کی ضرورت ہے۔ اس میدان میں بلاشبہ مغربی بنگال کو ایک نمایاں کردار ادا کرنا ہے۔

موجودہ مرکز۔ ریاست تعلقات کی ازسر نو ترتیب کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ریاستوں کو اور بھی زیادہ خود اختیاری اور اختیارات دینے سے عوام کے بنیادی مسائل حل نہیں ہوں گے۔ یہ تو صرف سماجی انقلاب کے ذریعہ، جو سماج کے موجودہ طبقاتی صورت کو بدل دے گا، ہم منزل مقصود کی طرف آگے بڑھ سکتے ہیں۔ [redacted]

(بقیہ قاضی نذر الاسلام)

نذرل گیتی بھی سنائی دیتی۔

۹ر جولائی، ۱۹۴۲ء کو شاعر بیمار پڑ گئے۔ اس بیماری سے ان کی زبان بند ہو گئی۔ قوت گویائی چلی گئی۔ علاج معالجہ سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار ۲۹ر اگست، ۱۹۷۶ء کو ڈھاکہ میں آپ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ حکومت ہند نے ان کی زندگی کے آخری چند سالوں کے لئے انہیں ڈھاکہ میں بھیجا تھا۔ اس سلسلہ میں حکومت ہند کو بہت ساری تنقیدوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لوگ انہیں ہندوستان میں واپس لانا چاہتے تھے۔ لیکن مرکزی حکومت کے کان میں جوں تک نہ رینگی اور انہیں ہندوستان میں واپس لانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

قاضی نذر الاسلام کو ڈھاکہ میں دفن کر دیا گیا۔



شری بی۔ڈی۔پانڈے، گورنر، مغربی بنگال ۳ راگست ۱۹۸۲ء کو نیتاجی سبھاس چندر بوس کی زندگی اور کارناموں کی تصویری نمائش کا معائنہ کرتے ہوئے۔ گورنر نے سرت بوس اکیڈمی کلکتہ میں اسی دن اس نمائش کا افتتاح کیا۔

Regd. No. WB/CC-82
Vol.30 , No. 17

MAGHREBI BENGAL
1st SEPTEMBER

ہمارا یوم آزادی کا عہد



اپنی آزادی کے ۳۶ ویں سالگرہ کے موقع پر ہم ان شہیدوں اور بے شمار عوام کو با احترام خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنی لگاتار جد و جہد، خونریزی اور قربانی سے لوگوں کیلئے اپنے ملک کی تقدیر کی صورت گری کرنے کا حق حاصل کیا۔ مگر ہمارا یہ دلی مقصد کہ پورا ہونا ابھی باقی ہے کہ اس آزادی کو ایسے سماجی نظام کی تعمیر کا ذریعہ بنایا جائے جو استحصال، گروہی اور مفاد پرست قوتوں سے پاک ہو۔ ہمارے ملک کے کئی حصوں میں انتشار پسند قوتیں سرگرم ہیں جو علاقائی، مذہبی، نسلی، ذات برادری کے اور فرقہ وارانہ مطالبات کے ذریعہ ہمارے ملک کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتی ہے۔

مغربی بنگال کی بائیں محاذ کی حکومت ہمیشہ عوام کے جمہوری حقوق کی حفاظت کرنے اور ان کی زندگی کو بہتر کرنے کی غرض سے استحصال پسندوں کے خلاف جد و جہد میں ان کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمارے قومی اتحاد کے اصول پر عمل کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ مغربی بنگال علاقائی، فرقہ وارانہ اور ذات برادریوں کے جھگڑوں کی مصیبت سے محفوظ ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے ہمارے عوام کی لگاتار چوکسی اور پرخلوص کوشش ہی قوم کی یکجہتی، اتحاد اور اجتماعیت کی حفاظت کرے گی۔ اس مبارک موقع پر ہم اپنے لوگوں پر اپنے بھروسے کی یقین دہانی کرتے ہیں۔

حکومت مغربی بنگال

Editor : D. N. Dutta, Associate : Md. Azam, Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and Printed by IMPRESSIVE IMPRESION 10, Dr. Kartick Bose Street, Calcutta-700 009.

مغربی بنگال

یکم نومبر سنہ ۱۹۸۳ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ

مدیر : دھریندرا ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۰ یکم نومبر ۱۹۸۳ء - شمارہ ۲۰

شرح خریداری

فی پرچہ ــــــ بارہ ۱۲ پیسے

سالانہ ــــــ تین روپے



وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو ... کرتے ہوئے اور ... منعقدہ ... پولیس کا افتتاح

جدید صحافت

عوام کی جدوجہد کا ہتھیار

از
ای ایم ایس
نمبودری پد

جدید صحافت کا دور ہندستان میں تقریباً دو صدی قبل شروع ہوا۔ اسوقت ملک میں نئے برطانوی حکمرانوں نے ہندستان کی صدیوں پرانی تہذیب اور ثقافت کے خلاف جدوجہد میں اور اس ملک میں اپنے سیاسی اقتدار کو مستحکم بنانے کیلئے صحافت کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے سارے ملک میں ریلوے کا جال بچھا دیا۔ جگہ جگہ تعلیمی ادارے قائم کئے۔ روشن خیال ہندستانی لوگوں کی ایک نئی نسل تیار کی۔ چھاپے خانے کے قیام سے برٹش حکام کو ان مستحکم اداروں اور ان تصورات کو، جنہیں قرون وسطیٰ کی ہندستانی تہذیب کی بنیاد کہا جاتا ہے، مسمار کرنے میں کافی مدد ملی۔ پریس سے انہیں مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے نمونے کے طور پر ایک نئے ہندستان کی تعمیر میں مدد ملی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندستان کے لوگوں کو سیاسی آزادی نہیں دی گئی، حالانکہ مغربی ملکوں کے لوگوں نے جاگیردارانہ نظام کیخلاف اپنی بہادرانہ جدوجہد کے ذریعہ سیاسی آزادی حاصل کی تھی۔

شروع شروع میں ہندستانی صحافت کو دو طاقتوں کا، جو ملک کے نئے برٹش حکمرانوں کے معاشی اور سیاسی مقاصد کی راہ میں حائل تھیں، مقابلہ کرنا پڑا۔ پہلی بات یہ کہ ہندستانی سماج کے عرصہ دراز تصورات اور ادارے ـــ خاص طور پر ہندو تصورات، ساتھ ہی کچھ حد تک اسی طرح کے تصورات اور مذہبی اداروں کو جنہیں اکھاڑ پھینکنا ضروری تھا کیونکہ [illegible] کی ثقافت اور جدید سوسائٹی [illegible] بنا [illegible] تعلیم، پریس وغیرہ سے اس ملک کے لوگوں [illegible] کو مضبوط بنانا تھا۔

تو ہندستان کے عوام کے درمیان اجاگر ہونے والی سیاسی آزادی اور جمہوریت کیلئے خواہشات کو دبانا ضروری ہے۔

کتابیں جو شائع کی گئیں، رسالے جو نکالے گئے اور سینکڑوں ادیب اور صحافی جو انگریزوں کے زیر تسلط بورژوائی خیالات کی اشاعت کیلئے ان ذرائع کو پیدا کرنے اور انہیں فروغ دینے کے کام میں شامل ہو گئے وہ سب غیر ملکی حکمرانوں کی اس کوشش میں کہ ہندستان کو تحتی میں رکھا جائے، ان کے ہاتھوں کے ہتھیار تھے۔

لیکن یہی ادارے آگے چل کر بالکل بدل گئے اور جس سمت میں ان لوگوں نے چلنا شروع کیا تھا اب ٹھیک اس کی مخالف سمت میں چلنا شروع کر دیا۔ تعلیم یافتہ گھرانوں کی نئی نسل نے انگریزوں کے زیر اختیار اسکولوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی۔ سرکاری سرپرستی میں کتابیں اور رسالے شائع کئے گئے۔ ان مطبوعات کی اشاعت کے لئے ادیبوں اور صحافیوں کو برسر روزگار بنا دیا گیا لیکن آہستہ آہستہ یہ تمام انگریز حکام کے مخالف بن گئے، حالانکہ انگریز حکام نے ہی اپنی سیاسی، انتظامی سہولتوں کے لئے انہیں اتنی سہولتیں فراہم کی تھیں۔

انیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ہی ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جس نے ہندستان کو جدید راہ پر گامزن کرنے کی انگریز حکمرانوں کی کوششوں کو سراہتے ہوئے انگریزوں سے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا کہ اس تجدید کاری میں سیاسی آزادی اور جمہوریت کو شامل نہیں کیا گیا۔

اس روشن خیال طبقہ کی پہلی نسل [illegible] اصلاح اور ثقافتی جدت کی سرگرمیوں میں اتنی مشغول رہی کہ وہ سیاسی آزادی اور جمہوریت

کیلئے اپنی دلی خواہشات کا اظہار کرنے لگے۔ ابھی نئی نسل کے سینے میں
[illegible] کے بعد [illegible] کیا جا سکتا [illegible]
[illegible]
[illegible] جذبات کا اظہار نہیں [illegible]
میں ہندوستان [illegible] تھی۔ [illegible] کے
ام میں ناموافق [illegible] اس کام میں غیر [illegible]
[illegible] تھے۔

پھر کچھ عرصہ بعد ایک نئی نسل رونما ہوئی جس نے سیاسی ثقافتی
[illegible] کاری کی خواہشات کو معاشی تعمیر، سیاسی آزادی اور جمہوریت کے
[illegible] تمناؤں سے وابستہ کر دیا۔ اس نسل کے اہم اہم ممبروں نے اپنی [illegible]
[illegible] کے ذریعہ قوم اور ملک کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اس دور کے
[illegible] دادا بھائی نوروزی، رمیش چندر دت
اور دیگر لوگوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ انگریز حکام کے ہاتھوں ہندوستانی
[illegible] کی لوٹ کھسوٹ کو عیاں کیا۔ گرچہ وہ انگریز حکمرانوں کے [illegible] تھے تاہم ان
[illegible] نے یہ باتیں [illegible] عیاں کر دیں کہ انگریز حکمرانوں نے لوٹ
کھسوٹ کے ذریعہ ہندوستان کے فنکاروں، کسانوں، مزدوروں اور محنت
کش طبقے کے دیگر لوگوں کو کتنا نقصان پہونچایا۔ اس لوٹ کو انہوں
نے غیر برطانوی کہا۔

معاشی تجزیہ سے یہ مرکزی سیاسی مانگ ظاہر ہوئی کہ ہندوستان
کے لئے ویسے ہی اداروں کی ضرورت ہے، جیسے کہ انگلینڈ میں ہیں تاکہ جو
لوگ ملک کے امور کی دیکھ بھال کرتے ہیں، انہیں عوام کے نمائندوں کے
کنٹرول اور نگرانی میں رکھا جائے۔

جیسے جیسے ان خیالات کو تقویت حاصل ہوتی گئی ویسے ویسے
ترقی کی راہ پر گامزن ہندوستانی پریس میں انکی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع
کر دیا گیا۔ اب انگریز حکام نے یہ دیکھا کہ جن اداروں کی انہوں نے تقریباً ایک
صدی قبل تشکیل کی آج وہی ایسے ہتھیار بن گئے جنہیں ان لوگوں کے خلاف
استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانی پریس کی سرگرمیوں کو زیر لگام کرنے
کیلئے عملی اور قانونی اقدامات کئے گئے۔ انیسویں صدی کی آخری دہائی میں
ہندوستانی پریس پر ایسے حملوں کا سلسلہ دیکھا اور اسکی وجہ سے انگریز حکام

کے خلاف سیاسی سرگرمیوں اور شورش [illegible]
[illegible] اشاعت [illegible] کے چند لوگوں نے [illegible]
[illegible]
[illegible] کی نسل کے لوگوں کی [illegible]
[illegible] انتہا پسند صحافی [illegible] تلک [illegible] وغیرہ تو انہی نے
[illegible] چند [illegible]
[illegible]

اس صورتحال کا مقابلہ کرنے میں ضلع اور ریاست کے سرکاری
حکام نے نہایت نا اہلی کا ثبوت دیا۔ اگرکار، تلک اور دیگر صحافیوں نے
حکام کے [illegible] کی اپنے اپنے اخباروں میں سخت تنقید کی۔ [illegible]
لوگوں کی مشکلات اور شکایتوں کی پریس کے ذریعہ اشاعت نے ان صحافیوں
کو [illegible] کو قریب لا کر کھڑا کر دیا۔ ضابطہ پرست افسران ان صحافیوں
سے بہت ناراض ہوئے اور انہوں نے ان صحافیوں پر جو پریس کو مذکورہ بالا
مقصد کے لئے استعمال کیا کرتے تھے عوام کی طرفداری کرنے کا جرم
عائد کر دیا۔ انگریزوں کی حکومت نے ان کے خلاف قانونی کارروائی کی انہیں
قیدخانہ میں ڈال دیا اور اس طرح کے دیگر اقدامات کئے۔
مقامی حکام کی سخت [illegible] کو عیاں کرنا پہلا قدم تھا۔
اس کے بعد ہندوستانی ثقافت [illegible] بڑھی اور انہوں نے [illegible] سیاسی نظریے
اور مطالبات مرتب کرنا شروع کر دئے۔ اس کے بعد بیسویں صدی کے شروع
میں تلک نے بانگ دہل یہ اعلان کیا۔ "سوراج میرا پیدائشی حق ہے میں
اسے ضرور حاصل کروں گا" اس کے لئے تلک کو بہت بڑی قیمت ادا
کرنی پڑی۔ ان کے خلاف عدالتی کارروائی کی گئی اور انہیں چھ سال کی سزا
دی گئی، ساتھ ہی رنگون میں انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ انکی انتہا پسند سیاسی
تحریک میں شامل ان کے ساتھیوں کو بھی اپنی [illegible] سرگرمیوں کیلئے قید، [illegible]،
جلاوطنی کی سزا بھگتنی پڑی۔

اسے ہندوستان میں جدید صحافت کی ترقی کا [illegible]
کہا جا سکتا ہے اور یہیں سے انتہا پسند سیاسی صحافت کی ابتدا ہوتی
ہے۔ بلاشبہ تلک کو ہندوستان میں انتہا پسند [illegible] علمبردار
کہا جا سکتا ہے لیکن ان کے بعد بہت سارے [illegible] قدم

[illegible] سیاسی نظریہ کو
پہنچایا ... جو ... کے نظریہ سے مختلف تھا۔ اس کے باوجود بھی
... کے مرہون منت ہیں کہ انہوں نے جابر انگریزی حکومت کے
خلاف جد و جہد میں قلم کا بہت ہی بیباکی کے ساتھ استعمال کیا۔
یہاں ... سیاسی صحافت کا ذکر کرنا ضروری نہیں
... ہاتھوں ایک زبردست
ہتھیار کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ یہاں یہ ذکر کرنا کافی ہے کہ بمبئی کے مزدوروں
نے خود کو تلک اور انکی سیاسی سرگرمیوں سے وابستہ کر دیا اور انکی
گرفتاری اور قید کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ہڑتال کی۔ ہندوستان
میں محنت کش طبقہ کی تحریک اور آزادی کیلئے یہ ہڑتال بہت دور رس
اہمیت کی حامل ہے۔ لینن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ تو اس کے بعد کی
نسلوں کے انتہا پسند سیاسی صحافیوں کو لاکھوں محنت کش لوگوں کی ہمدردی کا
... تائید حاصل ہوئی۔

جیسے جیسے انتہا پسند سیاسی صحافت ترقی کرتی گئی، ویسے
ویسے اس منظر میں ایک بہت اہم خصوصیت کی تصویر ابھری یعنی نہ صرف
ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں مزدور اور محنت کش طبقہ کے مسائل کو
اجاگر کرنے اور ان کے حل کیلئے بہت سارے رسائل اور جریدے اور
اخبارات شائع ہونے لگے۔ انگلینڈ اور دیگر سرمایہ دار ملکوں میں مزدور اور
اشتراکی تحریکیں، مارکس، لینن اور دیگر انقلابی مفکروں کا ان تحریکوں پر اثر،
روس، چین، آئرلینڈ اور دیگر ملکوں میں بغاوت اور انقلاب کا رونما ہونا۔
ان تمام واقعات نے ہندوستانی انقلابیوں کے دلوں کو ہلا دیا اور انہوں نے
مختلف مضمونوں میں اپنے دلی احساسات کا اظہار کیا، جس میں انتہا پسند
سیاسی ... ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بیسویں صدی کے اوائل میں
... اور ... مارکس کی سوانح حیات کی اشاعت، روسی، چینی،
... آئرلینڈ کے انقلابیوں کو دئے گئے خوش آمدید" انتہا پسند پریس
کی ... اشاعت، عالمی واقعات کا ہندوستانی انقلابیوں پر
اثر ان تمام ... کے اوائل برسوں میں ایک پرولتاری انقلابی پریس
کی تشکیل کا بنیاد ڈالا۔
بلاشبہ ... انقلابی تحریک کی افزائش، ساتھ ہی

ایسی تحریک پر عالمی انقلابی طریقہ کار کا اثر، ان دونوں کی وجہ سے پرولتاری
انقلابی پریس عالم وجود میں آیا۔ اس انقلابی پریس کی شروعات تو بہت ہی
... سادے طریقے سے ہوئی لیکن اس پریس نے سوشلزم اور کمیونزم
کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور تنظیموں کو جو ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں یکجا کرنے
میں مدد کی اور یہ ملک میں انتہا پسند سیاسی تحریک اور عالمی انقلابی تحریک
کے رشتے کو مستحکم بنانے میں معاون ثابت ہوا۔ ملکی انتہا پسند سیاسی
تحریک کو منظم سوشلسٹ، کمیونسٹ یا دیگر انقلابی پارٹیوں کی شکل میں منظم
کرنے اور مستحکم بنانے کی کوششیں انتہا پسند سیاسی طاقتوں کی مزید
افزائش اور ترقی میں معاون ثابت ہوئیں۔
ملک کی وسعت کو اور اس کے کثیر مسائل کو پیش نظر
رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ منظم سوشلسٹ کمیونسٹ تحریکوں اور پارٹیوں
کی طرح آج ان کے پریس بھی نسبتاً کمزور ہیں۔ ایسے پریسوں میں اتنی سکت
نہیں ہے کہ وہ ان پریسوں کا، جنہیں صحیح طور پر اجارہ پریس کہتے ہیں، مقابلہ کر
سکے لیکن اس بات کو ریکارڈ میں درج کرنا چاہئے کہ جب سوشلسٹ۔
کمیونسٹ تحریکیں مستحکم ہو گئیں اور ملک کے بعض علاقوں میں ایک اہم طاقت
بن گئیں تو ان کی پارٹیوں نے اپنے اخبارات شائع کرنے شروع کر دئے اور یہ
اخبارات وقتاً فوقتاً متعدد رکاوٹوں کے باوجود آج متعدد ریاستوں میں
صحافتی زندگی کا ایک اہم جزو بن گئے۔
صرف سی پی آئی (ایم) ہی کی چھ ریاستوں میں اخبارات ہیں اور
یہ اخبارات کیرالا، تامل ناڈو، آندھرا پردیش، مغربی بنگال، تریپورہ اور پنجاب
ریاستی زبانوں میں شائع کئے جاتے ہیں۔
سی پی آئی کے بھی مذکورہ ریاستوں میں اور بہار اور دہلی میں
کی زبان ہندی ہے، اخبارات ہیں۔ ان کے علاوہ ان دونوں پارٹیوں کے سیا
ساتھ دیگر بائیں پارٹیاں بھی اخبارات، ہفتہ وار اور ماہانہ رسالے کتابیں
پمفلٹ وغیرہ شائع کرتی ہیں۔ ان باتوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے
بائیں پارٹیوں کی انتہا پسند سیاسی صحافت کی بنیاد اس ملک میں ...
ہو گئی ہے۔
ہندوستان میں بائیں پارٹیوں کے رسالے اور دیگر تصانیف
... اجارہ داروں کے پریس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ بلاشبہ سی پی آئی

تینوں ریاستوں میں مقبول عام پارٹی ہے اور اس نے دیگر پارٹیوں اور دیگر مخالف پارٹیوں کے ساتھ مل کر کانگریس کو انتخابات میں ایک سے زیادہ بار شکست دی لیکن ان ریاستوں میں موجودہ بائیں بازو کی جمہوری محاذوں اور حکومتوں کی مخالفت کرنے والے اخبارات اور رسالوں کی تعداد اشاعت سی پی آئی (ایم)، سی پی آئی اور دیگر پارٹیوں کے اخبارات اور رسالوں کی تعداد اشاعت سے بہت زیادہ ہے۔

عوام کی ہمدردی اور کثیر الاشاعت رسالوں کے سیاسی نقطۂ نظر کے درمیان اس وسیع فرق کی وجہ یہ ہے۔ رام موہن، نوروجی، راناڈے، اگرکار اور تلک، گاندھی اور نہرو اور سوشلسٹ — کمیونسٹ پریس کے بانیوں نے سماجی اصلاح، ثقافتی جدت، سیاسی آزادی، جمہوریت، محنت کش طبقہ، کسانوں اور استحصال کے شکار دیگر لوگوں کے دفاع کے لئے جنگ کے میدان عمل کی طرح صحافت کو اپنایا۔ دوسری طرف آج کا پریس جن کے زیر اختیار ہے، وہ سب اپنے اپنے اداروں کو ذاتی نفع کی خاطر نہ کہ عوام کی خدمت کے لئے چلا رہے ہیں۔

جس طرح دیگر کاروبار میں روپیہ لگایا جاتا ہے، اسی طرح بڑے بڑے مالدار افراد پریس میں بہت زیادہ سرمایہ لگاتے ہیں اور آج انہیں صرف اپنے سرمایہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے سے سروکار ہے۔ جس طرح وہ بینکوں، صنعتی اداروں، کھیتوں، باغات وغیرہ کو چلاتے ہیں، اسی طرح رسالے اور اخبارات کی اشاعت بھی ان کے لئے نفع سازی کا کاروبار ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ان بینکوں، کاروباری اور صنعتی اداروں کے مالکان ہی پریس کے مالک ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ سب مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی سیاسی صورتحال میں بھی دلچسپی لیتے ہیں اور اسی لئے وہ کبھی سیاسی پارٹیوں کی تائید کرتے ہیں تو کبھی انکی مخالفت کیونکہ ہر وقت وہ اپنے کاروبار کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح انگریز حکام نے تقریباً دو صدی قبل کیا تھا اسی طرح یہ بھی اپنے معاشی اور سیاسی اختیارات کو مستحکم بنانے کے لئے ایک ہتھیار کی طرح پریس کو بنیادی طور پر اپنے اختیارات میں رکھنا چاہتے ہیں۔

یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ آج کے چند اجارہ پریس، نصف صدی یا اس سے زیادہ عرصہ قبل مجاہدین آزادی کے ہاتھوں میں جدوجہد کرنے کے ہتھیار کے طور پر عالم وجود میں آئے اور اسی لئے آزادی سے قبل کے دنوں میں غیر ملکی حکام ان کی طرف سے خائف رہتے اور انہیں ہر ممکن طریقے سے پریشان کیا کرتے۔ اس زمانہ میں ایسے پریس کو اپنی بقا کیلئے شدید جدوجہد کرنی پڑتی۔ انکی آمدنی کے ذرائع بہت ہی محدود تھے اس لئے وہ اپنی آمدنی سے اپنے اخراجات پورے نہیں کر سکتے۔ سرکاری اشتہارات تو صرف انگریزوں کے فرمانبردار پریس کیلئے مخصوص تھے۔ اس کے ساتھ آزادی کی جدوجہد کے دنوں میں ایسے پریس کو وقتاً فوقتاً کثیر رقم بطور جرمانہ ادا کرنی پڑتی، ان کے ایڈیٹروں کو عدالتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے انکی بقا کا انحصار عوام کی ہمدردی اور تائید پر تھا اور اسوقت عوام ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے لیکن آزادی کی جدوجہد کے آخر کے دنوں میں ایسے پریس میں تبدیلی رونما ہونے لگی اور حصول آزادی کے بعد ایسے پریس مکمل طور پر تبدیل ہو گئے۔ ہم میں سے ان لوگوں کو، جنہوں نے ان اخبارات کو جب اپنی بقا کے لئے شدید جدوجہد میں مصروف عمل تھے، دیکھا تھا، یہ یاد ہوگا کہ یہ سب ایک طرح سے اس پریس کے ایک جز تھے جنہیں سوشلسٹ، کمیونسٹ اور دیگر بائیں پارٹیوں کی طرح برسر اقتدار طاقت کے ظلم کا سامنا کرنا پڑا۔ پریس پر حملہ کے خلاف آزاد پریس کیلئے جدوجہد نے صحافیوں اور تمام پارٹیوں کے مجاہدین آزادی اور دیگر محبان وطن کو متحد کر دیا۔

بائیں پارٹیوں کے انتہا پسند سیاسی پریس نے اپنی روایت برقرار رکھی اور اسی لئے آزادی کے بعد بھی انہیں ان دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا جن سے وہ آزادی کے قبل کے دنوں میں دوچار تھے۔ نیز سیاسی پریس کے غیر بائیں حصے نے بھی خود کو اس دوران بالکل تبدیل کر دیا اور وہ اب حکومت کی مخالفت کرنے کی بجائے حکومت کے گیت گانے والے بن گئے۔ منظم سیاسی تحریک میں بھی اس دوران جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، مذکورہ پریس کی تبدیلی بھی اسی کے عین مطابق ہے۔ تحریک کے اس حصے کو جس کا تعلق بائیں سے تھا اور جس نے بائیں کے کاز کو آگے بڑھانے کے کام پر گامزن رہنے کا فیصلہ کیا تھا، ملک کی آزادی کے بعد ملک کے نئے حکمرانوں نے بھی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ (۱۱) انکے نئے حکمران آزادی کی جدوجہد کے دوران بائیں لوگوں کے ساتھی تھے۔ (۱۲) تحریک کے دوسرے حصے نے خود کو

یا کم تبدیل کر لیا اور وہ ملک کے نئے حکمراں کے عتاب سے بچ گئے حالانکہ غیر ملکی حکمرانوں نے ان لوگوں کو آزادی کے قبل کے دنوں میں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ ان میں سے بہت سارے پریس نے عوام کے نام پر اپنے لئے اور اپنے عزیز و اقارب کیلئے کافی آمدنی کی۔ آزادی کی تحریک کی یہ تبدیلی یا یوں کہا جائے اس تحریک کا دو حصوں میں یعنی حکمراں طبقہ اور عام لوگ میں تقسیم کی جھلک پریس کی نوعیت اور خصوصیت میں تبدیلی سے ملتی ہے۔

موجودہ اجارہ پریس کے تمام حصے اس مد کے تحت نہیں آتے۔ ان میں سے بعض پریس تو ایسے ہیں جو آزادی کی جد و جہد کے دنوں میں انگریزوں کے حامی تھے اور ان میں سے چند پریس کا انتظام تو انگریزوں کے ہی ہاتھوں میں تھا۔ آزادی کی جد و جہد کے آخر کے دنوں میں ایسے پریس ہندوستان کے بڑے بڑے کاروباری اداروں نے خرید لیا۔ ایسے پریس بھی تھے جن کا [illegible] ست کوئی مالک نہ تھا اور جسے انگریز ہی چلایا کرتے تھے، جنہوں نے ایسے انداز فکر اپنایا جو آزادی کی تحریک میں انتہا پسند یا ترقی پسند کے خیالات کے بالکل مختلف تھے۔ اس بات کے پیش نظر کہ ان میں سے چند اخبارات نے جنہیں شروع شروع میں اپنی بقا کیلئے کافی جد و جہد کرنی پڑی اور جنہیں عام لوگوں کی مالی اور دیگر امداد پر کم و بیش انحصار کرنا پڑتا تھا، اب اجارہ پریس کی ایک شکل میں خود کو تبدیل کر دیا، یہ بات تعجب خیز نہیں کہ انگریزوں کے یا انگریزوں کے حامیوں کے پریس اب اجارہ پریس کے رکن بن گئے۔

آج محنت کش صحافی اجارہ پریس کے خلاف جد و جہد کر رہے ہیں۔ یہ تو آزادی کی جد و جہد کے دنوں میں انتہا پسند سیاسی پریس کی جد و جہد کا ایک جز ہے۔ سوشلسٹ۔ کمیونسٹ پریس نے، جو انتہا پسند سیاسی پریس کے ایک اہم جز تھا، محنت کش صحافی اور دیگر صحافیوں کے، جو اجارہ پریس کے مخالف ہیں، ساتھ تعاون کے سلسلہ کو جاری رکھا ہے۔

چند ناگزیر حالات کی وجہ سے "مغربی بنگال" کے شمارہ ۱۸ اور ۱۹ کی اشاعت نہ ہو سکی جس کا ہمیں بڑا افسوس ہے۔ (مدیر)

باقی صـ۱ کا

اور اہمیت سے واقف ہیں۔ یہ بات باعث مسرت ہے کہ اس ریاست کے باہر بھی بہت سارے لوگ ہمارے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہیں۔ وہ ہماری کارگذاریوں پر نظر رکھتے ہیں۔ انہیں اس بات کی امید ہو رہی ہے کہ وہ اپنی ریاستوں میں اسطرح کی صورتحال کا ہماری ریاست کے پروگرام جیسے مساوی پروگرام سے مقابلہ کر سکیں گے۔

اختتام سے قبل میں فرقہ پرستی، ذات پات کی تفریق وغیرہ جیسے مسائل کا ذکر کروں گا کیونکہ یہ مسائل بہت سی ریاستوں میں دائمی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

مغربی بنگال میں بائیں طاقتوں کے استحکام اور محنت کش طبقہ کسان، درمیانی درجہ کے لوگ، طلباء اور عورتوں کی صحت مند سیاسی تحریکوں کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ یہ ریاست ناپاک فرقہ پرستی سے پاک و صاف ہے۔ ہماری ریاست میں بہت ساری سہولتوں سے محروم لوگ جیسے ہریجن ابھی اپنے حقوق سے واقف ہیں اور وہ سب اپنے دیگر محنت کش بھائیوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر جد و جہد کر رہے ہیں۔

اب اس امر کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ امن و امان کی صورت حال کے لحاظ سے مغربی بنگال سارے ملک میں بہت ہی مستحکم ریاست ہے یہاں شہری علاقوں میں اور دیہی علاقوں میں حسب معمول طریقہ سے زندگی کی ہمہمی جاری ہے۔

کھر اتران کمیٹی کی طرف سے عطیہ

شری اندرناتھ بندوپادھیہ نے کھر اتران کمیٹی کی جانب سے وزیر اعلیٰ مغربی بنگال کو ۲۵۰ لاکھ روپے کا چیک "وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ" کے لئے عطیہ کی دوسری قسط کے طور پر پیش کیا۔ اسطرح کھر اتران کمیٹی نے مجموعی طور پر وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ میں کل دو لاکھ روپے بطور عطیہ دئے۔ کمیٹی آئندہ بھی مزید عطیہ فراہم کرے گی۔ علاوہ ازیں کھر اتران کمیٹی تری پورہ کے سیلاب زدہ لوگوں کیلئے ۱ ہزار روپئے، گجرات کے سیلاب زدہ لوگوں کے ۵ ہزار روپئے، آسام کے سیلاب زدہ لوگوں کیلئے ۵ ہزار روپے اور مہاراشٹر کے سیلاب زدہ لوگوں کیلئے ۵ ہزار روپے کا عطیہ بھی دیا ہے۔

تخلیق : پشکن
ترجمہ : ظ- انصاری

میں نے چاہا تھا تمہیں

میں نے چاہا تھا تمہیں، تم سے محبت کی تھی
کیا خبر آج بھی ہو دل میں دبی چنگاری
خیر اب آنچ میں کیوں اسکی جلاؤں تم کو
جی نہیں مانتا کچھ ٹھیس لگاؤں تم کو
دل دکھے جس سے وہی بات سناؤں تم کو

تھی محبت میں گلے کی نہ صلے کی پروا
بے زبانی سے، کبھی رشک سے دل ٹکڑے تھا

جس نزاکت سے لگن سے تمہیں چاہا میں نے
یونہی پھر چاہے کوئی اور بھی اللہ کرے



قیدی

"تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں"
—— اقبال

سیلے ہوئے زنداں میں ہم دونوں اسیرِ غم
قیدی کی غذا پر اک شاہیں کا بھی سر ہے خم
پنجوں میں لیے بوٹی، یہ مونسِ تنہائی
پرواز سے بے بس ہے پرواز کا شیدائی

ہے چونچ لہو میں تر، بل کھاتے ہوئے شہپر
کیا جانیے اسکو بھی آتا ہے خیال اکثر
نظروں سے جتاتا ہے، دیتا ہے صدا مجھ کو
کرتی ہے مخاطب یوں شاہیں کی ادا مجھ کو

"آزاد پرندے ہیں ہم دونوں چلو چل دیں
اس سمت جہاں بادل پھرتے ہیں پہاڑوں میں
اس سمت جہاں نیلے ساگر میں لہر چلے
اس سمت ہم اٹھلائیں اور بادِ سحر چلے"



بائیں محاذ



سارے ملک کے لوگوں کی دلی آرزو کی نمائندگی کرتا ہے

پربھاش پھودیکار

حال ہی میں بنگلور میں، مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چھ سال مکمل ہونے کے سلسلے میں منعقدہ ایک تقریب میں شری پربھاش پھودیکار، وزیر شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے تقریر کی جس کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے :

سی پی آئی (ایم) اور مغربی بنگال کی دیگر بائیں پارٹیوں پر مشتمل بائیں محاذ حکومت بہت ہی وسیع اکثریت سے ۱۹۷۷ء میں پہلی بار مغربی بنگال میں برسر اقتدار آئی۔ پھر پانچ سال کے بعد بھی یعنی ۱۹۸۲ء میں عوام نے بائیں محاذ کو برسر اقتدار لایا۔ مغربی بنگال میں اور بعد میں تریپورہ میں بائیں محاذ کی نمود اری اور استحکام کو مناسب تناظر میں دیکھنا چاہیے کیونکہ یہ سارے ملک کے محنت کش عوام کی دلی آرزوؤں کی نمائندگی کرتا ہے اور میری ریاست میں محاذ کی کامیابی مجموعی طور پر سارے ملک میں عام لوگوں کیلئے مواقع کے نئے راستے کھول دیگی۔

اب ہمیں ان باتوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ لوگوں کیلئے بائیں محاذ نے کتنی خدمات انجام دیں۔ اس سے ہمیں اور بھی تیزی سے آگے بڑھنے میں مدد ملیگی۔ ہم عوام کے مشکور ہیں کہ دیگر ریاستوں کے لوگوں نے، مغربی بنگال میں ہم اپنی ذمہ داریوں کو جس طرح نبھا رہے ہیں، ان کے سلسلے میں بہت افزاد دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

۱۹۷۷ء کے انتخاب سے قبل ہم لوگوں نے ۳۶ نکاتی پروگرام مرتب کیا تھا اور اب اس پروگرام کے تحت اقدامات کر رہے ہیں۔ دوسری بار برسر اقتدار آنے کے بعد بائیں محاذ حکومت نے پہلی بار کے تجربہ کی روشنی میں اپنے ۳۶ نکاتی پروگرام پر نظر ثانی کی اور اسے ۳۴ نکاتی پروگرام میں تبدیل کر دیا۔ ان نکات میں ان باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی کمی اور فراہمی سے

ریاست کی معیشت بری طرح متاثر ہوئی ہے نیز ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے محاذ نے تجویزیں بھی پیش کیں۔ ہمارا ملک ایسے معاشی بحران سے دوچار ہے کہ جہاں آزادی کی تین دہائیوں کے بعد بھی نصف سے زیادہ آبادی غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح میں زندگی گزار رہی ہے۔ مغربی بنگال میں برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی بائیں محاذ حکومت نے اصلاحات آراضی کے تحت اقدامات کو روبہ عمل لانا شروع کیا، اس نے بہت سارے زرعی قطعات آراضی کو جن پر حکومت کو ملکیت کا حق حاصل ہو چکا ہے چھوٹے کسانوں اور کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کر دیا کیونکہ ایسے قطعات آراضی سے اور ان کی پیداوار کے حقوق صحیح معنوں میں غریب کسانوں کو ہی حاصل ہیں۔ شاید آپ اس بات سے باخبر ہوں کہ ہم لوگوں نے گذشتہ چھ برسوں میں ۵ر۱۲ لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈ میں درج کرائے۔ ہمارے محنت کش لوگوں کے قانونی حقوق کی بحالی اور استحکام کے لئے یہ بہت ہی اچھا قدم ہے۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے ۱۹۷۸ء میں پنچایت انتخابات کرائے۔ یہ انتخابات ۱۴ سال کے بعد ہوئے کیونکہ اس دور کی حکومت نے انتخابات کی طرف دھیان بھی نہیں دیا۔ ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۳ء میں پنچایت انتخابات میں بائیں محاذ کو وسیع پیمانہ پر کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۹۷۸ء میں انتخابات سے قبل ہم لوگوں نے پنچایتس ایکٹ میں ترمیم کی تاکہ دیہی علاقوں میں منتخب لوگوں کو کافی اختیارات حاصل ہوں۔ ریاستی حکومت نے پنچایتوں کو کافی اختیارات دئے اور زراعت، آبپاشی، تعاون وغیرہ کی ترقی کے لئے بہت سارے پروجیکٹوں کو اپنایا۔ ان کی تکمیل کیلئے پنچایتوں کیلئے فنڈ فراہم کئے۔ ان ترقیاتی اقدامات کو پنچایتیں [illegible] تکمیل تک پہنچا رہی ہیں۔ چونکہ پنچایتوں میں بہت سارے منتخب ممبران اس قسم کے کاموں [illegible]

نہیں دی جاتی۔ اس مہم کے سلسلے میں ۱۱۰ منتخب نمائندوں کی تربیت کا بھی انتظام کیا گیا۔

[illegible] دیہی لوگوں کے لئے وسیع پیمانے پر کام کے لئے خوراک پروگرام کو روبہ عمل لایا گیا تاکہ انہیں روزگار فراہم ہو۔ اس پروگرام نے گذشتہ سے سالانہ ۲۵۰ لاکھ کام کرنے کے دن پیدا کئے۔

یہاں میں اس بات کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ سنہ ۱۹۷۸ء اور سنہ ۱۹۷۹ء میں مغربی بنگال میں تباہ کن سیلاب میں پنچایتوں کے منتخب ممبران نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان پنچایتوں نے وسیع پیمانے پر امداد اور تعمیر نو کے کام کرایا اور خلوص و محنت کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ عوامی خدمت کی ایسی مثال شاید ہی کہیں ملے۔ اس کے بعد ہمیں متواتر دو برسوں تک یعنی سنہ ۱۹۸۱ء اور سنہ ۱۹۸۲ء میں مسلسل خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں بھی متاثر لوگوں کی امداد اور زرعی پیداوار میں ممکنہ انتہائی حد تک اضافہ کرنے کیلئے پنچایتوں کی مدد سے ریاستی حکام نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ خشک سالی کے مسئلہ کا مقابلہ کرنے کیلئے بائیں محاذ کے تعاون اور تال میل کے اقدامات کی میں ایک مثال پیش کروں گا۔ گذشتہ سال غریب حاشیائی کسانوں کے درمیان زرعی لوازمات کی ۸ لاکھ چھوٹی تھیلیاں تقسیم کی گئیں۔ اس کے نتیجے میں سنہ ۸۳-۸۲ کے خریف موسم میں گذشتہ سال کے مقابلے میں ۱۲ ہزار میٹرک ٹن زیادہ کھاد استعمال کی گئی۔ اسی طرح امداد اور دیگر تعمیراتی کام کو اس طرح روبہ عمل لایا گیا کہ اس سے زرعی اجرتوں میں کمی نہیں ہوئی۔

میں خصوصاً دیہی منظر کا ذکر کر رہا ہوں کیونکہ ہماری کوششوں کے ذریعہ بائیں محاذ کے پروگراموں سے لوگوں کی اکثریت کو فائدہ پہونچے گا۔ مثال کے طور پر آزادی کی تیسری دہائی کے بعد بھی ابتدائی تعلیم کی طرف حسب خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ بائیں محاذ نے زیادہ سے زیادہ بچوں کو ابتدائی تعلیم دینے کیلئے فوری اقدامات کئے۔ گذشتہ چھ برسوں میں ۴۶۰۰ نئے پرائمری اسکول کھولے گئے اور اب سات لاکھ سے زیادہ بچے پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔ اب تک چھ تا دس برس کے بچوں کی ۹۲ فیصد بچے ابتدائی تعلیم سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

اسی طرح صنعت کے منظم سیکٹر میں محنت کش طبقہ کی طرف بائیں محاذ حکومت خصوصی توجہ دے رہی ہے کیونکہ یہی طبقہ تو صنعتی افزائش اور ترقی کی رفتار کی بڑی حد تک [illegible] سابق حکومت نے [illegible] دیکھ بھال کا مناسب طور پر کبھی بھی خیال نہیں رکھا۔ ایم ایم ایس فرائض میں ترمیم کر کے مزدوروں اور محنت کشوں کیلئے امداد، تحفظ اور مراعات کی بہتر سہولتیں فراہم کی گئیں۔ [illegible] ریاست نے پہلے بے روزگاری امداد اسکیم رائج کی گئی اور اسکے تحت ان خاندانوں کو جو عرصہ دراز سے بے روزگار ہیں، مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ ریاستی حکومت نے مزدوروں پر پابندی عائد کرنے کیلئے ای ایس ایم اے قانون کو روبہ عمل لانے سے انکار کر دیا۔

آپ لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ یہ ریاستی حکومت اور اس کے ساتھ ساتھ ہندستان کی ریاستی حکومتیں مالی امداد کے سلسلے میں بالکل بے بس ہیں، کیونکہ انہیں وقتاً فوقتاً امداد کے لئے مرکز سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود بائیں محاذ کی پالیسی کا رخ یہ ہے کہ دارجلنگ کے پہاڑی علاقے، جنوبی بنگال میں سندربن کے علاقے، اڑیسہ اور بہار کی سرحدوں سے متصل مغربی بنگال کے علاقے جہاں شیڈولڈ ٹرائب و کاسٹ کی کافی آبادی ہے، جیسے پسماندہ علاقوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔ انکے مسائل کی شناخت کی گئی اور ان علاقوں میں آباد لوگوں کی بہت دنوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے معاشی بہتری، تعلیمی سہولتوں وغیرہ کے لئے خصوصی پروگراموں کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ میں یہاں دیہی علاقوں میں پینے کے پانی کی ضرورت کا ذکر کروں گا۔ اس مسئلہ کو ہم نے کس طرح حل کیا، اس سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ مصیبت زدہ دیہی باشندوں کے مسائل کے سلسلہ میں ہمارا رد عمل کیا ہے۔ ہم لوگوں نے گذشتہ چھ برسوں میں تقریباً نو ہزار گاؤں میں پینے کے پانی کی سپلائی اور فراہمی کا انتظام کیا۔ ایسے گاؤں میں اس سے قبل ایسی سہولتیں فراہم نہیں تھیں۔

جیسا کہ میں نے شروع میں ذکر کیا تھا ہمارے محاذ کی بیشتر اس ریاست کے عوام کی تائید پر ہے اور محاذ کی پالیسی بروقت روبہ عمل لائے گئے پروگراموں سے ہدایت حاصل کرتی ہے۔ ہم لوگوں نے ترقی پر بندشوں اور دیگر رکاوٹوں کو جن کی وجہ سے آزادی کے بعد سے لوگوں کی حالت اور بھی ابتر ہو گئی، دور کرنے کا عزم اور عہد کیا۔ ہم لوگ عظیم مسائل اور عوام کی [illegible]

([illegible])

"ایک چادر میلی سی"

کی کردار نگاری

ڈاکٹر اسلم آزاد ؛ شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ

راجندر سنگھ بیدی کے ناولٹ "ایک چادر میلی سی" کا موضوع آزادی کے قبل کے پنجاب کا گاؤں ہے۔ یہ ناولٹ کم و بیش گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کہانی میں متعدد نقطے ابھرتے ہیں۔ مختلف کردار سامنے آتے ہیں اور گاؤں اور وہاں کی معاشرتی زندگی سے وابستہ تاریک گوشوں کو اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ رانو کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور ناولٹ کا تمام قصہ اسی کے چاروں طرف پھیلتا اور سمٹتا نظر آتا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی پنجاب کی دھرتی سے بیحد متاثر ہیں پنجاب اور پنجابی کبھی ناش نہیں ہو سکتے۔ نہ معلوم انہوں نے کون سی امر کتھا سنی ہے جس میں وہ اونگھ بھی گئے اور پا بھی گئے، پی بھی گئے اور چھلکا بھی گئے۔ زندگی کے رونے دھونے سے ان کی تپسیا پوری نہیں ہوتی۔ ہاں ہنسنے کھیلنے کھانے پینے اور پہننے میں ہی ان کی کوشش ہے۔

بیدی نے اپنے کرداروں کے ذریعہ اس قصہ کی تشکیل اس نہج پر کی ہے کہ قاری قصہ کے خم و پیچ کے ساتھ ساتھ ان کرداروں سے قریب ہو جاتے ہیں اور ان کے دکھ سکھ کے شریک بھی۔ اس ناولٹ کا مرکزی کردار رانو کی تعمیر میں مصنف نے خاص توجہ دی ہے۔ یہ سب سے جاندار اور نمایاں کردار ہے۔ لیکن رسوا کی "امراؤ جان ادا"، پریم چند کی "نرملا" اور عصمت چغتائی کی "دشمن" کی طرح اسے انفرادی مسئلہ نہیں بنایا گیا ہے اس لئے اس پر کرداری ناول ہونے کا اطلاق نہیں۔ [illegible] کا تیل اور گندگی سے بھری ہوئی فضا میں ایک محنت کش کی بیوی ہے۔ معصوم بچوں کی ماں ہے اور تند خو ساس جنداں کی بہو [illegible] کی ذلت و محرومی، ماں کی ممتا اور بیوی کے جذبۂ درمندی سے معمور ہے۔ وہ اپنا سب کچھ سونپ کر بھی اپنے شوہر اور سماج سے کچھ نہیں پاتی۔ رانو کی کہانی دراصل نچلے طبقے کی ہر ہندستانی عورت کی کہانی ہے۔ مرکزی قصہ کے تین اہم کردار ہیں۔ رانو، تلوکا اور منگل۔ کرداروں کے اس مثلثی حلقے میں چودھری مہربان داس، گھنشیام، بابو مہری داس، جنداں، حضور سنگھ، پورن دئی، سلامتی، گاؤں کے سرپنچ گیان چند اور چند چھوٹے چھوٹے اور بھی کردار داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام کردار حقیقتاً رانو اور منگل کی کہانی کے اجزا ہیں جس کی بنیاد تلوکا اور رانو کا ابتدائی قصہ ہے۔ تلوکا اِکے بان ہے۔ دن بھر کی محنت کے بعد جو کچھ حاصل کرتا ہے اس سے گھر چلتا ہے۔ شراب کی لت میں مبتلا ہے جس سے اسکی بیوی رانو کو سخت نفرت ہے۔ اکثر و بیشتر ان دونوں میں شراب کو لے کر ہی جھگڑا ہوتا ہے۔ تلوکا رانو کو بے تحاشا پیٹتا ہے، رانو چپ چاپ مار کھاتی ہے لہولہان ہو جاتی ہے اور پھر معمول کے مطابق گھر کے کام کاج کو سنبھالنے میں لگ جاتی ہے۔ تلوکا چودھری مہربان داس اور گھنشیام داس کا آلۂ کار ہے جن کا دھرمشالہ میں اڈہ ہے۔ تلوکا اپنے اِکے پر نوجوان جاترن کو دھرمشالہ پہنچانے کا کام انجام دیتا تھا۔ ایک روز کوئی نوجوان جاترن کے بھائی کے ہاتھوں تلوکا کا قتل کر ڈالا گیا اور دونوں گرفتار ہوئے۔ دھرمشالہ کے پجاری بابا مہری داس بھی ان دونوں کے ساتھ سزایاب ہوئے۔ دھرمشالہ پنچایت کی نگرانی میں چلا آیا۔ تلوکا کے قتل سے اس کے والدین حضور سنگھ اور جنداں اسکی بیوی رانو اور اس کے بچے کی زندگی معاشی طور پر بالکل ابتر ہو گئی۔ فاقوں کی نوبت آگئی جنداں اپنی بہو کے لئے بے حد سخت ہو گئی۔ طنز اور طعنوں سے گھبرا کر رانو نے گھر چھوڑ دینا چاہا لیکن وہ جاتی کہاں؟ دنیا میں اس کا تھا ہی کون؟ تلوکا کا چھوٹا بھائی منگل ہی کی مصیبتوں سے بے فکر تھا۔ رانو نے اسے بچپن سے پالا تھا۔ بھائی کے مرنے کے بعد وہ اِکے کی باگ ڈور سنبھال لیتا ہے۔ سارا سے لیکن اپنے خرچ کے بعد جو تھوڑے سے پیسے بچ جاتے ہیں وہی گھر پر لا کر دے دیتا ہے جس سے گھر کا کام کاج نہیں چل پاتا۔ ایک روز واپس آیا تو گھر میں سب کو فاقوں میں مبتلا پایا۔ اس کی ماں رانو سے جھگڑ رہی تھی اور اسے گالیاں دے کر گھر سے نکل جانے کا حکم دے رہی تھی۔ رانو نے منگل کی چونکہ پرورش کی تھی اس لئے فطری طور پر منگل کو اس سے انسیت تھی اور رانو بھی شفقت آمیز سلوک کرتی تھی۔ یہ منظر منگل سے دیکھا نہ گیا اور ماں سے کہا۔

تاکہ کیوں اب تو وہ اس گھر سے کے ساتھ ایسا سلوک کر رہی ہے۔
کیسے [illegible] رہی ہے؟ آخر کہاں جانے کا پ چاہتی ہے:

ہمدردی کے ان چند جملوں نے رانو کو سہارا دیا۔ منگل اس واقعہ کے بعد سے کچھ ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔ رانو کی مدبرز روزی کی حیثیت دیکھ کر اس کی پڑوسن چنو نے ایک روز اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ منگل سے شادی کر لے۔

"چادر ڈال لے اس پر"

رانو کے لئے یہ مشورہ قطعی غیر متوقع اور بعید از قیاس تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور نہ منگل کے گوشہ خیال میں یہ بات آ سکتی تھی۔ رانو متحیر اور برہم ہو کر چنو کے پاس سے اٹھ گئی اور شدت سے اس نے انکار کر دیا۔ دوسری طرف یہ بات چنو نے پورن دیئی سے کہی جس کا شوہر گیان چند گاؤں کا سرپنچ تھا۔ پورن دیئی نے اس شادی کو انجام دینے کے لئے اپنے شوہر کو رضامند کر لیا۔ پنجاب میں لڑکیوں کی کمی ہے۔ منگل جیسے بے سروسامان کو کوئی لڑکی دینے سے رہا۔ اس شادی کے ذریعہ دونوں کا گھر بس جاتا مگر رانو کو آمادہ کرنا آسان نہیں تھا۔ یہ مشکل اس طرح حل ہوئی کہ رانو کی ساس جندا رانو کی جوان بیٹی کو پانچ سو روپے میں فروخت کر دینے کا سودا کرتی ہے۔ رانو کو اسکی اطلاع ملی تو اس نے اپنی بیٹی کی حفاظت کے لئے پوری شدت سے مخالفت کی۔ بیٹی تو اس کی محفوظ رہی مگر خطرات بڑھ گئے اور وہ یہ سوچنے لگی کہ اس گھر میں حفاظت سے رہنے کا طریقہ یہی ہے کہ منگل سے شادی ہو جائے پھر بھی وہ اپنے ذہن کو اس کے لئے آمادہ نہ کر سکی۔

بہر حال گاؤں کے سرپنچ گیان چند نے ان دونوں کی شادی کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ منگل سے بات کی گئی تو اسے اس تجویز سے وحشت بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ اس نے صاف انکار کر دیا لیکن شادی کے لئے طے شدہ تاریخ میں گیان چند نے اپنے مزدوروں اور گاؤں والوں کی مدد سے منگل کو پکڑوا منگوایا اور اسے اتنا زدوکوب کیا کہ اس کا سارا جسم لہولہان ہو گیا۔ شادی کے وقت رانو بے ہوش تھی اور منگل زخموں سے چور۔ گاؤں والوں اور تمام عورتوں کو یقین تھا کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شادی ہو گئی۔ جنھوں نے رانو اور منگل ایک دوسرے سے مانوس اور غیر مشتعل رہے۔ اس جگہ راجندر سنگھ بیدی نے فن کا کمال [illegible] کرتے ہوئے بڑی ہی [illegible] کے ساتھ ان دونوں کے تعلقات کو ازدواجی رشتہ

[illegible] آتی جیسے [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] تو اس کے [illegible] شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کے [illegible]

تھی جس کے استعمال کا اسے موقع ہی نہ ملا۔ شراب پی کر سے سخت [illegible] اور جھگڑے کا سبب یہی جتی تھی۔ منگل سے اس کی شادی ہوتی تو اس نے بھی اس کی خوب پٹائی کی لیکن رانو کے حسن عمل نے منگل کو سدھار دیا اور راستے پر لا کھڑا کیا۔ ایک ماں کی حیثیت سے اس کے اندر ممتا کا جذبہ اتنا شدید ہے کہ جب اسکی ساس اس کی بڑی بیٹی کا سودا کرتی ہے تو غصے میں وہ پاگل ہو جاتی ہے اور بیٹی کی حفاظت کیلئے ہر ممکن راستہ اختیار کرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے۔

تلوکا ناول کے ابتدائی حصہ تک رہتا ہے۔ ناول کا اصل قصہ رانو اور منگل کے گرد گھومتا ہے۔ منگل نوجوان ہے [illegible] کی عمر [illegible] بڑی ہوتی ہے لیکن فرض ناشناس نہیں۔ اپنے مقتول بھائی کے بچوں اور والدین کو فاقوں سے دیکھ کر اس کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ وہ حالات پر قابو پانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ شادی سے قبل رانو کا منگل احترام کرتا ہے رانو سے شادی کا خیال بھی نہیں کر سکتا تھا اس لئے جب شادی کی بات اس سے کہی جاتی ہے تو پوری شدت سے انکار کرتا ہے۔ پنچ پر مجبور ہوتے ہیں ان کا فیصلہ اصل فیصلہ ہوتا ہے چنانچہ منگل کی شادی کو گلدستہ نذرانہ [illegible] اس نے پنچ کے فیصلے سے بغاوت کی تو مار مار کر اسے لہولہان کر دیا گیا۔ شادی ہوئی تو رانو سے ایک عرصہ تک اس کا تعلق برائے نام رہا اور پھر تعلقات قائم ہوئے منگل نے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے اور رانو کی بیٹی کی شادی بھی اہتمام سے کر دی لیکن رانو کے لئے یہ شادی عین وقت پر روح فرسا ہوتی ہے کیونکہ اس کی بیٹی کی شادی جس لڑکے سے ہوتی ہے یہ وہی تھا جس نے رانو کے شوہر تلوکا کا قتل کیا تھا۔ منگل نے ناواقفیت میں شادی طے کر لی تھی اور پنچ کا فیصلہ بھی ہو چکا تھا اور بارات آ چکی تھی چنانچہ رانو کو رشتہ قبول کرنا پڑا۔

رانو اور منگل کے [illegible] کوئی انا [illegible]

باقی صفحہ

پرولیا میں کماری پروجیکٹ سے آبپاشی

امسال ریاست کے وزیر آبپاشی شری [illegible] نے [illegible] خشک سالی سے متاثر پرولیا ضلع کے کسانوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کیلئے کماری آبپاشی پروجیکٹ کا افتتاح کیا۔

پرولیا شہر سے دو میل کی دوری پر بارو آرا میں ۴۴ فٹ اونچا مٹی کا بند تعمیر کیا گیا۔ اس بند کا رقبہ ۲۵۷ ایکڑ ہے۔ یہاں سے خریف کے موسم میں بڑا بازار تھانہ کے ۲۷ گاؤں کے ۲۷۰۰ بیگھا قطعات آراضی کو آبپاشی کے لئے پانی سپلائی کیا جائے گا۔ اس بند سے ۳ کیلومیٹر لمبی نہر اور مجموعی طور پر ۱۳ کیلومیٹر لمبی ، چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں۔ گرچہ اسکیم میں ربیع کے موسم میں آبپاشی کے لئے گنجائش نہیں رکھی گئی تھی تاہم اب اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ربیع کے موسم میں بھی آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ اس بند میں ماہی پروری کا بھی کام کیا جائیگا۔ اس اسکیم پر ۲۴۴۲ روپے خرچ کئے گئے۔

تخمی پودے کی پیداوار کے ذریعہ دیہی ترقی

امسال قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت ریاست کے مختلف اضلاع میں سماجی جنگلاتی کام کے ذریعہ ۴۰ ہزار کام کے دن پیدا کئے گئے۔ فی الحال ریاستی شعبہ جنگلات کو [illegible] لاکھ روپے دئے گئے۔ شعبہ ریاست کے پورے سماجی جنگلات [illegible] روزگار پیدا [illegible] کرنے کیلئے ۵ [illegible] لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔

[illegible] قطعات آراضی میں تخمی پودے [illegible] تقسیم کردہ سماجی

جنگلات کے ہیڈ کوارٹرس ڈویژن کے ذریعہ ۴۰ ہزار روپے خرچ کرکے ایک لاکھ تخمی پودے اگائے گئے اور انہیں پنچایتوں کے ذریعہ ۲۴ پرگنہ اور ندیا کے اضلاع میں تقسیم کیا گیا۔

حکومت کا عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے دُلال سرتی سمسد کو اپنے ہومیو پیتھک خیراتی شفاخانہ کے اخراجات برداشت کرنے کیلئے ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۵۰۷ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

حکومت مغربی بنگال نے بینا بھی خیراتی شفاخانہ کو اپنے خیراتی شفاخانہ کے اخراجات برداشت کرنے کیلئے ۸۳-۱۹۸۲ء کیلئے ۸۷۵ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی۔

مغربی بنگال میں چھ نئے ترقیاتی بلاک

انتظامی سہولتوں اور موثر تال میل کے پیش نظر مغربی بنگال کے چھ بڑے بڑے اجتماعی ترقیاتی بلاکوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں چھ نئے ترقیاتی بلاک قائم کئے گئے۔ تقسیم شدہ بلاکوں میں ضلع مدنا پور کے پوٹاشپور اور کھیجوری بلاک، ضلع ہوگلی کے گوگھاٹ بلاک، ضلع ۲۴ پرگنہ کے بارکپور بلاک، ضلع ندیا کے کریم پور بلاک اور ضلع کوچ بہار کے طوفان گنج بلاک شامل ہیں۔ نئے بلاکوں کے نام یہ ہیں: پوٹاشپور کے لئے پوٹاشپور I بلاک اور پوٹاشپور II بلاک، کھیجوری کے لئے کھیجوری I بلاک اور کھیجوری II بلاک، گوگھاٹ کیلئے گوگھاٹ I بلاک اور گوگھاٹ II بلاک، بارکپور کے لئے بارکپور I بلاک اور بارکپور II بلاک، کریم پور کے لئے کریم پور I اور کریم پور II بلاک اور طوفان گنج I بلاک اور طوفان گنج II بلاک [illegible] بلاکوں کے [illegible] ہیڈ کوارٹرس [illegible] گوگھاٹ [illegible]

کھاد پروسیسنگ پلانٹ کیلئے تین پانی، بارک پور ۲ کیلئے نت گرام (پانی پانی)، کریم پور ۱ کیلئے شنکارپور، کریم پور ۲ کیلئے تہیس یا حسن، طوفان گنج ۱ کیلئے طوفان گنج اور طوفان گنج ۲ کیلئے تکیہ پاٹ ہیں۔ پٹاشپور ۱، پٹاشپور ۲، کھجوری ۱ اور کھجوری ۲ کے ہیڈ کوارٹرز کا جلد ہی اعلان کیا جائے گا۔ ان چھ نئے ترقیاتی بلاکوں کی وجہ سے اب اس ریاست میں ترقیاتی بلاکوں کی تعداد ۳۴۱ ہو گئی اور ان میں ۳۲۹ بلاکوں میں پنچایت سمیتیاں ہیں۔ صرف آسنسول کے ہیراپور اور کلٹی بلاکوں میں پنچایت سمیتیاں نہیں ہیں۔

شعبہ پنچایت نے پنچایت انتخاب ۲ مئی سنہ ۱۹۸۳ء سے قبل مذکورہ چھ بڑے سائز کے ترقیاتی بلاکوں کے بڑے سائز کی چھ پنچایت سمیتیوں کو ایک اعلانیہ کے ذریعہ تقسیم کر دیا تھا اور اسی کے مطابق وہاں انتخابات بھی ہوئے۔ نئے ترقیاتی بلاک اس دن سے کام کرنا شروع کر دیں گے جس دن سے وہاں کی پنچایت سمیتیاں کام کرنے کی ذمہ داری سنبھال لیں گی۔

حاشیائی اور چھوٹے کاشتکاروں کی مدد کیلئے پروجیکٹ

اس ریاست میں زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے سلسلے میں حاشیائی اور چھوٹے کسانوں کے لئے مرکزی حکومت کے زیر اہتمام سرفی امداد کے پروجیکٹ کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ اس پروجیکٹ میں چھوٹے پیمانہ کی آب پاشی کیلئے امداد، جلاون کی لکڑی کے لئے درختوں اور پھل کے درختوں کے پودوں کی شجرکاری اور بیج اور کھاد کی چھوٹی تھیلیوں کی مفت تقسیم شامل ہے۔ اس پروجیکٹ کے سارے اخراجات مرکزی اور ریاستی حکومتیں مساوی طور پر برداشت کریں گی۔

موجودہ سال میں اس ریاست کے ۳۲۵ اجتماعی ترقیاتی بلاکوں میں سے ہر بلاک کے لئے پانچ لاکھ روپے مختص کئے جائیں گے۔ اس [illegible] کیلئے امداد کے طور پر ۳۵ [illegible]

چھوٹی تھیلیوں کی مفت تقسیم کیلئے ایک لاکھ روپے اور [illegible] کی شجرکاری کیلئے ۵۰ ہزار روپے ہر بلاک کو فراہم کئے جائیں گے۔

باقی صفحہ ۳۲

اس کا تفصیلی جائزہ لیا جائے مگر یہ ضرور ہے کہ یہ تمام ضمنی کردار اس ناول کی پلاٹ سے اٹوٹ رشتہ رکھتے ہیں اور مرکزی قصہ کو بڑھانے میں معاون ہیں۔ چودھری مہربان داس، گھنشیام اور بالو ہیری کا اس قصہ کے ابتدائی حصہ میں اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ ان کے بہیمانہ جرم ہی میں تلوکا کی موت ہے اور اسی کی وجہ سے ان کا قتل ہوتا ہے۔ اصل قصہ کو آگے بڑھانے میں تلوکا کا قتل بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ رانو، تلوکا اور منگل کی کہانی سے چودھری مہربان داس، گھنشیام اور بالو ہیری داس کے بہیمانہ جرائم کی کہانی کو مربوط کر کے بیدی ہمیشہ کی طرح یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ جاجنی نظام کی تاجرانہ قدروں کے تسلط نے انسان کو کتنا خوار و زار کر دیا ہے۔ یہاں ہر شے، ہر جذبہ، مہر اور آرائش یہاں تک کہ انسانی وجود کو بھی سکوں میں خریدا جا سکتا ہے۔ پھر پربھادیوی کے شوہر گیان چند کا کردار واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کا ایک مضحکہ خیز ذمہ دار ہے۔ گاؤں کا سرپنچ ہے اس لئے اس کی شخصیت بڑی اہم ہے۔ اسی کے راست اقدام سے منگل کی شادی رانو سے ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر "ایک چادر میلی سی" کی کردار نگاری بید پرکشش اور اثر انگیز ہے۔ تلوکا، منگل اور رانو کی کردار نگاری میں بیدی نے بڑی احتیاط اور گہرے شعور کا مظاہرہ کیا ہے۔ نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے یہ کردار پنجابی تو ہیں مگر پورے ہندوستان کی عوامی زندگی کی کشمکش اور دکھ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ کردار زندگی کی توانائیوں سے بھرپور ہیں۔

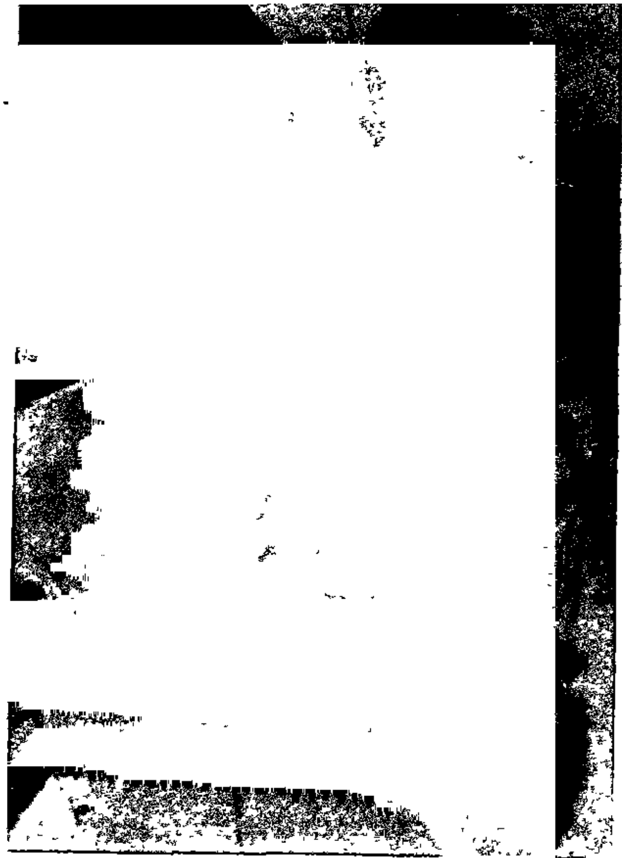
[بشکریہ "پاسبان" چندیگڑھ]

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور،
حکومت مغربی بنگال،
[illegible]
کلکتہ

کلکتہ میں ترقیاتی سرگرمیاں

زیر تعمیر سیالدہ سب وے





مرکز۔ریاست تعلقات پر از سر نو غور کرنے کے مطالبہ پر کلکتہ میں طلبار اور نوجوانوں کا شمال سے شمالی گنج تک بہت بڑا جلوس کا ایک منظر

MAGHREBI BENGAL
1st NOVEMBER 1983

VOL. 30 No. 20
PRICE 12 Paise

ترقیاتی سرگرمیاں : کلکتہ میں سالٹ لیک اسٹیڈیم کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے

روسی سرکس ٹیم کلکتہ میں

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya Associate MD. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs. Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.



مغربی بنگال
انقلاب نمبر

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

انقلاب نمبر

جلد نمبر ۳۰، ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۸۳ء شمارہ نمبر ۲۱

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ : تین روپئے
اس خصوصی شمارے کی قیمت: ۲۵ پیسے



وی۔ آئی۔ لینن : روسی انقلاب کی کامیابی پر عوام کو مبارکباد دیتے ہوئے

اکتوبر انقلاب گزیر تھا

روس میں ۶۶ سال قبل اشتراکیتی انقلاب کی کامیابی نے بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ دنیا کے تمام ملکوں کو اس انقلاب کے اثر کا تجربہ حاصل ہوا۔ اس کی بین الاقوامی اہمیت کے سلسلے میں امریکہ کے سوشیل تھیوری کے پروفیسر ایلوین گولڈنر نے یوں لکھا کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی بھی اتنے مختصر عرصے میں انسان کی زندگی اور سماجی نظام میں اتنی گہری تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ یہ ایک اٹل واقعہ تھا اور ہم سب اب بھی اس کے دائرۂ عمل میں ہیں۔ اس سیاسی زلزلہ کی، جس کی گونج اب بھی ساری دنیا میں سنائی دے رہی ہے، تاریخی اہمیت یہ ہے کہ روس میں بالشیوکوں نے عنانِ حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

اکتوبر انقلاب کی، جس نے عالمی تاریخ کے دھارے پر گہرا اثر کیا، ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ سوال اب بھی ایک عام آدمی کے لئے اور سماجی سائنس دانوں کے لئے پریشانی کا سبب ہے۔ بحث و مباحثے اب بھی ہوتے ہیں جہاں شرکت کرنے والے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا اکتوبر انقلاب ایک حادثہ تھا یا اس کے لئے ٹھوس اور مادی شرائط تھیں۔

اکتوبر انقلاب ایک ناگزیر واقعہ تھا جو بہت ساری مادی شرائط، اندرونی اور بین الاقوامی، سماجی، معاشی اور سیاسی وجوہ کے یکجا ہونے سے رونما ہوا۔ اس سے قبل روس میں سماجی طوفان رونما ہوتے تھے اور ان میں دو بڑے تھے۔ جمہوری انقلابات (۱۹۰۵ء میں اور فروری ۱۹۱۷ء میں) شامل ہیں۔

ایک سماجی انقلاب، استحصال کرنے والے سماج کے شدید تضادات کی پیداوار ہوتا ہے۔ روس میں عظیم اکتوبر انقلاب کے قبل کے عرصہ میں ایسے تضادات بہت شدید بن چکے تھے۔ قدیم روسی بورژوا تی زمین دارانہ نظام کو عالمی سرمایہ داری اور اس کے کمزور ترین رشتہ کے تضاد کا مرکزی نقطہ کہا جاتا تھا، اور ایسا کہنا صحیح بھی تھا۔ اس رشتہ کو ۱۹۱۷ء اکتوبر کے ناقابلِ فراموش دنوں میں توڑ ڈالا گیا۔

محنت کش طبقہ کی سربراہی بالشیوکوں کی انقلابی پارٹی نے کی۔ اس پارٹی نے جد و جہد کے مقاصد کو واضح طور پر دیکھ لیا تھا اور اس نے بلا خوف و خطر اس مقصد کی برآوری کے لئے عوام کو موڑ دیا۔ اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے پیچھے ایک اور اہم نقطہ یہ ہے کہ اس کی کامیابی کے فوراً بعد ملک ایک نئے سیاستی انتظامیہ یعنی انقلابیوں کے قائم کردہ محنت کشوں، سپاہیوں اور کسانوں کی ڈپٹیوں کی سوویتس سے روشناس ہوا۔ ایسے آلات کے بغیر محنت کش طبقہ کے لئے حکومت کو سنبھالے رکھنا مشکل ہوتا۔

سماجی ترقی کی سرگرمیوں نے محنت کش لوگوں میں اشتراکیتی انقلاب کی ضرورت کا احساس پیدا کیا۔ مثلاً زمینداروں اور سرمایہ داروں کی سامراجی جنگ نے مزدوروں اور کسانوں، جو مشکلات سے گھرے ہوئے تھے، کی حالت کو اور بھی ابتر بنا دیا۔ محنت کشوں نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ جنگ ختم کر دی جائے کیونکہ اس جنگ کی بھیک کو تو بورژواؤں نے ڈھیلی کر دی تھی جو عوام کے خون اور مصائب پر بے تحاشا نفع کما رہے تھے نیز انہوں نے اس بات کا بھی مطالبہ کیا کہ زمیندارانہ نظام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ جاگیردارانہ نظام اور غلامی کی ایک ناگفتہ بہ یادگار ہے۔

معروضی صورتحال نے یہ بات عیاں کر دی کہ اشتراکیت کی

...بغیر اس کی طرف پہلا قدم بڑھائے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ... بالشیوک پارٹی کے، لینن کے حامیوں نے اپنی پارٹی کیلئے یہ نام منتخب کیا تھا، نعروں اور ملک کے انقلابی تغیر کی کے لیے اس کے واضح پروگرام نے لاکھوں محنت کشوں کی تمناؤں کی عکاسی کی۔ بالشیوکوں کی کامیابی کا راز یہی ہے۔ انھوں نے عوام کی سربراہی کی جنہوں نے پرانے سڑے گلے نظام کے خلاف جدوجہد کی اور اسے صحیح معنوں میں عوام کے انقلاب میں تبدیل کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سوویت حکومت کو اکتوبر انقلاب کے بعد کے پہلے چند مہینوں میں سارے ملک میں عظیم کامیابی حاصل ہوئی۔

لینن نے ایک محرک اور انقلاب کے سربراہ کی حیثیت سے بہت ہی بڑا کردار ادا کیا۔ لینن کی خدمات کو محنت کش طبقہ اور کسانوں کی تحریک سے، بالشیوک (کمیونسٹ) پارٹی کی، جسے انہوں نے قائم کیا اور فروغ دیا، سرگرمیوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ لینن نے اکتوبر انقلاب کی فتح کے لئے معروضی شرائط کی بابت بہت کچھ باتیں لکھیں۔

اکتوبر انقلاب کی شان اور عظمت کی جھلک تو اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ مارکسزم کے اس نقطہ نظر کی تصدیق کرتا ہے کہ اشتراکیت کے قیام کے لئے انقلابی چھلانگ، خواہ پُر امن یا دیگر صورت کی ہو، کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ یہ صرف اشتراکیتی انقلاب ہی ہے جو استحصال کرنے والے طبقوں کے ہاتھوں سے محنت کش طبقوں کے ہاتھوں ریاستی اقتدار منتقل کر دیتا ہے اور اس طرح اشتراکیت کے لئے ایک حقیقی راستہ کھول دیتا ہے۔ اسی لئے لینن کی تحریروں کی اس نقطہ نظر سے تشریح کرنی ضروری ہے، کیونکہ اکتوبر انقلاب کی اہم خصوصیات صرف یہی نہیں کہ یہ مقامی اور خاص طور پر روسی نوعیت کا ہے، بلکہ اسکی زبین الاقوامی اہمیت ہے۔

اکتوبر انقلاب کا تمام ملکوں پر جو اثر ہوا، وہ ناقابل بحث ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ روس میں اشتراکیتی انقلاب کے دوران جو واقعات رونما ہوئے دیگر ممالک بھی اس کی نقل کریں۔ نقل کرنا بھی ناممکن ہے کیونکہ ہر تاریخی لمحے میں ایک یا دیگر ملک میں اشتراکیتی انقلاب کی کامیابی کا انحصار اس ملک کی طبقاتی اور سیاسی طاقتوں پر اور اس کی بین الاقوامی حیثیت پر ہے۔ لینن اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں کہ "تمام اقوام کے لوگ اشتراکیت کو اپنائیں گے لیکن سب اس منزل تک ہو بہو ایک ہی راستے سے نہیں پہونچیں گے۔ سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ہر شخص کو اپنے طور پر جمہوریت اور اشتراکیتی تعمیر کی کے کام کے لئے کچھ نہ کچھ خدمات انجام دینا ہوں گی۔"

[باقی صفحہ نمبر ۵ کا]

... یوں لکھا ہے ـــ "گزشتہ تجزیہ میں، اس جدوجہد کے نتیجے کا تعین اس حقیقت سے ہوگا کہ روس، ہندوستان، چین جیسے ملکوں میں دنیا کے لوگوں کی اکثریت موجود ہے، اور گزشتہ چند برسوں میں یہ اکثریت ہی ہے جسے نجات کے لئے جدوجہد میں غیر معمولی تیزی سے شامل کر لیا گیا ہے تاکہ اس سلسلے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے کہ عالمی جدوجہد کا آخری نتیجہ کیا ہوگا۔"

محنت کش لوگوں کے استاد اور سربراہ کی اس پیشگوئی کی تاریخی تجربہ نے تصدیق کر دی۔ ہندوستان کے لوگوں کی لمبی، مسلسل اور بہادرانہ جدوجہد کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب اور ہندوستان کی آزادی کی قومی تحریک کی فتح و کامیابیاں عالمی تاریخ کے اہم واقعات ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۱ کا)

فیض کی طرح ساحر کا بھی شعری لہجہ مدہم مدہم، دھیما دھیما دل میں اتر جانے والا ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فیض احمد فیض کے بعد اگر کوئی اردو زبان و ادب میں مقبول شاعر ہوا ہے تو وہ ہے ساحر لدھیانوی جسے فلمی دنیا سے باہر بھی شعری ادب میں خصوصی مقام حاصل تھا۔ وہ ان شعراء کی صف میں آتا ہے جو کم لکھتے ہیں لیکن سوچ سمجھ کر لکھتے ہیں۔ اپنے فکری احساس کو نہایت خوبصورت شعروں میں ڈھالتے ہیں۔

بشکریہ: پاسبان چنڈی گڑھ

عظیم اکتوبر انقلاب اور ہندوستان کی آزادی

از
اے۔ ڈی لتمین

آج ان یادگار دنوں کے ساٹھ سال پورے ہوگئے جنہوں نے بقول جان ریڈ "دنیا کو ہلا دیا تھا"۔ سوویت روس کے عوام اور دنیا کے تمام ترقی پسند لوگ ۱۹۱۷ء کے عظیم اکتوبر اشتراکی انقلاب کی ۶۰ویں تقریب منا رہے ہیں۔ انسانی تاریخ میں نئے دور کا آغاز کرتے ہوئے ہمارے دور کا یہ عظیم واقعہ صدیوں سے غیر ملکی حکمرانوں کی غلامی میں سسکتے ہوئے عوام کی قومی آزادی کی جدوجہد کو اجاگر کرنے کی ایک فیصلہ کن تحریک تھا۔ اکتوبر انقلاب کے باشعور لیڈر لینن نے کہا:

"عصری انقلاب میں مشرق کی بیداری کے دور کے بعد ایک ایسا دور آرہا ہے جس میں پوری دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے مشرق کے عوام شرکت کریں گے تاکہ وہ دوسروں کو مالا مال کرنے کے ذرائع نہ بن جائیں۔ مشرق کے لوگ مخصوص اقدام کی ضرورت سے باخبر ہیں نیز وہ سب اس بات سے بھی واقف ہیں کہ بنی نوع انسان کی قسمت کو سنوارنے کے کام میں ہر قوم کو شرکت کرنے کی ضرورت ہے۔"

اکتوبر انقلاب نے دنیا کے شہنشاہی محاذ کو توڑ دیا اور اس نے ہی سب سے پہلے اس پر ضرب کاری کی۔ نیز اکتوبر انقلاب نے قومی آزادی کی تحریک کے لئے اور اس کے فروغ وکامیابی کے لئے نئے اور موافق حالات پیدا کئے۔ نوآبادیاتی دنیا کے عوام کو اپنے گلے سے طوقِ غلامی کو اتار پھینکنے کیلئے، قومی آزادی قائم کرنے کیلئے، نوآبادیات کی وجہ سے پیدا ہونے والی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے نیز معاشی وسماجی ترقی کے میدان میں نمایاں ترقی حاصل کرنے کے لئے اپنی جدوجہد میں دنیا کے مزدور اور کسانوں کی پہلی ریاست کی مدد پر بھروسہ کرنے سے کافی تقویت ملی۔

اکتوبر انقلاب کی کامیابی کی خبر پانے کے فوراً بعد تمام ماتحت اور نوآبادیاتی ملکوں کے وطن دوست لوگوں اور سیاسی جماعتوں نے سوویت یونین اور اس کے عوام سے تعلقات قائم کرنے کی کوششیں کیں۔ ہندوستان میں بھی گرم جوشی کے ساتھ اکتوبر انقلاب کا خیر مقدم کیا گیا۔ انقلاب کے دو سال کے بعد ہندوستانی انقلابیوں نے ماسکو میں پیغام تہنیت بھیجے۔ اس پیغام میں سوویت حکومت کے پہلے فرمان کی، خاص طور پر روس کی اقوام کے حقوق کے اعلانات کی، کافی تعریف کی گئی۔ اس فرمان میں روس کی تمام قوموں کے لئے خود مختاری اور مساوات کے اصولوں کا اور اپنی بابت خود فیصلہ کرنے کے غیر منفک حقوق کا اعلان کیا گیا ہے اور اس نے قومی اور قومی مذہبی رعایتوں اور پابندیوں کو ختم کر دیا۔

اکتوبر انقلاب کے براہ راست اثر کے تحت ہندوستان کے زیادہ سے زیادہ لوگوں نے قومی آزادی تحریک میں شرکت کی اور سامراجیوں کے خلاف اقدامات نے صحیح معنوں میں عوامی نوعیت حاصل کرلی۔

یہ وہی وقت تھا جب عظیم رہنما لینن نے مشرق کے ان تمام ماتحت اور نوآبادیاتی ملکوں میں جہاں خاص طور پر اکتوبر انقلاب کے زیر اثر شہنشاہیت کے خلاف جدوجہد شروع ہو چکی تھی ہندوستان کو منتخب کیا۔ انہوں نے لکھا ——

"برٹش ہندوستان ان ملکوں کے سر پر ہے اور وہاں انقلاب بھی ایک طرف صنعتی اور ریلوے پرولتاریت کی ترقی اور دوسری طرف برٹش کے ظلم وستم میں اضافہ کے تناسب آہستہ آہستہ پختہ ہوتا جا رہا ہے۔"

ایشیا کے بڑے ممالک میں سے ہندوستان ہی میں لینن کو یہ صورتحال نظر آئی کہ شہنشاہیت کے نوآبادیاتی نظام کو ختم کرنے میں ہندوستان کا رہنما کردار ادا کرنا پڑے گا۔ ہندوستان کے لوگوں کی اپنی قومی آزادی کیلئے جدوجہد کی بین الاقوامی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لینن نے اپنے ایک مضمون

(باقی صـــ پر)

موت کا گیت

…سرخی کا آنچل میں انساں بہت کھیل چکا
…ن انساں سے حیوان بہت کھیل چکا
…یبِ جہاں سے سلیمان بہت کھیل چکا
وقت ہے آؤ دو عالم کو دگرگوں کردیں
قلبِ گیتی میں تباہی کے شرارے بھر دیں

نالہ بے اثر اللہ کے بندوں کے لئے
صلۂ دار و رسن حق کے رسولوں کے لئے
قصرِ شداد کا در بند ہے بھوکوں کے لئے
پھونک دو قصر کو گر کن کا تماشا ہے یہی
زندگی چھین لو دنیا سے جو دنیا ہے یہی

…لمت کفر کو ایماں نہیں کہتے ہیں
…گِ خونخوار کو انساں نہیں کہتے ہیں
…شمنِ جاں کو نگہباں نہیں کہتے ہیں
…اگ اٹھنے کو ہے اب خوں کا طلاطم دیکھو
ملک الموت کے چہرے کا تبسم دیکھو

زلزلو آؤ دہکتے ہوئے لاؤ آؤ !!!
بجلیو آؤ گرجدار گھٹاؤ آؤ !!!
آندھیو آؤ جہنم کی ہواؤ آؤ !!!
آؤ یہ کرۂ ناپاک بھسم کر ڈالیں
کاسۂ دہر کو معمورِ کرم کر ڈالیں

…ماں لو قہر کا سیلاب کسے کہتے ہیں
…ناجہاں موت کا گرداب کسے کہتے ہیں
قبر کے پہلوؤں کی داب کسے کہتے ہیں
دورِ ناشاد کو اب شاد کیا جائے گا
روحِ انساں کو آزاد کیا جائے گا



مخدوم محی الدین

مارکس اور ہندستان

از: اُرون پرکاش چیٹرجی

میں یہاں اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ کارل مارکس نے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل ہندستان کی بابت کیا کہا تھا۔

کارل مارکس نے ہندستانی تواریخ میں اپنی بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ انہوں نے ہندستان میں رونما ہونے والے واقعات کا سائنسی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا اور ہندستان کی آزادی کی پہلی جنگ، جسے انگریزوں کے خیر خواہ تاریخ داں سپاہیوں کی بغاوت کہتے ہیں، سے قبل ہندستان کے لوگوں کی ترقی کا ایک خاکہ پیش کیا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق ہندستان کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس کا نام نہاد دیہی نظام بہت فرسودہ تھا۔ دیہی نظام نے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں ایک طرح سے مقید کر رکھا تھا اور انہیں پیچھے کی طرف ڈھکیل دیا تھا اور اس طرح انہیں شاندار اور تاریخی قوتوں سے محروم رکھا تھا۔ مارکس کے مطابق یہ بات باعثِ شان نہیں بلکہ باعثِ افسوس ہے کہ ہندستانیوں نے خود کو چھوٹے چھوٹے قطعاتِ آراضی تک مرکوز رکھا اور خاموشی کے ساتھ سلطنتوں کی تباہی، عوام پر ناگفتہ بہ ظلم اور بڑے شہروں کے لوگوں کے قتلِ عام کے مناظر دیکھے اور ان تمام واقعات کو انہوں نے صرف قدرتی حادثات تصور کیا۔

ہندستان کے لوگوں کے مستقبل سے انہیں بڑی دلچسپی تھی۔ اس لئے وہ ایشیا کے ایک اشتراکیتی ملک یعنی ہندستان میں ایک بنیادی انقلاب کے خواہاں تھے۔ اس لئے ہندستان میں انگریزوں کی حکومت کے ابتدائی دور میں جب انگریزوں کے بھاپ کے انجن نے ہتھ بنکروں اور ہتھ تانتیوں کو ختم و برباد کر دیا تو مارکس نے اس وقت کہا تھا کہ یہ سارے ایشیا میں اور ہندستان میں واحد سماجی انقلاب ہے۔ انگریزوں کے ظلم و ستم اور جرائم کو انہوں نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا لیکن اس کے ساتھ ایک سماجی سائنسداں کی حیثیت سے انہوں نے یہ دیکھا کہ ایشیا کے ایک اشتراکیتی ملک میں بنیادی انقلاب لانے میں انگریز غیر شعوری طور پر تاریخ کا ہتھیار بن گئے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ انفرادی طور پر ہندستان کے لوگوں کی بابت ان کے خیالات ہلکے پھلکے تھے۔ ہندستان کے لوگوں کی وہ بہت قدر کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہندستان کے لوگ گرچہ تابع ہیں، تاہم ان کی خاموشی میں عالی ظرفی پوشیدہ ہے۔ انہوں نے اس نقطہ کو اُجاگر کیا کہ ہندستانیوں کی بہادری نے برٹش حکام کو حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے اس ملک کو یورپی زبانوں اور مذاہب کا منبع بتایا اور انہوں نے جاٹ کو قدیم جرمن نژاد اور برہمن کو قدیم یونان نژاد نسل قرار دیا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مارکس کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ ہندستانیوں کو ماتحت دستی سوت کاتنے والے اور دستی بنکروں کی صف میں رکھا جائے۔ اسی لئے انہوں نے ہندستان کے لوگوں کے لئے ایک روشن مستقبل کی پیشین گوئی کی تھی کہ ہندستان کے لوگ ایک عظیم قوم بن جائیں گے۔ اور سرمایہ دارانہ صنعتیں جنہیں انگریزوں کو مجبوراً ہندستان کے سارے علاقوں میں پھیلانا پڑا، بڑی بڑی صنعتوں میں تبدیل ہو جائیں گی اور عنقریب مستقبل میں ہندستان کے لوگ اتنے طاقتور بن جائیں گے کہ وہ اپنے آزاد وطن میں اپنے مستقبل کی تعمیر کے کام کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں گے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اس بات کی امید کر سکتے ہیں کہ ہم عنقریب مستقبل میں ایک عظیم ملک کی، جہاں کے لوگ اٹلی کے باشندوں سے زیادہ نازک مزاج اور زیادہ مستعد ہیں، احیاء نو کا منظر دیکھیں گے۔

انگریزوں نے سرمایہ داری کا بیج بویا۔ انہوں نے ایسا اس لئے

نہیں کیا کہ یہ انکی خواہش تھی، بلکہ انہیں اپنے مفاد کی خاطر ایسا کرنا پڑا۔ درحقیقت انہیں ہندستان میں پیداواری صلاحیتوں کو پیدا کرنا پڑا، کیونکہ یہ ان کے لئے کافی اہمیت کے حامل تھے۔ مارکس نے اپنی تحریر دوں میں اس حقیقت کو بالکل عیاں کردیا کہ کس طرح انگریزوں نے اپنی حکومت کے اوائل دور میں دیسی صنعتوں کو تباہ کرکے اور اپنے ملک کی تیار کردہ مصنوعات کو ہندستان میں برآمد کرکے، اپنے خزانوں میں کروڑوں کروڑ روپئے کا اضافہ کیا۔ بعد میں یہ بات عیاں ہوگئی کہ اس طریقۂ کار سے انگریز کارخانہ داروں کو مسلسل فائدہ نہیں پہونچا کیونکہ آپ ایک ملک میں اپنی مصنوعات کی بھرمار نہیں کرسکتے، جب تک کہ آپ اس ملک میں کچھ درآمد نہ کریں۔ مارکس کے نظریہ کے مطابق ایک طرف صنعتی مفادات اور دوسری طرف روپیہ کمانے کی لالچ اور عدیدہ کے درمیان ایک تنازعہ پیدا ہوگیا۔ اوّل الذکر کو تو اپنی مصنوعات کی فروخت سے دلچسپی تھی، لیکن ہندستان میں تمام پیداواری سرگرمیوں کا گلا گھونٹ دینے کی وجہ سے ان کی مصنوعات کی پیداوار میں تیزی سے کمی ہونے لگی۔ مارکس نے یہ دکھایا کہ ۱۸۴۶ء کو ختم ہونے والے چار برسوں میں ہندستان میں برطانیہ سے ۱ر۲۶ کروڑ روپئے کی مالیت کی مصنوعات درآمد کی گئی، اس کے بعد ۱۸۵۰ء کو ختم ہونے والے چار برسوں میں ایسی درآمدات کی مالیت کم ہوکر ۳ر۲۵ کروڑ روپئے ہوگئی۔ نیز اوّل الذکر عرصہ میں ہندستان سے ۴ر۲۷ کروڑ روپئے کی مالیت کی مصنوعات کی برآمد کی گئی، جو بعد الذکر عرصہ میں کم ہوکر ۴ر۲۵ کروڑ روپئے کی مالیت کی ہوگئی۔

اس لئے انگریز صنعت کاروں نے ہندستان کو چند پیداواری صلاحیتیں واپس دینے کا ارادہ کیا۔ لیکن برٹش سرمایہ دارانہ نظریہ کے علاوہ کسی اور نظریہ سے پیداواری صلاحیتوں کی بابت اور ایسی صلاحیتوں کی بحالی یا فروغ کی بابت وہ سوچ بھی نہ سکے۔

انگریزوں نے ہندستان میں ریلوں کا انتظام کیا۔ مارکس اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں کہ "ریلوں کی آمدورفت کے لئے فوری اور حالیہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے حسب ضروری صنعتی طریقۂ کار رائج کئے بغیر اتنے بڑے ملک میں ریلوے لائن کا جال بچھا دیا گیا ہے، کے اخراجات کو برداشت نہیں کیا جاسکتا!! اس طرح ہندستان میں ریلوں کے نظام کو جدید صنعتوں کا پیش رو کہا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مارکس کے خیال کے مطابق ہندستان کے لوگ سماج کے ان نئے عناصر سے جنہیں برٹش برژواؤں نے ہندستان میں ادھر ادھر بکھیر دیا تھا، اس وقت تک کافی مستفید ہوتے رہیں گے جب تک برطانیہ عظمیٰ میں موجودہ حکمران طبقوں کی صنعتی پرولتاریت مدد کرتے رہیں گے اور جب تک کہ ہندستانی بذات خود اتنے طاقتور نہ بن جائیں کہ وہ انگریزوں کو یہاں سے نکال باہر کردیں۔ اس کے ساتھ مارکس ایک بڑے اور دلچسپ ملک یعنی ہندستان کی احیاء نو کو دیکھنے کے متمنی تھے۔

جب ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی چھڑی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ کارل مارکس اس کی رفتار کا بہت دلچسپی کے ساتھ جائزہ لیتے رہے۔ مارکس بہت فکرمند ہوگئے تھے اور انہیں اس بات کی امید تھی کہ انگریز دہلی پر قبضہ نہ کرسکیں گے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب مارکس نے برٹش کے دعوے کا مذاق اڑایا اور اسے سیواستوپول کا فریب کہا۔ لیکن جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو اس وقت مارکس نے اپنے دلی رنج کا اظہار کیا۔

برٹش حکام اس وقت سپاہیوں کی زیادتی کی من گھڑت کہانیوں کا پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ مارکس نے اپنے ایک مضمون میں اسکو پہلی چینی جنگ میں برٹش کے ظلم وستم سے تشبیہ دی۔ اس کے بعد انگریزوں نے اپنی شدید نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ہندستانیوں پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑ دیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی، بچوں کو زدوکوب کیا گیا، گاؤں کے گاؤں کو جلا ڈالا گیا۔ انگریزوں نے اسے ایک وحشت ناک کھیل سمجھا۔ اس کا ذکر کسی چینی عالم نے نہیں کیا بلکہ بذات خود برٹش افسروں نے کیا۔

پہلی جنگ آزادی کے دوران ہندستانیوں پر ڈھائے گئے ظلم وستم کے سلسلے میں مارکس بنارس کے ایک انگریز افسر کا ذکر کرتے ہیں، اس افسر نے اپنے ایک خط میں جسے "لندن ٹائمس" میں شائع کیا گیا تھا، یوں کہا کہ یورپی سپاہی جب ان کا مقابلہ مقامی لوگوں سے ہوا تو سب ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ وہ یہ کہانی بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ۱۰ ویں بے ضابطہ فوجیوں کو بے ہتھیار بنا دیا گیا، کیونکہ انہوں نے ۵۵ ویں دیسی فوجیوں کو تبدیل نہیں کیا، حالانکہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان سے انتقام لینے کے لئے ان لوگوں کو نہ صرف غیر مسلح کیا گیا بلکہ ان

کے کوٹ اور بوٹ اتارے گئے ۱۳۔ اس کے بعد انہیں دریا کے کنارے لے جایا گیا۔ وہاں انہیں کشتی میں بٹھا کر دریائے سندھ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس برٹش افسر نے جس کا ذکر مارکس نے کیا، یہ کہتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کیا کہ ہر ماں کے بیٹے کو تیز رو جھرنے میں ڈوبنے کا موقعہ ملے گا۔ مارکس نے اس مضمون میں بہت سارے افسروں کا ذکر کیا جنہوں نے اپنی خوشیوں کا اظہار کیا کہ کس طرح ہندوستانی سپاہیوں کو سزا دی جا رہی ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا "ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جب ہم دس پندرہ ہندوستانی سپاہیوں کی چھال نہیں ادھیڑتے۔"

ایک اور افسر نے یوں لکھا "ہوسٹن تو روزانہ اینٹوں کی طرح سینکڑوں سپاہیوں کو پھانسی پر لٹکا دیتا ہے"۔ برٹش حکام کیلئے دیسی لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دینا تو خوشی کی بات تھی۔ ایک افسر رقمطراز ہے "ہم لوگ تو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے عدالتی کام کیا کرتے اور ہر کالے کلوٹے کو پھانسی پر لٹکا دیتے یا بندوق سے مار ڈالتے"۔ مارکس کو بنارس سے ایک خبر موصول ہوئی کہ تیس زمینداروں کو صرف اس شبہ پر پھانسی پر چڑھا دیا کہ ان لوگوں نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ ساتھ ہی انگریزوں نے اسی بہانہ دیہاتوں کو جلا کر خاک کر دیا۔

ہندوستانی تاریخ پر اپنے نوٹ میں مارکس یوں رقمطراز ہیں کہ بہادر شاہ دوئم کو کورٹ مارشل کے سامنے لایا گیا اور عدالت نے انہیں سنگین مجرم کی طرح موت کی سزا دی اور یہی بہادر شاہ دوئم تھے جو مغل خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مغل خاندان کا دور ہندوستان میں سنہ ۱۵۲۶ء سے شروع ہوا تھا۔ ان دنوں یورپ میں ہندوستان کی بابت خبریں قطرہ قطرہ میں ملتیں اور یہ خبریں سب کی سب پروپیگنڈہ میں لپٹی ہوتیں لیکن مارکس کا سائنسی دماغ نام نہاد سپاہیوں کی بغاوت کی حقیقی نوعیت کا تجزیہ کرنے میں ناکام نہیں رہا۔ انہوں نے بتایا کہ اتنے وسیع پیمانے پر فوجی بغاوت اس بات کی شاہد ہے کہ مقامی باشندوں کی تائید اور اغماض کے بغیر اتنی بڑی بغاوت رونما نہیں ہو سکتی اور نہ اتنے وسیع پیمانہ پر پھیل سکتی ہے۔

اس سے قبل کے اپنے ایک مضمون میں انہوں نے کہا تھا کہ آہستہ آہستہ ایسے حالات نمودار ہوتے رہیں گے کہ جو انہیں بذات خود اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ جسے وہ فوجی بغاوت کہتے تھے دراصل وہ قومی بغاوت تھی۔

مارکس یورپ کے ان گنے چنے باشندوں میں سے ایک تھے جنہوں نے ہندوستانی مناظر کا سائنسی دماغ سے تدبّر اور ہمدردی کے ساتھ غائر مطالعہ کیا۔ یقیناً انہیں بہت خوشی ہوتی اگر وہ یہ دیکھنے کے لئے زندہ رہتے کہ جن باتوں کی انہوں نے ۱۵۰ سال پہلے پیشن گوئی کی تھی، وہ صحیح ثابت ہوئیں۔ انہوں نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ ہندوستان کے لوگ بذات خود اتنے طاقتور بن جائیں گے کہ وہ اپنے جسم سے انگریز کا لبادہ اتار پھینکیں گے ‌‌۔

باقی صفحہ [illegible] کا

جنگ کے خاتمے کا عوام کے خون اور انکی بربادی پر پنپنے والے بورژوازی کو لگام دئے جانے اور بڑی جاگیرداری کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔

لینن نے انقلاب کے روح رواں اور قائد کا رول ادا کیا۔ مزدوروں اور کسانوں کی تحریک سے، بولشویک (کمیونسٹ) پارٹی کی سرگرمیوں سے لینن کا نام اٹوٹ طور پر جڑا ہوا ہے۔ عوام کے انقلابی جوش و خروش میں لیقین نے، عوام کی تحریک کو سمجھنے کی صلاحیت نے، ان کے بنیادی مفادات کے احساس اور سماجی سلسلہ ہائے عمل کی روح کے گہرے ادراک نے لینن کو انقلاب کی منزلِ مقصود تک کروڑوں مزدوروں کی رہنمائی کرنے کے اہل بنایا۔

لینن نے لکھا تھا کہ اگر ترقی پسند ذہن رکھنے والے مزدور ایک سیاسی پارٹی میں متحد ہوں اور تمام محنت کشوں اور کچلے ہوئے لوگوں کی سرگرم مدد و حمایت سے ریاستی مشنری کو اپنے ہاتھ میں لینے اور عوام کے مفاد میں استعمال کرنے کے لئے تیار ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ایک نئی سوشلسٹ زندگی کی تعمیر سے نہیں روک سکتی۔

سوویتوں کی دھرتی کے بعد کے واقعات نے لینن کے خیالات کو صحیح ثابت کر دیا۔ نوعِ انسانی کے ترقی پسند مفکرین کا خواب نہ رہ کر سوشلزم ایک حقیقی سماجی نظام بن گیا ہے۔ آج یورپ، ایشیا، لاطینی امریکہ اور افریقہ کے ملکوں کی ایک بہت بڑی تعداد سوشلسٹ تعمیر کے راستے پر گامزن ہے



عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی ۷۱ویں سالگرہ کے سلسلے میں

اف۔ ایس۔ تیتارینکو، پی ایچ ڈی (تاریخ)

تاریخ کا ناگزیر واقعہ

روس کے فتحمند سوشلسٹ انقلاب نے نوع انسانی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ دنیا کے تمام ممالک اس انقلاب سے متاثر ہوئے۔ اسکی بین الاقوامی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے امریکی پروفیسر ایلوٹ گولڈمن نے لکھا کہ دنیا کی تاریخ میں اتنی تھوڑی مدت میں عوام کی زندگی اور سماجی نظاموں میں اسقدر گہری تبدیلیاں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ یہ ایک انوکھا واقعہ تھا جو آج بھی ہماری توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

وہ لوگ جو عظیم اکتوبر انقلاب کے سرچشموں اور اسباب کی سائنسی اور مارکسی تشریح کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، انتہائی مختلف طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ بعض کے مطابق اکتوبر انقلاب تاریخ کے قوانین کے خلاف تھا۔ دوسرے لوگ اکتوبر انقلاب کی کامیابی کی وجہ لینن کے داخلی ارادوں کو بتاتے ہیں جو ان کے بقول " واقعات کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے فن کے ماہر تھے۔

لیکن اکتوبر انقلاب ایک ناگزیر واقعہ تھا جو داخلی اور بین الاقوامی دونوں ہی نوعیت کے بہت سے سماجی۔ معاشی اور سیاسی عناصر کے تسلسل کا نتیجہ تھا۔ اس سے پہلے روس میں کئی سماجی طوفان آئے تھے جن میں ۱۹۰۵ء اور فروری ۱۹۱۷ء کے بورژوا۔ جمہوری انقلابات بھی شامل تھے۔

ہر سماجی انقلاب استحصال پر مبنی سماج کے سنگین طبقاتی تضادات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ روس میں عظیم اکتوبر انقلاب سے قبل یہ تضادات انتہائی سنگین تھے۔ پرانے اور بورژوا اور جاگیردارانہ روس کو عالمی سرمایہ داری کے تضادات کا عجب طور پر مرکز اور اس کی سب سے کمزور کڑی تصور کیا جاتا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے ناقابل فراموش دنوں نے اس کڑی کو توڑ دیا۔

مارکس نے لکھا تھا انقلاب۔ تاریخ کے انجن ہوتے ہیں۔ وہ عوام الناس کو حرکت میں لاتے، نئی سماجی قوتوں کو طاقتور ابھار دیتے اور طویل تاریخی مدت کے لئے سماج کے ارتقاء کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ یہ عالمی اہمیت کا حامل انقلاب تھا اور اس نے سرمایہ داری سے ایک نئے سوشلسٹ سماجی نظام میں نوع انسانی کے عبور کی ضروری تقاضوں کی ترجمانی کی۔

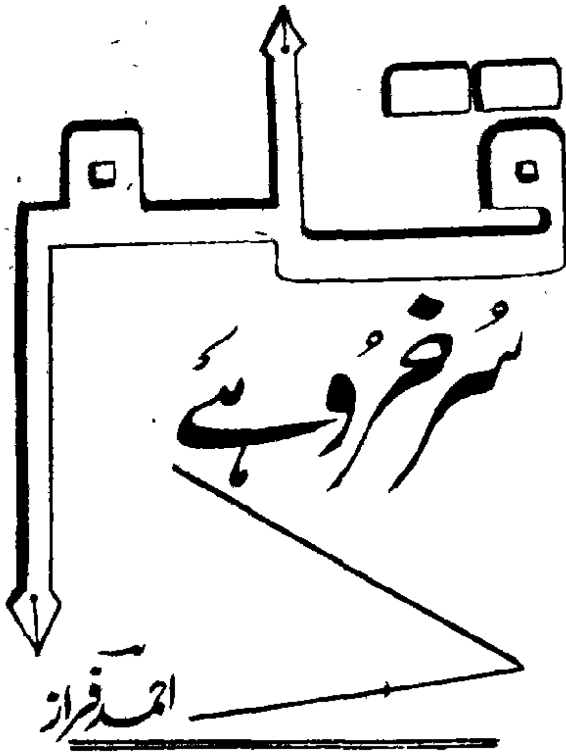
سوشلزم کے بدخواہوں کا کہنا ہے کہ اکتوبر انقلاب ناجائز تھا کیونکہ وہ مارکس کی اس پیش گوئی کے مطابق نہیں تھا کہ سوشلسٹ انقلاب سب سے پہلے کسی انتہائی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک میں ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ روس ایک پسماندہ ملک تھا جو سوشلزم کیلئے تیار نہیں تھا۔

یہ سچ ہے کہ روس انتہائی ترقی یافتہ ملکوں میں شامل نہیں تھا۔ وہ سرمایہ دارانہ ترقی کی درمیانہ سطح پر تھا۔ اسکی زراعت پچھڑی ہوئی تھی لیکن اس کے پاس جدید ترین صنعت تھی اور وہاں صنعتی پرولتاریہ کافی تعداد میں موجود تھا۔ روسی مزدور طبقہ ایک زبردست طاقت اور انقلاب کی رہنما قوت تھا۔ اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے پیچھے ایک انتہائی اہم عنصر یہ تھا کہ اسکی فتح سے پہلے پہلے ملک میں ایک نئی ریاستی مشینری یعنی مزدوروں، سپاہیوں اور کسانوں کے نمائندوں پر مشتمل سوویتیں قائم ہو چکی تھیں۔ اس مشینری کے بغیر مزدور طبقہ اپنی حکومت کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔

جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی شروع کردہ قزاقانہ سامراجی جنگ نے مزدوروں اور کسانوں کی حالت بیحد انتہا خراب کر دی۔ انہوں نے

باقی صفحہ پر





قلم سرخرو ہے
کہ جو اس نے لکھا
وہی آج میں ہوں، وہی آج تو ہے
قلم نے لکھا تھا
کہ جب بھی زبانوں پہ پہرے لگے ہیں
تو بازو سناں تولتے ہیں
کہ جب بھی لبوں پر خموشی کے تالے پڑے ہوں
تو زنداں کے دیوار و در بولتے ہیں
کہ جب حرف زنجیر ہوتا ہے
شمشیر ہوتا ہے آخر
کہ جو حرف ہے زیست کی آبرو ہے
قلم سرخرو ہے
قلم نے لکھا تھا یہ دھرتی اسی کی ہے جو ظلم کے موسموں میں
کھلے آسمانوں تلے اس کی مٹی میں اپنا لہو گھولتا ہے
جو اپنے لہو کی تمازت سے زلفِ نمو کی گرہ کھولتا ہے
وہی جس کی پوروں کے مس سے سکوتِ زمیں بولتا ہے
مگر جس نے بویا تھا کاٹا تھا
اس کے مقدر میں نانِ جویں تک نہ تھی
جس کا پیکر مشقت سے پتھرا گیا
اور جس کے لبوں پر نہیں تک نہ تھی
اسی کا ہے عبارت یہ سب رنگ و بو ہے
قلم سرخرو ہے، قلم سرخرو ہے
اسی نے لکھا تھا

وہ بازو جو پتھر سے ہیرے تراشیں
مگر بے نشاں انکی لاشیں
وہی کوہکن، جن کے تیشے پہاڑوں کے دل چیر ڈالیں
مگر خسروانِ جہاں انکی شیریں چرالیں
وہی جن کے جسموں کے پیوند اہلِ ہوس کی قبا میں لگے تھے
وہی سادہ دل جن کی نظریں فلک پر جمی تھیں
تو لب منعموں کی ثنا میں لگے تھے
اب ان کی ثنا چار سو ہے
قلم سرخرو ہے





طبقے اور طبقاتی جدوجہد

طبقے کیا ہیں؟

اولین دور کے قبائلی سماج کو چھوڑ کر ہر سماج طبقات میں بٹا ہوا ہے۔ غلامی کے سماج میں یہ طبقے تھے غلام اور آقا۔ جاگیردارانہ سماج میں یہ طبقے تھے جاگیردار اور رعیت یعنی ایسے اشخاص جن کی خدمات زمین کے ساتھ منتقل ہوتی تھیں۔ سرمایہ دار سماج میں یہ طبقے ہیں سرمایہ دار اور مزدور ــــ لینن نے کہا ہے کہ "طبقے لوگوں کے وہ بڑے بڑے گروہ ہیں جو پیداوار کے ایک تاریخی طور پر متعین نظام میں اپنے اپنے مقام کی وجہ سے، ذرائع پیداوار کے ساتھ اپنے اپنے تعلق کی وجہ سے (جو اکثر صورتوں میں قانون کے تحت متعین اور منضبط ہوتا ہے) محنت کی سماجی تنظیم میں اپنے اپنے کرداروں کی وجہ سے اور اس لئے سماجی دولت میں اپنے اپنے حصے کے تناسب اور اسکو حاصل کرنے کے طریقے کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔"

لینن نے طبقوں کی جو تشریح کی ہے وہ اہم ترین طبقاتی تفریقات کو اجاگر کرتی ہے جن کے ساتھ طبقوں کی تمام دوسری سیاسی، اخلاقی، نفسیاتی اور نظریاتی خصوصیات جڑی ہوتی ہیں۔

طبقوں کا وجود صرف ایسے سماج میں ہوتا ہے جہاں ذرائع پیداوار سے متعلق لوگوں کی جماعتوں کے موقف مختلف ہوتے ہیں۔ اولین دور کے سماج میں نجی ملکیت نہیں تھی۔ اس لئے اس میں نہ طبقے تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ نجی ملکیت کے ساتھ طبقے بھی وجود میں آتے اور جب اس قسم کی ملکیت ختم ہو جائے گی تو طبقے بھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے۔

طبقاتی تسلط کا وسیلہ:

استحصال کر طبقے چونکہ پیداوار کے ذرائع کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ان کے ہاتھوں میں بے انتہا معاشی اقتدار ہوتا ہے جسے وہ سماج میں اپنی مرضی سے مسلط کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ ایک طبقاتی سماج میں سماجی تعلقات ایسے قانونی اصولوں اور قواعد و ضوابط کے تابع ہوتے ہیں جو حکمران طبقہ کی مرضی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے مجموعہ کو قانون کہا جاتا ہے۔

لیکن جب ایسی مشینری نہ ہو جو قانون کی تعمیل کو اگر ضرورت ہو تو طاقت کے ذریعہ بھی یقینی بنانے کے قابل ہو تو بجائے خود قانون بالکل بے دست و پا اور لاچار ہوتا ہے۔ یہ کردار ریاست انجام دیتی ہے جو سیاسی اقتدار کی ایک تنظیم ہوتی ہے اور اس کے پاس پولس، فوج، عدالتوں اور جیلوں جیسے قانون کو نافذ کرنے والے ادارے ہوتے ہیں۔ ہر ایسی سماجی۔ معاشی تشکیل میں جو نجی ملکیت اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال پر مبنی ہوتی ہے، ریاست استحصال کئے گئے لوگوں پر استحصال کاروں کے طبقاتی تسلط کا ایک آلہ ہوتی ہے۔

ریاست جب سے عالم وجود میں آئی ہے اس وقت سے لیکر آج تک کئی کام انجام دیتی رہی ہے۔ ان کاموں کے بغیر سماج ترقی نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں تعمیرات عامہ کی تنظیم (سڑکوں، آبپاشی کی سہولتوں، آفات ناگہانی سے بچاؤ کے ذرائع کی تعمیر)، ڈاک کی خدمات، تجارت، معہ برآمدات و درآمدات، امن عامہ کی برقراری وغیرہ شامل ہیں۔ حکمران طبقے یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ریاست کا اصلی مقصد لوگوں کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کو یقینی بنانا ہے۔ وہ اسے سماجی نظام کو جو ریاست قائم کرتی ہے ایک ابدی نیا اور بدرجہ ویسا کی کوشش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر استحصال کار ریاست تمام منصب

سماجی کام محنت کش عوام پر طرح طرح کے ٹیکسوں کا بھاری بوجھ لاد کر انجام دیتی ہے اور یہ کام بھی صرف اس حد تک کئے جاتے ہیں جو سماج کی بقا کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس ریاست کا بنیادی فریضہ صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ غربت و افلاس اور استحصال کے شکار دبے کچلے لوگوں کو فرمانبردار رکھے اور حکمران طبقوں کے قائم کئے ہوئے نظام کی حفاظت اور نگہبانی کرے۔

جب سماجی۔ معاشی تشکیلات بدلتی ہیں تو ریاست کی طبقاتی نوعیت اور کردار بھی بدل جاتا ہے۔ ہم استحصال کار ریاستوں کی تین اہم قسموں سے واقف ہیں: غلامی کی ریاست، جاگیردارانہ ریاست اور سرمایہ دارانہ ریاست۔

آیئے، ہم کچھ ترقی یافتہ سرمایہ دار ریاستوں کا جائزہ لیں۔ برطانیہ میں ایک آئینی بادشاہ ہی حکمرانی ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں صدارتی طرز کی حکومت ہے، اور اٹلی میں پارلیمانی نظام ہے۔ یہ ساری ریاستیں ایک ہی قسم کی ہیں، البتہ ان کی شکلیں مختلف ہیں۔ کسی ریاست کی شکل کا انحصار، اوّل حکومت کی شکل پر اور دوئم موجودہ سیاسی نظام پر ہوتا ہے۔ حکومت کی دو اہم شکلیں ہیں — شاہی اور جمہوریہ۔

سیاسی نظام حکومت کے طریقہ کار کا تعین کرتا ہے۔ حکمران اور استحصال کار طبقہ دبے کچلے طبقوں کو اپنا محکوم اور مطیع بنائے رکھنے کے لئے کھلے عام دہشت انگیزی اور تشدد کا راستہ بھی اختیار کر سکتا ہے اور جمہوری طریقوں سے بھی حکمرانی کر سکتا ہے۔ اکثر و بیشتر وہ ان دونوں پر مشتمل پالیسی کو اختیار کرتے ہیں اور موقع محل کے لحاظ سے ان دونوں عناصر کو مختلف تناسب کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

یہاں ایک اہم تصور یعنی جمہوریت کے تصور کی وضاحت ضروری ہو جاتی ہے۔ جمہوریت حکومت کا ایک ایسا نظام ہے جو قوم کے معاملات کے انتظام و انصرام میں مجموعی حیثیت سے تمام لوگوں کی شرکت اور فرد کی آزادی کا باضابطہ اعلان کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جمہوریت کے تحت شہریوں کو اپنے سیاسی حقوق بروئے کار لانے کی آزادی اور موقع حاصل ہونا چاہئے مثلاً یہ کہ انہیں قانون کے سامنے سب کی برابری، تقریر و تحریر اور اجتماع کی آزادی، نجی زندگی کی حرمت وغیرہ کی ضمانت حاصل ہونا چاہئے۔ لیکن ایک طبقاتی سماج میں جمہوریت کی نوعیت اور کردار بھی طبقاتی ہوتا ہے۔

استحصال پر مبنی سماج میں ریاست بنیادی طور پر استحصال کاروں کے تسلط کو قائم اور برقرار رکھنے کا ایک آلہ ہوتی ہے اور جمہوریت بھی اس تسلط کی ایک شکل ہوتی ہے۔

اس لئے حقیقی اور سچی جمہوریت صرف سوشلزم کے تحت ممکن ہے جس میں معاشی اور سماجی تعلقات جمہوریت کے اصل اصولوں کے لئے عوام، حکومت اور فرد کی آزادی کے لئے ٹھوس اور مستحکم بنیاد مہیا کرتے ہیں۔

تاریخ کی محرک قوت : طبقاتی جدوجہد کیا ہے اور وہ سماج میں کیا کردار ادا کرتی ہے؟

طبقاتی جدوجہد ان سماجی دشمنی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے جو استحصال کاروں اور استحصال کے شکار لوگوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے۔ سماج میں محکوم اور دبے کچلے طبقوں کا موقف سماجی حقوق سے انکی محرومی، جابر حکمرانوں کا ظلم و تشدد، یہ چیزیں محکوم اور دبے کچلے طبقوں کو انقلابی اقدامات کی سمت لے جاتے ہیں۔

بورژوا ماہرین نظریات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حریف طبقات کے مفادات کے درمیان ہم آہنگی اور مصالحت پیدا کی جا سکتی ہے۔ لیکن کیسے؟ ایسی ہم آہنگی اور مصالحت پیدا کرنے کے لئے یا تو استحصال کاروں کو خود اپنی مرضی سے ذرائع پیداوار پر اپنی ملکیت سے دستبردار ہونا پڑے گا (تاریخی تجربہ بتاتا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی ایسا کیا ہے اور نہ کبھی ایسا کریں گے) یا پھر محکوم اور دبے کچلے طبقوں کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر اپنے غلامانہ موقف پر راضی ہو جانا پڑے گا۔ بورژوا ماہرین نظریات یہی چاہتے ہیں، لیکن طبقاتی جدوجہد ہی استحصال سے نجات کا واحد راستہ ہے۔ یہ صرف اور صرف طبقاتی جدوجہد ہی ہے جس کے ذریعہ استحصال کاروں سے ذرائع پیداوار حاصل کئے جا سکتے ہیں اور استحصال کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، ایک سماجی۔ معاشی تشکیل کی جگہ دوسری سماجی۔ معاشی تشکیل اس وقت لیتی ہے جب نئی پیداواری قوتوں اور از کار رفتہ پیداواری تعلقات کے درمیان ٹکراؤ حل ہو جاتا ہے۔ اس مظہر کے بارے میں مختلف طبقے مختلف رویہ اپناتے ہیں۔ استحصالی طبقات از کار رفتہ پیداواری تعلقات کے خاتمے کے سلسلے میں [illegible] ۔ ؟

دیوانہ وار ان سے چمٹے رہتے ہیں اور اپنی دولت اور اقتدار کو بچانے کے لئے لڑتے ہیں۔ چنانچہ طبقہ امراء نے اپنی مراعات کو برقرار رکھنے کے لئے ہر کسی بازی گری اور بورژوا انقلابوں کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ یہی رویہ موجودہ دور کے اجارہ دار بورژوازی کا بھی ہے۔ یہ سمجھنا حماقت ہے کہ یہ لوگ اپنی مرضی سے سرمایہ دارانہ نظام سے دستبردار ہو جائیں گے۔ اس کے برخلاف، ان کے اقدامات بتاتے ہیں کہ وہ آخری دم تک اس نظام کی مدافعت کرتے رہیں گے۔ ایک سماجی نظام کی جگہ دوسرا زیادہ ترقی پسند نظام خود بخود قائم نہیں ہو جاتا۔ چاہے پرانے پیداواری تعلقات ترقی کے لئے رکاوٹ کیوں نہ بن گئے ہوں۔ اس لئے ان تعلقات کی مدافعت کرنے والے طبقوں کی مزاحمت کو توڑنا ضروری ہے۔ یہی محکوم و مظلوم طبقات کی انقلابی جدوجہد کا تاریخی مفہوم ہوتا ہے۔ وہ سماجی ترقی کے راستے کی ان رکاوٹوں کو جو رجعت پرست طبقے پیدا کرتے ہیں اخس و خاشاک کی طرح دور کر دیتے ہیں۔ ہر ایسے سماج میں جو استحصال پر مبنی ہوتا ہے طبقاتی جدوجہد تاریخ کی محرک قوت ہوتی ہے۔ اس جدوجہد کے بغیر اس معاندانہ سماج میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔

سماجی انقلابوں کے دور میں یہ جدوجہد اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔

سماجی انقلاب: تاریخ میں تدریجی ارتقاء کے دوروں اور ایسے دوروں کے درمیان واضح فرق ملتا ہے، جن میں پورا سماجی نظام بنیادی طور پر یکایک تبدیل ہو جاتا ہے۔

کسی سماجی نظام میں ایسی بنیادی تبدیلی کو جو ایک سماجی، معاشی تشکیل کی جگہ دوسری سماجی۔ معاشی تشکیل کے قیام کا سبب بنتی ہے، سماجی انقلاب کہا جاتا ہے

معاشی اصلاحوں میں سماجی انقلاب پیداآور قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان ٹکراؤ کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ ترقی پسند عناصر اس ٹکراؤ کو حل کرنے اور پرانے پیداواری تعلقات کو مٹا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن رجعت پرست طبقے جو کسی بھی تبدیلی کو روکنے کے لئے لڑتے ہیں، ان کی مزاحمت کرتے ہیں۔ حکمران طبقہ انقلابی تحریک کو کچلنے کے لئے ریاستی اقتدار کو استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ اقتدار کا سوال ہی

انقلاب کا کلیدی سوال ہے۔ جب انقلابی طبقہ اقتدار حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس اقتدار کو پرانے نظام کا مکمل خاتمہ کرنے اور ایک نیا نظام رائج کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انقلابات کسی کے حکم یا فرمائش کے ذریعہ نہیں لائے جا سکتے۔ کسی انقلاب کے لئے سب سے پہلے ایک انقلابی صورت حال کا ہونا ضروری ہے۔ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب سماج ایسے مقام پر پہونچ جاتا ہے جہاں حکمراں طبقے پرانے طریقوں سے حکمرانی نہیں کر سکتے اور محکوم طبقے پرانے انداز میں زندگی گزارنا نہیں چاہتے۔

لیکن ہر انقلابی صورت حال انقلاب کی شکل اختیار نہیں کرتی۔ انقلاب اسی صورت میں آتا ہے جب کثیر سیاسی قوتیں عمل کے لئے کمر بستہ ہوں۔ یہ طاقتیں ان طبقوں میں سے ابھرتی ہیں جو موجودہ نظام کا تختہ الٹنے سے دلچسپی اور انقلاب کو فتح سے ہمکنار کرنے کی قابلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ طبقے انقلاب کے لئے محرک قوت ہوتے ہیں۔ انقلاب کی سیاسی قوتوں کو متحد، منظم اور سرگرم عمل بنانے کے لئے انقلابی طبقوں کو طبقاتی جدوجہد کا تجربہ ہونا چاہئے۔ سیاسی پارٹیاں اور تنظیمیں قائم کرنی چاہئے اور ایسے رہنما تیار کرنے چاہئیں جنہوں نے اپنی زندگیاں انقلابی مقصد کے لئے وقف کر دی ہوں۔

انقلابات کی نوعیت ان کے فریضوں کے لحاظ سے الگ الگ ہوتی ہے۔ اگر کوئی انقلاب سرمایہ دارانہ تعلقات رائج کرتا ہے تو وہ بورژوا انقلاب ہے اور اگر کوئی انقلاب سوشلسٹ نظام رائج کرتا ہے تو وہ سوشلسٹ انقلاب ہے۔

سماجی انقلابات میں استحصال اور استبداد کے شکار طبقوں کا عظیم کردار صاف طور پر آشکار ہوتا ہے۔ وہ اپنی شجاعانہ جدوجہد سے پرانے سماج کی بنیادوں کو مسمار کر دیتے ہیں۔ وہ انقلاب کی فیصلہ کن قوت ہوتے ہیں جو رجعت پرست طبقوں کے ریاستی اقتدار پر حملہ کرتی ہے۔ وہ انقلاب دشمن طاقتوں کی مداخلتوں کے خلاف انقلابی کامیابیوں کی بھی مدافعت کرتے ہیں۔ دبے کچلے اور استبداد و استحصال کے شکار طبقے ہی تمام عظیم انقلابات کا اصل محرک قوت ہوتے ہیں۔





غزل

مصطفیٰ اکبر
کلکتہ

کون ہے شہر میں یوں گریہ کناں رات گئے
کس کے چھپّر سے یہ اٹھتا ہے دھواں رات گئے

خواب ہے ساتھ حقیقت کے نہ منظر ڈھونڈو
لوگ سو جلتے ہیں بے خواب یہاں رات گئے

دن کی بیداری ہے پیچ کہہ دو کہ اس سے پہلے
کاٹ لی جائے نہ بیباک زباں رات گئے

نقرئی سکّوں کی جھنکار میں دب جاتی ہے
ظلم پروردہ جوانی کی فغاں رات گئے

ایک ہی سایہ نظر آتا ہے تا حدِّ نظر
دور تک ملتا نہیں تیرا نشاں رات گئے

وہ قد آور تھا جبھی بیچ میں محفوظ رہا
نذرِ آتش ہوا اک ایک مکاں رات گئے

بے گناہی ہے بڑا جرم کہ مٹ جاؤ گے
ہر گنہ فرضِ سیاست ہے یہاں رات گئے



کارل مارکس

اور ان کے خیالات

شری بی۔ ڈی۔ پانڈے

یکم اکتوبر ۱۹۸۳ء کو کلکتہ یونیورسٹی میں کارل مارکس کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ہونے والے سیمینار میں مغربی بنگال کے سابق گورنر شری بی۔ ڈی۔ پانڈے نے جو افتتاحی تقریر کی تھی اس کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

ہم اس سال کارل مارکس کی صد سالہ برسی منا رہے ہیں۔ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ انکی حیات و خدمات اور مجموعی طور پر دنیا کے سماج پر ان کے اثرات کو آزادانہ طور پر زیر بحث لایا جائے۔

اپنی زندگی کے ۳۱ سال جرمن، فرانس اور بلجیم میں گزارنے کے بعد مارکس ۱۸۴۹ء میں لندن آئے اور ۱۸۸۳ء میں یہاں انتقال کر گئے۔ انہوں نے اپنے اوقات کا بڑا حصہ برٹش میوزیم میں مطالعہ میں گزارا اور بہت سی کتابیں، پمفلٹ اور مضامین لکھے۔ ان میں غالباً داس کیپٹل، جرمن آئیڈیالوجی، کمیونسٹ مینی فیسٹو زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ تقریباً ان تمام تصانیف میں فریڈرک اینگلس ان کے شریک کار رہے۔ وہ کمیونسٹ منشور کے معاون مصنف رہے اور کارل مارکس کی موت کے بعد داس کیپٹل کے دوسرے اور تیسرے حصے کو شائع کرایا۔

مارکس کو معاشیات کے نئے اصول کے خالق، ایک سوشلسٹ، ایک مورخ اور ایک انقلابی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ آج ان کے پیش کردہ نظریات دنیا کے ایک تہائی حصے میں حکومتوں کے اصول بن چکے ہیں اور آج بھی روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ انہوں نے منطقی مادیت کے مشہور [illegible] کا سبب [illegible] کے طور پر پیش کیا۔ انسان کو اپنی چند [illegible] تاریخی حقیقت [illegible] پیداوار کے ذرائع ہیں۔ لہذا مادی زندگی میں

پیداوار کے طریقے زندگی کے سماجی، سیاسی اور روحانی طریقہ کار کا تعین کرتے ہیں۔

یہ کہا گیا ہے ——— "شعور وجود کا تعین نہیں کرتا، وجود ہی شعور کا تعین کرتا ہے۔"

ان کے معاشی نظریے کے مطابق یہ انسانی محنت ہی ہے جو تنہا تمام قدریں پیدا کرتی ہے اور منافع کا واحد ذریعہ اسی پر مبنی ہے۔ چنانچہ سماجی طور پر یہ بات سماج کے لوگوں کے لئے اطمینان بخش نہیں کہ وہ صرف جائداد کی ملکیت سے اپنی آمدنی حاصل کریں۔ محنت فاضل افادیت کا واحد ذریعہ ہے۔ تکنیکی فن میں ترقی کے ساتھ ساتھ اجرت میں اضافے سے کہیں زیادہ اور تیز اضافہ مشینوں کی خریداری اور تنصیبات میں ہوا چونکہ مزدور ہی فاضل افادیت پیدا کر سکتے ہیں اور اسی سے نفع حاصل ہوتا ہے اسلئے سرمایہ داروں کے منافع کی شرح میں ان کے کل سرمایہ کاری پر کمی کا رجحان پایا جاتا ہے، مزدوروں کی حالت اور بھی ابتر ہو جاتی ہے اور کسانوں کے استحصال میں اضافہ ہوتا ہے۔ سرمایہ داری کی ترقی کے ساتھ ساتھ تضاد میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ بحران اس صورتحال کو بڑھاتا ہوا شدت کے ساتھ وقفہ وقفہ سے جھٹکا دیتا رہتا ہے، جب تک کہ آخری تمام بڑا بحران اسے ختم نہیں کر دیتا۔ سرمایہ داری کا زمین اور مزدور جیسے [illegible] سے بھی زیادہ حد تک استعمال کر کے سماجی پیداوار [illegible] سماج

کی معاشی ساخت اور جائداد کی ملکیت کی تقسیم میں عدم توازن، جبلی اجنبیت پیدا کرتا ہے یا سماج کی تقسیم کرتا ہے اور اس طرح ایک معاندانہ طبقہ کا جنم ہوتا ہے۔ طبقاتی تصادم اس عدم توازن کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان کے نظریہ کے مطابق کمیونسٹ انقلاب سرمایہ دارانہ نظام کے داخلی تنازعات سے پیدا ہوگا۔ سرمایہ دارانہ سماج کی صورت میں انسانی سماج کی ترقی اس تبدیلی کا پہلا دور ہے۔ اس لئے انہوں نے قیاس آرائی کی کہ کمیونسٹ انقلاب پہلے مغربی یورپ اور شمالی امریکہ کے سرمایہ دار ملکوں میں رونما ہوگا۔ انہوں نے ۱۸۷۱ء کے فرانس کیمون کی حمایت کی اور اس کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور پہلا انٹرنیشنل کے قیام میں یہ معاون ثابت ہوا۔ تاریخی لحاظ سے سرمایہ داری سے کمیونزم کی طرف تبدیلی کی جگہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ یہ عبوری دور تھا اور جاگیر دارانہ سماج سے کمیونزم کی طرف یہ ایک پیش قدمی تھی۔

موجودہ صدی میں بین الاقوامی سطح پر چند اہم واقعات رونما ہوئے۔ دو عظیم عالمی جنگوں کا ہونا، فاشزم، نازی ازم کا نمودار ہونا، ماشال افزائش جس کا ۱۹ ویں صدی کے درمیانی عرصے میں نام ونشان تک نہیں تھا، جوہری سائنس، خلائی سائنس اور الکٹرونکس کے میدان میں بڑی تیزی سے ترقی ہوئی۔ دوسری عالمی جنگ کے ختم ہونے کے بعد مستعمریت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح اور بھی بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سرمایہ دارانہ سماج میں پیداوار کے ذرائع کی ملکیت کی نوعیت میں بھی تبدیلی ہوئی۔ نو آبادیاتی علاقوں کے لوگوں کے براہ راست استحصال کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مزدوروں کی حالت میں مادی طور پر کافی بہتری ہوئی۔ سرمایہ داری کی افزائش سے ان ملکوں میں محنت کشوں اور کسانوں کی حالت میں ابتری پیدا نہیں ہوئی۔

دوسری طرف، تاریخ شاہد ہے کہ عظیم رہنماؤں اور عالموں کی تعلیمات اور باتوں کی ان کے پیروکار اپنے اپنے طور پر تشریح کرتے ہیں۔ مارکس بیر حاصل ادیب تھے لیکن ان کے بعد ان کی تحریروں پر بہت زیادہ تبصرے ہوئے۔ مارکسزم نہ صرف معاشی اور سماجی نظریہ ہے بلکہ بہت [illegible] ہے۔ عام طور پر مارکس کے تجزیہ پر [illegible] ہوتے ہیں جرمنی اور آسٹریا کے سوشیل ڈیموکراٹس جنگ [illegible] کے [illegible] پر ایک دوسرے سے اتفاق

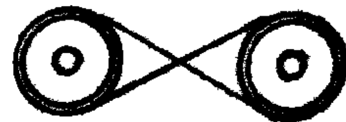
نہ کرسکے۔ لینن اور روسی سوشیل ڈیموکریٹک پارٹی بھی دو حصوں میں منقسم تھے، خاص طور پر نوجوں کی محدود پارٹی اور پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کی ضرورت پر دونوں کے خیالات ایک جیسے نہ تھے۔ مارکس اور مارکسزم پر لینن کا تصور یہ تھا کہ انہیں منصوبہ بند سیاسی اقدام کیلئے عملی تصورات میں تبدیل کر دیا جائے۔ انہوں نے مادی سماجی تعلقات اور تصوراتی سماجی تعلقات کے درمیان فرق پر زور دیا۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ روس میں سوشلسٹوں کے لئے مارکس کی تھیوری کی آزادانہ تشریح کی خاص طور پر ضرورت ہے۔ پھر ٹروٹسکی اور اسٹالن کے گھریلو اور خارجہ پالیسیوں میں انقلاب کے کردار کی بابت خیالات ایک جیسے نہ تھے۔ اس کے بعد ماؤ کے خیالات بھی کچھ حد تک پیچیدہ اور مختلف تھے۔ انہوں نے مارکس کے اصولوں کو چینی خیالات اور ثقافت کے مستقل بنیادی اصولوں کے ساتھ ملا دیا۔ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ دو اقسام کی تضادیں ہوتی ہیں۔ ایک معاندانہ جسے انقلاب کے ذریعہ ہی حل کیا جاسکتا ہے اور دوسرا غیر معاندانہ جسے شدید برادرانہ تنقید اور تنقید خودی کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے۔ نیز ٹیٹو، کاسترو اور دیگر یوروپی کمیونسٹوں نے مارکسزم کی جو تشریح کی ہے اس میں بھی بہت اختلاف ہے۔ مارکس کے خیالات کی بہت ساری تشریحات ہوئی ہیں۔ آج اس بات کی تعریف کرنی مشکل ہے کہ صحیح معنوں میں مارکسسٹ کسے کہتے ہیں۔ ساری دنیا میں کم وبیش ۹۰ پارٹیاں ہیں جو مارکسزم کی اشاعت کرتی ہیں۔ بعض اوقات اسے تکنیکی سماج کے خلاف وجودی احتجاج کی شکل میں دیکھا جاتا ہے۔

بہرحال آج جب ہم دنیا کے مناظر کو دیکھتے ہیں کہ شاید ہی کہیں ایسا سماج ملے جسے صحیح معنوں میں مارکسسٹ یا سرمایہ دارانہ کہا جا سکے۔ مارکس کی تعلیمات ساری دنیا میں پھیل گئیں اور یہ معاشی خیالات اور سماج کو ایک نہ ایک طریقے سے متاثر کرتی ہیں۔ تمام مارکسسٹ اور سوشلسٹ ملکوں میں نجی جائداد رکھنے کی اجازت ہے لیکن ان ملکوں میں نجی جائیداد کی مختلف حدود مقرر کر دی گئی ہیں۔ انفرادی طور پر لوگوں کی آمدنی کی سطحوں میں بھی کافی فرق ہے۔ ابتدائی نظریہ کہ یہ تھا کہ مذہب تو لوگوں کا افیون ہے اور اسی لئے اسے ختم کر دینے کی کوشش کی گئی تھی اور اس پر عمل پیرا رہنے کی اجازت ختم کر دی گئی تھی [illegible] ملکوں میں عام طور پر مذہبی آزادی ہے۔ نیز تاریخی پس منظر کو اور [illegible] کے سوال کو نظر انداز کرنا بھی مشکل ہے۔ ایک [illegible]

فاندان کرتے ہے ... میں سوشلسٹ سماج میں نراج تصور کیا جاتا تھا اب پھر سے ... سستی کام کے لئے اصلی بنیاد کب جاتا ہے۔ دوسری طرف کسی بھی سرمایہ دارانہ سماج کو جہاں لامحدود ملکیت جائیداد رکھنے کی اجازت ہے اور پیداوار کے تمام ذرائع جائیداد رکھنے والوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہیں یا سماج نہیں کہا جا سکتا۔ تقریباً ہر جگہ ریاست پیداوار کے خاطر خواہ علاقے کی مالک ہے۔ مزدوروں اور کارکنندگان کے حقوق کی مستحکم طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔ مزدور طبقہ تو ایک زبردست طاقت ہے جسے کوئی بھی ادارہ مادی دولت کی تقسیم کرتے وقت نظر انداز نہیں کر سکتا۔

اس کے باوجود اس سلسلے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں کہ تمام مادی مراعات اور مادی افزائش ہی انسان کی خوشی کے واحد ذرائع ہیں۔ ہم اکثر یہ کہتے ہیں اور اس میں بہت حد تک حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ انسان صرف روٹی کے لئے ہی زندہ نہیں رہتا۔ اس تصوری کی مکمل طور پر تائید کرنی بھی مشکل ہے کہ یہ بیداری نہیں جو وجود کا تعین کرتی ہے بلکہ یہ وجود ہے جو بیداری کا تعین کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مادہ اور توانائی کے درمیان کچھ رشتہ ہو لیکن اب بھی سائنس دانوں، فلسفیوں اور سماجی مفکروں کو انسانی ذہن میں اور سماج میں بیداری کے کردار کی پوری طرح تحقیق و تفتیش کرنی چاہئے۔

مجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی کہ اس سیمینار کا انتظام کیا گیا۔ اور اس کا افتتاح کرتے ہوئے مجھے کافی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مارکس اور اس کی تحریروں نے معاشی، سیاسی اور سماجی شعبوں میں کافی گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی تحریروں پر آزاد اور کھلم کھلا گفت و شنید ہو نیز اس بات پر بھی بحث و مباحثہ ہو کہ اس میدان میں مستقبل میں کتنی ترقی ہو سکتی ہے۔ ★★



سرکاری عطیات

● مغربی بنگال کی حکومت نے بیر بھوم کے نادار طوفان زدہ لوگوں کے مکانات کی تعمیر کے لئے زائد قسط کے طور پر ۱۹۰۰۵ روپئے دینے کی منظوری دے دی۔ یہ روپئے ضلع کے مجسٹریٹ کے حوالے کر دیے گئے۔

● ریاستی حکومت نے ۲۴ پرگنہ کے نیم پیٹ میں واقع رام کرشنا آشرم کرشی وگیان کیندر کی اقتصادی ترقیاتی اسکیموں کو جو شیڈولڈ کاسٹ کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہیں، پایۂ تکمیل تک پہونچانے کیلئے ۲ لاکھ روپئے کا عطیہ دیا۔
وہ اسکیمیں ہیں: سپاری کی کاشت، پپیتے کی کاشت اور ماہی پروری۔

● حکومتِ مغربی بنگال نے نیا بسنت خیراتی شفاخانے کو اس کے انتظامی اخراجات کے لئے ایک ہزار روپیہ بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔

● مغربی بنگال کی حکومت نے پرولیا ضلع میں شیڈولڈ ٹرائب کے طالب علموں کی رہائشی سہولتوں کے پیشِ نظر کھردکتوپا جونیر ہائی اسکول سے منسلک ایک ۲۰ بستر والے آشرم ہاسٹل کی تعمیر کے لئے ۴۰ ہزار روپئے بطورِ عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔

● حکومتِ مغربی بنگال نے غیر مکرر عطیہ کے طور پر کلکتہ کے پال سنگھی کو ہومیوپیتھک خیراتی شفاخانے کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں ایک ہزار دو سو پچاس (۱۲۵۰) روپئے کی منظوری دے دی۔

ساحر لدھیانوی

ایک مطالعہ

کرشن ادیب

غالباً ۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ میں ابھی آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ ان دنوں ساحر لدھیانوی کی کچھ نظمیں گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے ایک میگزین اور ایک غیر قانونی اخبار "کرانتی لہر" میں پڑھنے کو ملیں۔ بعد میں یہ نظمیں ساحر کے کسی شعری مجموعے میں شامل نہ ہو سکیں۔ شاید اس لئے کہ وہ ساحر کی شاعری کا عبوری دور تھا۔ بہرحال ساحر کا شعری لہجہ مکمل باغیانہ تھا جو آنے والے دور میں ساحر کے عوامی شاعر ہونے کی نشاندہی کرتا تھا۔

ساحر لدھیانوی سے ملنے کی خواہش ۱۹۴۶ء میں پوری ہوئی۔ میں ان دنوں دہلی میں رہتا تھا۔ سال میں دو چار مرتبہ اپنے شہر پھلور بھی آتا تھا۔ (پھلور لدھیانہ کا ہی حصہ معلوم ہوتا ہے)۔

ان دنوں نہایت اہتمام اور سلیقے سے چائے پینا میری ایک عادت تھی لیکن برصغیر کی تقسیم سے پہلے پنجاب میں چائے پینے کا رواج اتنا عام نہ تھا۔ پنجابیوں کا قومی مشروب دودھ اور لسّی تھا۔ چائے پینا ایک ارسٹوکریٹک شغل سمجھا جاتا تھا۔ عام گھروں میں چائے کی پتی ڈھونڈنے سے نہ ملتی تھی اور میرا گھر بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ لہٰذا میں ہر شام کو چائے پینے کی غرض سے لدھیانہ ساحر کے پاس جاتا تھا جہاں ساحر کی امی میرے لئے نہایت خلوص سے بھرپور نفیس چائے اور کھانے کے لئے عمدہ بسکٹ بھیجتی تھیں۔ میں ان دنوں نہ تو ساحر کا ہم عصر تھا اور نہ ہی دوست۔ میری حیثیت ایک ایسے مداح کی تھی جو اپنے محبوب شاعر کو دیکھنا، اس سے ملنا اور باتیں کرنا پسند کرتا تھا۔ اور واقعی ساحر میرا محبوب شاعر بھی تھا اور میرا آئیڈیل تھا۔ رفتہ رفتہ میں اس کے حلقے میں شامل ہوتا گیا۔

ساحر کے دوستوں میں کامریڈ مدن لال دیدی، غلام مرتضیٰ، حافظ لدھیانوی، احمد ریاض، حمید اختر، عجائب چترکار، پینٹر بادری اور ہری کرشن آرٹسٹ ہوا کرتے تھے۔ ان کی اکثر نشستیں ساحر کے مختصر مکان کے الگ کمرے میں ہوتی تھیں۔ اسی کمرے میں میری پہلی ملاقات عبدالحمید عدم سے ہوئی تھی۔

پھر ان دنوں مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ ساحر ایک بہت بڑے جاگیردار کا بیٹا ہے۔ فضل محمد نے ایک نہیں، دو نہیں بلکہ پوری گیارہ شادیاں کی تھیں اور گیارہویں شادی سے ساحر پیدا ہوا تھا۔ دراصل یکے بعد دیگرے گیارہ شادیاں کرنے کی دلیل یہ بھی تھی کہ اس کے باپ کے کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔

چونکہ جاگیردار باپ کے خمیر میں عیاشی رچی بسی ہوئی تھی لہٰذا اس نے اپنی نمائش پسندی اور عیاشی کی انتہا کر دی تھی۔ وہ اکثر اپنی جاگیر کو دیکھنے نہایت قیمتی اور خوبصورت گھوڑی پر چڑھ کر آتا تھا اور پھر ہفتوں روزانہ دیگیں چڑھتیں، مجرے ہوتے اور طوائفوں کے خیمے لگے رہتے۔ رفتہ رفتہ اپنی عیاشیوں کے تقاضے پورا کرنے کے لئے اس نے اپنی زمین کو بھی فروخت کرنا شروع کر دیا۔ ساحر کی والدہ بہت روتی رہیں لیکن عیاش جاگیردار فضل محمد اپنی عادتوں سے باز نہیں آیا حتیٰ کہ ساحر کی والدہ کے ساتھ بھی اس کا رویہ بیہودگی کا ہو گیا۔ رفتہ رفتہ گھریلو تنازعے عدالت میں پہنچ گئے اور نوبت طلاق تک آ گئی!

اب سوال میاں، بیوی کی علیحدگی کا نہیں تھا بلکہ اہم سوال یہ تھا کہ عبدالحئی یعنی ساحر کس کی تحویل میں رہے۔ والدہ ساحر کو اپنی تحویل میں رکھ کر اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا چاہتی تھیں۔ اس کے برعکس جب عدالت نے ساحر کے والد فضل محمد جاگیردار سے عدالت میں سوال کیا

"آپ عبدالحی کے والد ہیں۔ کیا آپ اسکی تعلیم و تربیت کی ذمہ [illegible] قبول کرتے ہیں؟"

ساحر کے باپ نے جواب یہ دیا تھا کہ "مجھ جیسے جاگیردار کے بیٹے کو پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ پڑھے وہ جسے نوکری کرنی ہو۔"
ساحر جو قطعاً معصوم بچہ تھا۔ جج کے پوچھنے پر کہ "بیٹا تم کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو" جواب دیا کہ

"میں ماں جی کے ساتھ رہوں گا۔"

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں لکھا

"جو باپ اپنے بیٹے کو جاگیرداری کے بل بوتے پر تعلیم سے محروم رکھنا چاہتا ہو اس سے کہیں بہتر ہے کہ بچہ اپنی ماں کے پاس رہے جو اسے تعلیم و تربیت سے آراستہ کرکے ایک اچھا شہری بنانا چاہتی ہے"

مقدمے کا فیصلہ ہوگیا۔ میاں بیوی میں طلاق ہوگئی۔ ساحر جس کا نام عبدالحی تھا ماں کے سائے میں آگیا اور یہاں سے ساحر کی "تلخیاں" کا آغاز ہوتا ہے۔

ساحر وہ بچہ جو بہت بڑے جاگیردار کا اکلوتا فرزند تھا۔ گیارہ شادیوں کی واحد اولاد نرینہ۔ اس کے کیا کیا نہ ناز اٹھائے جاتے ہوں گے۔ لیکن حیف در چشم زدن جب ساحر ننھا سا معصوم بچہ تھا کہ ماں باپ کی علیحدگی ہوگئی اور ساحر سے وہ تمام لوازمات چھن گئے جن میں اسکی پرورش ہونا تھی۔

ساحر کو مالوہ خالصہ ہائی اسکول میں داخل کرادیا گیا تو ساحر کے باپ نے ادھر ادھر کہنا شروع کردیا "اتنے بڑے جاگیردار کے بیٹے کو اسکول جاتے شرم نہیں آتی۔"

بالائے ستم اس نے ساحر کی والدہ کو کچھ اس قسم کی دھمکیاں بھی دینا شروع کردی تھیں کہ اول تو وہ ساحر کا اغوا کروادے گا ورنہ اسے مروادے گا۔ وہ ہر قیمت پر چاہتا ہے کہ عبدالحی سردار بیگم (ساحر کی والدہ) کے پاس نہ رہے۔

ان دھمکیوں کے پیش نظر ساحر کی امی ہمہ وقت گھبرائی ہوئی اور سہمی سہمی سی رہتی تھیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی حفاظت کے لئے تنخواہ دار محافظ رکھ لئے تھے جو ہر لمحہ ساحر کی نگرانی کرتے تھے۔ اسکول چھوڑ کر آنا اور پھر اسکول سے لے کر آنا ان کا فرض تھا۔ ماں بیٹے کی سرپرستی ساحر کے ماموں عبدالرشید (جو کہ ان دنوں فروٹ مرچنٹ تھے) نے اپنے ذمے لی تھی۔

ساحر نے مالوہ خالصہ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرلینے کے بعد گورنمنٹ کالج لدھیانہ میں داخلہ لے لیا جہاں اس نے کھیلوں کے خانے میں کرکٹ لکھا، اپنی ہابی فوٹوگرافی لکھی اور بڑا ہوکر وکیل بننے کی خواہش ظاہر کی۔ مضامین انگلش، فارسی، فلاسفی، ہسٹری اور اردو تھے۔

ساحر کا حساس دل اپنے ماحول کے گردوپیش کو دیکھتا اور سوچتا کہ آخر معاشرے میں اس قدر بدعنوانی کیوں ہے۔ سماج میں عورت پر ظلم کیوں ڈھایا جارہا ہے؟ یہ دولت کی نامناسب تقسیم کیوں ہے؟ اسے اپنے بچپن کے ذاتی تجربات کی بنا پر جاگیردارانہ نظام سے نفرت ہوگئی تھی۔ کیوں کہ یہ فیوڈل نظام برٹش سامراج کا پیدا کردہ ہے لہٰذا کالج کے دنوں میں اس کے اندر کا شاعر ساحر لدھیانوی بن کر بیدار ہوا جس نے برٹش سامراج اور مروجہ فیوڈل سسٹم کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرتے ہوئے انقلابی نظمیں لکھنا شروع کردی تھیں۔

یہ لہکتے ہوئے پودے یہ دمکتے ہوئے کھیت
پہلے اجداد کی جاگیر تھے اب میرے ہیں
یہ چراگاہ، یہ ریوڑ، یہ مویشی، یہ کسان
سب کے سب میرے ہیں سب کے سب میرے ہیں

میں ان اجداد کا بیٹا ہوں جنہوں نے پیہم
اجنبی قوم کے سائے کی حمایت کی ہے
غدر کی ساعت ناپاک سے لیکر اب تک
ہر کڑے وقت میں سرکار کی خدمت کی ہے

(جاگیر)

اسکی نظموں میں شدت سے عوامی اپیل ہوتی تھی لہٰذا وہ جلد ہی سارے کالج کا ہیرو بن گیا۔

ساحر کی شاعری روایتی شاعری سے قطعاً مختلف تھی۔ وہ محض اپنے احساسی تجربات کو کسی فلسفے میں سمو کر شعر کہنے کا فن جانتا تھا۔ اس نے جمہور اور دختران جمہور کے حقوق کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو اور اپنے قلم کو وقف کردیا تھا۔

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ لوٹا رہا ہوں میں

اور پھر اسی شاعری کے طفیل اسے کالج سے بھی نکالا گیا کیوں کہ اس لائیے پبلک اسٹیج پر چڑھ کر "اینٹی وار فنڈ نظمیں" پڑھی تھیں!

ساحر گورنمنٹ کالج لدھیانہ کو خیر باد کہہ کر لاہور آ پہنچا جہاں اس نے دیال سنگھ کالج میں داخلہ لے لیا۔ چونکہ اس کی ادبی شہرت کا آغاز ہو چکا تھا اور اس کے شعروں کی خوشبو سبزہ زار ادب میں پھیلنے لگی تھی۔ لہٰذا وہ مزید تعلیم میں دلچسپی نہ لیتے ہوئے بی۔اے کا امتحان چھوڑ کر اس زمانے اور آج کے پروقار ماہنامہ "ادب لطیف" کا مدیر اعلیٰ بن گیا۔ ادب لطیف میں لکھنے والے ہندوستان کے جغادری ادیب و شعراء تھے جن سے ساحر کا تعلق براہ راست پیدا ہو گیا۔ دیکھتے دیکھتے ساحر شہرت کی سیڑھیاں بہت تیزی سے چڑھنے لگا اور پھر انہیں دنوں غالباً ۱۹۴۴ء میں اس کا پہلا شعری مجموعہ "تلخیاں" نہایت معمولی گٹ اپ کے ساتھ منظر عام پر آیا جس کی ادبی حلقوں میں اچھی خاصی پذیرائی ہوئی۔ یہی مجموعۂ کلام "تلخیاں" دیکھ کر اس وقت کسے خبر تھی کہ یہ نظمیں آنے والے زمانوں میں دنیا بھر کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوں گی اور برصغیر ہند و پاک میں اس کے جعلی ایڈیشن بھی چھپیں گے۔ جہاں تک مجھے علم ہے "تلخیاں" کے تیس فیرق نوفی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

ساحر کی نظم "تاج محل" نے نوایوانِ شاعری میں تہلکہ سا مچا دیا تھا۔ جب یہ نظم ماہنامہ "آجکل" میں اشاعت پذیر ہوئی تو دقیانوسی مسلم اخباروں نے جن میں "احسان" لاہور اور "شہباز" لاہور پیش پیش تھے ساحر سے متعلق ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ساحر کے خلاف اداریے لکھے گئے کہ ایک لادین شاعر ساحر لدھیانوی نے نظم "تاج محل" لکھ کر مسلم شہنشاہ شاہجہاں کی محبت کی توہین کی ہے۔ لیکن ان دنوں ساحر بہت خوش نظر آتا تھا کیوں کہ اس کی نظم کا شدید نوٹس لیا جا رہا تھا۔ خواہ وہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ تھا۔

دوسری طرف ترقی پسند حلقوں میں نظم "تاج محل" کو بہت سراہا جا رہا تھا۔ میں نے جب ساحر سے پوچھا کہ آپ نے "تاج محل" نظم لکھی ہے ظاہر ہے کہ آپ آگرہ بھی گئے ہوں گے۔ راستے میں دہلی قیام کیوں نہ کیا۔ اس بہانے ملاقات ہو جاتی۔ لیکن ساحر کا جواب نہیں تھا۔ بڑی سادگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار میں نے تو آج تک تاج محل دیکھا بھی نہیں اور نہ کبھی آگرہ جانے کا اتفاق ہوا ہے۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "تو پھر یہ نظم کیسے کہہ ڈالی"

"دراصل میں نورجہاں کے مزار پر نظم کہنا چاہتا تھا لیکن بات کچھ بن نہیں رہی تھی۔ میں نے "تاج محل" لکھ ڈالی۔ اس کے لئے آگرہ جانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ مارکس کا فلسفہ پڑھا ہوا تھا اور جغرافیہ بھی یاد تھا۔ یہ بھی پتہ تھا کہ تاج محل کس نے بنوایا تھا۔"

بہر حال ساحر کی یہ نظم "تاج محل" ہر خاص و عام میں آج بھی مقبول ہے جتنی آج سے تیس چالیس سال پہلے تھی۔ میری ذاتی رائے میں اگر ساحر نظم لکھنے سے قبل تاج محل دیکھ لیتا تو شاید اس نظم کی تخلیق ہی نہ ہوتی کیوں کہ تاج محل کا حسن منفرد ہے جسے دیکھ کر دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں ——— خیر!

"تاج محل" کے علاوہ "فنکار"، "چکلے"، "کبھی کبھی"، "جاگیر"، "مادام" اور "میرے گیت تمہارے ہیں" جیسی نظمیں بھی خاص و عام کے دلوں میں گھر کر گئی تھیں۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے ساحر کی شاعری کے مطالعے کے بعد ہزاروں نوجوان وطن عزیز کو آزاد کرانے کے لئے جلسوں میں ساحر کی نظمیں گاتے تھے۔

جن دنوں ساحر کی شاعری کا آغاز ہوا تھا وہ زمانہ شاعری احسان بن دانش اور جوش ملیح آبادی کا تھا۔ جوش شاعر انقلاب کہلاتے تھے اور احسان دانش شاعر مزدور۔ دونوں انقلابی نظمیں کہنے میں اپنا جواب آپ تھے لیکن انکی نظموں کا لب و لہجہ قطعاً جذباتی اور غیر فلسفی ہوتا تھا۔ شعروں سے کسی خونیں انقلاب کی پرشور ہنگامہ برپا کرنے والی آواز سنائی دیتی۔ ہڈیاں، ڈھانچے، لہو کا تصور قدرے خوفناک معلوم ہوتا تھا اس کے برعکس بعد میں آنے والے شعراء فیض، جاں نثار اختر اور ساحر لدھیانوی کی شاعری پڑھے لکھے فلسفہ و فکر رکھنے والوں کی شاعری تھی۔ ان شعراء کی تخلیقات میں غم دوراں اور غم جاناں کا امتزاج نہایت خوبصورت محسوس ہوتا تھا۔ نعض بڑھے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو والی شاعری نہیں تھی۔ کارل مارکس فلسفے کی قندیل لے کر ظلمت شب کا سفر کرنے والے یہ شعراء اپنے قارئین کو منزل صبح کا بھی نشان دیتے تھے۔

(باقی صفحہ ۳ پر)

ریاستی حکومت کے ۱۸ نکاتی مطالبات

[مرکز۔ ریاست تعلقات کی ازسرنو ترتیب اور عوام کی فلاح وبہبود کے لئے مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے مرکزی حکومت کے پاس اپنے اٹھارہ نکاتی مطالبات داخل کئے۔ مطالبات درج ذیل ہیں]

(۱) : اسی نقطۂ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ تمام ریاستوں کو زیادہ قانونی اور انتظامی اختیارات حاصل ہوں، مرکز۔ ریاست تعلقات کو ازسرنو مرتب کیا جائے، ساتھ ہی انہیں وسائل کی بہتر رسائی حاصل ہو اور اس طرح وہ اپنے پروگراموں کو مناسب طور پر پایۂ تکمیل تک پہونچا سکیں۔ مالیاتی نظام، منصوبہ بندی اور معاشی تال میل، امور خارجہ، غیر ملکی تجارت، دفاع، ریل و رسائل اسی طرح جیسے چند موضوعات تک مرکز کے اختیارات کو محدود کردیا جائے۔ معاشی فیصلوں مع وسائل کو اکٹھا کرنے کے فیصلہ، کے کام کاج میں اور پانچ سالہ منصوبہ کو مرتب کرنے میں ریاستوں کو اور بھی زیادہ موثر طور پر شامل کیا جائے۔ دستور ہند کی دفعہ ۳۵۶ کو منسوخ کردیا جائے، کیونکہ اس دفعہ کے تحت مرکز کو منتخبہ ریاستی حکومتوں کو برخاست کرنے اور صدارتی راج نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس بات کی ضمانت دی جائے کہ ریاستی اسمبلیوں کے منظور کردہ بلوں کو صدر کی منظوری حاصل کرنے کے لئے روک کر رکھا نہیں جائے گا۔

(۲) : پارلیمنٹ کے اختیارات پر ضرب لگانے اور اس کے وقار کو ٹھیس پہونچانے کے طریقۂ کار کو روک دیا جائے۔ بیرونی حملے کے علاوہ کسی اور وجہ سے ملک پر ایمرجنسی نافذ کرنے کی تمام دستوری گنجائشوں کو رد کردیا جائے۔ ایسا اور ناسا جیسے جبری قوانین کو منسوخ کردیا جائے۔

(۳) : پاٹ جیسی بڑی بڑی صنعتوں کو قومیا لیا جائے۔ چائے باغات کے احیاء نو اور ان کے انتظامیہ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے حکومت ہند اور ہندستان کے چائے کارپوریشن کو وسیع پیمانہ پر امداد کے ساتھ آگے بڑھنا چاہئے اور اس سلسلے میں ریاستی حکومت اور مغربی بنگال چائے ترقیات کارپوریشن کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے کیونکہ چائے باغات کو ان کے مالکان بالکل برباد کررہے ہیں۔ مغربی بنگال میں بڑے پیمانہ کی نئی صنعتیں، جیسے ہلدیہ پٹروکیمیکل کومپلیکس، سالٹ لیک الکٹرونک کومپلیکس، فراکا میں صنعتی شہر کی آبادکاری اور رانی گنج۔ آسنسول کے علاقوں میں کوئلہ پر مبنی صنعتیں قائم کرنے کے لئے مرکز کی طرف سے صنعتی لائسنس منظور اور جاری کئے جائیں اور مرکزی مالیاتی اداروں سے سرمایہ کاری کے لئے رقوم فراہم کی جائیں۔ اس ریاست میں بند اور بیمار صنعتوں کے احیاء نو کے لئے اور مزید تالہ بندی اور بندی کی روک تھام کرنے کے لئے ٹھوس اقدام کئے جائیں۔ آئی ڈی آر ایکٹ پر نظرثانی کی جائے تاکہ ریاستوں کو صنعتی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لئے سہولتیں فراہم ہوں۔

(۴) : ساری ریاست میں مناسب اور مقرر قیمتوں پر چودہ لازمی اشیاء کی مسلسل سپلائی کی ضمانت دی جائے تاکہ عوامی نظام تقسیم موثر طور پر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکے اور قیمتوں کو زیر قابو رکھا جا سکے۔ یہ چودہ لازمی اشیاء یہ ہیں :

چاول، گیہوں، دال، نمک، چینی، سوتی کپڑے، کھانے کا تیل، کراسن تیل، ڈیزل تیل، ماچس، کاغذ اور کپڑا دھونے کا صابن۔

(۵) : کسی بھی سال اگر مالیات میں کمی ہوجائے تو اس کمی کو مرکز اور ریاستیں مساوی طور پر برداشت کریں۔

(۶) : بنیادی آبکاری اور آمدنی ٹیکس کی نوعیت اور شرحوں کی بابت مرکز ریاستوں سے صلاح و مشورہ کرے۔ مذکورہ آبکاری اور ٹیکس مرکز عائد کرتا ہے لیکن اس محصولات سے ریاستوں کے درمیان بھاری رقوم تقسیم کی جاتی ہیں۔

(۷) : اس ریاست میں ایک کمرشیل بینک قائم کرنے کیلئے ریاست مغربی بنگال کی تجویز کو مرکز اپنی منظوری دے۔

(۸) : ضروری اہمیت کی چیزوں پر مزید آبکاری اور دیگر متعلقہ قوانین کو منسوخ کر دیا جائے تاکہ ریاستی حکومتوں کو یہ حقوق واپس مل جائیں کہ وہ تمباکو اور تمباکو کی مصنوعات چینی اور سوتی کپڑوں پر سیلس ٹیکس عائد کر سکیں۔

(۹) : دستوری دفعہ کے تحت ریاستی حکومتوں کو برآمد کی جانے والی چیزوں پر سیلس ٹیکس عائد کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسکی وجہ سے ریاستی حکومتوں کے محصول کی آمدنی میں جو کمی ہو رہی ہے اسے مرکزی حکومت پورا کرے۔ دستور کی دفعہ ۲۶۹ میں رکھی گئی گنجائشوں کو زیادہ سے زیادہ بروئے کار لایا جائے۔ اس دفعہ میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ مرکزی حکومت چند آبکاری اور ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔ لیکن ان سے حاصل کردہ تمام رقوم کو مرکز کے ذریعہ ریاستوں کے درمیان تقسیم کرنا ہوگا۔

(۱۰) : لوہا، اسپات اور کوئلہ کے لئے مساوی کرایہ کی اسکیم کو دیگر بنیادی چیزوں کے لئے بھی چالو کر دیا جائے۔ تمام ضروری بڑے بڑے ساز و سامان اور اہم اشیاء کو سارے ملک میں یکساں قیمتوں پر فروخت کیا جائے۔

(۱۱) : تمام زرعی پیداوار خاص طور پر زر نقد پیداوار جیسے پاٹ کے لئے مناسب قیمتیں مقرر کی جائیں تاکہ پروڈیوسروں کے مفادات کا تحفظ ہو اور وہ مصیبت میں پڑ کر مجبوراً اونے پونے قیمتوں پر فروخت نہ کر سکیں۔

(۱۲) : دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی حفاظت کے لئے مناسب قانونی تحفظ۔

(۱۳) : پارلیمنٹ اور دوسرے اداروں کے ممبروں کو منتخب کرنے کے لئے ووٹ ڈالنے والوں کی عمر کی انتہائی حد کو کم کر کے ۱۸ سال کر دیا جائے۔

(۱۴) : تعلیم اور شہری ترقی کے کام کے لئے منصوبہ اور غیر منصوبہ کے تحت مختص کردہ مالی رقوم میں اضافہ کیا جائے۔ تعلیم کو مشترکہ فہرست سے نکال کر ریاستی فہرست میں شامل کر دیا جائے۔

(۱۵) : محنت کش طبقہ جو سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں کام کرنے والے ملازمین شامل ہیں، کے جمہوری حقوق کی، اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں کی حفاظت کرنے کے لئے متعلقہ قوانین اور صنعتی تعلقات میں ترمیمات لائی جائیں۔

(۱۶) : سبھوں کیلئے روزگار کی اور بے روزگاروں کے لئے سماجی بیمہ اور بے روزگاری بھتہ کی گنجائش رکھی جائے۔

(۱۷) : دستور ہند کی آٹھویں شیڈول میں نیپالی زبان کو شامل کیا جائے اور دستور میں ترمیم لائی جائے کہ مغربی بنگال کی ریاستی ساخت کے اندر پہاڑی علاقوں کو بامعنی علاقائی خود اختیاری کی سہولتیں فراہم ہوں۔

(۱۸) : پناہ گزین بحالی کمیٹی کی سفارشات کے مطابق پناہ گزینوں کی بحالی کے لئے کافی فنڈ کی منظوری دی جائے اور پناہ گزینوں کی اور حکومت کے زیر اہتمام کالونیوں میں رہنے والے مہاجرین کے قطعات آراضی پر، جہاں وہ رہتے ہیں، حقوق کی تصدیق کرنے کیلئے انتظامات کئے جائیں۔

سرکاری عطیہ

ریاستی حکومت نے شیڈ لڈ ٹرائب کے لوگوں کی سہولت کیلئے خصوصی مرکزی امدادی پروگرام کے تحت ماہی پروری اسکیموں کی عمل پیرائی کے لئے دس لاکھ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دیدی۔ تمام رقم اضلاع کے مندرجہ ذیل ماہی پروری کے ان افسروں کے حوالے کر دی گئی ہے جو ان اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ داری نبھائیں گے۔ ہگلی کے ضلع ماہی پروری افسر کو ایک لاکھ روپئے، بردوان۔ ایک لاکھ روپئے، مدنی پور (مغرب) پانچ لاکھ روپئے اور پرولیا کے ضلع ماہی پروری افسر۔ ۳ لاکھ روپئے۔ ●●



ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر
حکومت مغربی بنگال،
۲۳ ر آشوتوش مکرجی روڈ،
کلکتہ ۲۰۔۔۔۔

اشرف عجیب زی، کلکتہ

وحشت اور اُنکی مکتوب نگاری

مکتوب نگاری ایک ایسا فن ہے جس کیلئے نہ علم سینہ کی ضرورت ہے اور نہ علم سفینہ کی لیکن اس فن میں کمال حاصل کرنے کیلئے کچھ ضابطے ضرور ہیں۔ اچھے خطوط ادبی کارنامے ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں لطف پیدا کرکے کاغذ میں بکھیر دینا اور اپنے رازداروں میں تقسیم کر دینا بھی اس فن کا حسن ہے۔ خطوط کو نجی ہونا چاہئے۔ نجی باتوں میں رنگا رنگی، دلچسپی، خوشنما اور رومانیت اور خوبی پیدا کرنا ایک اچھے مکتوب نگار کا کام ہے اور یہ سارے اوصاف مخاطب کے خط کو پڑھکر اور محسوس کرکے پیدا ہوتے ہیں جو پڑھنے والے کو اپنی داستان معلوم ہونے لگتے ہیں۔ نجی باتیں معمولی ہوتی ہیں لیکن یہ اس معنوں میں غیر معمولی ہوتی ہیں کہ انہی کی بدولت ایک فرد منفرد ہو جاتا ہے۔

مکتوب نگاری جسقدر آسان نظر آتی ہے اس قدر آسان نہیں اسی لئے ہمارے ادب میں اس کا ذخیرہ اس قدر ہے کہ بس انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ہماری زبان میں مکتوب نگاری کی ابتدا غالب سے ہوتی ہے۔ ان سے پہلے بھی یہ ذوق عام تھا لیکن وہ تمام خطوط فارسی کے ہیں اور اس کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔ غالب ہی اُردو کے اوّل مکتوب نگار ہیں جن کے مکاتیب کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہیں اور ان کے بعد جن لوگوں نے اردو ادب میں اپنے مکتوبات چھوڑے ان کے نام یہ ہیں: آزاد، حالی، شبلی، اکبر، مہدی افادی، اقبال، نیاز وغیرہ مگر ان کے علاوہ بھی کچھ اور مکتوبات ہیں جو کتابی شکل میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام "مکاتیب وحشت" ہے جسے شمس الدین احمد عازم نے مرتب کیا ہے اور اشاعت دارالاشاعت بزم شاکری کی ہے۔ "مکاتیب وحشت" میں حضرت علامہ رضا علی وحشت کلکتوی کے وہ خطوط ہیں جنہیں انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنے شاگردوں اور شناساؤں کو تحریر کیا تھا۔

آیئے اب ذرا دیکھیں کہ وحشت اپنے مکاتیب کے آئینے میں کیا نظر آتے ہیں اور ان کا اسلوب بیان کیا ہے؟ یہ اسلئے بھی ضروری ہے کہ مکتوب نگار کا اسلوب بیان اسکی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے اور اسکی پوری شخصیت اس آئینے میں نظر آتی ہے اور اسلوب پر اثر انداز بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر غالب ہی کو لے لیجئے۔ انکی مکتوب نگاری اپنی فنکارانہ صفات کی بنا پر بڑی جاذب توجہ نثر ہے جس میں تعارف کو مضمون کے ساتھ ساتھ اسلوب کا بھی مزہ ملتا رہتا ہے جسکی تفصیل یہ کہ کہیں وہ محض تاثرات کا اظہار کرتے ہیں اور اس تاثراتی خط کا اسلوب جدا ہے اور جب وہ اپنے ماحول کی عکاسی کرتے ہیں تو اس کا اسلوب الگ ہے یا کبھی وہ تفریحی اور ترغیبی عناصر شامل کرتے ہیں تو ان کے لئے انکا اسلوب اور زیادہ اثر انگیز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شبلی کے خطوط پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے رجحانات اور میلانات، پسند و ناپسند اور انکی مکتوب نگاری کے اسلوب ہی ان کے جوشیلے پن کی غمازی کرتے ہیں۔ ان کے خطوط سے انکی شخصیت کا بھی بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی حال حالی کا بھی ہے اور دوسرے مکتوب نگار کا بھی۔ اسی طرح وحشت بھی اپنے مکتوبات میں اسلوب کے لحاظ سے بالکل غالب کے پیرو نظر آتے ہیں جس کا اندازہ وہ شخص بخوبی کر سکتا ہے جس نے غالب کے پہلے اور غالب کے بعد ان مکاتیب کا جو کتابی صورت میں موجود ہیں مطالعہ کیا ہے۔ قدیم زمانے میں فارسی ادب کے زیر اثر لمبے لمبے القاب و آداب لکھے جاتے تھے اور نہ صرف طویل القاب بلکہ اس کے بعد بھی لمبی لمبی تمہیدیں ہوتی تھیں اور مدعا تک پہونچنے سے پہلے بہت سی ایسی باتیں لکھی جاتی تھیں جن کا مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ محض لفظی قلابازیاں تھیں۔ وحشت نے اس طریقے کو ترک ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے خطوط نگاری کی قدیم روش کو بدل کر خط لکھنے کا نیا طرز

اختیار کیا جسے غالب نے اپنے دور میں فروغ دیا تھا یعنی انہوں نے پُرتکلف خطوط نویسی کے مقابلے میں سادہ و سنجیدہ مکتوب نگاری شروع کی۔ دوسری خصوصیت یہ کہ وحشت نے مکتوب نگاری میں انداز اور طریق اظہار کے مختلف راستے پیدا کئے بلکہ انہوں نے خط نویسی کو ادب کی سرحد سے ملا کر مکتوب نگاری کو غالب ہی کی طرح ادب بنا دیا۔ غالب کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قدیم شاہی روش ترک کر کے خطوط نویسی میں بے تکلفی کو رواج دیا تو یہ بالکل درست ہے اور وحشت نے بھی غالب ہی کی طرح مختصر اور سادہ القاب کو رواج دیا اور خطوط کے اندر جو آرائش بیان اور صنعت گری کا قصہ تھا اسے ترک کر کے سیدھی سادی زبان میں سنجیدگی کو اظہار کا ذریعہ بنایا اور اس منشیانہ روش کو تج دیا جو ان کے عہد تک رائج تھا۔ وحشت کے خطوط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مخاطب کی نفسیات، مکتوب الیہ کے حالات اور ذہن و ذوق کا خیال بھی رکھتے ہیں اس لئے ان کے خطوط میں ایسی باتیں ملتی ہیں جو مکتوب الیہ کے لئے فرحت انگیز ہیں۔ وہ اپنے خطوط میں ایسا طرز بیان اختیار کرتے ہیں جو پڑھنے والے کو خوشی دے۔ ایک اور چیز جس سے وحشت کے خطوط بہت خوشگوار ہو گئے وہ ان کی رفاقت کا جذبہ ہے۔ ان کے خطوط رفاقتوں سے لبریز ہوتے ہیں اور ان ہی رفاقتوں کو زندہ رکھنے میں وحشت کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ یہی رفاقت کا جذبہ وحشت کے خطوط کو شفقت اور محبت کی پھلواری بنا دیتا ہے۔ جس طرح کسی عمر رسیدہ بزرگ کے خطوط میں ایک گھر لانے کی خوشبو پائی جاتی ہے ایسی ہی اور اسی طرح کی خوشبو وحشت کے خطوط میں بھی ملتی ہے۔ ان کے خطوط میں تنہائی کا رونا بھی ہے اور زندہ دلی کا نمونہ بھی۔ ہمت و استقلال بھی اور صبر و تحمل بھی۔ وحشت کے خطوط سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے وطن کلکتہ میں تھے تو ان کے احباب کی محفل آرائی جو ان کے گھر ہوا کرتی تھی ترک وطن کے بعد درہم برہم ہو گئی، تنہائی کا احساس بری طرح کھٹکنے لگا اور احباب کی صحبت میسر نہ ہونے سے احساس تنہائی کو شدت سے محسوس کرنے لگے جس کا ذکر انہوں نے اپنے خطوط میں بار بار کیا ہے جس سے ان کے احباب اور ہم وطنوں سے ذہنی وابستگی و گہری دلچسپی اور دلی لگاؤ کا فراری کو مکمل اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ وحشت کلکتوی کے مکتوب سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی بے پناہ شفقت سے پیش آتے تھے ساتھ ہی رکھ رکھاؤ بھی تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ جسے تصنع یا بناوٹ کہا جا سکے۔ ان کے قول و فعل اور کردار کی جھلک ان کے خطوط میں صاف نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں خودداری بہ شکل انکساری پائی جاتی ہے مگر وہ خودداری وحشت میں نہیں جس میں خود پسندی شامل ہو اور جو ایک بڑی شخصیت کو علمی سطح سے گرا دے۔ انکی یہی روش جسے انہوں نے اپنے خطوط میں اپنایا ہے، دوسرے مکتوب نگاروں سے انہیں بلند کرتی ہے۔ اگرچہ ان کے خطوط کی سادگی بہت زیادہ سادہ نہیں بلکہ ایک علمی سطح کی سادگی ہے۔ وحشت اپنی سادگی کے خاطر نہ عوامی محاورے کو اور نہ روزمرے کو اپنی عبارت میں جگہ دیتے ہیں بلکہ ان کا انداز بیان سنجیدہ اور سادہ ہونے پر بھی ایک علمی نقش کا حامل ہے اور "مکاتیب وحشت" اردو ادب کا ایک قابل قدر سرمایہ ہے۔

ماہی پروری کیلئے عطیات

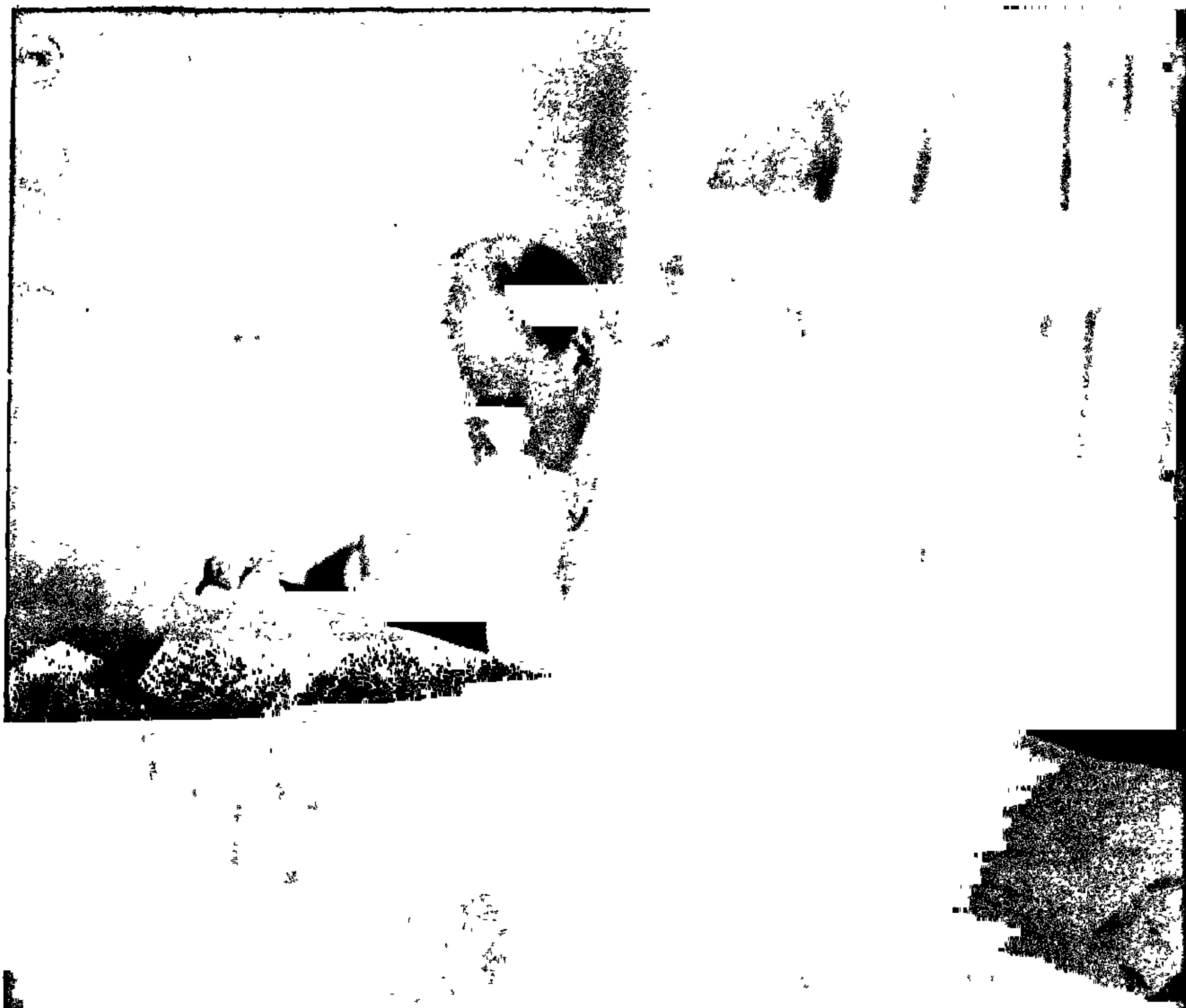
حکومت مغربی بنگال نے شیڈولڈ کاسٹ کے لوگوں بالخصوص ان لوگوں کی جو خصوصی مرکزی امداد پروگرام کے تحت غریبی سے نیچی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں، فلاح و بہبود کی کتنی ماہی پروری اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے پندرہ لاکھ روپئے بطور عطیہ دینے کی منظوری دے دی ہے اور ان روپئے کو محکمۂ ماہی پروری کے حوالے کر دیا گیا ہے اور ان کے توسل سے ماہی پروری کے مندرجہ ذیل افسروں کو یہ رقم فراہم کی جا چکی ہے: ۲۴ پرگنہ (شمال) کے ضلع ماہی پروری افسر کو ایک لاکھ روپئے، ۲۴ پرگنہ (جنوب)۔ ایک لاکھ روپئے، ہوڑہ — پچاس ہزار روپئے، ہگلی — پچاس ہزار روپئے، بردوان — پچاس ہزار روپئے، بیربھوم — پچاس ہزار روپئے، مدناپور (مشرق) — ایک لاکھ روپئے، مدناپور (مغرب)۔ دو لاکھ روپئے، پرولیا — پچاس ہزار روپئے، بانکوڑا — پچاس ہزار روپئے، ندیا۔ پچاس ہزار روپئے، مرشد آباد۔ پچاس ہزار روپئے، مالدہ۔ پچاس ہزار روپئے، مغربی دیناج پور — پچاس ہزار روپئے، دارجلنگ — پچیس ہزار روپئے، جلپائی گوڑی — دو لاکھ پچیس ہزار روپئے، کوچ بہار۔ ایک لاکھ پچاس ہزار روپئے اور جن پٹ ماہی پروری ساون ڈائرکٹر کو ایک لاکھ روپئے۔

فولادی زنجیر

رابندر ناتھ ٹیگور

قیدی! ان زنجیروں میں تجھے کس نے جکڑ کر رکھ دیا؟
میرے آقا نے مجھے ان فولادی زنجیروں میں باندھ دیا ہے!
میرے دل کی آرزو تھی کہ عزت و آبرو میں سب سے بازی لے جاؤں
شان و شوکت میں میرے مقابلہ کا کوئی نہ رہے
اور وہ خراجِ معبودیت جو میرے آقا کا حق تھا، میں نے مار لیا!
تب یہ ہوا کہ بدبختی نے آکر مجھے گھیر لیا
اور اس تخت پر چڑھ بیٹھنے سے نہ چوکا جو میرے آقا کا تخت تھا!
غفلت کا پردہ جو ہٹا تو دیکھتا ہوں کہ اپنے ہی خزانہ میں قید ہوں!
قیدی! یہ فولادی زنجیریں کس نے بنائی؟
یہ زنجیر؟ یہ زنجیریں میں نے اپنا خون پسینہ بہا کر تیار کی تھی
خیال یہ تھا کہ اپنی قوت و ثروت کے بل پر اس دنیا کو غلامی کی
زنجیروں میں باندھ کر اپنے قابو میں لاؤں
میں آزاد رہوں، دنیا میری غلامی میں رہے۔
اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے میں نے دن رات سخت محنت کی
کتنی ہی آگ کی بھٹیاں صرف ہوئیں
اور کیا کیا غضب کی چوٹیں! پیٹ پیٹ کر کس مشقت سے
اسے بنایا کچھ اندازہ ہے؟
جب یہ سنگین زنجیر تیار ہو گئی تو دیکھتا ہوں کہ
میرے ہی پاؤں میں آویزاں ہیں

(آزاد ترجمہ)



:- لینن سے جو مطالعہ :-

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya. Editor : Dhirendra Dutta. Associate M D. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

Regd. No. WB/C C-52
Vol. 30 No. 21
PRICE 25 Paise

MAGHREBI BANGAL
15th NOVEMBER 1983



وی۔ آئی۔ لینن نے سن ۱۹۲۰ء میں سورڈلوو اسکوائر میں سپاہیوں کے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے

خصوصی نمبر



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

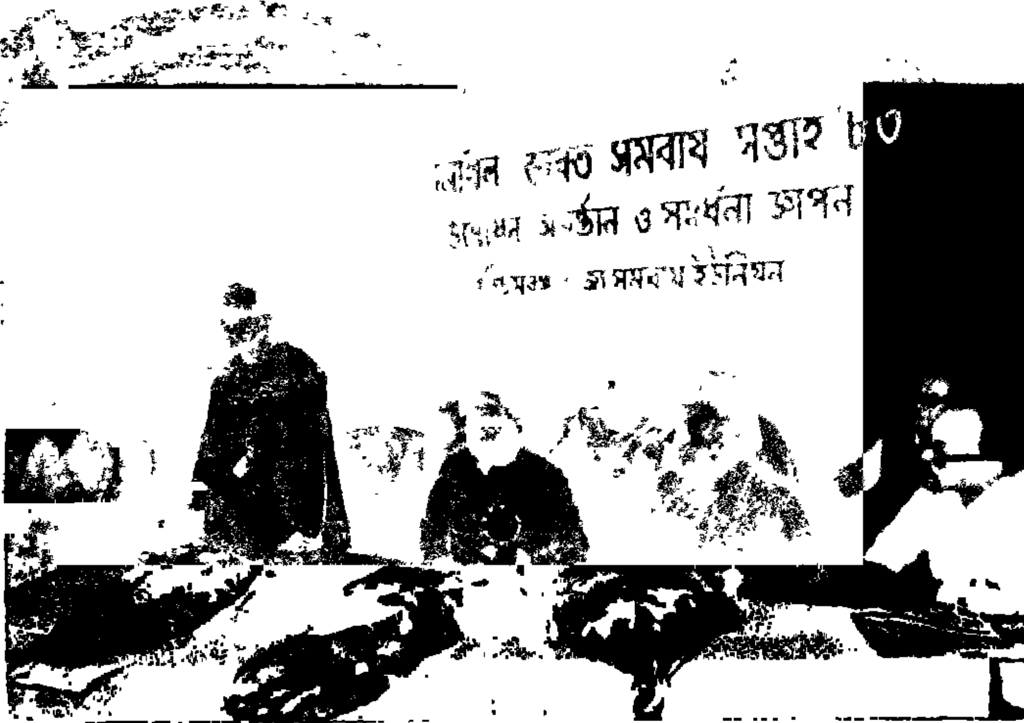
کلکتہ

جلد نمبر ۳۰ : یکم دسمبر و ۱۵ دسمبر ۱۹۸۳ء شمارہ نمبر ۲۲-۲۳

مدیر اعلیٰ —— پرتین بھٹاچاریہ
مدیر —— دھریندر ناتھ دت
مدیر معاون —— محمد اعظم

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے
اس خصوصی شمارے کی قیمت : پچیس ۲۵ پیسے



... اور

بائیں محاذ حکومت

اپنے محدود وسائل کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں گزشتہ چھ برسوں میں بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ بچوں کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سماجی رفاہ، تعلیم، طبی خدمات کے میدان میں بہت سارے پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ ان میدانوں میں ریاستی حکومت کی کامیابیوں کی چند جھلکیاں درج ذیل ہیں۔

سماجی رفاہی پروگرام:

ریاستی حکومت کے سماجی رفاہ کے شعبے نے گزشتہ چھ برسوں میں بچوں کی بہتری کے لئے سالم پروجیکٹ (آئی سی ڈی پی) پر عمل درآمد کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس پروجیکٹ کا مقصد یہ ہے کہ ماں اور بچے کو کافی اور مناسب تغذیہ فراہم ہو۔ اس طرح مزید ۴۲ پروجیکٹ بہت جلد چالو کر دئے جائیں گے۔ ان پروجیکٹوں سے تقریباً ۵ لاکھ بچوں کو فائدہ پہونچے گا۔

اس پروجیکٹ میں بچوں کی تغذیہ اسکیم، جس کی دیکھ بھال ضلع پریشد کرتے ہیں، کے تحت تقریباً ۳۳۰۰۰ بچوں کو لایا گیا ہے۔ نیز اس قسم کے پروجیکٹ سے مغربی بنگال سماجی رفاہ بورڈ نے تقریباً ۸۵۰۰ بچوں کی مدد کی۔

یونیسف کی مالی امداد سے ۲٫۵ کروڑ روپئے خرچ کرکے بچوں کی رفاہ کے ۱۵۰۰ مراکز مغربی بنگال کے ۱۰ اضلاع کے ۳۰ بلاکوں میں ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران تعمیر کئے گئے۔ ۱۹۸۰ء کے

تباہ کن سیلاب سے ان مرکزوں کی عمارتوں کو کافی نقصان ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں ۱۰۵۰ ٹیوب ویل بٹھائے اور ۸۲۵ پرائمری اسکولوں کی عمارتیں از سر نو تعمیر کی گئیں۔ ریاستی حکومت یکم جنوری ۱۹۸۱ء سے اس پروجیکٹ کے اخراجات برد[اشت] کر رہی ہے۔ سی، اے، آر، ای نے اپنے خوراک پروگرام سے تین لاکھ بچوں کو مستفید کیا۔

برسر روزگار عورتوں کے بچوں کی دیکھ بھال کرنے [...] مغربی بنگال سماجی رفاہ بورڈ نے بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے مراکز [...] کئے۔ اس اقدام سے ۴۰۰ عورتوں کے ۴۰۰۰ بچے مستفید ہو[ئے]۔ نیز اس کام کے لئے ۶۰ افراد کو روزگار بھی فراہم کیا گیا۔

یتیم بچوں کو ان کی تعلیم کے لئے فی ماہ فی کس ۳۰ رو[پئے] دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ اس پروجیکٹ سے ۴۰۰۰ بچے مستف[ید ہو] رہے ہیں۔

غریب بچوں کو مفت رہائش اور تعلیم کی سہولتیں د[ینے کے لئے] کرنے کے لئے جلپائی گوڑی میں ایک "ہوم" تعمیر کیا گیا۔ اس "ہوم" میں ۵۰ بچوں کی رہائش کی سہولتیں فراہم ہیں۔ نیز اس "ہوم" میں تیس[...] کو روزگار بھی فراہم کیا گیا۔

سرکاری مدد سے بہت ساری رضاکار تنظیمیں معیبت [زدہ] بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور ۱۹۷۷ء کے [...] نصف میں انکی تعداد ۴۰۰ سے بڑھکر ۱۰۰۰ ہو گئی۔

مرکزی حکومت کے پروجیکٹ میں بہت سارے رضا[کار] اداروں نے ۲۵۴۰ مصیبت زدہ بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لی [...] میں ایسے اداروں کی تعداد ۲۰۰۰ تھی۔ ان اداروں کے ۴۵ فیصد اخرا[جات] ریاستی حکومت نے پورے کئے۔

۱۹۷۹ء کو بچوں کا بین الاقوامی سال قرار دیا گیا۔ [...] سال کو بہت ہی جوش و خروش کے ساتھ منایا گیا۔ اس عرصہ میں بچوں [...] دو فلمیں تیار کی گئیں تاکہ سماج کے ہر شعبہ کے لوگوں کے سامنے بچوں [...] مسائل کو پیش کیا جائے۔ ریاستی حکومت کے شعبہ اطلاعات و ثقا[فتی] امور نے بچوں کے لئے منتخب نظموں کا مجموعہ "آلور جھلکی" شائع کیا۔ [...] سال کے دوران دارجلنگ میں بچوں کا ایک پارک تعمیر کیا گیا۔

جسمانی لحاظ سے معذور بچوں کی نقّاشی

مغربی بنگال میں بچوں کا ایکٹ نافذ کر دیا گیا۔ بچوں کی عدالت اور انہیں زیر حراست رکھنے کے "ہوم" کی تعمیر کے لئے سالٹ لیک، کلکتہ میں ایک ایکڑ قطعہ آراضی حاصل کر لیا گیا ہے۔ سماجی فلاح بورڈ کی نگرانی کے تحت بچوں کی رفاہ کے مزید ۴۳ پروجیکٹ چالو کر دئے گئے ہیں۔

V تا VIII کلاس کے معذور طلباء کو وظیفہ پروجیکٹ کے تحت وظیفہ دئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سنہ ۱۹۷۷ء کے پہلے نصف حصہ میں ۱۱۹ معذور طلباء کو سنہ ۱۹۸۲ء میں ۲۲۳ طلباء کو اور اسطرح سنہ [illegible] تک کل ۱۰۵۰ معذور طلباء کو وظیفہ دئے گئے۔

بچوں کیلئے تعلیمی پروگرام:

ابتدائی تعلیم: بائیں محاذ حکومت کا یہ عزم مصمم ہے کہ تعلیم کو عام کر دیا جائے اور عوام کے درمیان اسے پھیلا دیا جائے۔ گزشتہ چھ برسوں میں ۱۵ لاکھ بچوں کو ابتدائی تعلیم کے تحت لایا گیا اور اس مقصد کے لئے اس ریاست میں ۴۰۰۰ پرائمری اسکول قائم کئے گئے۔ بچوں کی تعلیم مفت فراہم کی جاتی ہے اور ۵۷ لاکھ طلباء کو نصاب کی کتابیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ تمام ریاستی طالبات کو اسکول کی پوشاکیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ ۳۰ لاکھ طلباء کو دوپہر کا کھانا مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ معاشی لحاظ سے پسماندہ طلباء کو وظیفے دئے جاتے ہیں اور انہیں سلیٹ اور کاپیاں مفت سپلائی کی جاتی ہیں۔

غیر رسمی تعلیم: غیر رسمی تعلیم نظام کا مقصد یہ ہے کہ ان بچوں کو تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں جو سماجی اور معاشی رکاوٹوں کی وجہ سے اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔ فی الحال مغربی بنگال غیر رسمی تعلیم کے ۵۲۰۰ مراکز کام کر رہے ہیں۔ ہر مرکز میں دو اساتذہ اور پچاس طلبہ ہوتے ہیں اور یہاں بہت ہی سیدھے سادے اور سلجھے طریقے سے تعلیم دی جاتی ہے۔ وظیفہ کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ بائیں محاذ حکومت سے قبل کے عرصے میں غیر رسمی تعلیم صرف ۱۱ تا ۱۴ سال کی عمر کے بچوں کو دی جاتی تھی۔ سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں بائیں محاذ حکومت نے ۹ تا ۱۱ سال کے بچوں کے لئے بھی اسطرح کے انتظامات کئے اور اس مقصد کے لئے ۱۱۲۴ نئے مراکز قائم کئے۔ ان مرکزوں میں فیس نہیں لی جاتی اور طلباء کو کتابیں اور لکھنے پڑھنے کی دیگر چیزیں مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء سے اب تک اس اسکیم کے تحت [illegible] کو ایسے مراکز میں تعلیم دے کر انہیں کلاس V کے قابل بنا دیا گیا۔

بچوں کی تعلیم کے میدان میں بچوں کے لئے لائبریریوں کا [illegible] بھی قابل ذکر ہے۔ سنہ ۱۹۸۱ء میں ۲۴۸ لائبریریوں [illegible]

... [illegible] میں بچوں کے لئے بھی علیحدہ لائبریریاں
[illegible] بچوں کی لائبریریاں خاص طور پر معاشی لحاظ سے پسماندہ علاقوں
میں کافی افادیت کا حامل ہیں۔ ان بچوں کو، جو مالی دشواریوں کی وجہ سے کلاس
V کے بعد اپنی تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے، اپنی تعلیم کے سلسلے
کو جاری رکھنے میں ایسی لائبریریاں کافی سودمند ثابت ہو رہی ہیں۔

بچوں کیلئے طبی دیکھ بھال خدمات:

دیگر ترقی پذیر ملکوں کی طرح ہندوستان بھی ایک نوجوان ملک ہے۔ ہندوستان میں بچوں کی تعداد پوری آبادی کی تعداد کی تقریباً ۴۱ فیصد ہے اور یہاں صحت کے نقطۂ نظر سے بچے عام طور پر کمزور ہیں اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ شیر خوار بچوں اور سات سال تک کے بچوں (یعنی اسکول جانے کی عمر سے کم عمر کے بچوں) کی طبی اور دیگر ضروری دیکھ بھال کی جائے۔ گزشتہ پانچ پنجسالہ منصوبوں کے عرصے میں ترقی کے تمام شعبوں میں ہندوستان نے اہم کامیابیاں حاصل کیں اور اس سے بچوں کو بھی فائدہ پہونچا۔ بچوں میں امراض اور اموات کی تعداد کافی زیادہ ہے۔

بچوں میں پیچش، خونی پیچش، سردی بخار، جلدی امراض، سانس اور سینہ کے امراض بہت ہی عام ہیں، اور ان سے بچوں کی نشوونما پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ غیر تشفی بخش تغذیہ، دودھ چھڑانا، تغذیہ اور صحت کی بابت کم معلومات اور غیر مستند طبیبوں کے علاج پر بھروسہ کرنا۔ ان تمام باتوں نے مسئلہ کو اور بھی شدید بنا دیا ہے۔ مغربی ملکوں کے مقابلے میں ہمارے ملک میں بچوں کی اموات کی تعداد زیادہ ہے۔

... کیلئے صحت پروگرام:

بچوں کی اموات اور امراض کی شرحوں میں کافی حد تک کمی کرنے کے لئے خاندانی فلاح و بہبود اور ماں اور بچہ کی صحت خدمات میں مزید بہتری لانے کی طرف خاص طور پر دیہی علاقوں میں خصوصی توجہ دی جا رہی ہے ... پروگرام حسب ذیل ہیں:

(۱) **دائی کی تربیت کا پروگرام:** ہر عورت کے ... بچہ کی پیدائش کے وقت، ایک تربیت یافتہ دائی یا نرس ... کا ہونا ضروری ہے۔ تربیت یافتہ افراد کو ضروری ساز و
سامان فراہم کئے جا رہے ہیں تاکہ وہ اپنے کام کاج کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔ اس مقصد کے لئے دایہ گری کرنے والی عورتوں کو دایہ گری کی تربیت دی جا رہی ہے تاکہ ہر گاؤں میں ایک تربیت یافتہ دائی دستیاب ہو۔

(۲) **خون کی کمی کے مریض ماں اور بچوں کا علاج**

اس ملک میں بچہ جننے کی عمر کی عورتیں اور بچے بہت سارے امراض کے شکار بن جاتے ہیں۔ جسم میں خون کی کمی کے تو عام طور پر مریض ہوتے ہیں۔ خون کی کمی کی وجہ سے نہ صرف حاملہ عورتوں کی بلکہ جنم لینے والے بچوں کی صحت پر بہت ہی برا اثر پڑتا ہے۔ زچگی کے دوران خون کی کمی کی وجہ سے ماں کی موت واقع ہوتی ہے۔

چونکہ ماں اور بچوں میں مقوی غذا کی کمی کی وجہ سے خون کی کمی کی شکایت پیدا ہوتی ہے اس لئے انہیں ایک ٹکیا کھلائی جاتی ہے۔ یہ ٹکیا لوہے اور فولک ایسڈ (فولیفر ٹکیا) سے تیار کی جاتی ہے اور کمزور ماں اور بچہ کو روزانہ ایک ٹکیا کھانی پڑتی ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے جسم میں ہیموگلوبین کا تناسب خطرہ کی سطح سے اوپر ہوتا ہے۔ عام طور پر ایک بچہ یا ایک ماں کو روزانہ ایک کے حساب سے ۱۰۰ دنوں تک ٹکیا کھانی پڑتی ہے۔

(۳) **وٹامن "اے" کی کمی کی وجہ سے بچوں میں نابینا پن کی روک تھام کے لئے علاج:** بہت سارے بچے وٹامن "اے" کی کمی کی وجہ سے اندھے پن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ایک تا چھ سال کے بچوں کو ہر چھ مہینہ میں ایک بار وٹامن "اے" محلول کی صورت میں پلایا جاتا ہے۔

(۴) **بچوں کیلئے ڈی پی ٹی اور ڈی ٹی ٹیکے:** چونکہ بچوں میں پیچش، ہوپنگ کھانسی اور کزاز (ٹے ٹے نس) کی شکایت عام ہوتی ہے۔ بچوں میں ان امراض سے بہت ساری اموات ہوئی ہیں۔ بچوں کو ان امراض سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں ٹرپل اینٹی جن انجکشن لگایا جاتا ہے۔ بڑے بچوں میں ہوپنگ کھانسی کی شکایت نہیں ہوتی۔

(۵) **حاملہ ماؤں کو بھی ٹے ٹے نس سے محفوظ رکھنے کیلئے،** ٹے ٹے نس ٹکسوئیڈ انجکشن لگایا جاتا ہے۔ اس سے ماں اور نوزائیدہ بچے ٹے ٹے نس سے محفوظ رہتے ہیں۔

بچوں کو پیچش، کھانسی اور ٹیٹنس سے محفوظ رکھنے کے لئے ٹیکا کھلایا جا رہا ہے

(۶) پرائمری ہیلتھ سنٹر میں کام کرنے والے ڈاکٹروں کو زچگی اور زچہ کی دیکھ بھال کے سلسلے میں تربیت دینے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ تربیت دینے کا کام ۱۹۸۰ء سے شروع ہوا اور یونیسف کی امداد سے اس ریاست میں مرشد آباد میں برہمپور ضلع ہسپتال میں ایسی تربیت دی جاتی ہے۔

(۷) جسمانی لحاظ سے معذور بچوں کے علاج کے لئے اضلاع کے ہسپتالوں میں ایسے بچوں کی معذوری کے علاج کی یونٹ کھولنے کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔ اس طرح کی یونٹوں میں ماہرین ڈاکٹروں کی خدمات فراہم کی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی ان کے لئے الگ بستروں کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔

سی ایم ڈی اے کی سرگرمیاں:

ایک ترقیاتی ایجنسی ہونے کے ناطے کلکتہ میٹروپولیٹن ڈیولپمنٹ اتھوریٹی (سی ایم ڈی اے) اپنے وجود میں آنے کے بعد ہی سے بچوں کی فلاح و بہبود کے کام میں مشغول ہو گیا اور اس سلسلہ میں کئی اقدامات بھی کئے۔ سی ایم ڈی اے نے بہت سارے پارک، کھیلنے کے میدان اور پرائمری اسکول تعمیر کئے۔

گزشتہ تیرہ برسوں میں سی ایم ڈی اے نے ۱۰۰ سے زیادہ نئے پرائمری اسکول تعمیر کئے اور ۶۰۰ سے زیادہ پرانے اسکولوں کی مرمت کی۔ اب بہت سارے اسکول سی ایم ڈی اے کے تحت زیر تعمیر ہیں یا ان کی مرمت کا کام جاری ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بائیں محاذ حکومت نے کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی ہے اور سی ایم ڈی اے نے اب تک پرائمری اسکولوں کے لئے ۲ء۶ کروڑ روپئے خرچ کئے۔

بچوں کی افزائش اور بہتری کے لئے کھیل کود اور اسپورٹس لازمی ہے۔ اس لئے سی ایم ڈی اے نے شہری علاقوں میں ایک سو سے زیادہ پارک اور کھیل کے میدان کی تعمیر کی اور از سر نو طور پر مرمت کی۔ اس کام میں اس نے اب تک ۱ء۶ کروڑ روپئے خرچ کئے۔ ڈھنو گھاٹ میں ایک اور بالی میونسپلٹی میں ایک پارک تعمیر کیا گیا۔ نیز کلکتہ میں اوکلینڈ اسکوائر میں زیر زمین دو زبانی کے ریزروائر کے اوپر بہت ہی خوبصورت پارک تعمیر کیا گیا۔ اس کے آس پاس کے علاقوں کے بچے اس پارک میں کھیل کود کرتے ہیں۔

سی ایم ڈی اے نے سالٹ لیک میں "جھیل میل" نامی ایک بہت ہی خوبصورت اور انوکھا پارک تیار کیا ہے۔ یہاں سالٹ لیک کے علاقے میں سانپوں کا پارک ہے۔ بچوں کی ریل گاڑی ہے۔ بچوں کا ایک چڑیا خانہ ہے اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں۔

حال ہی میں کلکتہ میں منعقدہ تیسرے بین الاقوامی نوجوان فلم فیسٹیول کا، شری ملک ارجن، مرکزی نائب وزیر برائے اطلاعات و نشریات افتتاح کرتے ہوئے ——— تصویر میں شری کانتی بسواس، وزیر ابتدائی و ثانوی تعلیم، حکومت مغربی بنگال، شری پرابھاش پھودیکر، وزیر ریاست برائے اطلاعات و ثقافتی امور اور ڈائکٹر دی۔ شانتارام، دیکھے جا سکتے ہیں۔

کلکتہ میں تیسرا بین الاقوامی نوجوان مسابقتی فلم فیسٹیول

کلکتہ کے لوگوں کو حال ہی میں منعقدہ تیسرا بین الاقوامی نوجوان مسابقتی فلم فیسٹیول کے دوران بہت ساری اچھی اچھی فلمیں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس فیسٹیول کا انتظام بچوں کی فلم سوسائٹی نے حکومت مغربی بنگال اور ہندوستانی فلم صنعت کے ساتھ مل کر کیا تھا۔ ۲ر نومبر ۱۹۸۳ء کو شری ملک ارجن، مرکزی نائب وزیر برائے اطلاعات و نشریات نے اس فیسٹیول کا افتتاح کیا۔ یہ فیسٹیول ۲ر نومبر سے ۱۴ر نومبر تک جاری رہا۔

اس اہم فیسٹیول میں ۲۶ ملکوں، جن میں ہندوستان بھی شامل ہے، نے حصہ لیا۔ وہ ممالک یہ ہیں: آسٹریلیا، بنگلہ دیش، برازیل، بلغاریہ، کناڈا، عوامی جمہوریہ چین، کیوبا، زیکوسلواکیہ، فن لینڈ، فرانس، مغربی جرمنی، ہنگری، ایران، اٹلی، نیدرلینڈس، جنوبی کوریا، پرتگال، رومانیہ، اسپین، شری لنکا، سویڈن، شام، برطانیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، روس، ویٹ نام، یمن اور یوگوسلاویہ۔

مسابقتی سیکشن میں انعامات کے لئے فلموں کو منتخب کرنے کے سلسلے میں سات ممبروں پر مشتمل ایک جیوری [illegible] اس کے سربراہ مشہور فلم ساز تپن سنہا تھے۔ شری [illegible] (ہندوستان)، شری پرمیتی اور رودزرگس گوڈتو (اسپین)، شریمتی میریا بینے سوورا (زیکوسلواکیہ)، شری مارٹ میک آرتھی (برطانیہ)، شری وانگ زنز ہینگ (عوامی جمہوریہ چین) اور شریمتی بیلے (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) اس جیوری کے ممبران تھے۔

مسابقت میں شامل ہونے والی فلموں کو دس اقسام کے انعامات دیئے گئے، ان میں بہترین فلم کے لئے سنہرا ہاتھی ایوارڈ، دوسری بہترین فلم کے لئے چاندی کا ہاتھی ایوارڈ، خصوصی جیوری ایوارڈ، بہترین ڈائرکٹر، بہترین ایکٹر اور بہترین ایکٹریس، بہترین موسیقی ڈائرکٹر کے ایوارڈ شامل ہیں۔

چینی فلم "ببلنگ اسپرنگ" (Bubbling Spring) کو نوجوانوں کے تیسرے بین الاقوامی فلم فیسٹیول میں بہترین فلم قرار دیا گیا اور اسے سونے کا ہاتھی کا انعام دیا گیا۔ ترکی کی فلم "انکمپلیٹ اکلپس" (Incomplete Eclipse) کو دوسری بہترین فلم کا ایوارڈ دیا گیا۔ روس کی فلم "آئی ڈونٹ وانٹ ٹو گرو اپ" (I Don't Want to Grow Up) کو بہترین ادا کاری کا انعام

فلم فیسٹیول کی افتتاحی تقریب کے موقع پر پیش کردہ برطانیہ کی تصویر "کالا گھوڑا" کا ایک منظر۔

دیا گیا۔ کارٹون فلم "فوکس اینڈ ہاؤنڈ" (Fox and Hound) (امریکہ) کو بہترین کارٹون فلم کا انعام دیا گیا اور موسیقی کے لئے اسپین کی فلم "گلیورس ٹراویلس" (Gulliver's Travels) کو انعام دیا گیا۔

۱۳ نومبر کو انعامات کی تقسیم کے سلسلے میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے منتخبہ فلموں کے لئے انعامات تقسیم کئے۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک ملک کی حالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ثقافتی میدان میں وہ بچوں کے لئے کیا کر پاتا ہے ۔

فلم فیسٹیول میں پیش کردہ

کشمیری فلم کا ایک منظر

بچوں کیلئے سنیما

از: پرابودھ مترا

ہندستان میں بچوں کی فلم تحریک کوئی ہیجان خیز بات نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۹ء کے بچوں کے بین الاقوامی سال میں بھی اس ضرورت کو لوگوں پر واضح طور پر عیاں نہیں کیا گیا تھا کہ بچوں کے کاز کے لئے ترجیحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ سیدھی سادی بات تو یہ ہے کہ بچوں کے لئے خاص طور پر کتابیں تو لکھی جاتی ہیں اور بچوں کے لئے خاص طور پر فلمیں بھی ہونی چاہئیں، اس بات کی طرف کسی نے دھیان نہیں دیا۔

فلم پالیسی کے ورکنگ گروپ نے ستیہ جیت رائے کے حوالے سے اس حقیقت کو عیاں کیا کہ ہمارے ملک میں بچوں کے لئے سنیما گھروں کی کافی کمی ہے۔ شری رائے نے بھی اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ اس خصوصی میدان میں غفلت برتی گئی ہے اور اس میدان میں خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پندرہ سال سے زیادہ عرصہ قبل بچوں کی فلم سوسائٹی کی تفتیشی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات کا ذکر کیا اور صاف صاف لفظوں میں اپنی ناتشفی کا اظہار کیا۔

اس کے بعد کے عرصے میں بھی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خاطر خواہ اقدامات نہیں کئے گئے۔ بچوں کے بین الاقوامی سال میں حکومت مغربی بنگال کی بامعنی کوششوں اور بچوں کی فلم سوسائٹی کے ذریعہ فلموں کی تیاری اور نمائش نے کچھ حد تک اس خلا کو پر کیا لیکن ضرورت کی وسعت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقدامات نے مسئلہ کی حاشیائی ضرورت کو پورا کیا۔

۱۹۶۰ء میں اس تفتیشی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ اس بات کا قرینہ کم ہے کہ اس میدان میں کوشش بہت زیادہ ہی جوش و خروش پیدا ہوگا کیونکہ یہ ایک نفع بخش کوشش نہیں ہوگی۔ یہ خیال اب بھی صحیح ہے۔ اس حقیقت کی شناخت کرا گئی ہے کہ بنیادی طور پر یہ سماجی رفاہ اور تعلیمی سرگرمی ہے، اس لئے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ حکومت اس کی سربراہی کرے گی۔ یہ بات باعث حیرت نہیں کہ دنیا کے مختلف سوشلسٹ ملکوں نے بچوں کی فلم کے میدان میں گرانقدر خدمات انجام دیں، کیونکہ وہاں حکومت کی سرپرستی نے انہیں ان ملکوں پر، جہاں پرائیویٹ پروڈیوسر اس موضوع کی طرف دھیان دینا بھی پسند نہیں کرتے، برتری حاصل کرنے میں مدد دی۔

بچوں کی فلموں کی تحریک تو نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے جاری ہے۔ دستاویزی فلموں اور فلم سوسائٹی تحریک کی طرح اس کی شروعات بھی برطانیہ سے ہوئی۔ برطانیہ میں رفاہی کارکنندگان، تعلیمی ماہرین اور فلم کے لوگوں نے مشترکہ طور پر نوجوانوں کی بہبود کے لئے کچھ ٹھوس اقدامات کرنے کی ضرورت کو حکومت کے سامنے اجاگر کیا۔ سنیما کی صبح کو بچوں کی میٹنی شو کی مقبولیت سے برطانیہ میں فلم تقسیم کرنے والے چند اہم لوگوں نے بھی اس بات کی تائید کی۔ ۱۹۵۰ء میں سرکاری طور پر بچوں کی فلم کی بنیاد قائم کی گئی۔ بعد میں سنیماٹوگراف فلم ایکٹ ۱۹۵۷ء نے بچوں کی فلم کے مذکورہ اداروں کو فلم تیار کرنے کے لئے سالانہ عطیہ دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ چند ایکٹروں اور ڈائریکٹروں نے کم فیس پر کام کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ ان اقدامات سے بچوں کے لئے کم خرچ پر فلمیں تیار کرنے میں کافی مدد ملی۔

ہمارے ملک میں ایسی تحریکیں باثمر ثابت نہیں ہوئیں۔ مرکزی حکومت نے پانچویں دہائی کے وسطی عرصہ میں پہل کی اور بچوں کی فلم سوسائٹی قائم کی گئی۔ یہاں ایک فراموش کردہ حقیقت کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ پانچویں دہائی کے آخری عرصے میں کلکتہ میں بچوں کی ریاستی فلم سوسائٹی قائم کی گئی اور اس نے ایک مختصر فیچر فلم تیار کرنے کے بعد اپنے دروازے بند کر دئے اور اس کے بعد سے بچوں کی فلم

کے لئے تحریک کا انتظام کرنے کے لئے مغربی بنگال میں منظم کوششیں نہیں کی گئیں۔ یہ تو صرف ۱۹۷۹ء میں ہی ریاستی حکومت نے بچوں کے بین الاقوامی سال کے موقع پر بچوں کے لئے نصف درجن فلمیں تیار کرنے کے لئے ایک پروجیکٹ پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

بچوں کی فلم سوسائٹی کو اپنے قیام کے بعد پچیس سال سے زیادہ عرصے تک بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وی۔ شانتارام کی سربراہی میں بہت سارے بامعنی کام کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ لیکن حقیقت جوں کی توں رہ گئی یعنی ضرورت کو پورا نہیں کیا جا سکا۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ایسی فلموں کی نمائش کا اسکولوں میں انتظام نہیں کیا جائے تو اس سے ایسی فلموں کے تیار کرنے کی رفتار سست ہو جائے گی۔

بین الاقوامی فلم فیسٹیول نے، جس کا بچوں کی فلم سوسائٹی نے انتظام کیا تھا، باہر کی دنیا کی کھڑکی کھول دی۔ ان برسوں میں ایسے فیسٹیول میں نہ صرف شرکت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نمائش کے لئے پیش کردہ فلموں کی کوالیٹی میں بھی کافی بہتری ہوئی۔ اس سال کے فیسٹیول میں ۳۰ ملکوں کی فلموں کی نمائش کی جائے گی۔ بچوں کو اس نمائش سے کافی فائدہ پہونچے گا ساتھ ہی فلم سازوں کو بھی تقویت ملے گی۔

فلم مرکزوں میں ایسے فیسٹیول کے انعقاد کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلم سازوں کو اس بات سے روشناس کرایا جائے کہ مختلف ممالک کے بچوں کو کیسی کیسی فلمیں پسند ہیں تاکہ وہ ایسی فلموں کی تیاری کا کام سنجیدگی سے شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں یقیناً کچھ کہنا مشکل ہوگا کہ ہمارے ملک میں بھی ایسی فلمیں جوش و خروش کے ساتھ تیار کی جائیں گی۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ٹیلی ویژن ایسی فلموں کی ترقی کے لئے خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کر رہے ہیں حالانکہ بیرونی ممالک میں ٹیلی ویژن بچوں کی تفریح اور تعلیم کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

اس نمائش کے منتظمین کے اور بچوں کی کتابوں کے نمائش کے کلکتہ کے بچے شکر گزار ہیں۔ بچوں کو اس بات کی پوری امید ہے کہ آئندہ بھی ان کی تفریح اور تعلیم کے سلسلہ میں ان باتوں کا خیال رکھا جائے گا۔

(بقیہ صفحہ [illegible] کا)

چھوٹے پیمانہ کی صنعت کی کارپوریشن گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ کارپوریشن چھوٹی صنعتوں کو خام اشیاء کی فراہمی اور بہت ساری سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ اس نے چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کے ۹ صنعتی اسٹیٹس قائم کئے۔ مغربی بنگال کے چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں میں بہت اقسام کی مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔ ان مصنوعات میں جدید ترین الیکٹرونکس اور بجلی اور انجینئرنگ کی مصنوعات شامل ہیں۔

برآمدات : مغربی بنگال پاٹ، چائے اور انجینئرنگ، ہینڈ کرگھے، دستکاری، چمڑے کی مصنوعات کی برآمدات کے ذریعہ ملک کے لئے کافی غیر ملکی زرمبادلہ کماتا ہے۔ صرف پاٹ صنعت برآمدات سے سالانہ تقریباً ۲۰۰ کروڑ روپئے غیر ملکی زرمبادلہ کماتی ہے۔ پاٹ صنعت کے بعد چائے کا نمبر آتا ہے۔ کلکتہ بندرگاہ میں حالیہ برسوں میں مزید بہتری لائی گئی ہے اور نئی بندرگاہ ہلدیہ سے زیادہ سے زیادہ برآمدات کا کام کیا جا رہا ہے۔ کلکتہ کے نزدیک فالتا میں ایک آزاد تجارتی علاقہ قائم کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

بقیہ: بچوں کا کتابی میلہ صفحہ ۱۱ کا

بنی تین ہزار سے زائد کتابوں کی نمائش کی گئی۔ بین الاقوامی نمائشی سیکشن نے بیرونی ممالک کی شائع شدہ کتابوں کی نمائش کا اہتمام کیا۔ ہر ملک سے ۱۰۰ تا ۱۵۰ عنوانات کی کتابوں کی نمائش کی گئی۔ میلہ کے لئے یہ خاص اہمیت کی بات تھی۔ یہ کتابیں فروخت نہیں کی گئیں۔

نیشنل بک ٹرسٹ کی شائع شدہ تقریباً ۲۵۰۰ کتابوں کی نمائش کی گئی۔ ان تمام کتابوں کا موضوع "اشاعت کے ذریعہ قومی یکجہتی" تھا۔

مشرقی علاقہ کے بڑے بڑے آرٹ اداروں کے تقریباً ۲۲ شرکاء نے بچوں کی کتابوں کے تزئین کاروں کے لئے سات دن کے ورکشاپ میں شرکت کی۔ این۔ بی۔ ٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ بچوں کی کتابوں کی تزئین کاری کے لئے انعامات دئے جائیں۔

یہ میلہ ۱۴ نومبر ۱۹۸۳ء تک جاری رہا۔

کلکتہ میں منعقدہ بچوں کے کتابی میلہ میں ایک انوکھے پوسٹر کی نمائش

...میں بچوں کا پہلا بین الاقوامی کتابی میلہ

گزشتہ چار نومبر کی سہ پہر کو رابندر سدن کے مقابل کلکتہ میدان میں شری پرمیند رمترا نے پردیپ جلا کر اور مختلف رنگوں کے غبارے اڑا کر نیشنل بک ٹرسٹ کے زیر اہتمام بچوں کے بین الاقوامی میلہ کا افتتاح کیا۔ شری مترا نے اپنی افتتاحی تقریر میں اس میلہ کو مفید قرار دیا کیونکہ مرحلہ بعید میں بچوں کے لئے اتنے وسیع پیمانے پر کتابوں کی نمائش کی گنجائش نہیں تھی۔ انہوں نے ٹرسٹ کو مشورہ دیا کہ وہ بچوں کے لئے ہندوستان کی تمام زبانوں پر مشتمل ایک سالانہ رسالہ بھی شائع کرے۔

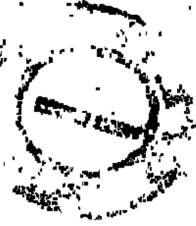
اس تقریب میں مہمانِ خصوصی مغربی بنگال کے وزیر مالیات ڈاکٹر اشوک مترا نے بچوں کے اس کتابی میلہ میں بچوں کی عدم موجودگی پر حیرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ دیہی علاقوں میں بھی اس طرح کے میلے کا اہتمام کیا جائے۔ نیشنل بک ٹرسٹ کے چیئرمین ڈاکٹر رشناکر پلائی علالت کی وجہ سے جلسہ میں شریک نہ ہو سکے۔ ان کی ارسال کردہ تقریر کو ٹرسٹ کے ڈائریکٹر شری لکھی ناتھ بھٹاچاریہ نے پڑھ کر سنایا۔

میلہ کے پہلے دن بہت سی اچھی اچھی کتابوں کی اشاعت کی گئی جن میں سرپنڈو پادھیا کی تصنیف کردہ "چھوٹو دیر بنگلہ ناٹک"، (بچوں کے لئے بنگلہ ناٹک)، سنیل بندوپادھیا کی "ہیری ناتھ دے" سنیندر ناتھ گھوش کی "ہندستان کی لوک کہانیاں اور پریوں کے قصے" اور "قدیم ہندستان کی لوک کہانیاں اور پریوں کے قصے" شامل ہیں۔

اس کتابی میلہ میں ہندستان بھر سے ناشروں، کتب فروشوں، طفلی ادب کے طابع، بچوں کے لئے پڑھنے لکھنے اور پڑھانے کے سامان و اشتہارات کرنے والوں نے شرکت کی۔

نیشنل بک ٹرسٹ کے ایک نمائندے نے بتایا کہ قومی نمائش سیکشن میں بچوں کے لئے انگریزی اور دوسری ہندستانی زبانوں پر





آئیے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی
ہم جنہیں رسمِ دعا یاد نہیں
ہم جنہیں سوزِ محبت کے سوا
کوئی بت، کوئی خدا یاد نہیں

۱

آئیے عرض گزاریں کہ نگارِ ہستی
زہرِ امروز میں شیرینیٔ فردا بھر دے
وہ جنہیں تابِ گراں باریٔ ایام نہیں
ان کی پلکوں پہ شب و روز کو ہلکا کر دے

۲

جن کی آنکھوں کو رخِ صبح کا یارا بھی نہیں
ان کی راتوں میں کوئی شمع منور کر دے
جن کے قدموں کو کسی رہ کا سہارا بھی نہیں
ان کی نظروں پہ کوئی راہ اجاگر کر دے

۳

جن کا دیں پیرویٔ کذب و ریا ہے ان کو
ہمتِ کفر ملے، جرأتِ تحقیق ملے
جن کے سر منتظرِ تیغِ جفا ہیں ان کو
دستِ قاتل کو جھٹک دینے کی توفیق ملے

۴

عشق کا سرِّ نہاں، جانِ تپاں ہے جس سے
آج اقرار کریں اور تپش مٹ جائے
حرفِ حق دل میں کھٹکتا ہے جو کانٹے کی طرح
آج اظہار کریں اور خلش مٹ جائے

۵

فیض احمد فیض

ڈاکٹر عزیز [illegible]

صحت عامہ

کے میدان میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی کارگذاری

صحت عامہ تو مرکزی اور ریاستی دونوں حکومتوں کی فہرستوں میں شامل ہے اور اس لئے یہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ حکومت ہند کی ضرورت پر مبنی قومی صحت پالیسی کے نہ ہونے سے، ساتھ ہی وقتاً فوقتاً جزوی پالیسی کی وجہ سے تکمیل کے طریقہ کار میں تال میل میں کافی اختلاف ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں ریاستی حکومت کے لئے صحت عامہ پالیسی مرتب کرنی بہت ہی مشکل، یا یوں کہئے کہ ناممکن ہوجاتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت کے مالی اور دستوری اختیارات بہت ہی محدود ہیں لیکن اس کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں صحت عامہ کے سلسلے میں نمایاں اقدامات کئے۔ اس میدان میں ہمیں اور بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوتی اگر ہم حسب خواہ سیاسی بیداری اور صحت عامہ کے پروگرام کی تکمیل اور صاف تناظر کے ساتھ صحت عامہ کو اور بھی زیادہ اہمیت دیتے۔

بائیں محاذ حکومت کی کامرانیاں:

۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی صحت عامہ خدمات ان ڈاکٹروں، جونیر ڈاکٹروں، طبی طلباء اور ہسپتالوں کے دیگر کارکنان کو جنہیں ایمرجنسی کے عرصے میں کام سے نکال باہر کر دیا گیا، معطل کر دیا گیا تھا یا قید کر دیا گیا تھا، پھر ان کے عہدوں پر فائز کر دیا اور ان کے قانونی جمہوری حقوق کو بحال کر دیا۔

میڈیکل کالجوں میں داخلے کے وقت رونما ہونے والی بد نظمی اور کنبہ پروری کو دور کر دیا گیا۔ انڈر گریجویٹ میڈیکل امتحان میں تین یا چار سال کی تاخیر ہوگئی اور پانچ سالہ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا کورس ۸ یا ۹ سال سے قبل ختم نہیں ہوتا لیکن مارچ ۱۹۸۴ء سے ان دشواریوں کو دور کر دیا گیا اور اب امتحانات باقاعدہ وقت پر ہو رہے ہیں اور نتائج بھی وقت پر شائع کئے جا رہے ہیں۔

بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۸۰ء میں ان تمام ڈاکٹروں کے لئے جنہوں نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس پاس کرنے کے بعد ہسپتالوں میں بحیثیت ڈاکٹر ایک سال مکمل کر لیا، ہاؤس اسٹاف شپ کا کورس رائج کیا۔ یہ کورس ایک سال کے لئے ہے اور ڈاکٹروں کو وظیفہ دیا جاتا ہے۔ نیز ریاستی حکومت تمام ڈاکٹروں کے لئے پوسٹ گریجویٹ تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں بھی فراہم کرتی ہے۔ ہندوستان کے بہت سارے میڈیکل کالجوں میں ڈاکٹروں کا تربیتی عرصہ ہسپتالوں میں ایک سال ڈیوٹی کرنے کے بعد مکمل ہو جاتا ہے اور چند ہی ڈاکٹروں کو جنہوں نے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی یا جن کا تقرری دینے والے حکام کے ساتھ کچھ رسوخ حاصل ہے، ہاؤس اسٹاف شپ کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں۔ بہت ساری ریاستوں میں سروس ڈاکٹر ہی ہاؤس اسٹاف کا کام کرتے ہیں۔

۱۹۸۰ء میں وظیفہ یاب ہاؤس اسٹاف کے لئے سنٹرل سیلکشن کمیٹی قائم کی گئی۔ یہ کمیٹی تعلیم اور ہسپتالوں میں کارگذاریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل اور قابل افراد کو ہاؤس اسٹاف کیلئے منتخب کرتی ہے۔

۱۹۷۹ء میں آئی۔ ایم۔ اے کی سربراہی کے تحت جونیر ڈاکٹروں کے عوامی وفد نے حکومت کے سامنے ایک میمورنڈم پیش کیا تھا۔ بائیں محاذ حکومت نے اس یادداشت کے پیش نظر یکم اپریل ۱۹۸۰ء سے ماہانہ وظیفہ کی شرحوں میں یوں تبدیلی کی:

ہسپتال کے رہائشی ڈاکٹروں کیلئے	۲۵۰ روپے کی جگہ	۳۰۰ روپئے
جونیئر ہاؤس اسٹاف :	۴۰۰ روپے کی جگہ	۵۰۰ روپئے
سینیئر ہاؤس اسٹاف :	۴۵۰ روپے کی جگہ	۵۵۰ روپئے

پھر جولائی ۱۹۸۰ء میں حکومتِ مغربی بنگال نے جونیئر ڈاکٹرس کونسل آف ایکشن (جے ڈی سی اے) اور جونیئر ڈاکٹرس فیڈریشن (جے ڈی ایف) کی داخل کردہ یادداشت پر غور و خوض کرنے کے بعد مذکورہ وظیفہ میں مزید اضافہ کیا۔

ہسپتال کے رہائشی ڈاکٹر :	۳۰۰ روپئے سے بڑھاکر	۴۵۰ روپئے
جونیئر ہاؤس اسٹاف :	۵۰۰ روپئے سے بڑھاکر	۶۰۰ روپئے
سینیئر ہاؤس اسٹاف :	۵۵۰ روپئے سے بڑھاکر	۶۵۰ روپئے

۱۹۸۱ء میں پہلی بار مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے ۲۵ فیصد پوسٹ گریجویٹ طلبا کو ۶۰۰ روپئے فی ماہ فی کس بطور وظیفہ دینے کی منظوری دی۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

نرسنگ (مریضوں کی طبی تیمارداری) کی تربیت کی سہولتوں میں اضافہ کیا گیا۔ زیر تربیت نرسوں کے لئے وظیفے میں اضافہ کیا گیا اور اس وظیفہ کو ۲۰۰ روپئے سے بڑھاکر ۲۵۰ روپئے فی ماہ کردیا گیا۔

جونیئر ڈاکٹرس اور میڈیکل طلباء کے لئے ہاسٹل میں رہائشی سہولتوں میں ۵۰ فیصد اضافہ کیا گیا۔ خصوصی ضرورتوں کے پیش نظر جن ڈاکٹروں کو ملازمتیں فراہم کی گئی تھیں ان میں سے زیادہ تر ڈاکٹروں کی ملازمتوں کو باقاعدہ بنایا گیا۔

بنیادی درجہ کے میڈیکل افسروں کو ۱۹۸۰ء میں، ملازمت پر برسر روزگار ہونے کے بعد ۱۰۵۰ روپئے ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی لیکن اسی ڈاکٹر کی تنخواہ اب فی ماہ ۱۶۵۰ روپئے ہوگئی۔

طبی تعلیم، تربیت اور تحقیق کے معیار میں بہتری لانے کے لئے حکومت مغربی بنگال نے ۱۹۸۲ء میں ایک اسکیم رائج کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس اسکیم کے تحت میڈیکل کالجوں کے اساتذہ کو پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس کے لئے پریکٹس نہ کرنے کے بھتے کی انتہا کی حد کو ختم کردیا جائے گا اس طرح ایسے اساتذہ کی تنخواہوں میں کافی اضافہ ہوگا ساتھ ہی انہیں بہت ساری مراعات فراہم کی جائیں گی لیکن اس اسکیم کو جاری نہیں کیا جاسکا کیونکہ بہت سارے اساتذہ نے پریکٹس بند کرنے [illegible] ہائی کورٹ سے حکم امتناعی جاری کروادیا تھا۔

حکومتِ مغربی بنگال نے اس بات کی زبردست کوشش کی کہ بردوان اور شمالی بنگال میڈیکل کالجوں کی سرکاری حیثیت کو برقرار رکھا جائے۔ چونکہ بہت سارے ٹیچروں نے شمالی بنگال یا بانکوڑا اور بردوان میں منتقل میڈیکل کالجوں میں اپنی منتقلی کے خلاف ہائی کورٹ سے حکم امتناعی جاری کروادیا۔

یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ حکومتِ ہند نے اپنے پنج سالہ منصوبوں میں صحت عامہ کے لئے مختص رقوم میں کافی کمی کردی ہے۔ مختص رقوم کی تفصیل درج ذیل ہے۔

منصوبے	صحت عامہ کی مد پر کل اخراجات کا فیصد
پہلا منصوبہ	۳ر۳۰
دوسرا منصوبہ	۳ر۰۰
تیسرا منصوبہ	۲ر۶۰
چوتھا منصوبہ	۲ر۱۰
پانچواں منصوبہ	۱ر۹۰
چھٹا منصوبہ	۱ر۸۶

(بحوالہ "انڈیا" ۱۹۸۱ء، صفحہ نمبر ۹۳)

حکومتِ مغربی بنگال نے اپنے سالانہ صحت عامہ بجٹ میں ۶ فیصد سے ۱۲ فیصد بتدریج اضافہ کیا ہے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں صحت عامہ کی مد پر ۱۰٫۳ کروڑ روپئے مختص کئے گئے تھے اور ۸۳-۱۹۸۲ء میں اس مد پر ۲۰۲ر۸ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔ اس مد میں شہری پانی کی سپلائی، پانی کی صفائی، دھواں اور ہوا کی صفائی کے اخراجات شامل نہیں ہیں۔ ان مدوں پر ۲۵ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی۔

نرسوں اور دیکھ بھال کے کام میں ڈاکٹروں کے ساتھ تعاون کرنے والے اسٹاف کے لئے بہت سارے نئے پوسٹ قائم کئے گئے۔ اس کے علاوہ بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ پانچ برسوں میں میڈیکل افسروں کی ۱۲۳۳ نئی آسامیاں پیدا کیں۔ اس کی مثال ہندوستان میں کہیں

تھی۔

۱۹۷۲ء میں الاٹ کردہ فنڈ سے آؤٹ ڈور مریضوں کے لئے فی کس ۱۵ پیسہ اور انڈور مریضوں کے لئے فی کس ایک روپیہ اخراجات کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ اب موجودہ حکومت نے اس تخمینہ میں اضافہ کرکے اخراجات کو علی الترتیب ایک روپیہ اور چار روپیہ کر دیا۔ گزشتہ چھ برسوں میں اس مد میں مزید آٹھ کروڑ روپئے کا اضافہ کیا گیا۔

ضروری ادویہ کی باضابطہ سپلائی کو برقرار رکھنے کے لئے ماہرین نے ۱۱۶ ادویہ کی فہرست تیار کی ہے۔ ماہرین نے "ہاتھی کمیٹی رپورٹ" اور ڈبلو ایچ او۔ ادویہ تکنیکی کمیٹی کی رپورٹ کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد مذکورہ فہرست تیار کی۔ ان ادویہ سے ہمارے ملک کے نوے فیصد امراض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

حکومت مغربی بنگال نے بہت ساری اہم ادویہ اور جان بچانے والی ادویہ پر عائد ٹیکس کو ختم کر دیا ہے اور دیگر ادویہ میں سیلس ٹیکس کو ۷ فیصد سے کم کرکے ۴ فیصد کر دیا۔

ادویہ کی تیاری میں ضروری طور پر خود کفیل ہونے کیلئے ریاستی حکومت نے بنگال کیمیکل اور بنگال امیونٹی اور دواسازی کے دو بند کارخانوں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے مرکزی حکومت سے بات چیت کی اور اس کام میں مرکز کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ نیز ریاستی حکومت نے دواسازی کے چھوٹے چھوٹے بیمار کارخانوں کی ذمہ داریاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ ریاستی حکومت نے پودوں سے دوا تیار کرنے والی یونٹوں کو ریاست میں منتشر کر دیا، ساتھ ہی ضلع دارجلنگ میں بھی ایسی بہت ساری نئی یونٹیں قائم کیں

ادویہ کنٹرول شعبہ کو ضلع میں سب ڈویژن سطح تک لایا گیا اور ادویہ ساز یونٹوں کے کام کاج کی نگرانی کے لئے مزید ڈرگ انسپکٹر مقرر کئے گئے۔ ادویہ کی جانچ کرنے کی تجربہ گاہ کو وسیع بنا دیا گیا اور اسے جدید آلات سے لیس کر دیا گیا۔ نقلی ادویہ کی تیاری و تقسیم کے کام کی روک تھام کے لئے یہ اقدامات کئے گئے۔

ہسپتالوں میں زیر علاج مریضوں کی خوراک میں بہتری کے لئے عام مریضوں کے لئے مختص رقم یومیہ ۲٫۷۵ روپئے سے بڑھا کر ۴٫۵۰ روپئے فی کس اور سینہ کے امراض کے مریضوں کے لئے یومیہ ۳٫۵۰ روپئے سے بڑھا کر ۵٫۸ روپئے فی کس کر دیا گیا۔ ان مختص رقوم میں مزید اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔

میڈیکل اساتذہ کے تعلیمی جائزہ کا کام تقریباً آٹھ برسوں سے رکا رہا، لیکن گزشتہ چھ برسوں میں تین بار جائزہ کا کام کیا گیا اور ۱۹۸۲ء تک فہرست کو جدید بنایا گیا۔ مراتب کے لحاظ سے ترتیب دینے کی فہرست کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا۔

گزشتہ چھ برسوں میں ہسپتالوں میں بستروں کی تعداد کو ۴۸۰۰۰ سے بڑھا کر ۵۹۵۰۰ کر دیا گیا، نیز اس دوران مغربی بنگال میں ۳۰ نئے پرائمری مراکز صحت، ۶۸ نئے معاون مراکز صحت، ۲۴۰ نئے ذیلی مراکز صحت، ۸ نئے دیہی ہسپتال اور تین نئے شہری ہسپتال کھولے گئے۔ صحت عامہ کے سلسلے میں مزید سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں موجودہ ہسپتالوں میں بستروں کی تعداد میں کافی اضافہ کیا گیا اور بہت سارے پرانے اور بند ہسپتالوں کی ذمہ داریاں ریاستی حکومت نے اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔

ہسپتالوں کی کارگزاریوں میں بہتری لانے، ڈسپلن نافذ کرنے، مریضوں کی بہتر طبی دیکھ بھال کرنے، ہسپتالوں کے مختلف شعبوں اور سیکشنوں کے درمیان بہتر تال میل پیدا کرنے، ہسپتالوں کو صاف ستھرا رکھنے، بدعنوانی، چوری اور ہسپتالوں کے کمپاؤنڈ میں سماج دشمن سرگرمیوں کو کم کرنے اور ہسپتال میں بہتر تعلقات عامہ کی افزائش اور بہتری کے لئے بڑے ہسپتالوں میں انتظامی بورڈ قائم کئے گئے ہیں۔ ضلع ہسپتالوں میں ضلع پریشدوں اور انچل پریشدوں کی طرف سے ایسے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

ہسپتالوں کے کاؤنٹر پر ڈاکٹروں کے لئے ہسپتال کے اصول اور دیگر ضروری تفصیلات کے سلسلہ میں ایک رہنما کتاب تیار کی جا رہی ہے۔ بانکوڑہ میڈیکل کالج سے ملحق ایک دواسازی اور دوا آمیزی کا ایک اسکول چالو کر دیا گیا۔

سندربن علاقہ کے اندرونی حصے میں ندیوں کے ساحل پر واقع علاقوں میں بچہ و زچہ کی صحت کی دیکھ بھال کے کام میں بہتری لانے اور خاندانی رفاہ کے پروگرام کے لئے پہلی بار دو موٹر لانچ کا انتظام کیا گیا۔ ایک لانچ میں تفتیش کے آلات اور ادویہ ہوں گی اور دوسرے میں خاندانی

فاہ کے ساز و سامان ہوں گے۔

شہری اور دیہی علاقوں میں طبی دیکھ بھال اور بیماری کی روک تھام کرنے کے پیش نظر صحت بجٹ پر نظر ثانی کی جائے گی۔ دراصل میں زیادہ سے زیادہ فنڈ فراہم کیا جائے گا۔

ہسپتالوں کی گاڑیوں اور ایمبولینس گاڑیوں کی مرمت کے لئے ایک ٹاسک فورس قائم کیا گیا ہے۔

پی جی ایس ایس کے ایم ہسپتال میں خون بنک، سکین، ای سی جی وغیرہ کی سہولتیں بروقت فراہم ہیں۔ یہ فیصلہ لیا گیا ہے کہ ایسی سہولتیں میڈیکل کالج، آر جی کار میڈیکل کالج ہسپتال میں بھی فراہم کی جائیں۔

ڈاکٹروں اور صحت عامہ شعبوں کے دیگر اسٹاف کی بے ضابطہ منتقلی کی روک تھام کرنے کے لئے ایک اصول مرتب کیا گیا ہے اور جسے ۱۹۸۲ء سے چالو کر دیا جائے گا۔

مُردوں کی تعداد مرگ طبی جانچ کرنے کے لئے ڈاکٹروں کے لئے مزید مالیاتی سہولتیں فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔

طبی دیکھ بھال کے سلسلہ میں انسدادی اقدامات کو ...ص اہمیت حاصل ہے اور صحت عامہ بجٹ کی ۱۰ فیصد رقم ان انسدادی اقدامات پر خرچ کرنے کے لئے مختص کر دی گئی ہے۔ ان اقدامات کے تحت وسیع پیمانہ پر ٹرپل انٹی جن انجکشن دینے کی، ...لے کی روک تھام کے لئے دوا، ملیریا، فائلیریا، کوڑھ، تپ دق کی روک تھام کرنے کے لئے ادویہ کی تقسیم، اندھے پن کی روک تھام کرنے کے کام میں کافی مدد ملے گی۔

عام بیماریوں کے علاج کے کام کو ترجیح دی جانی چاہئے۔ اسی بعد لوگ، خاص طور پر وہ سب جو غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں اور گاؤں اور شہروں کی بستیوں میں رہنے والے لوگ، عام طور پر اس مرض کے شکار بن جاتے ہیں۔

طبی دیکھ بھال کے کام کو دیہی علاقوں اور شہری بستیوں کی طرف مرکوز کر دینا چاہئے۔ مرصد زمانے سے ریاستی حکومت شہری علاقوں میں طبی دیکھ بھال کے کام کے لئے ہر سال [illegible] روپے فی کس اور دیہی علاقوں میں ۵،۲۴ روپئے فی کس کے حساب سے خرچ کرتی ہے۔

اس تنظیم تفریق کو ختم کر دینا چاہئے۔

صحت انتظامیہ کو جمہوری اور لامرکزی بنا دینا چاہئے۔ طبی دیکھ بھال کے ہر شعبہ میں منصوبہ مرتب کرنے سے لیکر ان کی تکمیل تک پہونچانے تک کام کے ہر شعبہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شرکت کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں اور اس مقصد کے تحت اقدامات کئے جائیں کہ ایسے کام دیہی علاقوں میں پنچایتیں اور شہری علاقوں میں لوکل باڈیز براہ راست شرکت کر سکیں۔

ہسپتالوں کے کام کاج میں گوناگوں بہتری لانے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس مقصد کے لئے ایمرجنسی خدمات، ایمبولینس کی سہولتوں، انڈور اور آؤٹ ڈور میں طبی سہولتوں، صفائی، ہسپتالوں میں ڈسپلن کی بحالی، لازمی ادویہ کی کافی سپلائی اور صحت سے متعلق مشینوں کو اچھی حالت میں رکھنے کے سلسلہ میں ترجیحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر میڈیکل کالج کو یہ ذمہ داری سونپی جائے کہ وہ مخصوص علاقہ میں صحت عامہ کے سلسلہ میں امراض کی روک تھام کرنے کے لئے انسدادی اقدامات کرے اور مریضوں کو علاج کی سہولتیں فراہم کرے۔ نیز ایسے ہسپتال تمام متعلقہ ڈاکٹروں اور دیگر طبی طلباء اور افراد کے لئے تربیت گاہ کی سہولتیں فراہم کریں۔

شعبہ صحت عامہ میں اندرونی تعاون اور تمام سطحوں پر دیگر شعبوں سے باہمی تعاون کے نظام کو فروغ دیا جائے۔

پرائمری درجوں سے یونیورسٹی تک صحت کی تعلیم دی جائے اس تعلیم میں انسدادی صحت دیکھ بھال پروگرام اور باضابطہ کثرت کو بھی شامل کر لینا چاہئے۔ ماؤں کی تعلیم صحت کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہئے۔

طبی دیکھ بھال کا کام الگ تھلگ رہ کر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کام کو خوراک، پانی کی سپلائی، تعلیم، مکانات، روزگار، صحت مند ماحول اور تندرستی کی بابت بیداری کے کام کے ساتھ ساتھ انجام دینا چاہئے۔ اس کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے وسیع بنیاد کی عوامی صحت تحریک شروع کرنی چاہئے۔

ضروری ادویہ کی پیداوار میں حکومت ہند کو رفتہ رفتہ اضافہ

کرنا چاہئے اور آج جتنی ادویہ تیار کی جاتی ہیں ان سے چھ گنا زیادہ ادویہ تیار کرنی چاہئے اور اس طرح ہمارے ملک میں مریضوں کا حسب خواہ علاج کیا جا سکے گا۔ ضروری ادویہ سستی قیمتوں پر فراہم کی جانی چاہئے۔

طبی تعلیم کو بالکل عام کر دینا چاہئے۔ طبی اور نیم طبی تعلیم، تحقیق کے کام میں بہتری لانے کے لئے پریکٹس نہ کرنے والے اساتذہ کی ضرورت ہے اس لئے مذکورہ عدالتی کارروائیوں کو ختم کرنے کی کوششیں کی جانی چاہئے۔

جن اداروں کی ذمہ داری حکومت نے سنبھال لی ہے، ان کے کام کاج میں بہتری لانے کے لئے اقدامات کئے جانے چاہئیں اور ایسے اداروں کو مناسب طور پر استعمال کرنا چاہئے۔

لوگوں، جمہوری عوامی تنظیموں، ڈاکٹروں، نرسوں، طبی کام کے معاونوں کے پر خلوص تعاون کے بغیر ہسپتالوں اور طبی دیکھ بھال کرنے والے دیگر اداروں کے کام کاج میں بہتری لانا ممکن نہیں۔

ڈاکٹر، نرس، طبی کام کے معاون اور سماجی کارکنندگان سبھوں کو سماجی مقصد کو سامنے رکھنا چاہئے اور مریضوں کے سلسلہ میں ان کا نظریہ ہمدردانہ ہونا چاہئے کیونکہ انہیں مریضوں کی زندگی اور موت کے نازک مسئلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے انہیں کافی سماجی ذمہ داریوں کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دینا پڑتا ہے۔

ڈاکٹروں، نرسوں اور ہسپتال کے دیگر کارکنندگان کو تمام جمہوری حقوق مع کام بندی حق، حاصل ہونے چاہئیں۔ لیکن جب جلسے، بات چیت، میمورنڈم، احتجاج، جلوس وغیرہ جیسی تحریکیں بے اثر ثابت ہوں تو آخری ہتھیار کے طور پر کام بندی یا گھیراؤ کرنا چاہئے۔

کام بندی یا گھیراؤ سے کسی تحریک کا آغاز نہیں ہونا چاہئے۔ ہسپتالوں میں ایمرجنسی سروس کو مکمل طور پر بند کر کے کام بندی تحریک شروع کرنی نہیں چاہئے۔ ایمرجنسی سروس کو بند کرنا غیر اخلاقی اور انسان دشمنی کا کام ہے۔

ڈاکٹروں، نرسوں اور ہسپتالوں کے دیگر کارکنندگان کی جائز شکایتیں ہیں، جائز مطالبات ہیں تو انہیں مختصر عرصے کے لئے فوری طور پر اور لمبے عرصے کے لئے بعد دیگرے پورا کیا جا سکتا ہے۔ انکی سماجی حیثیت اور لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات کافی اہمیت کے حامل ہیں اس لئے انہیں [illegible] پریکٹس کی پابندی نہیں کرنی چاہئے۔ اور نہ سیاسی [illegible] کوئی مہم کرنی چاہئے، کیونکہ ان کے ان اقدامات سے مریضوں کو مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور عوام سے ان کے خوشگوار تعلقات پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ہسپتالوں کے ڈاکٹروں، نرسوں اور دیگر اسٹاف کو اپنے مطالبات کی بابت براہ راست مرکزی حکومت سے رجوع کرنا چاہئے اور انہیں حکومت ہند کے، ہسپتال اور دیگر اداروں میں تنازعہ کے مجوزہ بل، جاری کرنے کی کوشش کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے، کیونکہ اس بل سے مجموعی طور پر بات چیت کرنے کے لئے ان کے جمہوری حقوق پر کچھ پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت، معاشی۔ سماجی پابندیوں اور مرکز کے عدم تعاون کے باوجود، مغربی بنگال میں صحت عامہ کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

سیلاب زدگان کی امداد کے اقدامات

حکومت مغربی بنگال نے ۹۶۵۰۰ روپئے مرشد آباد اور مالدہ کے ضلع مجسٹریٹوں میں سے ہر ایک کے حوالے کر دیا تاکہ وہ ان رقوم سے ۵۰ میٹرک ٹن گیہوں خرید سکیں اور ان سے دونوں ضلعوں کے غریب سیلاب زدگان کے درمیان تقسیم کر سکیں۔

حکومت مغربی بنگال نے ان دونوں اضلاع کے ضلع مجسٹریٹوں کو فی کس مزید ۲۵۰۰۰ روپئے دئے تاکہ وہ ان اضلاع میں سیلاب امداد اقدامات سے وابستہ اتفاقی اخراجات کو پورا کر سکیں۔

(باقی صفحہ نمبر ۲ کا)

روزگار کے میدان میں بے روزگاروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا لیکن زیادہ سے زیادہ بے روزگاروں کے لئے روزگار فراہم کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ یہ صورت حال تو بنیادی معاشی بحران کا عکس ہے۔



مغربی بنگال میں صنعتی تعلقات

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے صنعتی تعلقات کی صورتحال میں کافی بہتری ہوئی۔ سال ایمرجنسی کے دوران ٹریڈ یونین تحریک حالات میں سست ہو گئی تھی۔ اس لئے اس عرصہ میں یہ مزدوروں کی فلاح و بہبود کے سلسلے میں اجتماعی طور پر بات چیت نہیں کر سکی۔ لیکن مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی کیونکہ ہماری حکومت کا اہم مقصد یہ ہے کہ ایسی پالیسیاں مرتب کی جائیں اور انہیں روبہ عمل لایا جائے جن سے محنت کش لوگوں کو فائدہ ہو سکے اور ایمرجنسی کے عرصہ میں مزدوروں اور ملازمین کے ساتھ جو ناانصافیاں کی گئی ہیں انہیں دور کر دیا جائے۔ محنت کشوں کے جائز مطالبات اور جدوجہد کی پوری تائید کرتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے ایسی پالیسی مرتب کی ہے جس سے ٹریڈ یونین آزادی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ ایسے اقدامات کے ذریعہ اس بات کی بھی کوششیں کی گئیں کہ ٹریڈ یونین حقوق اور تمام قانونی شکلوں میں ٹریڈ یونین تحریکوں کی ضمانت دی جائے اور انہیں فروغ حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

بائیں محاذ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی اپنے شعبۂ محنت کے ذریعہ آجروں کی تنظیموں کے نام گشتی خطوط جاری کئے کہ اپنے ان ملازمین کو جو مغربی بنگال میں ۱۹۷۲ء سے اس وقت کی ناموافق سیاسی صورتحال کی وجہ سے اپنی ملازمت کے لئے حاضری نہ دے سکے تھے محنت کشوں کی فلاح و بہبود اور تنازعات کے تصفیہ کے لئے سہ طرفی بنیاد کے بورڈ جیسے محنت مشاورتی بورڈ کی اچیار نو اور از سر نو تشکیل کی گئی۔

بونس ایکٹ کی ترمیم کے سلسلہ میں حکومت ہند کے پاس سفارشات داخل کی گئیں۔ بونس کی ادائیگی کے لئے اقدامات بھی کئے گئے۔ بونس ایکٹ میں ترمیم کی وجہ سے اجتماعی بات چیت کی ہمت افزائی ہوئی۔ بونس کی ادائیگی کے معاملہ میں ریاستی محنت مشاورتی بورڈ سے مشورہ کرنے کے بعد ہدایتیں جاری کی گئیں۔ بعد کے برسوں میں بھی اس طریقہ کار کو روبہ عمل لایا گیا اور یہ اقدام صنعتی امن اور خیر سگالی کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوا۔

بائیں محاذ حکومت کے شعبہ محنت کی سرگرمیوں کے جائزہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ گزشتہ چھ برسوں میں ہڑتال کے کیسوں کی تعداد میں کافی کمی ہوئی۔ سنہ ۱۹۷۶ء میں ہڑتال کے ۱۹۹ واقعات رونما ہوئے ان میں ۷۷۸۵۹ لوگوں نے شرکت کی لیکن سنہ ۱۹۸۲ء میں ایسی ہڑتالوں کی تعداد کم ہو کر صرف ۲۹ ہو گئی اور ان ۸۱۱۳۷ مزدور شامل تھے۔ تالہ بندی کے واقعات بھی سنہ ۱۹۷۶ء میں ۱۵۲ سے کم ہو کر سنہ ۱۹۸۲ء میں ۱۱۵ ہو گئے۔ سنہ ۱۹۷۶ء میں بندی کے ۱۱۶ کیس ہوئے جن سے ۱۱۳۹۲ مزدور متاثر ہوئے لیکن سنہ ۱۹۸۲ء میں بندی کے صرف ۳۶ کیس ہوئے جن سے ۳۱۸۵ مزدور متاثر ہوئے۔ ہڑتال، تالہ بندی اور بندی کے واقعات سنہ ۱۹۷۱ء سے سنہ ۱۹۷۶ء تک کے عرصہ میں اور پھر سنہ ۷۷-۸۲ء کے عرصہ میں کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں:

سنہ ۱۹۷۱ء تا سنہ ۱۹۷۶ء

	کیسوں کی تعداد	متاثر مزدوروں کی تعداد
ہڑتال	۹۲۹	۱۵۶۲۰۰۰
تالہ بندی	۷۵۳	۲۰۱۰۰۰
بندی	۵۸۷	۹۵۸۲۷

سنہ ۱۹۷۷ء تا سنہ ۱۹۸۲ء

	کیسوں کی تعداد	متاثر مزدوروں کی تعداد
ہڑتال	۵۸۹	۶۸۵۰۰۰

تالے بندی	۸۷	۳۴۹۰۰۰
بندی	۴۱۹	۳۷۹۲۰

منظم سیکٹر میں موجودہ ریاستی حکومت نے تنازعات کے تصفیہ کے طریقہ کار کے طور پر اجتماعی بات چیت کی ہمت افزائی کرنے کے سلسلہ میں اپنی پالیسی کو جاری رکھا ہے۔ ایسی اجتماعی بات چیت کی ہمت افزائی کرنے کے سلسلہ میں حکومت کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور اس کے نتیجے میں اس حکومت کے دور میں انجینئرنگ صنعت، پاٹ صنعت، سوتی کپڑوں کی صنعت اور میدہ ملوں میں سنہ ۱۹۷۹ء میں اجرت کے سلسلہ میں مالکوں اور مزدوروں کے درمیان سمجھوتے ہو گئے۔ اسی طرح سنہ ۱۹۸۰ء میں چائے صنعت سے متعلقہ صنعتوں میں بھی ایسے سمجھوتے ہوئے۔ مذکورہ چار بڑی صنعتوں میں معاہدے کی معیاد پوری ہو چکی اور اس لئے ان صنعتوں کے مزدور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر اجرتوں پر نظر ثانی کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مزدوروں کی رفاہ و بہبود کے سلسلہ میں ریاستی حکومت کی پالیسی اور پروگرام یہ ہے کہ مزدوروں کی رہائش اور کام کرنے کے حالات میں بہتری لائی جائے اور ان کے جمہوری حقوق کو بحال کیا جائے اور انکی حفاظت کی جائے۔ اس پالیسی کے پیش نظر ریاستی حکومت نے مذکورہ بالا چار بڑی صنعتوں کے مزدوروں کے مطالبات کے فرمان پر مذکورہ صنعتوں کے متعلقہ پارٹیوں اور افراد سے بات چیت شروع کر دی ہے۔

محنت کش طبقہ کے لوگوں کو بہتر طور پر امداد تحفظ اور مراعات فراہم کرنے کے مدنظر بائیں محاذ حکومت نے مزدور سے متعلق اہم قوانین میں مناسب ترمیمات لانے کے لئے ہمیشہ کوشش کی ہے اور اب بھی کر رہی ہے۔

صنعتی تنازعات ایکٹ سنہ ۱۹۴۷ء میں جہاں تک اس کا اطلاق مغربی بنگال پر ہوتا ہے ترمیمات لائی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ عدالتی کارروائیوں میں تیزی لائی جائے اور ایسی کارروائیوں کے لئے مدت مقرر کی جائے۔ ساتھ ہی تنفیذ عدالتی فیصلوں کو بہتر طور پر پایہ تکمیل تک پہونچایا جا سکے۔ نیز اس ایکٹ میں غیر قانونی اقدامات کے خلاف تحفظ اور ایکٹ کو روبہ عمل لانے کے لئے خلو کو دور کرنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس ایکٹ میں ان باتوں کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ بندی سے پہلے آجرین کو بندی معاوضہ ادا کرنا پڑے گا اور اس ایکٹ کے وی۔ بی باب کے دائرہ عمل میں بہت ساری یونٹوں کو لایا جا رہا ہے کیونکہ ان کو کام سے بٹھا دینے یا چھٹنائی کرنے سے قبل مخصوص حکام کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

صنعتی تنازعات ایکٹ سنہ ۱۹۴۷ء میں مزید تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس ایکٹ کی دفعہ ۲۔اے کے تحت زیادہ سے زیادہ مزدوروں کو اور روزگار فراہم کرنے سے انکار کے مسئلہ کو شامل کر لیا جائے۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۱۰ میں بھی ترمیم لائی گئی ہے تاکہ انفرادی تنازعات کو لیبر انڈسٹریل ٹرائی بونلس میں آسانی سے لایا جا سکے۔ رفاہی اقدامات اور روزگار کے تحفظ کے سلسلے میں غیر محفوظ مزدوروں کی حفاظت کے لئے ریاستی اسمبلی میں منظم مزدور بل پاس کیا گیا۔ بائیں محاذ حکومت نے گھر کا کرایہ الاؤنس ایکٹ میں بھی ترمیم لاکر واجب الادا گھر کے کرایہ الاؤنس کو ۲½ فیصد سے بڑھا کر پانچ فیصد کر دیا۔ پیشہ ورانہ اداروں کے ملازمین کو دکان اور ادارہ ایکٹ کے دائرہ عمل میں لایا گیا، اس مقصد کے لئے مذکورہ ریاستی ایکٹ میں ترمیم لائی گئی۔ ریاستی حکومت نے سنہ ۱۹۷۹ء میں ٹریڈ یونین بل میں ترمیم لائی اور اس بل میں مالکوں سے بات چیت کرنے والے ایجنٹوں کے انتخاب کی گنجائش رکھی گئی۔ اس ترمیمی بل کو صدر ہند کی منظوری کے لئے بھیج دیا گیا، لیکن ابھی تک اسے صدر کی منظوری کا انتظار ہے۔ ریاستی حکومت اب اس بات پر از سر نو غور کر رہی ہے کہ اس سلسلہ میں مزید قانون مرتب کئے جائیں یا نہیں۔ دیگر ریاستوں سے آکر اس ریاست میں کام کرنے والے مزدوروں کو زیر اختیار رکھنے اور ان کے لئے رفاہی اقدامات کرنے کے سلسلے میں ریاستی حکومت نے بین ریاستی مہاجر مزدور قوانین مرتب کئے۔ بچوں کے روزگار کے سلسلے میں حکومت نے ریاستی مزدور بچوں کا مشاورتی بورڈ قائم کیا ہے۔ اس بورڈ کے ذمے یہ کام دیا گیا ہے کہ وہ مزدور بچوں کے مسائل کا جائزہ لے اور ان کے تحفظ اور رفاہ کے لئے ضروری اقدامات کی تجویز پیش کرے۔

غیر منظم سیکٹر میں حکومت نے مزید نو اقسام کے کام کاج میں

کم اجرتوں کی شرحیں مقرر کر دی گئیں اور مزید ۱۱ کام کاج کے لئے
سے کم اجرت کی شرحیں [illegible] کی گئیں۔ بیڑی بنانے والوں اور دیگر کی مزدوری
م سے کم شرحوں میں [illegible] کرنے کے بعد اضافہ کر دیا گیا۔ کم
کم اجرت ایکٹ ۱۹۴۸ء کی بہتر طور پر تکمیل کے لئے بلاک سطح پر کم
کم اجرت انسپکٹروں کی تقرری کی گئی تاکہ معاملات کار کنندگان
حکومت کی مقررہ شرحوں پر کم سے کم اجرتیں ملیں۔

زیر غور عرصے میں ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے میدان میں
ی ترقی کی گئی۔ ۱۹۸۱ء اسکیم کے تحت بیمہ شدگان کی تعداد ۶ء۱۰
سے بڑھکر ۳ء۱۲ لاکھ اور اسکیم سے مستفید ہونے والوں کی
اد ۴۴ لاکھ سے بڑھکر ۵۲ لاکھ ہو گئی۔ اس عرصے میں ای۔ ایس۔ آئی
سپتالوں کی تعداد اور بیمہ شدہ مریضوں کے علاج کیلئے بستروں کی تعداد
الترتیب ۹ سے بڑھکر ۱۲ اور ۲۰۵۵ سے بڑھکر ۳۱۵۵ ہو گئی۔ شمالی
ضلع ۲۴ پرگنہ میں ۳۰۰ بستروں کا ایک ای ایس آئی ہسپتال
کرنے کا کام جاری ہے۔ ہسپتالوں میں بہتر طبی سہولتیں فراہم
نے کے پیش نظر بہتر سے بہتر ڈاکٹروں کی کافی تعداد میں تقرری
لئے مرکوز طور پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ایسے ہسپتالوں کی کارگزاری
ظر رکھنے کے لئے مشاورتی کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے
پہلی بار اس ریاست میں ۱۹۸۰ء سے مذکورہ اسکیم کے تحت آؤٹ
ر علاج کی سہولتیں فراہم کیں۔ یہ کام اب بھی جاری ہے۔ اس مقصد کے
اب تک ۱۶ اسپیشلسٹ شفا خانے قائم کئے گئے۔ اس عرصے میں مزید ۱۵
ہولڈری ادویہ کی دکانیں کھولی گئیں۔ ایمبولنس گاڑیوں کی تعداد بھی گیارہ
سے بڑھکر بیس تک ہو گئی۔

۱۹۷۷ء میں بائیں محاذ نے تبادلۂ روزگار کے دفاتر کے ذریعہ
نی بھرتی کی پالیسی کو اپنایا اور اس پالیسی کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے
اس پالیسی کی تکمیل کے لئے ضروری انتظامی اقدامات کئے گئے ہیں۔
روزگار کے متلاشیوں کے لئے اس حکومت نے مزید ۲۵ تبادلۂ
روزگار کے دفاتر اور مزید ۴۲ روزگار اطلاعات و امدادی بیورو کھولے۔
ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر سب ڈویژن میں
تبادلۂ روزگار کا کم سے کم ایک دفتر قائم کیا جائے۔ اس فیصلے کو مکمل
طور پر روبہ عمل لایا گیا۔ ہر مرکز میں کام کاج کی دیکھ بھال کے لئے ایک

مشاورتی کمیٹی بھی قائم کی گئی۔ اس ریاست میں ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۲ء
کے دوران تبادلۂ روزگار کے دفاتر کے ذریعہ ... بے روزگاروں
کے لئے روزگار فراہم کیا گیا۔ بائیں محاذ حکومت کی بے روزگار امداد
اسکیم پر یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس اسکیم
سے ۲۷ء۴ لاکھ بے روزگار مستفید ہوئے اور اس سلسلہ میں ریاستی
حکومت نے ۱۳ء۶۰ کروڑ روپئے خرچ کئے۔ بے روزگار امدادی اسکیم
سے مستفید ہونے والے تقریباً ۵۰۰ء۲ افراد کو مختلف کام کے
پروگرام سے وابستہ کر دیا گیا اور اس طرح تقریباً ۱۵ لاکھ کام کے دن
پیدا کئے جا سکے۔

تربیتی تنظیم کو مستحکم بنایا گیا۔ جدید پیشہ ورانہ کام
کے اکیس نئے یونٹوں میں تربیت کا انتظام کیا گیا۔ ایسی تربیت سے
تربیت یافتگان کو ملازمت پانے میں یا خود روزگار کام کرنے میں آسانی
ہو گی۔ اس مقصد کے لئے بہت سارے صنعتی تربیتی اداروں اور مرکزوں
میں تربیت کے انتظامات کئے گئے ہیں۔ ان پیشہ ورانہ کام میں جن کی
تربیت کے لئے صنعتی تربیتی اداروں میں بھی سہولتیں فراہم نہیں
ہیں۔ تربیت دینے کے لئے ایک نیا بنیادی تربیتی ادارہ قائم کیا گیا
ہے۔ ریاستی حکومت نے کلکتہ کے نزدیک سالٹ لیک کے علاقہ
میں مرکز کو ۱۲۰ بیگہ قطعات آراضی دیئے تاکہ یہاں مرکزی/اسٹاف تربیتی
اور تحقیقی انسٹی ٹیوٹ قائم کر سکے۔

مزدوروں کو اور بھی زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کے پیش
نظر مغربی بنگال مزدور رفاہ بورڈ نے تین اور تفریحی مکانات تعمیر
کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ مزدوروں کی مزید فلاح و بہبود کے
لئے یہ بورڈ ۲ اور ماڈل ویلفیئر سنٹروں سے بات چیت کر رہا ہے۔
"اپنا گھر تعمیر کرو" اسکیم کے تحت اس بورڈ نے بیڑی بنانے والے
مزدوروں کو ۲۰۷۹۰۰ روپئے دئے۔

مزدوروں کی فلاح و بہبود کے انتظامی میدان میں مختلف
سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے ریاستی حکومت کو بہت سارے
بندشوں کے تحت کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اجتماعی بات
چیت کو ضرور بڑھانے کے لئے حکومت کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ
اس ریاست میں عام طور پر محنت کش طبقہ کو کافی فائدہ پہنچا۔

(باقی ص۔ آپر)

ڈاکٹر حسن اللہ

احسان دانش کی شاعری

احسان الحق کا وطن باغپت ضلع میرٹھ ہے۔ ان کے والد کا نام قاضی دانش علی تھا۔ احسان کی پیدائش کاندھلا ضلع مظفر نگر میں ۱۹۱۴ء کو ہوئی۔ والدین کے نامساعد حالات کی بنا پر احسان کی تعلیم چوتھی جماعت سے زیادہ نہ ہو سکی۔ اس زمانے تک عربی اور فارسی زبانوں میں کچھ استعداد پیدا ہو چکی تھی اور وہ تعلیم کو نامکمل چھوڑ کر معاش کے لئے نکل پڑے، کاندھلا اور دہلی میں چند طرح کے دھندے کرتے رہے اس کے بعد لاہور چلے آئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لاہور میں انہوں نے مکتبۂ دانش قائم کیا اور یہیں لاہور میں ۲۲ مارچ ۱۹۸۲ء میں انتقال کیا۔

احسان دانش کا پہلا مجموعۂ کلام "حدیثِ ادب" کے نام سے مکتبۂ دانش سے شائع ہوا۔ اسی مجموعے کے نشر و اجرا سے مکتبۂ دانش کی بنیاد لاہور میں پڑی تھی اور اس کے بعد حسب ذیل مجموعے شائع ہوئے۔

دردِ زندگی، نظیرِ فطرت، چراغاں، نوائے کارگر، آتش خاموش، جادۂ نو، زخم و مرہم، شیرازۂ مقامات اور گورستان۔

احسان دانش کی شاعری کا ماحول پہلی جنگِ عظیم کا زمانہ تھا، ہندستان میں ایک مخصوص بیداری کا پھیل رہی تھی اور انقلابی رجحانات بڑی تیزی سے شاعری میں راہ پا رہے تھے اور سماجی دکھوں کا بھرپور اظہار اس دور کی شاعری کا طرۂ امتیاز بن رہا تھا۔ اسی لئے احسان عصری مقبول رنگ سے متاثر ہوئے اور زیادہ تر اپنے تلخ تجربوں اور مشاہدوں سے مجبور ہو کر انہوں نے اپنی شاعری کا موضوع محنتی مزدور کی زندگی قرار دیا، اسی دکھی طبقہ کی ترجمانی شاعر کی فن کاری بھی تھی اور اس کے خون میں شامل بھی تھی۔ اسی لئے ان کی شاعری کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ سچ ہے کیونکہ وہ پہلے ایک مزدور تھے، پھر ایک شاعر مزدور بھی۔ اس زمانے کے مشاعروں میں پڑھنے والوں کے درمیان احسان کا نام سرفہرست شمار کیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کے شعرا کے کارناموں پر تنقیدی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احسان دانش ۱۹۲۶ء میں اردو شاعری کے افق پر ابھر کر آفتاب بن گئے اور چمکنے لگے اور وہ سارے ہندستان کے ایک مزدور شاعر قرار دیے گئے۔ احسان ذاتی تجربات کی بنا پر مزدور طبقہ کی ترجمانی اور مزدور طبقہ کی زندگی کی عبرتناک تصویریں منظوم کرنے میں عصرِ حاضر کے شعرا سے آگے نکل گئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ترقی پسند شعرا کھلے ہندوں مزدور کی جلتی پھرتی زندگی پر بہت اچھی شاعری پیش کرتے ہیں اور یہاں ترقی پسند شعرا مزدور کی المناکیوں پر مختلف تجربے شاعری میں بہت اچھی طرح سے منظوم کرتے ہیں مگر احسان کے یہاں ایک دوسری لَے ہے، ایک امر ضروری رچاؤ اور ایک "بر مزدور سپردگی" ہے۔ اردو شعرا کی کم تعداد ایسی ہے جنہوں نے اپنی زندگی مزدوروں کی زندگی کی طرح بسر کی ہو اور اردو شعرا کی ایک بڑی اکثریت مزدوروں کی المناک زندگی کی داستان سے صرف متاثر ہوتی ہے اور بس۔ مگر احسان کے یہاں سارے تجربات اور مشاہدات ایک مزدور کے ہیں جو شاعری کی زبان سے ادا ہوتے ہیں اور شاعر کی خود گزری اور آپ بیتی شاعری کے رنگ و چمن میں شیر و شکر ہو گئے ہیں۔

نظم "مزدور عورت" میں ایک دوشیزہ مزدور کا تعارف کراتے ہوئے احسان لکھتے ہیں ؎

یہ سماں اور اس میں اک دوشیزہ گھبرائی ہوئی
فکر میں کھوئی ہوئی افلاس کی کھائی ہوئی

یہ کیا جانے [illegible] کیسی ہوتی ہیں
یہ کیا جانے انجام عشرت لیتیں کیسی ہوتی ہیں
یہ التماس [illegible] مجبوری کو کیا جانے
[illegible] کیا سمجھے غم دوری کو کیا جانے

اپنی انقلابی شاعری کے ذریعہ احسان مفلس و نادار مزدوروں کی پامال زندگی کی اصلاح چاہتے ہیں۔ اس مقام پر آکر جوش ملیح آبادی کی طرح کبھی تو کبھی علامہ اقبال کے ہم خیال نظر آتے ہیں اور یہ کبھی یہ مسئلہ مصلحین کے سپرد کر کے خاموش ہو جاتے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کا ذہنی خلفشار انہیں قابو میں نہیں رہنے دیتا اور یہ بھی صحیح ہے کہ احسان رسمی و مذہبی قیود سے باہر نکل کر زندگی اور سماج کے بنیادی مسئلوں پر علمی و تحقیقی نگاہ نہیں ڈالتے۔ وہ سرمایہ داری اور اس کے جملہ اقسام کی سخت ترین مذمت تو کرتے ہیں مگر اپنی طبقاتی اہمیت کو زیادہ ضروری نہیں سمجھتے۔ احسان کی شاعری میں اقبال اور جوش کا رنگ اتنا گہرا نہیں ہے کہ ان کی شاعرانہ انفرادیت ختم ہو جائے۔ وہ اقبال اور جوش کے رنگ میں کلام پیش کرتے ہیں مگر اپنی انفرادیت کو لئے ہوئے رہتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ احسان کا مشاہدہ اتنا وسیع اور تیز ہے کہ وہ محض اسی کے بل بوتے پر واقعات کو بڑے شاعرانہ اور دلکش انداز میں پوری قدرت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

احسان کی رومانی نظمیں بڑی والہانہ ہیں اور ان میں حسن و عشق کے کیف و اثر میں ڈوبے ہوئے اشعار پائے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی رومانی نظموں میں بھی شدت جذبات پائی جاتی ہے مگر ایسے مقام پر آکر ان کی رومانی نظمیں بڑی لطیف اور نرم صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ زبان میں شیرینی اور حلاوت ہونے کی وجہ سے نظموں میں بڑی جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ واردات کا بیان ٹھہر ٹھہر کر بڑی تفصیل سے کرتے ہیں جس سے سارا منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ "صبح بنارس" اور "شام اودھ" نظموں میں بنارس کی صبح اور شام اودھ کے منظر آنکھوں میں پھرنے لگتے ہیں۔ بنارس کی صبح کی فطری دلکشی ان کی شاعری میں بیان ہونے سے کسی طور بھی باقی نہیں رہ جاتی اسی طرح اودھ کی شام کی فطری دلفریبیاں ان کی شاعری میں بڑے حسن سے بیان ہو جاتی ہیں۔ یہاں "شام اودھ" نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

غم کے گہوارے [illegible] کی حسرتیں پالے ہوئے
[illegible] دم زمیں پر [illegible] ڈالے ہوئے
دلبروں کی بزم [illegible] جلا
[illegible] سے فاقوں نے دانی رکھ [illegible]
[illegible] گرد آلود سے تابدار
مفلسی کی [illegible] میں پنہاں جوانی کے شرار
مضمحل [illegible] آشکار
[illegible] ہوئے سر پر کے دوپٹہ تار تار
[illegible] عرق رخسار کا
جاگ اٹھتا ہے شباب سر و اسن نادار کا
پیشوایان محبت کیوں نہیں دیتے جواب
کس لئے پامال ہے اس رشک مریم کا شباب

٭٭٭

"ناقی سو خواب" "پاشا دھو کی چتا" ایسی بھیانک نظمیں ہیں جو کوئی دوسرا شاعر شاید ہی لکھ سکے۔ مزدور کی عام معاشرتی زندگی کی تصویریں "[illegible] کی" "گھاس والی" "بیگانہ انجام" "جشن بے چارگی" "مزدور کی شام" "مزدور عورت" "موج بیاباں" "مزدور کی بیوہ" "گراں لے" اور "غم وہ" جیسی بہت ساری نظموں میں پائی جاتی ہیں۔

ان خوبیوں کے باوجود بعض اوقات احسان اپنے کلام میں سخت ترین [illegible] پیدا کر دیتے ہیں جس کی زمین شاعری متحمل نہیں ہو سکتی مگر جذبات کی [illegible] میں بھی کہیں کہیں تلخ تجربات کو احسان اپنی شاعری میں مترنم کیف [illegible] دیتے ہیں۔ نظم "بیگانہ انجام" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

یہ دوشیزہ جو ہے محفوظ ہاتھوں سے زمانے کے
یہ کیوں کر مسکرائے، ہیں یہی دن مسکرانے کے
جبیں پر تمتماہٹ سرخ ڈورے چشم میگوں میں
نگاہیں سرنگوں ڈوبی ہوئی نازوں کے افسوں میں
لب لعلیں میں ہے کیا آرزو میں گلفشانی کی
حریم ناز میں شورش ہے [illegible] جوانی کی!!!

٭٭

دوست یہ شام اودھ بے کیف ہے تیرے بغیر
یہ شفق کے سرخ سائے یہ گلابی سبزہ زار
جھاڑیوں پہ سانس لیتا رہ گزاروں کا غبار
سیکڑوں خودروں کی تابانی پہ تسکینی کا بار
دوست یہ شام اودھ بے کیف ہے تیرے بغیر

احسان نے غزلیں بھی کہی ہیں مگر ان کی غزلیں انکی نظموں کے مقابلے میں پھیکی ہیں، وہ جس تفصیل و وضاحت کے عادی ہو چکے ہیں وہ غزل کو بے کیف و بے رنگ بنا دیتی ہے۔ تاہم ان کی غزلوں میں جذبات کی آئینہ داری ضرور ملتی ہے۔ بالخصوص تقسیم ہند کے بعد انکی غزلوں میں ایک طرح کا نکھار پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یہاں ایک غزل کے دو اشعار مثال کے لئے پیش کئے جاتے ہیں ؎

تجھے کس طرح بتاؤں کہ ہے محترم کہاں تک
مرے عشق کی نظر میں ترے حسن کا زمانہ
یہ اڑی اڑی سی رنگت یہ کھلے کھلے سے گیسو
تری صبح کہہ رہی ہے تیری رات کا فسانہ

ان کی تازہ غزلوں میں تصوف تو نہیں مگر معرفت و آگہی کی جھلک ضرور پائی جاتی ہے جو ان کے تغزل کو ایک جداگانہ رنگ دیتی ہے۔ ورا اولین کی ایک غزل کے یہ اشعار ہیں ؎

کیا فسوں تجھ میں نگاہِ نرگسِ مستانہ تھا
لاکھ فرزانوں سے فرزانہ ترا دیوانہ تھا
دیدۂ موسیٰ پہ تڑپی اس طرح کچھ برقِ طور
کوئی سمجھے مضطرب خود جلوۂ جانانہ تھا

ترنم ان کے کلام کا خاص وصف ہے، انہیں لطیف و نادر تشبیہات و استعارات کے استعمال پر خاص قدرت حاصل ہے اور حقیقی ابھرتی تشبیہوں اور لفظوں کے استعمال کا ہی کمال ہو جاتا ہے اور انکی

زبان بڑی شگفتہ اور پاکیزہ ہے۔

احسان دانش کی دورِ ثانی کی ایک بڑی مشہور غزل ہے اور بہت مشہور ہے۔ اس غزل کے چند اشعار آنکھوں کو خیرہ کر دیتے ہیں ؎

عکس ہیں یا ہم پسِ جلوہ جانانہ ہم
آشنا کے آشنا، بیگانہ کے بیگانہ ہم
تجھ کو کیا معلوم گزری کس طرح فرقت کی رات
کہہ پھرے اک اک ستارے سے ترا افسانہ ہم
یہ ارادہ ہے پہن کر اک گدایانہ لباس
خلق کو تڑپائیں کچھ کہہ کر ترا افسانہ ہم
ہے دمِ آخر سرہانے لوریاں دیتی ہے موت
سنتے سنتے کاش سو جائیں ترا افسانہ ہم

یہاں ان کے جذبات تغزل و ترنم کے کوثر و تسنیم میں ڈوبے ہوئے ہیں اور غزل پڑھتے ہوئے ہر ذی گر پر یہ احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے غزل کی ایک نئی سبیل دریافت کر لی ہے۔

احسان دانش نے اردو نظموں میں اپنے کو پا لیا تھا۔ وہ نظموں کی وجہ سے ایک شاعر مزدور پہچانے گئے۔ انہوں نے رومانی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ انکی رومانی نظموں میں غزل کے محاسن پائے جاتے ہیں، وہ اپنی رومانی نظموں میں جس تفصیل و وضاحت سے مناظر فطرت اور حسن و عشق کا بیان کرتے ہیں، ان کا اردو غزل میں احاطہ مشکل ہے۔ وہ اپنی انقلابی نظموں کے ذریعہ مفلس و نادار مزدور کی زندگی کی اصلاح کے مدعی ہیں۔

احسان دانش نے غزلوں میں بھی اپنا جدید رنگ تغزل دریافت کیا تھا، انکی غزلوں کی کائنات ان کی نظموں کے مقابلے میں کم ہے مگر انہوں نے زندگی کے ہر دور میں غزل کی آبرو کی لاج رکھ لی تھی، وہ غزل کے میدان میں بڑی آن بان سے آتے اور انہوں نے عشق کی روایت سے اپنی گہری شیفتگی اور دلچسپی کا ثبوت دیا ہے۔ آج وہ دنیا سے اردو سے رخصت ہو چکے ہیں مگر ان کے منفرد رنگ سخن کی شاعری کے گہرے نقوش ادب اردو سے مٹائے نہ مٹ سکیں گے۔



[بشکریہ "پاسبان" حیدرآباد]

مغربی بنگال کا
صنعتی خاکہ

ہندوستان میں صنعت کاری کی ابتدا بنگال میں ہوئی اور عرصہ دراز تک بنگال ہی کو ملک کے صنعتی میدان میں اہم ترین اور اول مقام حاصل رہا۔ آزادی کے بعد دیگر ریاستوں نے بھی صنعتی میدان میں کافی ترقی کی لیکن اب بھی مغربی بنگال ہندوستان کی ایک اہم صنعتی ریاست ہے۔ اس ریاست میں صنعتی افزائش کے لئے قدرتی سہولتیں: خام اشیاء کی کثرت، کوئلہ اور لوہے کی کانوں سے نزدیکی، رسل و رسائل کی سہولتیں، کلکتہ بندرگاہ اور اس کے عقب میں زرخیز اور صنعتی علاقے، سستی مزدوری اور باہنر تکنیکی افراد فراہم ہیں۔

پاٹ اور چائے جیسی روایتی صنعتوں کے علاوہ مغربی بنگال کو لوہا اور اسپات، کھاد، تار انجینئرنگ صنعت، سوتی کپڑے، ربر، کاغذ، کیمیاوی اشیاء، موٹر گاڑیاں، ادویہ وغیرہ کی صنعتوں میں بھی بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اس ریاست کو بڑی بڑی مشینیں جیسی اسٹیل مل مشینیں، ریلوے کے ڈبے، کان کنی کی مشینیں، بھاری ڈھلائی، بڑی بڑی گاڑیاں وغیرہ تیار کرنے میں مہارت حاصل ہے۔ صارفین کے استعمال کی چیزیں جیسے بجلی پنکھا، سلائی کرنے کی مشین، اسٹیل فرنیچر وغیرہ تو اس ریاست کی کافی مشہور مصنوعات ہیں۔

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کی صنعتی پالیسی کے بنیادی مقاصد یہ ہیں کہ صنعتی افزائش کی ہمت افزائی کی جائے، بے روزگاری میں کمی کی جائے، روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں اور چھوٹی اور دیہی صنعتوں کو فروغ دیا جائے۔

بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتوں کیلئے سہولتیں:

ریاستی حکومت کا قائم کردہ مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن بڑی اور متوسط درجہ کی صنعتی یونٹوں کو کافی سہولتیں اور امداد فراہم کر رہا ہے۔ ایسی صنعتوں کو خریداری میں رعایت، انجیا کی فراہمی میں رعایت، ترقیاتی اور دیگر سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کارپوریشن نے اب تک ۳۶۸ چالو یونٹوں کو پروجیکٹ کے اخراجات کے لئے ۲۶۶ر۱۲ کروڑ روپئے بطور امداد فراہم کئے۔

مغربی بنگال کے ہلدیا میں پٹرو-کیمیکل اور بنیادی کیمیاوی صنعت، درگاپور میں کوئلہ پر مبنی کیمیاوی صنعت، سالٹ لیک (کلکتہ) میں الکٹرونکس کی صنعت، کھڑگپور، کلیانی، نیہاٹی اور اُلوبیڑیا میں جدید انجینئرنگ صنعت، مغربی دیناج پور، بانکوڑا، مدناپور اور ہگلی میں سوتی کپڑے کی ملیں، پرولیا، بانکوڑا، بیربھوم اور دارجلنگ میں معدنیات اور زراعت پر مبنی صنعت اور کلکتہ، کلیانی اور دارجلنگ میں ادویہ سازی کی صنعت کی افزائش کے امکانات کافی روشن ہیں اسی لئے ریاستی حکومت نے انکی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔

صنعتی صورت حال میں بہتری اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ سنہ ۸۰-۱۹۸۱ء کے دوران مغربی بنگال میں رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد میں ۶۸۱ کا اضافہ ہوا اور منظور کردہ پروجیکٹوں کی تعداد ۵۱۷ تھی اور ان کے سرمایہ کے لئے تخمیناً ۹۵۲ر۱۹ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوئی اور صنعتی پیداوار کا اشاریہ بھی سنہ ۱۹۸۰ء میں ۱۱۷ر۳۶ سے بڑھ کر سنہ ۱۹۸۱ء میں ۱۲۰ر۴۴ ہو گیا۔

معدنیات اور بجلی:

معدنیات پیدا کرنے والی ریاستوں میں بہار کے بعد مغربی بنگال کا ہی نمبر آتا ہے۔ مغربی بنگال کی معدنی پیداوار ہندوستان کی کل معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ ہے۔ کوئلہ اس ریاست کی اہم معدنی پیداوار ہے اور اس ریاست کی نوے فیصد معدنی پیداوار کوئلہ ہے اور یہاں جتنا کوئلہ حاصل کیا جاتا ہے وہ سارے ہندوستان میں کوئلہ کی مجموعی پیداوار کا تقریباً تیئس فیصد حصہ ہے۔ مغربی بنگال میں کوئلہ کی پیداوار سنہ ۱۹۸۰ء میں ۱۹۰ر۷ لاکھ ٹن سے بڑھ کر سنہ ۱۹۸۱ء میں ۲۰۹ر۷ لاکھ ٹن ہو گئی۔ اس ریاست

[illegible] ... گرچہ [illegible]

یا ... تاہم موجودہ ریاستی حکومت نے اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے چند لمبے عرصے کے اور چند مختصر عرصے کے اقدامات ... چند یونٹیں چالو ہو گئی ہیں اور اس طرح گزشتہ پانچ برسوں میں بجلی کی پیداوار میں ۵۵۰ میگاواٹ کا اضافہ ہوا۔ چھٹے منصوبہ میں ۱۷۸۸ میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کے لئے پلانٹ کی تنصیبات کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ چھٹے منصوبہ کے آخر میں بجلی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

روزگار: صنعتی افزائش کی تیز رفتاری کی وجہ سے اس ریاست میں اوسطاً روزانہ روزگار کے دنوں کی تعداد سنہ ۱۹۷۹ء میں ۸ء۵۷ سے اور سنہ ۱۹۸۰ء میں ۸ء۷۵ لاکھ سے بڑھکر سنہ ۱۹۸۱ء میں ۸ء... لاکھ ہو گئی۔ اس ریاست میں منظم سیکٹر میں برسر روزگار افراد کی تعداد سنہ ۱۹۷۹ء میں ۲۵ء۲۶ لاکھ، سنہ ۱۹۸۰ء میں ۲۵ء۷۷ لاکھ اور ۱۹۸۱ء میں ۲۶ء۱ لاکھ تھی۔ ریاستی حکومت کے دفتروں میں سنہ ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۰ء کے درمیان تقریباً ۵۰ ہزار مزید خالی آسامیاں پیدا کی گئیں۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۷۶ ہزار بے روزگار نوجوانوں کو بے روزگاری امداد دی گئی۔

ریاست انجینئرنگ اور نباتاتی تیل کی ۱۲ بیمار صنعتوں کی ذمہ داریاں ریاستی حکومت نے سنبھال لی ہیں۔ اس اقدام سے تقریباً ۳۰ ہزار مزدور مستفید ہو رہے ہیں۔ ان بیمار صنعتوں میں سے بہت ساری صنعتیں اب آہستہ آہستہ صحت یاب ہوتی جا رہی ہیں۔

صنعتی تعلقات: قانونی ٹریڈ یونین ازم اور مصالحت کے ذریعہ تنازعات کے تصفیہ کی ہمت افزائی کرنے کی سرکاری پالیسی کی وجہ سے اس ریاست میں صنعتی تعلقات کی بہت ہی اچھی اور سازگار فضا پیدا کی گئی۔ اس کے نتیجے میں ہڑتال، تالہ بندی، چھٹنی اور کام سے بٹھا دینے کے واقعات کی تعداد میں کافی کمی ہو گئی ہے۔

سنہ ۱۹۸۰ء اور سنہ ۱۹۸۱ء کے درمیان ہڑتال کی تعداد ۸۷ سے کم ہو کر ۴۴، تالہ بندی کی تعداد ۱۳۵ سے کم ہو کر ۱۲۲ اور چھٹنائی کی [illegible] سنہ ۱۹۸۱ء ... معاملت کے ذریعہ ۳۴۰۷ ... فیصد ہڑتالوں اور تالہ بندی کے تنازعات کا تصفیہ ہو گیا۔

دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں:

دیہی صنعت اور دستکاری: خاص طور پر ہتھ کرگھے، ریشم، چمڑا، کانسہ، پیتل، مٹی کے کھلونے، ہاتھی دانت کی مصنوعات وغیرہ تو مغربی بنگال کی میراثی صنعتیں ہیں۔ ہتھ کرگھے میں، جو اس ریاست کی سب سے اہم دیہی صنعت ہے، پیداوار سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۲۸ء۵ کروڑ میٹر سے بڑھکر سنہ ۸۳-۱۹۸۲ء میں ۳۱ء۵ کروڑ میٹر ہو گئی۔ اسی طرح خام ریشم کی پیداوار سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۵ء۵۳ لاکھ کیلوگرام سے بڑھکر سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۶ لاکھ کیلوگرام ہو گئی۔ چمڑے کی صنعت نے بھی کافی ترقی کی۔ گزشتہ چند برسوں میں اس صنعت کی یونٹوں کی تعداد میں اور پیداوار میں کافی بہتری ہوئی اور اس میں برسر روزگار افراد کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا۔ دیہی صنعتوں کے فروغ میں امداد باہمی شعبہ پر ریاستی حکومت نے خصوصی زور دیا ہے اور دیہی صنعت کاروں کو بہت ساری سہولتیں بھی ریاستی حکومت فراہم کر رہی ہے۔ حکومت کے زیر انتظام ہتھ کرگھے، بجلی کرگھے، دستکاری، چمڑا وغیرہ کی صنعتی یونٹوں کی رفتار ترقی کافی تشفی بخش ہے۔

چھوٹے پیمانہ کی صنعت کی رجسٹرڈ یونٹوں کی تعداد سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۱۱۵۲۹۴ سے بڑھکر ستمبر سنہ ۱۹۸۲ء میں ۱۲۳۹۰۲ ہو گئی۔ اس عرصہ میں مزید ۱۵۰۰۰ سے زیادہ لوگوں کے لئے روزگار فراہم کیا گیا۔ ریاستی حکومت نے چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کی بہتری اور ترقی کیلئے بہت سارے خصوصی پروگراموں کو بر سر عمل لایا۔ ریاستی حکومت ایسی یونٹوں کے لئے نہ صرف مالی سہولتیں اور خام اشیاء فراہم کرتی ہے بلکہ وہ انکی مصنوعات کی فروخت کا بھی انتظام کرتی ہے۔ مغربی بنگال کی حکومت چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کو کام کرنے کے سرمایہ بطور قرض، مشاورتی خدمات، بجلی کی فراہمی، سیلس ٹیکس، انٹری ٹیکس کے سلسلے میں حساب و کتاب، کارخانہ کے شیڈ کا کرایہ وغیرہ کے سلسلہ میں سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹ کو فروغ دینے کے لئے ریاستی حکومت کی ایجنسی کے طور پر مغربی بنگال چھوٹے

(باقی صفحہ ... پر)

عوامی تعطیلات سنہ ۱۹۸۴ء

حکومت مغربی بنگال نے اپنے شعبہ مالیات کے اعلانیہ نمبر ۱۳۲۲۶ الف کے ذریعہ ۱۹۸۴ء سال کے مندرجہ ذیل دنوں کو عوامی تعطیلات کے دن قرار دیا۔

نیتاجی کا جنم دن ۔ ۲۳ر جنوری، یوم جمہوریہ ۔ ۲۶ر جنوری، شری پنچمی ۔ ۷ر فروری، دول جاترا ۔ ۱۷ر مارچ، بنگلہ نئے سال کا پہلا دن ۔ ۱۳ر اپریل، گڈ فرائیڈے ۔ ۲۰ر اپریل، یوم مئی ۔ یکم مئی، بینک اکاؤنٹس کی نصف سالانہ بندی ۔ ۳۰ر جون، یوم آزادی ۔ ۱۵ر اگست،

عیدالاضحیٰ ۔ ۷ر ستمبر، مہالیہ ۔ ۲۴ر ستمبر، درگا پوجا، سپتمی ۔ یکم اکتوبر، درگا پوجا اشٹمی اور گاندھی جی کا جنم دن ۔ ۲ر اکتوبر، درگا پوجا نومی (نوکن) ۔ ۳ر اکتوبر، درگا پوجا دشمی (دوسرا دن) ۔ ۴ر اکتوبر، محرم ۱۰ر اکتوبر، لکشمی پوجا ۔ ۹ر اکتوبر، کالی پوجا ۔ ۲۲ر اکتوبر، گرونانک کا جنم دن اور پارس ناتھ کا رتھ جاترا ۔ ۸ر نومبر، میلاد النبیؐ ۔ ۱۴ر دسمبر، کرسمس ڈے ۔ ۲۵ر دسمبر، بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی ۔ ۳۱ر دسمبر۔

نوٹ: (الف) ۔ این آئی ایکٹ کے تحت اتوار تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔

(ب) ۔ اگر مسلمانوں کا تہوار اس دن نہ ہو جس دن کا ذکر مذکورہ بالا فہرست میں کیا گیا ہے تو مسلمان سرکاری ملازمین کو اعلان کردہ دن کے ساتھ ساتھ اس دن بھی شعبہ جاتی چھٹی دی جائے گی جس دن وہ تہوار منائیں گے۔

(ج) ۔ چونکہ سنہ ۱۹۸۴ء میں جنم اشٹمی (۱۹ر اگست) اور عیدالفطر (یکم جولائی) اتوار کے دن ہیں اور این آئی ایکٹ کے تحت یہ تعطیلات کے دن ہیں، اس لئے انہیں عوامی تعطیلات کے دنوں میں شمار نہیں کیا گیا۔

* نیز ریزرو بینک اور سب ٹریژریز کے علاوہ دیگر سرکاری دفاتر ۳۰ر جون ۱۹۸۴ء اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو کھلے رہیں گے حالانکہ ان دنوں کو اس اعلانیہ کے تحت تعطیلات کا دن قرار دیا گیا۔

** اس کا اطلاق ان سرکاری دفتروں میں ہوگا جہاں مہینہ کے دوسرے سنیچر اور چوتھے سنیچر کو پوری تعطیل نہیں ہوتی۔

ریاستی حکومت نے اپنے اعلانیہ نمبر ۱۳۲۲۷ ۔ ایف مورخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۸۳ء کے تحت یہ اعلان کیا کہ ۱۹۸۴ء میں مندرجہ ذیل دنوں میں، جنہیں عوامی تعطیل کا دن قرار نہیں دیا گیا ہے، کلکتہ کے کنٹرولر آف انشورنس اور اسٹامپ ریونیو کے کلکٹر کے دفاتر کے علاوہ حکومت مغربی بنگال کے دیگر دفاتر بند رہیں گے۔

رابندر ناتھ ٹیگور کا جنم دن ۔ ۸ر مئی، درگا پوجا ۵، ۷ اور ۸ر اکتوبر ۱۹۸۴ء۔

اعلانیہ نمبر ۱۳۲۲۸ ۔ ایف مورخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۸۳ء کے تحت ریاستی حکومت نے مزید اعلان کیا کہ مندرجہ ذیل دنوں میں مختلف فرقوں کے ملازمین کے لئے شعبہ جاتی تعطیلات ہوں گی:

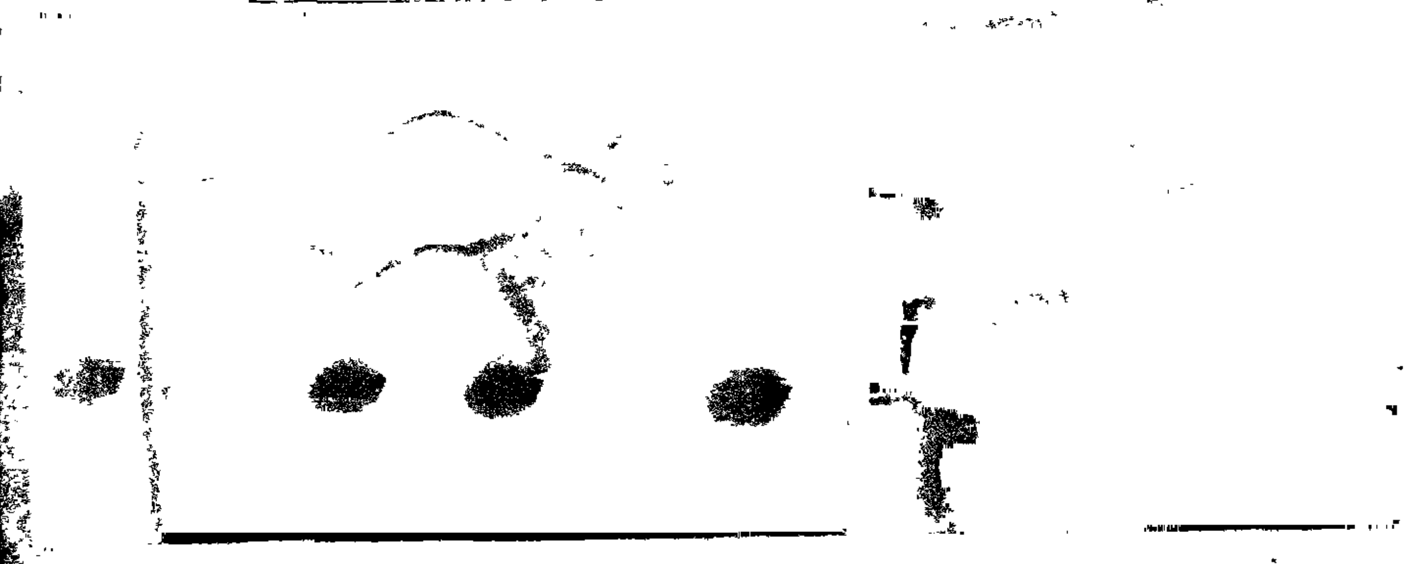
ایسٹر سٹرڈے (صرف عیسائیوں کیلئے) ــــ ۲۱ر اپریل
بدھ پورنیما (صرف بدھ مت والوں کے لئے) ــــ ۱۵ر مئی
بیساکھی (سکھوں کے لئے) ــ تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

نوٹ: ۱۹۸۴ء سال میں مہاویر جینتی (جینیوں کے لئے شعبہ جاتی تعطیل) بنگلہ سال کے پہلے دن (۱۴ر اپریل) کو پڑتا ہے اور ۱۳ر اپریل کو عوامی تعطیل کا دن قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے مہاویر جینتی کو مذکورہ فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔

ترسیل زر کا پتہ

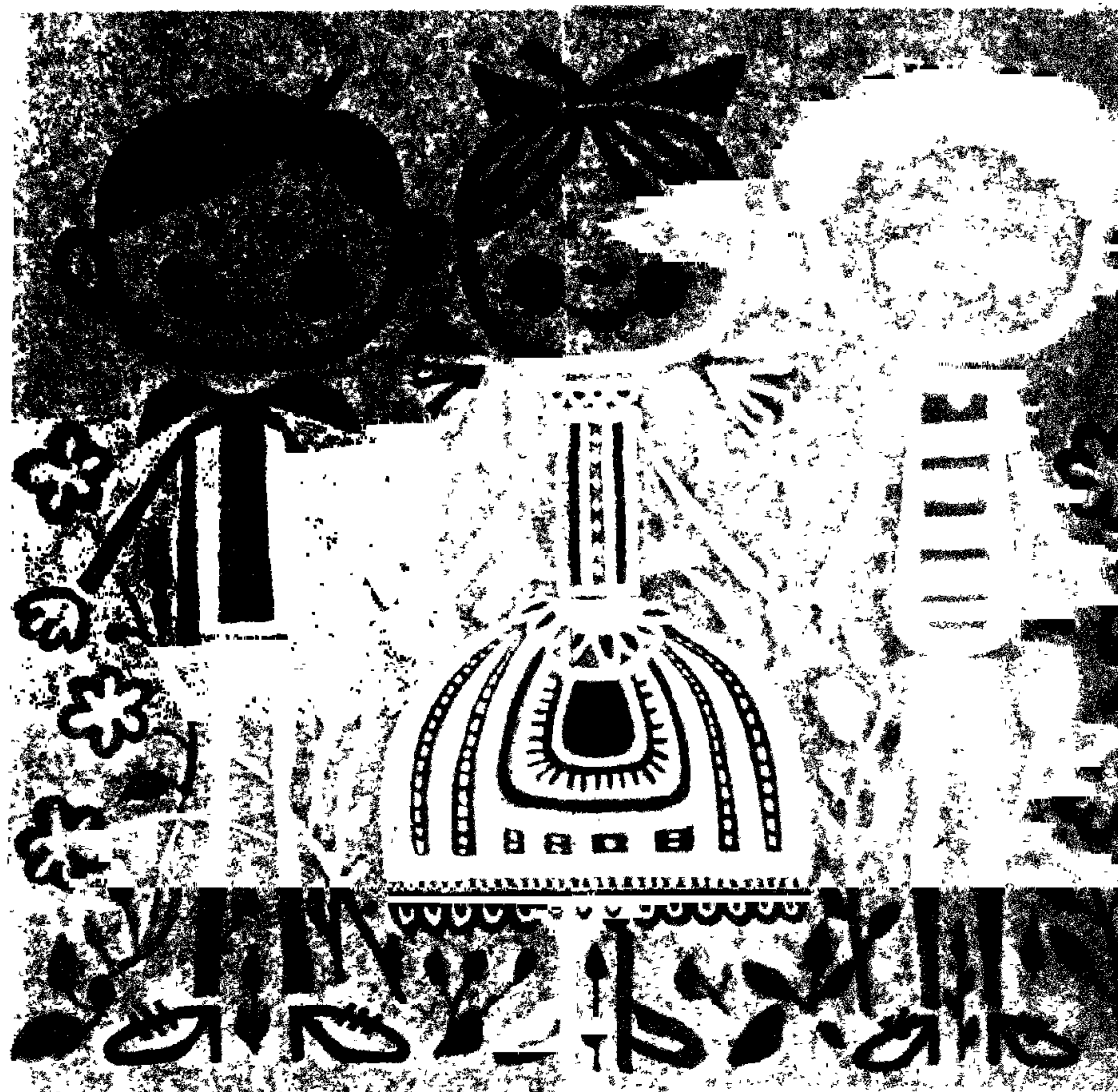
بزنس منیجر، حکومت مغربی بنگال
۳۴ر [illegible] روڈ، کلکتہ [illegible]

روسی سرکس ٹیم کلکتہ میں



MAGHREBI BANGAL
15th DECEMBER 198[illegible]

Regd. No. WB/C C
Vol. 30 No. 23
PRICE 25 Paise



Chief Editor: Pritindra Krishna Bhattacharya Editor. Dhirendra Dutta. Associate M D. Azam published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and printed by G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.